برِّصغیر اور پوری دنیا میں غلبۂ دین کا داعی

# نوائے غزوۂ ہند

شوال تا ذوالحجہ ۱۴۴۲ھ　　مئی تا جولائی ۲۰۲۱ء

بانی مُدیر: حافِظ طیّب نواز شہید رحمۃ اللہ علیہ

''اے میرے مسلمان بھائیو!
پس اصل راستہ یہ ہے کہ برما اور اُس کے مفادات کو اور اُس کے مجرموں کو جہاں تک ہماری رسائی ہو سکے، نشانہ بنائیں!!!''

فضیلۃ الشیخ **ایمن الظواہری** حفظہ اللہ




پس منظر میں 'مسلم' برما کا جلتا ایک قصبہ اور سامنے ایک بدھ جوگی 'روہنگیا مسلمان قابلِ قبول نہیں' کا اعلان کرتے ہوئے

# مرتدین کے خلاف جنگوں میں کامیابیوں پر

# خلیفۂ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا

# سیّدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے نام مکتوب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خلیفۂ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، ابوبکر کی طرف سے خالد بن ولید کے نام

''یہ کامیابیاں خدا کرے مزید کامیابیوں کا پیش خیمہ ہوں۔ اپنے سارے کاموں میں خدا سے ڈرتے رہو، خدا اُن لوگوں کا ساتھ دیتا ہے جو اس سے ڈرتے ہیں اور اچھے کام کرتے ہیں۔ إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوا وَّالَّذِينَ هُم مُّحْسِنُونَ ○ اسلام کی سربلندی اور ارتداد کے قلع قمع میں پوری تن دہی سے کام لو، ذرا بھی تساہل نہ ہونے پائے، جس شخص نے کسی مسلمان کو مارا ہو اور وہ تمہارے ہاتھ لگ جائے تو اس کو ضرور قتل کر دو، اور اس طرح قتل کرو کہ دوسرے عبرت پکڑیں۔ وہ لوگ جنہوں نے خدا کے حکم سے سرتابی کی ہو اور اسلام کے دشمن ہوں، ان کے قتل سے اگر اسلام کو فائدہ پہنچتا ہو تو قتل کر سکتے ہو۔''

(طبری ج: ۳، ص: ۲۳۳)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم


سابقہ نوائے افغان جہاد

# نوائے غزوۂ ہند

جلد نمبر: ۱۴، شمارہ نمبر: ۳

شوال تا ذوالحجہ ۱۴۴۲ھ — مئی تا جولائی ۲۰۲۱ء


بحمد اللہ... مسلسل اشاعت کا چودھواں سال!




ایک شخص نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا 'اے اللہ کے رسولؐ مجھے کوئی ایسا عمل بتا دیجیے جس کے ذریعے میں مجاہدین فی سبیل اللہ کے عمل (کے مقام) تک پہنچ سکوں'۔

رسولِ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اگر تُو رات کو قیام کرے اور دن کو روزے رکھے تب بھی تُو مجاہد کی نیند کے مقام کو نہیں پا سکتا!''

(کتاب السنن لسعید بن منصورؒ)

## اس شمارے میں




تجاویز، تبصروں اور تحریروں کے لیے اس برقی پتے (Email) پر رابطہ کیجیے:
editor@nghmag.com

www.nawaighazwaehind.co
www.nawai.io/Twitter
www.nawai.io/Channel
www.nawai.io/Bot
www.nawai.io/ChirpWire


**قیمت:** اس مجلّے کی قیمت آپ کی دعا...... اور اس دعوت کو فی اللہ آگے پھیلانا ہے!



**اعلانات از ادارہ:**

- بعض ناگزیر وجوہات کے سبب مجلّہ 'نوائے غزوۂ ہند' کا مئی، جون و جولائی (۲۰۲۱ء) کا شمارہ (مئی تا جولائی ۲۰۲۱ء) یکجا شائع کیا جا رہا ہے، اسی اعتبار سے شمارۂ ہٰذا کی ضخامت بڑھا دی گئی ہے۔
- مجلّہ 'نوائے غزوۂ ہند' میں شائع ہونے والے 'مستعار' مضامین (بشمول سوشل میڈیا پوسٹس/سٹیٹس/ٹویٹس) مجلّے کی ادارتی پالیسی کے مطابق شائع کیے جاتے ہیں اور ان مضامین وغیرہ میں موجود تمام خیالات اور ان کے مصنفین کے تمام افکار و آرا سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

’غزوۂ ہند‘ تمام اہلِ ایمان کا قضیہ ہے اور اس ’غزوے‘ کی حمایت و نصرت تمام اہلِ ایمان بالخصوص برِّ صغیر میں بستے اہلِ ایمان کا فریضہ ہے۔ ’غزوۂ ہند‘ کی دعوت کو پھیلانے اور مضبوط کرنے کی ایک کوشش کا نام ’نوائے غزوۂ ہند‘ ہے۔

نوائے غزوۂ ہند:

- اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کفر سے معرکہ آرا مجاہدین فی سبیل اللہ کا موقف مخلصین اور محبّینِ مجاہدین تک پہنچاتا ہے۔
- برِّ صغیر، افغانستان اور ساری دنیا کے جہاد کی تفصیلات، خبریں اور محاذوں کی صورتِ حال آپ تک پہنچانے کی کوشش ہے۔
- امریکہ، بھارت، اسرائیل اور اس کے حواریوں کے منصوبوں کو طشت از بام کرنے، اُن کی شکست کے احوال بیان کرنے اور اُن کی سازشوں کو بے نقاب کرنے کی ایک سعی ہے۔

اس لیے...... اسے بہتر سے بہترین بنانے اور دوسروں تک پہنچانے میں ہمارا ساتھ دیجیے!

editor@nghmag.com



# بجھا سکے گی نہ جن کو آندھی

**ایک** محترم عالمِ دین نے چند سال قبل مئی ہی کے مہینے میں کہا تھا کہ 'اپنے شہیدوں کی برسیاں منانا ہماری روایت نہیں ہے، لیکن جب ہمارے شہدا کی تاریخِ شہادت پر اہلِ کفر جمع ہو کر خوشیاں منائیں، تو ہم پر بھی لازم ہو جاتا ہے کہ اپنے شہیدوں کا ذکر ان تاریخوں میں ان کے دفاع کی خاطر کریں'۔ ولایتِ الٰہی کے عظیم مقام 'شہادت' پر فائز ان شہیدوں کا دفاع، محض 'دفاع' نہیں بلکہ ان کے 'مقاصدِ جہاد' کا بیان بھی ہے، وہ مقاصد جو دراصل 'مقاصدِ اسلام' ہیں۔

ہجرتِ رسولِ محبوب (علیہ ألف صلاۃ وسلام) سے لے کر آج تک، بلکہ قیامت کے قائم ہونے تک، اسلام کے تمام سالوں میں 'بہار' کا موسم کبھی خزاں کا شکار نہیں ہوا، نہ ہو گا۔ یہ بہار 'شہادتوں' کی بہار ہے۔ اس ابدی موسم میں گلاب و لالہ ہر وقت 'سرخ رُو' رہتے ہیں۔ لیکن ہمارے خِطّے کی مناسبت سے دو قد آور شہید شخصیتوں کا ذکر حالیہ دنوں میں ہم پر خصوصاً لازم ہے۔ تاریخی اعتبار سے، پہلی شخصیت، امیر المومنین، سیّد المجاہدین، قاطعِ شرک و بدعت، حضرت سیّد احمد شہید، رحمۃ اللہ علیہ کی ہے اور دوسری شخصیت امیر مجاہدین العرب والعجم، شیرِ اسلام، فخرِ ملت، محسنِ امت حضرت اسامہ بن لادن شہید، رحمۃ اللہ علیہ کی۔ ان دونوں حضرات میں بہت سی قدریں اور صفات مشترک ہیں، بعض کا ذکر یہاں کیا جا سکتا ہے اور بعض کا محل یہاں نہیں۔

برِّ صغیر آج سے پانچ صدیاں قبل 'اکبر' کے زمانے میں جس اندھیرے کا شکار ہوا اور جس اندھیرے کو حضرت مجدد الفِ ثانیؒ نے مٹایا، اسی طرح کی تدریجی بے دینی کی ظلمات ڈھائی صدیاں قبل پھر برِّ صغیر پر چھا رہی تھیں جب اللہ نے حضرت سیّد احمد شہید کے ذریعے اپنے دین کی تجدید کا کام لیا۔ سیّد بادشاہ نے نفاذِ شریعت کی محنت کا کام ہر ہر زاویے سے کیا۔ آپ نے مدرسوں اور خانقاہوں میں مجاہدین پیدا کیے اور میادینِ جہاد میں علم و تزکیے کے حلقہ جات قائم کیے۔ شرک و بدعت کا قلع قمع قوتِ امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے کیا۔ فکری و عملی جمود کو توڑا اور دعوت و جہاد کے ذریعے اقامتِ خلافت اور اسلامی امارت کی بنیاد رکھی۔ دنیادار امیروں اور خوانین کی خیانت نے وقتی طور پر یقیناً اس جد و جہد کا ثمرہ چھینا، لیکن سیّد المجاہدین کی محنت کی ظاہری اعتبار سے کامیابی یہ ہے کہ ایک تو انہوں نے صدیوں بعد دین کو اسی طریق پر تیرہویں صدی ہجری میں قائم کرنے کی محنت کی جس پر دین پہلے روز قائم ہوا تھا اور اپنے زمانے اور بعد میں آنے والوں پر 'طریقِ محمدیؐ' کی حجت قائم کر دی۔ دوسری کامیابی ایک ایسی بادِ بہاری کا آپ کی محنت کے نتیجے میں چلنا ہے جس کی خوشبو اور تازگی آپ کی شہادت کو دو صدیاں بِیت جانے کے بعد بھی برِّ صغیر کے طول و عرض میں محسوس کی جا سکتی ہے اور آج عالمی تحریکِ جہاد کے شجر کی سرحد و کشمیر تا بنگال و برما میں موجود شاخیں سیّد صاحب کے لگائے شجرِ جہاد کا تسلسل ہیں۔

اس کے علاوہ عرب و عجم میں بہت سی اصلاحی و جہادی تحریکات پچھلی دو صدیوں میں برپا ہوئیں، کچھ کو کچھ کامیابیاں بھی حاصل ہوئیں اور کچھ ناکام بھی ہوئیں[1]۔ انہی دو صدیوں میں 'عالمی طاغوتی نظاموں' نے زبردست زور حاصل کیا اور ادیانِ شیطنت نتیجتاً پوری قوت کے ساتھ دنیا پر مسلط ہو گئے۔

---

[1] یہاں کئی بار 'کامیابی' اور 'ناکامی' کا ذکر آ رہا ہے۔ کامیابی تو دراصل اللہ کی رضا اور جنت کا حصول ہے اور ناکامی اللہ کی ناراضی اور ٹھکانۂ جہنم۔ بندۂ مومن کی جد و جہد کا مرکز و محور اللہ کی رضا کا حصول اور ناراضی سے بچنا ہے۔ پھر دنیا میں بندۂ مومن اللہ کا دین اپنی آنکھوں سے غالب دیکھ لے تو کیا کہنا، ورنہ حضراتِ یاسر و سمیّہ اور حضراتِ حمزہ و مصعب سمیت دیگر شہدائے بدر و احد (رضوان اللہ علیہم اجمعین) نے مدینے کی آدھی دنیا پر حاکم 'ریاست' نہیں دیکھی، لیکن ان کے لب و قلب پر 'فزتُ وربّ الکعبۃ' ہی جاری تھا۔ یقیناً ہم شرعاً بھی دنیا کے اسباب کے مطابق اپنی کوششوں کو ماپنے کے پابند ہیں لیکن نتائج کے ذمہ دار نہیں، یہی بات انبیا علیہم السلام کی سیرتوں سے ثابت ہے۔

ایسی دنیا میں آج سے تین دہائیاں قبل، عالمی سطح پر نفاذِ دین کی محنت 'طریقِ محمدیؐ' کے مطابق کرنے کی صدا بلند کرنے والے اور پھر اپنا سب کچھ اسی کی خاطر قربان کر دینے والوں میں ایک بڑا نام، بلکہ ان نام داروں کے اِمامِ ہمام، شیخ اسامہ بن لادن ہیں۔

آج پاکستان، کشمیر، ہندوستان، بنگلہ دیش، یمن و جزیرہ عرب، صومالیہ، شام، الجزائر، مالی وغیرہ میں مضبوط ہوتا شجرِ دعوت و جہاد، جس کے گھنیرے سائے میں نفاذِ اسلام کی بہت سی مثالیں دیکھی جا سکتی ہیں، شیخ اسامہ ہی کے خون پسینے اور جان و مال سے سینچا ہوا ہے۔

حضرتِ شیخ اسامہ کی شہادت کو دس سال بیت جانے کے بعد بھی امریکہ اور اس کے حواریوں کا آپ کی شہادت پر جشن منانا (جو دراصل شکست خوردہ کے منہ کا جھاگ ہے)، دراصل آپ کے 'مشن' کی کامیابی کی دلیل ہے (جس طرح آج سے ایک سو نوّے سال قبل رنجیت سنگھ نے لاہور میں چراغاں کیا اور طاغوت و استعمارِ زمانہ 'گورنر جنرل آف انڈیا آفس' نے رنجیت سنگھ کو سیّد احمد شہید کی شہادت پر مبارک باد کا پیغام سیاسی مفادات میں اختلاف و تضاد کے باوجود بھجوایا)۔ پھر اس سے بڑھ کر 'جو بائیڈن' کی صدارت کے سو دن پورے ہونے پر اس کا 'وار آن ٹیرر' سے متعلق بیان ہے کہ 'آج القاعدہ (دیگر خطوں میں) زیادہ مضبوط ہو چکی ہے'۔

جنگ ایک ترازو کی مانند ہے، کبھی ایک پلڑا بھاری ہوتا ہے تو کبھی دوسرا، البتہ آخری اور پائیدار فتح اہلِ ایمان ہی کا مقدر ہے۔ آج ہمیں اپنے خطّۂ برِّصغیر میں عالمی استعماری نظام کی آشیر باد حاصل کیے 'بھگوا دہشت گرد بھارت' سے سامنا ہے، جو خطّے کے مسلمانوں اور یہاں اسلام کے لیے زمین پر اپنے وجود کے اعتبار سے سب سے بڑا خطرہ ہے اور جس 'طاغوت' کے خاتمے کے بغیر برِّصغیر کی اس اسلامی سلطنت کو بحال نہیں کیا جا سکتا جو سلطانِ عادل محی الدین محمد اورنگ زیب عالم گیر رحمۃ اللہ علیہ، کے زمانے میں اپنے اقبال پر تھی۔ حضرت سیّد احمد شہید کا یہ قول معروف ہے کہ:

> ''جب تک ہندوستان کا شرک، ایران کا رفض، سرحد و افغانستان کا غدر نہیں جائے گا میرا کام ختم نہیں ہو گا!''[1]

سید صاحب کے قول کے آخری ٹکڑے میں غدر کی نسبت جس زمین سے آپ کے زمانے میں تھی، آج نقشہ یکسر بدل چکا ہے۔ بلا شبہ اللہ تعالیٰ نے افغانستان کی عمرِ ثالث، امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد رحمۃ اللہ علیہ جیسے 'اماموں کے امام' کے ذریعے اصلاح کی اور ایسی اصلاح کی کہ آج یہ گوشہ زمین پوری دنیا میں اسلام کا واحد قلعہ بن چکا ہے، 'امارتِ اسلامی افغانستان'... کفر سے جہاد اور نفاذِ اسلام کی خُو میں... تمام عالمِ اسلام کے لیے دن میں چمکتے آفتاب اور رات میں راہ بتلاتے ستاروں کی مانند ہے۔ لیکن کل کے سیّد صاحب کے زمانے کے خوانین کے 'غدر' و 'نفاق' کا کردار اور خصلتیں آج پاکستان کے حکمرانوں میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ اسلام کے نام پر ملک بنا کر اس میں انگریزی قانون و جمہوریت کا نفاذ، سودی معیشت کا قیام، حدود اللہ کا استہزا، ختمِ نبوت تحریک میں دس ہزار عاشقانِ رسالت پناہؐ کا قتلِ عام، لسانی و علاقائی بنیادوں پر اہلِ بنگال کا استحصال اور ملک کو دولخت کرنا، امارتِ اسلامی افغانستان کی پیٹھ میں خنجر گھونپ کر امریکہ کا فرنٹ لائن اتحادی بننا، جہادِ کشمیر اور مجاہدینِ کشمیر کے ساتھ غداری کرنا [بقول جنرل کیانی 'تحریکِ جہادِ کشمیر کو چھوڑ (abandon کر) دینا']، لال مسجد میں نفاذِ دین کا مطالبہ کرنے والوں کو سفید فاسفورس سے بھسم کر دینا، محسنِ امت شیخ اسامہ بن لادن کو شہید کروانے میں سہولت کاری کرنا، آج جب امریکہ افغانستان میں شکست سے دوچار ہو کر ایک معاہدہ کر کے بھاگ رہا ہے تو مجاہدین کی مستقبل میں 'سرکوبی' کے لیے اسلام آباد میں آئی ایس آئی کے ہیڈ کوارٹر میں اجلاس طلب کر کے اڈے دینے کی بات چلا کر امریکہ کے ساتھ پرانے

---

[1] وقائع احمدی بحوالہ سیرتِ سیّد احمد شہید از مولانا سیّد ابوالحسن علی ندویؒ

معاہدے پر قائم و دائم رہنے کی یقین دہانی کروانا، اور بیجنگ کی سربراہی میں پاکستان، افغانستان اور چین کے ہونے والے اجلاس کے بعد تینوں ممالک کے مشترکہ اعلامیے کے مطابق 'افغانستان سے امریکی انخلا پر ہمیں تشویش ہے'، غدر و نفاق کی چند اعلیٰ مثالیں ہیں۔ پاکستان کے وردی و بے وردی حکمرانوں کے سیاہ کرتوت اتنے 'کالے' ہیں کہ ایسی ظلمات کے لیے الفاظ و استعارے اور محاورے موجود نہیں۔

ہندوستان میں شرک آج سیّد صاحب کے زمانے سے بھی زیادہ مضبوط بلکہ پوری قوت کے ساتھ مسلط ہو گیا ہے۔ کشمیر میں دفعہ 370A کا خاتمہ اور کشمیر میں انسانی تاریخ کا بدترین لاک ڈاؤن اور کرفیو، علاوہ ازیں پہلے گھر واپسی، پھر گھس بیٹھیے اور پھر CAA و NRC، شرکِ ہندوتوا کے چند مظاہر ہیں۔ یہ بات نہایت قابلِ غور ہے کہ دنیا بھر میں کوروناوائرس سے سب سے زیادہ متاثر ہونے والا دوسرا ملک ہندوستان ہے۔ کوروناوائرس کے سبب ہلاکتوں اور وائرس سے متاثر ہونے والوں کی تعداد کو ایک طرف رکھتے ہوئے صرف اقتصادی حالت کو دیکھا جائے تو ہندوستان کی حالیہ شرحِ نمو منفی سات اعشاریہ تین فیصد (-7.3%) کی کم ترین سطح پر ہے، بین الاقوامی سطح پر اقتصادی سہولیات فراہم کرنے والے ادارے 'برکلیز (Barclays)' کے مطابق کورونا کے سبب ہندوستان کی معیشت کو چوہتّر ارب ڈالر ($74 Billion) کا نقصان ہوا ہے۔ شرحِ نمو کے حوالے سے جواہر لال نہرو یونیورسٹی کے ایک اقتصادیات کے پروفیسر کے مطابق حکومتِ ہند اعداد و شمار کو چھپا رہی ہے، اصل نقصان اس سے کہیں زیادہ ہے [1]۔ حکومتِ ہند کے ظالمانہ زرعی قوانین کے سبب کسانوں (خصوصاً ہریانہ، پنجاب اور یوپی کے کسانوں) کا ملک گیر سب سے بڑا تاریخی احتجاج جاری ہے، ان نئے زرعی قوانین کے سبب چھوٹے زمینداروں اور کسانوں کے منافع کی شرح مزید کم ہو جائے گی۔ ایک طرف کورونا کی شدت ہے، دوسری طرف کسانوں کی اقتصادی حالتِ زار اور حکومتِ ہند کا گمبھیر معاشی صورتِ حال کے سبب کوئی بھی اقتصادی امدادی پیکج (تادمِ تحریر) جاری نہ کرنا، لیکن تیسری طرف اقامتِ 'شرکِ ہندوتوا' کا ایسا زور ہے کہ انہی کٹھن معاشی حالات میں حکومتِ ہند (کے ہوم منسٹر اَمِت شا) نے اعلان کیا ہے کہ CAA قانون کے تحت افغانستان، پاکستان اور بنگلہ دیش میں جن 'غیر مسلموں' (بنیادی طور پر ہندو، سکھ، جین اور بدھوں) پر ظلم (religious persecution) ہو رہا ہے، ان کو ہندوستان کی شہریت دینے کا آغاز جلد کیا جائے گا اور انہیں پنجاب، ہریانہ، گجرات، راجستھان اور چھتیس گڑھ کی ریاستوں میں آباد کیا جائے گا۔ اسی CAA کا دوسرا رخ صدیوں سے ہندوستان میں بستے 'لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ' پڑھنے والوں کی شہریت ختم کرنا اور ان پر ظلم (religiously persecute) کرنا ہے جس کا ایک ادنیٰ سا مظہر پچھلے سال کے 'دِلّی فسادات' ہیں۔

پھر خطے میں 'بھارت' کا بڑھتا اثر و رسوخ بھی ملاحظہ ہو۔ افغانستان کی کٹھ پتلی حکومت (کابل انتظامیہ) کے ساتھ اربوں روپے کے معاہدے، افغان ملی فوج کو فوجی تربیت، جنگی جہازوں، ڈرون طیاروں اور جنگی ہیلی کاپٹروں کی فراہمی اور انٹیلی جنس تعاون۔ کشمیر میں آبادیاتی تبدیلی (demographic change) اور اتنے چھوٹے خطۂ زمین پر عالمی سطح کی سب سے بڑی عسکری موجودگی اور حاجی شریعت اللّٰہ ؒ کی سرزمین بنگال کو اپنی پالیسیوں اور سازشوں کی بدولت تیسویں 'ہندوتوائی' بھارتی ریاست بنانے جیسے اقدامات 'حکومتِ ہند' کے ہمارے برِّ صغیر میں منصوبوں اور سازشوں کے ابتدائی رُوپ ہیں۔

پس آج اسی 'شرک' اور 'غدر و نفاق' کے خلاف برّ صغیر میں سیّد احمد شہید اور شیخ اسامہ شہید کے وارثوں کا قافلہ رواں ہے۔ بالاکوٹ و ایبٹ آباد میں بہا خون، امتِ جہاد کے بدن کو تقویت پہنچا رہا ہے، اور سرحد تا کشمیر اور چولستان و راجستھان تا چھتیس گڑھ و سُندر بَن، 'غزوۂ ہند' دعوت، اعداد

---

[1] بحوالہ: وائس آف امریکہ اردو

(تیاریٔ جہاد) اور قتال کے معرکوں کی صورت، فکری و عملی حلقوں اور مورچوں میں شروع ہو چکا ہے۔ سیّد احمد شہید اور شیخ اسامہ شہید کے جلائے چراغوں کی روشنی بڑھ رہی ہے۔

بجھا سکے گی نہ جن کو آندھی
چراغ ایسے جلا چلے ہیں!

اللهم وفقنا لما تحب و ترضى وخذ من دمائنا حتى ترضى. اللهم زدنا ولا تنقصنا وأكرمنا ولا تهنّا وأعطنا ولا تحرمنا وآثرنا ولا تؤثر علينا وأرضنا وارض عنا. اللهم انصر من نصر دين محمد صلى الله عليه وسلم واجعلنا منهم واخذل من خذل دين محمد صلى الله عليه وسلم ولا تجعلنا منهم، آمين يا ربّ العالمين!

◆◆◆◆◆

# نماز کا شَغَف و شوق اور اُس میں خشوع و خُضوع

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

نماز ساری عبادتوں میں سب سے زیادہ اہم چیز ہے، قیامت میں ایمان کے بعد سب سے پہلے نماز ہی کا سوال ہونا ہے۔ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشاد ہے کہ: ”کُفر اور اِسلام کے درمیان میں نماز ہی آڑ ہے“(ترمذی، ابواب الایمان، باب ماجاء فی ترک الصلاۃ، ۲/ ۹۰)۔ اِس کے علاوہ اَور بہت سے اِرشادات اِس بارے میں وارد ہیں، جو میرے ایک دوسرے رسالے میں مذکور ہیں۔

## (۱) اللہ تعالیٰ کا اِرشاد نوافل والے کے حق میں

حق تَعَالیٰ شَانُہٗ ارشاد فرماتے ہیں: ”جو شخص میرے کسی وَلی سے دشمنی کرتا ہے، میری طرف سے اُس کو لڑائی کا اعلان ہے، اور کوئی شخص میرا قُرب اُس چیز کی بنسبت زیادہ حاصل نہیں کرسکتا جو میں نے اُس پر فرض کی ہے، یعنی: سب سے زیادہ قُرب اور نزدیکی مجھ سے فرائض کے ادا کرنے سے حاصل ہوتی ہے، اور نوافل کی وجہ سے بندہ مجھ سے قریب ہوتا رہتا ہے، یہاں تک کہ میں اُس کو اپنا محبوب بنالیتا ہوں، تو پھر میں اُس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سُنے، اور اُس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھے، اور اُس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ کسی چیز کو پکڑے، اور اُس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلے، اگر وہ مجھ سے کچھ مانگتا ہے تو میں اُس کو عطا کرتا ہوں، اور کسی چیز سے پناہ چاہتا ہے تو پناہ دیتا ہوں۔ (بخاری، کتاب الرقاق، باب التواضع، ۲/ ۹۶۳)

فائدہ: آنکھ، کان بن جانے کا مطلب یہ ہے کہ اُس کا دیکھنا، سننا، چلنا، پھرنا؛ سب میری خوشی کے تابع بن جاتا ہے، اور کوئی بات بھی میری خلافِ مرضی نہیں ہوتی۔ کس قدر خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کو فرائض کے بعد نوافل پر کثرت کی توفیق ہو اور یہ دولت نصیب ہو جائے! اللہ تعالیٰ اپنے فَضل سے مجھے اور میرے دوستوں کو بھی نصیب فرمائے۔

## (۲) حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا تمام رات نماز پڑھنا

ایک شخص نے حضرت عائشہ رَضِيَ اللہُ عَنْہَا سے دریافت کیا کہ: حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی کوئی عجیب بات جو آپ نے دیکھی ہو، وہ سنادیں، حضرت عائشہ رَضِيَ اللہُ عَنْہَا نے فرمایا کہ: حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی کون سی بات عجیب نہ تھی؟ ہر بات عجیب ہی تھی، ایک دن، رات کو تشریف لائے اور میرے پاس لیٹ گئے، پھر فرمانے لگے: ”لے چھوڑ، میں تو اپنے رب کی عبادت کروں“، یہ فرما کر نماز کے لیے کھڑے ہوگئے اور رونا شروع کیا، یہاں تک کہ آنسو سینۂ مبارک تک بہنے لگے، پھر رکوع فرمایا، اُس میں بھی اِسی طرح روتے رہے، پھر سجدہ کیا، اُس میں بھی اِسی طرح روتے رہے، پھر سجدے سے اُٹھے، اُس میں بھی اِسی طرح روتے رہے، یہاں تک کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے آکر صبح کی نماز کے لیے آواز دی، میں نے عرض کیا: یارسولَ اللہ! آپ اِتنے روئے حالانکہ آپ معصوم ہیں، اگلے پچھلے سب گناہوں کی (اگر بالفرض ہوں بھی تو) مغفرت کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے فرمار کھا ہے، آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا کہ: ”پھر میں شکر گُزار نہ بنوں“؟، اِس کے بعد ارشاد فرمایا کہ: ”میں ایسا کیوں نہ کرتا، حالانکہ آج مجھ پر یہ آیتیں نازل ہوئیں ﴿إِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ...... الخ﴾ آلِ عمران کا آخری رکوع۔

یہ متعدّد روایات میں آیا ہے کہ: حضورِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم رات کو اِس قدر لمبی نماز پڑھا کرتے تھے کہ کھڑے کھڑے پاؤں پر وَرَم آگیا تھا، لوگوں نے عرض کیا: یارسولَ اللہ! آپ اِتنی مَشَقَّت اُٹھاتے ہیں، حالانکہ آپ بخشے بخشائے ہیں؟ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا کہ: میں شکر گُزار بندہ نہ بنوں؟۔ (بخاری، کتاب التہجد، باب قیام النبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اللیل، ۱/ ۱۵۲۔ در منثور، ۲/ ۱۹۵)

## (۳) حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا چار رکعت میں چھ پارے پڑھنا

حضرت عوف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: میں ایک مرتبہ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ہم رِکاب تھا، حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے مسواک فرمائی، وضو فرمایا، اور نماز کی نیت باندھ لی، میں بھی حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ساتھ نماز میں شریک ہوگیا، حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے سورۂ بقرہ ایک رکعت میں پڑھی، اور جو آیت رحمت کی آتی حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اُس جگہ دیر تک رحمت کی دعا مانگتے رہتے، اور جو آیت عذاب کی آتی اُس جگہ دیر تک عذاب سے پناہ مانگتے رہتے، سورۃ کے ختم پر رکوع کیا، اور اُتنا ہی لمبا رکوع کیا جتنی دیر میں سورۂ بقرہ پڑھی جاتی، اور رکوع میں سُبْحَانَ ذِي الْجَبَرُوْتِ وَالْمَلَكُوْتِ وَالْعَظْمَةِ پڑھتے جاتے تھے، پھر اُتنا ہی لمبا سجدہ کیا، پھر دوسری رکعت میں اِسی طرح سورۂ آلِ عمران پڑھی، اور اِسی طرح ایک ایک رکعت میں ایک ایک سورۃ پڑھتے رہے، اِس طرح چار رکعتوں میں سَوا چھ سپارے ہوتے ہیں۔ (ابوداود، کتاب الصلوٰۃ، باب مایقول الرجل فی رکوعہ وسجودہ، ۱/ ۱۲۷)

یہ کتنی لمبی نماز ہوئی ہوگی جس میں ہر آیتِ رحمت اور آیتِ عذاب پر دیر تک دعا کا مانگنا، اور پھر اُتنا ہی لمبا رکوع اور سجدہ تھا!

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بھی اپنا ایک قصہ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ساتھ نماز پڑھنے کا اِسی طرح نقل کرتے ہیں، اور فرماتے ہیں کہ: چار رکعتوں میں چار سورتیں (سورۂ بقرہ سے لے کر سورۂ مائدہ کے ختم تک) پڑھیں۔

فائدہ: اِن چار سورتوں کے سَوا چھ سپارے ہوتے ہیں، جو حضور ﷺ نے چار رکعتوں میں پڑھے، اور حضورِ اکرم ﷺ کی عادتِ شریفہ تجوید و ترتیل کے ساتھ پڑھنے کی تھی، جیسا کہ اکثر احادیث میں ہے، اِس کے ساتھ ہی ہر آیتِ رحمت اور آیتِ عذاب پر ٹھہرنا اور دعا مانگنا، پھر اُتنا ہی لمبا رکوع سجدہ۔ اِس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اِس طرح چار رکعت میں کس قدر وقت خرچ ہوا ہو گا!۔ بعض مرتبہ حضورِ اقدس ﷺ نے ایک رکعت میں سورۂ بقرہ، آل عمران، مائدہ؛ تین سورتیں پڑھیں، جو تقریباً پانچ پارے ہوتے ہیں، یہ جب ہی ہو سکتا ہے جب نماز میں چین اور آنکھوں کی ٹھنڈک نصیب ہو جائے۔ نبیِ اکرم ﷺ کا پاک ارشاد ہے کہ: ”میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے“۔ اَللّٰہُمَّ ارْزُقْنِیْ اِتِّبَاعَہٗ۔

## (۴) حضرت ابو بکر صدیق و حضرت ابن زبیر و حضرت علی (رضی اللہ عنہم) وغیرہ کی نمازوں کے حالات

مجاہدؒ، حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا حال نقل کرتے ہیں کہ: جب وہ نماز میں کھڑے ہوتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک لکڑی گڑی ہوئی ہے۔ یعنی بالکل حرکت نہیں ہوتی تھی (تاریخ الخلفاء)۔

علما نے لکھا ہے کہ: حضرت ابن زبیرؓ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ سے نماز سیکھی، اور اُنہوں نے حضور ﷺ سے۔ یعنی: جس طرح حضور ﷺ نماز پڑھتے تھے اِسی طرح حضرت ابو بکر صدیقؓ پڑھتے تھے، اور اِسی طرح حضرت عبداللہ بن زبیرؓ۔ ثابتؒ کہتے ہیں کہ: عبداللہ بن زبیرؓ کی نماز ایسی ہوتی تھی کہ گویا لکڑی ایک جگہ گاڑ دی۔ ایک شخص کہتے ہیں کہ: ابنِ زبیرؓ جب سجدہ کرتے تو اِس قدر لمبا اور بے حرکت ہوتا تھا کہ چڑیاں آکر کمر پر بیٹھ جاتیں، بعض مرتبہ اِتنا لمبا رکوع کرتے کہ تمام رات صبح تک رکوع ہی میں رہتے، بعض اوقات سجدہ اِتنا ہی لمبا ہوتا کہ پوری رات گزر جاتی۔ جب ابن زبیرؓ سے لڑائی ہو رہی تھی تو ایک گولہ مسجد کی دیوار پر لگا، جس سے دیوار کا ایک ٹکڑا اُڑا اور حضرت ابن زبیرؓ کے حلق اور ڈاڑھی کے درمیان سے گزرا؛ مگر نہ اُن کو کوئی اِنتشار ہوا، نہ رکوع سجدہ مختصر کیا۔ ایک مرتبہ نماز پڑھ رہے تھے، بیٹا (جس کا نام ہاشم تھا) پاس سو رہا تھا، چھت میں سے ایک سانپ گرا اور بچے پر لپٹ گیا، وہ چِلّایا، گھر والے سب دوڑے ہوئے آئے، شور مچ گیا، اُس سانپ کو مارا، ابن زبیرؓ اُسی اطمینان سے نماز پڑھتے رہے، سلام پھیر کر فرمانے لگے: ”کچھ شور کی سی آواز آئی تھی، کیا تھا“؟ بیوی نے کہا: اللہ تم پر رحم کرے، بچے کی تو جان بھی گئی تھی، تمہیں پتہ ہی نہ چلا؟ فرمانے لگے: ”تیرا ناس ہو، اگر میں نماز میں دوسری طرف توجُّہ کرتا تو نماز کہاں باقی رہتی؟“۔ (ہدایہ وغیرہ)۔

حضرت عمرؓ کے اخیر زمانے میں جب اُن کے خنجر مارا گیا جس کی وجہ سے اُن کا انتقال ہوا، تو ہر وقت خون بہتا تھا اور اکثر غفلت بھی ہو جاتی تھی؛ لیکن اِس حالت میں بھی جب نماز کے لیے مُتنبَّہ کیے جاتے، تو اِسی حالت میں نماز ادا فرماتے، اور اِرشاد فرماتے کہ: ”اسلام میں اُس کا کوئی حصہ نہیں جو نماز چھوڑ دے“۔

حضرت عثمانؓ تمام رات جاگتے، اور ایک رات میں پورا قرآن شریف ختم کر لیتے (منتخب کنزُ العُمّال)۔

حضرت علیؓ کی عادتِ شریفہ تھی کہ: جب نماز کا وقت آجاتا تو بدن میں کپکپی آجاتی، اور چہرہ زَرد ہو جاتا، کسی نے پوچھا: کیا بات ہے؟ فرمایا کہ: اُس امانت کا وقت ہے جس کو اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر اُتارا، تو وہ اُس کے تحمُّل سے عاجز ہو گئے، اور میں نے اِس کا تحمل کیا ہے۔

خَلَف بن ایوبؒ سے کسی نے پوچھا کہ: تمہیں نماز میں مکھیاں دِق نہیں کرتیں؟ فرمایا کہ: فاسق لوگ حکومت کے کوڑے کھاتے ہیں اور حرکت نہیں کرتے، اور اِس پر فخر کرتے ہیں اور اپنے صبر و تحمل پر اَکڑتے ہیں، کہ اِتنے کوڑے مارے، میں ہِلا تک نہیں، میں اپنے رب کے سامنے کھڑا ہوں اور ایک مکھی کی وجہ سے حرکت کر جاؤں!

مُسلِم بن یَسارؒ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو اپنے گھر والوں سے کہتے کہ: تم باتیں کرتے رہو مجھے تمہاری بات کا پتہ ہی نہیں چلے گا۔ ایک مرتبہ بَصرہ کی جامع مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے کہ مسجد کا ایک حصہ گرا، لوگ اُس کی وجہ سے دوڑے، وہاں جمع ہوئے، شور و شَغَب ہوا؛ مگر اِن کو پتہ ہی نہ چلا۔

حاتم اَصمؒ سے کسی نے اُن کی نماز کی کیفیت پوچھی، تو کہنے لگے کہ: جب نماز کا وقت آتا ہے، تو وُضو کے بعد اُس جگہ پہنچ کر جہاں نماز پڑھوں، تھوڑی دیر بیٹھتا ہوں کہ بدن کے تمام حصّے میں سکون پیدا ہو جائے، پھر نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہوں، اِس طرح کہ بیتُ اللہ کو اپنی نگاہ کے سامنے سمجھتا ہوں، اور پُل صِراط کو پاؤں کے نیچے، جنت کو دائیں طرف، اور جہنّم کو بائیں طرف، اور موت کے فرشتے کو اپنے پیچھے کھڑا ہوا خَیال کرتا ہوں، اور سمجھتا ہوں کہ یہ آخری نماز ہے، اِس کے بعد پورے خشوع و خُضوع سے نماز پڑھتا ہوں، اور اِس کے بعد اُمید اور ڈر کے درمیان رہتا ہوں کہ: نہ معلوم قبول ہوئی یا نہیں؟ (اِحیاء العلوم، کتاب اسرار الصلوٰۃ ومہماتہا، ۱/۲۰۶)

## (۵) ایک مُہاجر اور ایک انصاری کی چوکیداری اور اَنصاری کا نماز میں تیر کھانا

نبیِ اکرم ﷺ ایک غزوے سے واپس تشریف لا رہے تھے، شب کو ایک جگہ قیام فرمایا، اور ارشاد فرمایا کہ: آج شب کو حفاظت اور چوکیدارا کون کرے گا؟ ایک مُہاجر اور ایک انصاری، حضرت عمّار بن یاسرؓ اور حضرت عَبّاد بن بِشرؓ نے عرض کیا کہ: ہم دونوں کریں گے۔ حضور ﷺ نے ایک پہاڑی (جہاں سے دشمن کے آنے کا راستہ ہو سکتا تھا) بتادی، کہ اِس

پر دونوں قیام کرو، دونوں حضرات وہاں تشریف لے گئے۔ وہاں جاکر انصاری نے مہاجر سے کہا کہ رات کو دو حصّوں پر منقسم کر کے ایک حصے میں آپ سو رہیں میں جاگتا رہوں، دوسرے حصے میں آپ جاگیں میں سوتا رہوں، کہ دونوں کے تمام رات جاگنے میں یہ بھی احتمال ہے کہ کسی وقت نیند کا غلبہ ہو جائے اور دونوں کی آنکھ لگ جائے، اگر کوئی خطرہ جاگنے والے کو محسوس ہو تو اپنے ساتھی کو جگالے۔ رات کا پہلا آدھا حصہ انصاری کے جاگنے کا قرار پایا اور مہاجر سو گئے، انصاری نے نماز کی نیت باندھ لی، دشمن کی جانب سے ایک شخص آیا اور دور سے کھڑے ہوئے شخص کو دیکھ کر تیر مارا، اور جب کوئی حرکت نہ ہوئی تو دوسرا اور پھر اِسی طرح تیسرا تیر مارا، اور ہر تیر اُن کے بدن میں گھُستا رہا، اور یہ ہاتھ سے اُس کو بدن سے نکال کر پھینکتے رہے، اِس کے بعد اطمینان سے رکوع کیا، سجدہ کیا، نماز پوری کر کے اپنے ساتھی کو جگایا، وہ تو ایک کی جگہ دو کو دیکھ کر بھاگ گیا کہ نہ معلوم کتنے ہوں؛ مگر ساتھی نے جب اُٹھ کر دیکھا تو انصاری کے بدن سے تین جگہ سے خون ہی خون بہہ رہا تھا، مُہاجر نے فرمایا: سبحانَ اللہِ! تم نے مجھے شروع ہی میں نہ جگالیا؟ انصاری نے فرمایا کہ: میں نے ایک سورۃ (سورۂ کہف) شروع کر رکھی تھی، میرا دل نہ چاہا کہ اُس کو ختم کرنے سے پہلے رکوع کروں، اب بھی مجھے اِس کا اندیشہ ہوا کہ ایسا نہ ہو میں بار بار تیر لگنے سے مر جاؤں، اور حضور ﷺ نے جو حفاظت کی خدمت سُپرد کر رکھی ہے وہ فوت ہو جائے، اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا تو میں مر جاتا؛ مگر سورۃ ختم کرنے سے پہلے رکوع نہ کرتا۔ (ابو داود، کتاب الطہارۃ، باب الوضوء من الدم، ۱/۲۶۔ بیہقی، ۱/۱۴۰)

فائدہ: یہ تھی اُن حضرات کی نماز اور اِس کا شوق، کہ تیر پر تیر کھا جائیں اور خون ہی خون ہو جائے؛ مگر نماز کے لُطف میں فرق نہ پڑے، ایک ہماری نماز ہے کہ اگر مچھر بھی کاٹ لے تو نماز کا خیال جاتا رہے، بِھڑ کا تو پوچھنا ہی کیا!

یہاں ایک فقہی مسئلہ بھی اِختلافی ہے، کہ خون نکلنے سے ہمارے امام یعنی امامِ اعظمؒ کے نزدیک وُضو ٹوٹ جاتا ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک نہیں ٹوٹتا، ممکن ہے کہ اُن صحابی کا مذہب بھی یہی ہو، یا اُس وقت تک اِس مسئلے کی تحقیق نہ ہوئی ہو، کہ حضورِ اکرم ﷺ اُس مجلس میں تشریف فرما نہ تھے، یا اُس وقت تک یہ حکم ہوا ہی نہ ہو۔

## (۶) حضرت ابو طلحہؓ کا نماز میں خیال آجانے سے باغ وَقف کرنا

حضرت ابو طلحہؓ ایک مرتبہ اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے، ایک پرندہ اُڑا، اور چوں کہ باغ گنجان تھا؛ اِس لیے اُس کو جلدی سے باہر جانے کا راستہ نہ ملا، کبھی اِس طرف، کبھی اُس طرف اُڑتا رہا، اور نکلنے کا راستہ ڈھونڈتا رہا، اِن کی نگاہ اُس پر پڑی، اور اِس منظر کی وجہ سے اُدھر خیال لگ گیا، اور نگاہ اُس پرندے کے ساتھ پھرتی رہی، دَفعۃً نماز کا خَیال آیا تو سَہو ہو گیا، کہ کون سی رکعت ہے؟ نہایت قَلَق ہوا، کہ اِس باغ کی وجہ سے یہ مصیبت پیش آئی کہ نماز میں بھول ہوئی، فوراً حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور پورا قصہ عرض کر کے درخواست کی کہ: اِس باغ کی وجہ سے یہ مصیبت پیش آئی؛ اِس لیے میں اِس کو اللہ کے راستے میں دیتا ہوں، آپ جہاں دل چاہے اُس کو صَرف فرما دیجیے۔

اِسی طرح ایک اَور قصہ حضرت عثمانؓ کے زمانۂ خلافت میں پیش آیا، کہ ایک انصاری اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے، کھجوریں پکنے کا زمانہ شَباب پر تھا، اور خوشے کھجوروں کے بوجھ اور کثرت سے جھکے پڑے تھے، نگاہ خوشوں پر پڑی اور کھجوروں سے بھرے ہونے کی وجہ سے بہت ہی اچھے معلوم ہوئے، خیال اُدھر لگ گیا، جس کی وجہ سے یہ بھی یاد نہ رہا کہ کتنی رکعتیں ہوئیں؟ اِس کے رنج اور صدمے کا ایسا غلبہ ہوا کہ اُس کی وجہ سے یہ ٹھان لی کہ: اِس باغ ہی کو اَب نہیں رکھنا جس کی وجہ سے یہ مصیبت پیش آئی، چناں چہ حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور آکر عرض کیا کہ: یہ اللہ کے راستے میں خرچ کرنا چاہتا ہوں، اِس کو جو چاہے کیجیے، اُنہوں نے اِس باغ کو پچاس ہزار میں فروخت کر کے اِس کی قیمت دِینی کاموں میں خرچ فرما دی۔ (مُؤطا امام مالک، ص ۴۳)

فائدہ: یہ ایمان کی غیرت ہے کہ نماز جیسی اہم چیز میں خیال آجانے سے پچاس ہزار درہم کا باغ ایک دَم صدقہ کر دیا۔ ہمارے حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے ''قولِ جمیل'' میں صوفیا کی نسبت کی قسمیں تحریر فرماتے ہوئے اِس کے متعلّق تحریر فرمایا ہے کہ: ''یہ نسبت ہے اللہ کی اِطاعت کو ماسِوا پر مُقدَّم رکھنا اور اِس پر غیرت کرنا''، کہ اِن حضرات کو اِس پر غیرت آئی کہ اللہ کی اِطاعت میں کسی دوسری چیز کی طرف توجُّہ کیوں ہوئی؟

## (۷) حضرت ابن عباسؓ کا نماز کی وجہ سے آنکھ نہ بنوانا

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی آنکھ میں جب پانی اُتر آیا، تو آنکھ بنانے والے حاضرِ خدمت ہوئے، اور عرض کیا کہ: اجازت ہو تو ہم آنکھ بنا دیں؛ لیکن پانچ دن تک آپ کو اِحتیاط کرنا پڑے گی، کہ سجدہ بجائے زمین کے کسی اونچی لکڑی پر کرنا ہوگا، اُنہوں نے فرمایا: یہ ہرگز نہیں ہو سکتا، وَاللہ! ایک رکعت بھی اِس طرح پڑھنا مجھے منظور نہیں، حضور ﷺ کا ارشاد مجھے معلوم ہے کہ: ''جو شخص ایک نماز بھی جان کر چھوڑ دے، وہ حق تعالیٰ شَانُہٗ سے ایسی طرح ملے گا کہ حق سُبحانَہٗ وَتقدَّسَ اُس پر ناراض ہوں گے''۔ (دُرِّ منثور، ۱/۵۲۹)

فائدہ: اگرچہ شرعاً نماز اِس طرح سے مجبوری کی حالت میں پڑھنا جائز ہے، اور یہ صورت نماز چھوڑنے کی وعید میں داخل نہیں ہوتی؛ مگر حضرات صحابۂ کرامؓ کو نماز کے ساتھ جو شَغَف تھا، اور نبیِ اکرم ﷺ کے ارشاد پر عمل کی جس قدر اَہمیّت تھی، اُس کی وجہ سے حضرت ابن عباسؓ نے آنکھ بنوانے کو بھی پسند نہ کیا، کہ اُن حضرات کے نزدیک ایک نماز پر ساری دنیا قربان تھی۔ آج ہم بے حیائی سے جو چاہے اِن مَر مٹنے والوں کی شان میں منہ سے نکال دیں، جب کل اُن کا سامنا ہو گا اور یہ فِدائی میدانِ حشر کی سیر کے لُطف اُڑا رہے ہوں گے، جب حقیقت معلوم ہو گی، کہ یہ کیا تھے اور ہم نے اِن کے ساتھ کیا برتاؤ کیا؟۔

## (۸)صحابہ کا نماز کے وقت فوراً دُکانیں بند کرنا

حضرت عبداللہ بن عمرؓ ایک مرتبہ بازار میں تشریف رکھتے تھے، کہ جماعت کا وقت ہوگیا، دیکھا کہ فوراً سب کے سب اپنی اپنی دُکانیں بند کرکے مسجد میں داخل ہوگئے، ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ انھیں لوگوں کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی: ﴿رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ (سورۃ نور ۱۸:)۔ ترجمہ پوری آیتِ شریفہ کا یہ ہے کہ: اِن مسجدوں میں ایسے لوگ صبح وشام اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں، جن کو اللہ کی یاد سے اور بِالخُصوص نماز پڑھنے اورز کوۃ دینے سے نہ خرید نا غفلت میں ڈالتا ہے، نہ بیچنا، وہ ایسے دن کی پکڑ سے ڈرتے ہیں جس میں بہت سے دل اور بہت سی آنکھیں اُلٹ جائے گی۔ (ماخوذاز: بیانُ القرآن)۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ: وہ لوگ تجارت وغیرہ اپنے اپنے کاروبار میں مشغول ہوتے تھے؛ لیکن جب اذان کی آواز سنتے تو سب کچھ چھوڑ کر فوراً مسجد میں چلے جاتے۔ ایک جگہ کہتے ہیں: خدا کی قَسم! یہ لوگ تاجر تھے؛ مگر اُن کی تجارت اُن کو اللہ کے ذکر سے نہیں روکتی تھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ایک مرتبہ بازار میں تشریف رکھتے تھے کہ اذان ہوگئی، اُنہوں نے دیکھا کہ: لوگ اپنے اپنے سامان کو چھوڑ کر نماز کی طرف چل دیے، ابن مسعودؓ نے فرمایا: یہی لوگ ہیں جن کو اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے ﴿لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ سے یاد فرمایا۔

ایک حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ: قیامت کے دن جب حق تَعالیٰ شَانُہٗ تمام دنیا کو ایک جگہ جمع فرمائیں گے، تو ارشاد ہوگا: کہاں ہیں وہ لوگ جو خوشی اور رنج دونوں حالتوں میں اللہ کی حَمد کرنے والے تھے؟ تو ایک مختصر جماعت اُٹھے گی اور بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل ہوجائے گی۔ پھر ارشاد ہوگا: کہاں ہیں وہ لوگ جو راتوں میں اپنی خواب گاہ سے دُور رہتے، اور اپنے رب کو خوف اور رَغبت کے ساتھ یاد کرتے تھے؟ تو ایک دوسری مختصر جماعت اُٹھے گی اور وہ بھی جنت میں بغیر حساب کے داخل ہوجائے گی۔ پھر ارشاد ہوگا: کہاں ہیں وہ لوگ جن کو تجارت یا بیچنا اللہ کے ذکر سے نہیں روکتا تھا؟ تو ایک تیسری جماعت مختصر سی کھڑی ہوگی اور جنت میں بغیر حساب کے داخل ہوگی۔ اِس کے بعد بقیہ لوگوں کا حساب شروع ہوجائے گا۔ (دُرِّمنثور، ۹۴/۵)

## (۹)حضرت خُبیبؓ کا قتل کے وقت نماز پڑھنا اور زیدؓ و عاصمؓ کا قتل

اُحد کی لڑائی میں جو کافر مارے گئے تھے، اُن کے عزیزوں میں اِنتقام کا جوش زور پر تھا، سُلافہ نے (جس کے دو بیٹے اِس لڑائی میں مارے گئے تھے) مَنَّت مانی تھی کہ: اگر عاصم کا (جنہوں نے اُس کے بیٹوں کو قتل کیا تھا) سر ہاتھ آجائے تو اُس کی کھوپڑی میں شراب پیوں گی؛ اِس لیے اُس نے اعلان کیا تھا کہ: جو عاصم کا سر لائے گا اُس کو سو اُونٹ انعام دوں گی، سفیان بن خالد کو اِس لالچ نے آمادہ کیا کہ وہ اُن کا سر لانے کی کوشش کرے، چناں چہ اُس نے ''عَضَل'' و ''قارہ'' کے چند آدمیوں کو مدینہ مُنوَّرہ بھیجا، اُن لوگوں نے اپنے کو مسلمان ظاہر کیا، اور حضورِ اقدس ﷺ سے تعلیم و تبلیغ کے لیے اپنے ساتھ چند حضرات کو بھیجنے کی درخواست کی، اور حضرت عاصمؓ کے بھی ساتھ بھیجنے کی درخواست کی، کہ اُن کا وَعظ پسندیدہ بتلایا، چناں چہ حضور ﷺ نے دس آدمیوں کو (اور بعض رِوایات میں چھ آدمیوں کو) اُن کے ساتھ کردیا، جن میں سے حضرت عاصمؓ بھی تھے، راستے میں جاکر اُن لے جانے والوں نے بدعَہدی کی، اور دشمنوں کو مقابلے کے لیے بلایا جو دوسو آدمی تھے، اور اُن میں سے سو آدمی بہت مشہور تیر اَنداز تھے، اور بعض روایات میں ہے کہ حضور ﷺ نے اُن حضرات کو مکہ والوں کی خبر لانے کے لیے بھیجا تھا، راستے میں ''بنولِحیان'' کے دوسو آدمیوں سے مقابلہ ہوا۔ یہ مختصر جماعت (دس آدمیوں کی یا چھ آدمیوں کی) یہ حالت دیکھ کر ایک پہاڑی پر (جس کا نام ''فَدفَد'' تھا) چڑھ گئی، کُفَّار نے کہا کہ: ہم تمہارے خون سے اپنی زمین رنگنا نہیں چاہتے، صرف اہلِ مکہ سے تمہارے بدلے میں کچھ مال لینا چاہتے ہیں، تم ہمارے ساتھ آجاؤ ہم تم کو قتل نہ کریں گے؛ مگر اُنہوں نے کہا کہ: ہم کافر کے عہد میں آنا نہیں چاہتے، اور تَرکَش سے تیر نکال کر مقابلہ کیا، جب تیر ختم ہوگئے تو نیزوں سے مقابلہ کیا، حضرت عاصمؓ نے ساتھیوں سے جوش میں کہا: ''ہم سے دھوکہ کیا گیا؛ مگر گھبرانے کی بات نہیں، شہادت کو غنیمت سمجھو، تمہارا محبوب تمہارے ساتھ ہے اور جنت کی حوریں تمہاری مُنتظِر ہیں''، یہ کہہ کر جوش سے مُقابلہ کیا، اور جب نیزہ بھی ٹوٹ گیا تو تلوار سے مقابلہ کیا، مُقابِلوں کا مجمع کثیر تھا، آخر شہید ہوگئے، اور دعا کی کہ: ''یااللہ! اپنے رسول ﷺ کو ہمارے قصے کی خبر کردے''، چناں چہ یہ دعا قبول ہوئی، اور اُسی وقت اِس واقعے کا علم حضور ﷺ کو ہوگیا۔ اور چوں کہ عاصمؓ یہ بھی سن چکے تھے کہ سُلافہ نے میرے سر کی کھوپڑی میں شراب پینے کی مَنَّت مانی ہے؛ اِس لیے مرتے وقت دعا کی: یااللہ! میرا سر تیرے راستے میں کاٹا جارہا ہے تُو ہی اِس کا مُحافِظ ہے، وہ دعا بھی قبول ہوئی، اور شہادت کے بعد جب کافروں نے سر کاٹنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھیوں کا (اور بعض روایات میں بِھڑوں کا) ایک غَول بھیج دیا، جنہوں نے اُن کے بدن کو چاروں طرف سے گھیر لیا، کافروں کو خیال تھا کہ رات کے وقت جب یہ اُڑ جائے گی تو سر کاٹ لیں گے؛ مگر رات کو ایک بارش کی رَو آئی اور اُن کی نعش کو بہا کرلے گئی، اِسی طرح سات آدمی یا تین آدمی شہید ہوگئے۔

غرض تین باقی رہ گئے: حضرت خُبیب اور زید بن دَثِنہ اور عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہم؛ اِن تینوں حضرات سے پھر اُنہوں نے عہد پیمان کیا کہ: تم نیچے آجاؤ، ہم تم سے بدعہدی نہ کریں گے، یہ تینوں حضرات نیچے اُتر آئے، اور نیچے اُترنے پر کُفَّار نے اُن کی کمانوں کی رسیاں اُتار کر اُن کی مشکیں باندھیں، حضرت عبداللہ بن طارقؓ نے فرمایا کہ: یہ پہلی بدعہدی ہے، میں تمہارے ساتھ ہرگز نہ جاؤں گا، اِن شہید ہونے والوں کا اِقتِدا ہی مجھے پسند ہے، اُنہوں نے زبردستی اُن کو کھینچنا چاہا؛ مگر یہ نہ ٹَلے، تو اُن لوگوں نے اِن کو بھی شہید کردیا۔ صرف دو حضرات اُن کے ساتھ رہے جن کو لے جاکر اُن لوگوں نے مکہ والوں کے ہاتھ فروخت کردیا:

ایک حضرت زید بن دَثِنہؓ، جن کو صَفوان بن اُمَیَّہ نے پچاس اونٹ کے بدلے میں خریدا؛ تا کہ اپنے باپ اُمیہ کے بدلے میں قتل کرے، دوسرے: حضرت خُبیبؓ، جن کو حُجَیر بن اَبِی اِہاب نے سو اونٹ کے بدلے میں خریدا؛ تا کہ اپنے باپ کے بدلے میں اُن کو قتل کرے۔ ''بخاری شریف'' کی روایت ہے کہ: حارِث بن عامر کی اولاد نے خریدا، کہ اِنہوں نے بدر میں حارث کو قتل کیا تھا۔

صَفوان نے تو اپنے قیدی حضرت زیدؓ کو فوراً ہی حرم سے باہر اپنے غلام کے ہاتھ بھیج دیا کہ قتل کر دیے جاویں، اِس کا تماشہ دیکھنے کے واسطے اَور بھی بہت سے لوگ جمع ہوئے جن میں ابوسفیان بھی تھے (ابھی ایمان نہ لائے تھے)، اُنہوں نے حضرت زیدؓ سے شہادت کے وقت پوچھا کہ: اے زید! تجھ کو خدا کی قسم، سچ کہنا، کیا تجھ کو یہ پسند ہے کہ محمد (ﷺ) کی گردن تیرے بدلے میں ماردی جائے اور تجھ کو چھوڑ دیا جائے، کہ اپنے اَہل وعِیال میں خوش وخُرَّم رہے؟ حضرت زیدؓ نے فرمایا کہ: ''خدا کی قسَم! مجھے یہ بھی گوارا نہیں کہ حضورِ اقدس ﷺ جہاں ہیں وہیں اُن کے ایک کانٹا بھی چبھے اور ہم اپنے گھر آرام سے رہیں''، یہ جواب سن کر قریش حیران رہ گئے، ابوسفیان نے کہا کہ: محمد (ﷺ) کے ساتھیوں کو جتنی اُن سے محبت دیکھی اُس کی نَظیر کہیں نہیں دیکھی، اِس کے بعد حضرت زیدؓ شہید کر دیے گئے۔

حضرت خُبیبؓ ایک عرصے تک قید میں رہے، حُجیر کی باندی (جو بعد میں مسلمان ہوگئی) کہتی ہے کہ: جب خُبیبؓ ہم لوگوں کی قید میں تھے، تو ہم نے دیکھا کہ خُبیبؓ ایک دن انگور کا بہت بڑا خوشہ (آدمی کے سر کے برابر) ہاتھ میں لیے ہوئے انگور کھا رہے تھے، اور مکہ میں اُس وقت انگور بالکل نہیں تھا۔ وہی کہتی ہیں کہ: جب اُن کے قتل کا وقت قریب آیا، تو اُنہوں نے صفائی کے لیے اُسترا مانگا، وہ دے دیا گیا، اِتِّفاق سے ایک کم سِن بچہ اُس وقت خُبیبؓ کے پاس چلا گیا، اُن لوگوں نے دیکھا کہ اُسترا اُن کے ہاتھ میں ہے اور بچہ اُن کے پاس، یہ دیکھ کر گھبرائے، خُبیبؓ نے فرمایا: کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں بچے کو قتل کر دوں گا؟ ایسا نہیں کر سکتا، اِس کے بعد اُن کو حَرم سے باہر لایا گیا، اور سُولی پر لٹکانے کے وقت آخری خواہش کے طور پر پوچھا گیا کہ: کوئی تمنا ہو تو بتاؤ، اُنہوں نے فرمایا کہ: ''مجھے اِتنی مہلت دی جائے کہ دو رکعت نماز پڑھ لوں، کہ دنیا سے جانے کا وقت ہے اور اللہ جَلَّ شَانُہٗ کی ملاقات قریب ہے''، چناں چہ مہلت دی گئی، اُنہوں نے دو رکعتیں نہایت اطمینان سے پڑھی، اور پھر فرمایا کہ: ''اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ تم لوگ یہ سمجھوگے کہ میں موت کے ڈر کی وجہ سے دیر کر رہا ہوں، تو دو رکعت اَور پڑھتا''، اِس کے بعد سُولی پر لٹکا دیے گئے، تو اُنہوں نے دعا کی کہ: یااللہ! کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو تیرے رسولِ پاک ﷺ تک میرا آخری سلام پہنچادے؟، چناں چہ حضور ﷺ کو بذریعۂ وحی اُسی وقت سلام پہنچایا گیا، حضور ﷺ نے فرمایا: ''وَعَلَیْکُمُ السَّلَامُ یَاخُبَیْبُ'' اور ساتھیوں کو اطلاع فرمائی کہ: خُبیبؓ کو قریش نے قتل کر دیا۔ حضرت خُبیبؓ کو جب سُولی پر چڑھایا گیا، تو چالیس کافروں نے نیزے لے کر چاروں طرف سے اُن پر حملہ کیا اور بدن کو چھلنی کر دیا، اُس وقت کسی نے قسم دے کر یہ بھی پوچھا کہ: تم یہ پسند کرتے ہو کہ تمہاری جگہ محمد (ﷺ) کو قتل کر دیں اور تم کو چھوڑ دیں؟ اُنہوں نے فرمایا: واللہِ الْعَظِیْمِ! مجھے یہ بھی پسند نہیں کہ میری جان کے فِدیے میں ایک کانٹا بھی حضور ﷺ کے چبھے۔ (فتح الباری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الرجیع، ۴۸۱/۷)

فائدہ: ویسے تو اِن قصوں کا ہر ہر لفظ عبرت ہے؛ لیکن اِس قصے میں دو چیزیں خاص طور سے قابلِ قدر، قابلِ عبرت ہیں، اُن حضرات کی نبیٔ کریم ﷺ کے ساتھ محبت وعشق، کہ اپنی جان جائے اور اِس کے بدلے میں اِتنا لفظ کہنا بھی گوارا نہیں کہ حضور ﷺ کو کسی قسم کی تکلیف معمولی سی بھی پہنچ جائے: اِس لیے کہ حضرت خُبیبؓ سے صرف زبان سے ہی کہلانا چاہتے تھے، اور صرف زبان سے کہنا ہی تھا؛ ورنہ بدلے میں حضور ﷺ کو تکلیف پہنچانے پر تو اِن کُفّار کو بھی قدرت نہ تھی؛ بلکہ وہ لوگ خود ہی ہر وقت تکلیف پہنچانے کی کوشش میں رہتے تھے، جس میں بدلہ، بے بدلہ سب برابر تھا۔ دوسری چیز نماز کی عظمت اور اُس کا شَغَف، کہ ایسے آخری وقت میں عام طور سے بیوی بچوں کو آدمی یاد کرتا ہے، صورت دیکھنا چاہتا ہے، پیَام وسلام کہتا ہے؛ مگر اِن حضرات کو پیَام وسلام دینا ہے تو حضور ﷺ کو، اور آخری تمنا ہے تو دو رکعت نماز کی۔

## (۱۰) حضور ﷺ کی جنت میں مَعِیَّت کے لیے نماز کی مدد

حضرت رَبیعہؓ کہتے ہیں کہ: میں نبیٔ اکرم ﷺ کی خدمت میں رات گزارتا تھا، اور تہجُّد کے وقت وُضو کا پانی اور دوسری ضروریات مثلاً: مسواک، مُصلّیٰ وغیرہ رکھتا تھا۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے میری خدمات سے خوش ہو کر فرمایا: مانگ، کیا مانگتا ہے؟ اُنہوں نے عرض کیا: یارسولَ اللہ! ''جنت میں آپ کی رَفاقت''، آپ ﷺ نے فرمایا: اَور کچھ؟ میں نے کہا: بس یہی چیز مطلوب ہے، آپ نے فرمایا: ''اچھا، میری مدد کیجیو سجدوں کی کثرت سے''۔ (ابوداود، کتاب الصلوۃ، باب وقت قیام النبی ﷺ، ۱۸۷/۱)

فائدہ: اِس میں تنبیہ ہے اِس اَمر پر کہ صرف دعا پر بھروسہ کر کے نہ بیٹھنا چاہیے؛ بلکہ کچھ طلب اور عمل کی بھی ضرورت ہے، اور اعمال میں سب سے اہم نماز ہے، کہ جتنی اِس کی کثرت ہوگی اُتنے ہی سجدے زیادہ ہوں گے، جو لوگ اِس سہارے پر بیٹھے رہتے ہیں کہ فلاں پیر، فلاں بزرگ سے دعا کرائیں گے، سخت غلطی ہے، اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے اِس دنیا کو اَسباب کے ساتھ چلایا ہے، اگرچہ بے اسباب ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے، اور قدرت کے اِظہار کے واسطے کبھی ایسا کر بھی دیتے ہیں؛ لیکن عام عادت یہی ہے کہ دنیا کے کاروبار اَسباب سے لگا رکھے ہیں۔ حیرت ہے! کہ ہم لوگ دنیا کے کاموں میں تو تقدیر پر اور صرف دعا پر بھروسہ کر کے کبھی نہیں بیٹھتے، پچاس طرح کی کوشش کرتے ہیں؛ مگر دِین کے کاموں میں تقدیر اور دعا بیچ میں آتی ہے۔ اِس میں شک نہیں کہ اللہ والوں کی دعا نہایت اہم ہے؛ مگر حضور ﷺ نے بھی یہ ارشاد فرمایا کہ: ''سجدوں کی کثرت سے میری مدد کرنا''۔ (تمت بالخیر)

# غصہ اور اس کا علاج

حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر نوّر اللہ مرقدہٗ

حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ○(سورۃ آلِ عمران:۱۳۴)

"جو غصہ کو پی جانے والے، لوگوں کی خطاؤں کو معاف کرنے والے ہیں، اور اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔"

## حکایت

حضرت علی بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی باندی سے آپ کے اُوپر گرم پانی گر گیا، آپ کا چہرہ غصے سے سرخ ہوگیا۔ باندی نے (یہ آیت) تلاوت کی: وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ، آپ کے چہرے سے اِس آیت کو سُنتے ہی غصّے کا رنگ ختم ہوگیا۔ پھر اُس نے پڑھا: وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ، آپ نے فرمایا کہ معاف کردیا۔ پھر اُس نے پڑھا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ، آپ نے فرمایا جا تجھے آزاد بھی کردیا۔

غصّے میں عقل ٹھکانے نہیں رہتی، انجام اور نتیجہ سوچنے کا ہوش نہیں رہتا۔ اِس لیے ہاتھ اور زبان سے ایسی نامناسب حرکتیں انسان سے صادر ہوجاتی ہیں جس سے قتل، خون، بے عزتی اور بسا اوقات گھر کے گھر اُجڑ جاتے ہیں۔ اور نہ جانے کتنی قیمتی جانیں اور مال و اسباب تباہ ہوجاتے ہیں اور کتنی مقدمہ بازیوں نے دل کا سکون اور رات کی نیند حرام کر رکھی ہے۔ جس سے دُنیا کی ترقی اور آخرت کی تیاری کے لیے وقت اور فراغ اور اطمینانِ قلب بھی میسر نہیں ہوتا۔ غصّے کی تباہ کاریوں سے کتنے بچے یتیم اور بیویاں بیوہ اور گھروں کے چراغ بجھ گئے۔ اِس خطرناک بیماری کی فکر نہایت ضروری ہے۔ غصے سے مغلوب ہونا اور مخلوقِ خدا کو ستانا نہایت درجہ بد بختی اور شقاوت اور سنگ دلی ہے۔ بزرگوں کا طریقہ تو یہ رہا ہے کہ جس نے ستایا اُس کو معاف کردیا اور اُس کے لیے دُعا کا بھی معمول رکھا۔ حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاب گڑھی کا عجیب نافع شعر ہے

جو روستم سے جس نے کیا دل کو پاش پاش
احمدؔ نے اِس کو بھی تہہ دل سے دُعا دیا

حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے دو آدمی لڑ رہے تھے، ایک نے کہا: اگر ایک کہے گا تو مجھ سے دس سُنے گا۔ مولانا نے فرمایا: ہم کو ایک ہزار کہہ لو اور ہم سے ایک بھی نہ سُنو گے۔ بس دونوں پاؤں میں گر گئے اور توبہ کی اور صلح کرلی۔

(غصے کا علاج یہ ہے کہ) سب سے پہلے یہ کرے کہ جس پر غصہ آیا ہے اُس کو اپنے سامنے سے ہٹا دے، اگر وہ نہ ہٹے تو خود ہٹ جائے، پھر سوچے کہ جس قدر یہ شخص میرا قصوروار ہے اِس سے زیادہ میں خدائے تعالیٰ کا قصوروار ہوں۔ جس طرح میں چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرا قصور معاف کردیں مجھ کو بھی چاہیے کہ میں اِس کا قصور معاف کردوں اور زبان سے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بار بار پڑھتا رہے اور پانی پی لے اور وضو کرلے۔ کھڑا ہو تو بیٹھ جائے بیٹھا ہو تو لیٹ جائے پھر جب عقل ٹھکانے ہوجائے اُس وقت بھی اگر قصور پر سزا دینی مناسب معلوم ہو مثلاً سزا دینے میں قصوروار کی بھلائی ہو جیسے اپنی اولاد ہے کہ اس کی اصلاح ضروری ہے یا کسی مظلوم کی مدد کرنا ہے اور اُس کی طرف سے بدلہ لینا ہے تو اوّل خوب سمجھ لے کہ اتنی خطا کی کتنی سزا ہونی چاہیے؟ جب اچھی طرح شریعت کے مطابق تسلی ہوجائے تو اُسی قدر سزا دے دے۔ چند روز اِسی طرح کرنے سے غصہ قابو میں آجائے گا۔

ایک مرتبہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب ایک خادم کو ڈانٹ رہے تھے۔ اس نے کہا: 'معاف کردیجیے'۔ شیخ نے فرمایا کہ 'کتنی مرتبہ معاف کروں تم تو بار بار غلطیاں کرتے ہو، میں تمہاری کتنی غلطیوں کو بھگتوں'۔ حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ حیات تھے، پاس بیٹھے تھے، کان میں حضرت شیخ کے فرمایا کہ 'مولانا! جتنا اپنا قیامت کے دن بھگتوانا ہو اتنا یہاں بھگت لو'۔ عجیب اصلاح کا عنوان ہے اور نہایت مؤثر ہے۔ جس پر غصہ آئے یہ بات یاد کرلے ان شاء اللہ تعالیٰ، معاف کرنے کی توفیق ہوجاوے گی۔

حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کو جب اپنے بھانجے حضرت مسطح رضی اللہ عنہ پر غصہ آیا اور آپ نے غصّے میں قسم کھالی کہ اُس کو جو مالی امداد کیا کرتا تھا اب نہ کروں گا تو قرآن میں حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اصلاح کے لیے یہ حکم نازل ہوا:

وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُّؤْتُوْا أُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا أَلَا تُحِبُّوْنَ أَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ○(سورۃ النور:۲۲)

یعنی تم میں سے جن کو اللہ تعالیٰ نے دین کی بزرگی اور دُنیا کی وُسعت دی اُنہیں لائق نہیں کہ ایسی قسم کھائیں، اُن کا ظرف بہت بڑا اور اُن کے اخلاق بہت بلند ہونے چاہیے۔ بڑی جواں مردی تو یہ ہے کہ بُرائی کا بدلہ بھلائی سے دیا جائے، محتاج رشتہ داروں اور خدا کے لیے وطن چھوڑنے والوں کی اعانت سے دست کش ہوجانا بزرگوں اور بہادروں کا کام نہیں، اگر قسم کھالی ہے تو ایسی قسم کو پورا مت کرو اُس کا کفارہ ادا کرو، تمہاری شان یہ ہونی چاہیے کہ خطاکاروں سے اغماض اور درگزر کرو، ایسا کروگے تو حق تعالیٰ تمہاری کوتاہیوں سے درگزر فرمائیں گے۔ کیا

تمہیں یہ بات پسند نہیں کہ حق تعالیٰ تمہاری خطائیں معاف فرمادیں؟اور اگر تم یہ خواہش رکھتے ہو تو تمہیں حق تعالیٰ کے بندوں کی خطائیں معاف کرنا چاہیے تاکہ اِس کے صلے میں ہم تمہاری خطائیں معاف کردیں۔ حدیث شریف میں روایت ہے کہ جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اِس آیت کو سُنا: ''اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰہُ لَکُمْ ''، یعنی 'کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تم کو معاف کردیں'، تو فوراً کہا ''بَلٰی یَا رَبَّنَا اِنَّا نُحِبُّ''، 'بے شک اے پروردگار! ہم ضرور چاہتے ہیں'۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ کہا ''وَاللّٰہِ اِنِّیْ اُحِبُّ اَنْ یَّغْفِرَاللّٰہُ لِیْ ''، 'خدا کی قسم !میں محبوب رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری مغفرت فرمادیں'۔ یہ کہہ کر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت مسطح رضی اللہ عنہ کی امداد کو بدستور صرف جاری ہی نہیں فرمایا بلکہ بعض روایت کے مطابق پہلے سے دُگنی کردی، رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیا(متقین) کی شان میں یہ فرمایا ہے:

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَالْکٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ○(سورۃ آلِ عمران:۱۳۴)

متقین بندے وہ ہیں جو خوشی اور عیش میں بھی اور تکلیف و تنگی میں بھی خرچ کرتے ہیں (یعنی کسی حالت میں بھی خدا کو نہیں بھولتے) اور غصے کو پی جاتے ہیں اور مزید یہ کہ لوگوں کی خطاؤں کو معاف بھی کردیتے ہیں اور نہ صرف معاف کردیتے ہیں بلکہ اُن کے ساتھ احسان اور نیکی سے پیش آتے ہیں۔

اب ''تبلیغ دین'' مصنفہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ سے تین احادیث نقل کی جاتی ہیں جن کا بار بار مطالعہ کرنا چاہیے:

1. حدیثِ پاک میں ہے کہ 'پہلوان وہ نہیں جو اپنے دشمن کو پچھاڑ دے بلکہ پہلوان وبہادر وہ ہے جو اپنے غصّے پر غالب آجائے اور غصّے کو پچھاڑ دے۔'
2. دوسری حدیث میں ہے کہ اللہ کے نزدیک سب سے بہتر گھونٹ جو مسلمان پیتا ہے غصّے کا گھونٹ ہے۔
3. تیسری حدیث میں ہے کہ جس مسلمان کو اپنی بی بی بچوں یا ایسے لوگوں پر غصّہ آئے جن پر اپنا غصّہ اُتار سکتا ہے اور پھر وہ ضبط کرلے اور تحمل سے کام لے تو حق تعالیٰ اُس کا قلب امن اور ایمان سے بھر دے گا۔

(ماخوذ از: روح کی بیماریاں اور ان کا علاج)

## بقیہ: سراج الدین حقانی صاحب

حالانکہ ان مجاہدین کو ہم کفار کے ساتھ دشمنی کی وجہ سے جانتے ہیں، تو یہ ہمیں بالکل اچھا نہیں لگتا کہ ہم ان مجاہدین کی عزت خراب کردیں کیونکہ ان کی بے عزتی کرنا اپنے آپ کو بے عزت کرنے کے مترادف ہے۔ لہٰذا آپ حضرات بھی کوشش کیجیے کہ کسی کو اپنے عمل سے جہاد کی صفوں سے دور نہ کریں۔ ہم نے دعوت وارشاد کا شعبہ بنایا ہے لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دینے کے لیے۔ لوگوں کو جہاد سے متنفر نہ کریں، ان کو اتنی تکلیف نہ دیں کہ کل اپنے لوگ ہی ان کے بارے میں بدگمانی کا شکار ہوں۔ لوگوں کو اخوت و محبت کے ساتھ جہاد کا راستہ دکھایا کریں۔ اگر آپ نے ان لوگوں کو اپنا نہ بنایا تو دشمن نے تو پہلے سے اس طرح کے لوگوں کے لیے دروازے کھول رکھے ہیں۔ لیکن ہم مجاہدین کا حال یہ ہے کہ جب پانچ ساتھیوں کے درمیان کسی بات پر ناراضگی ہو جاتی ہے تو ہم ایک دوسرے کو تکلیف پہنچاتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ وہ مجبور ہو کر جہاد چھوڑ دیتا ہے۔ جو کچھ بھی ہو جائے ہمیں آخری وقت تک اس کی اصلاح کی کوشش کرنی چاہیے، اس پر شفقت کریں۔

جہادی ایام مختصر ہوتے ہیں لیکن اس عبادت کا مزہ زیادہ ہوتا ہے، پھر ہم ان مبارک ایام کو یاد کریں گے لیکن دوبارہ ہمیں موقع نہیں ملے گا۔ اگر ہم نے موسمِ گرما کی تشکیل گزاردی یہ سوچ کر کہ ابھی تو سردیاں ہیں اگلی تشکیل اگلے سال کے موسمِ گرما میں گزاروں گا۔ تشکیل میں یہ تو فرض نہیں کہ صرف موسمِ گرما میں تشکیل گزارنی ہے، جیسا کہ ہم نے اس بات پر بھی بیعت کی ہے کہ تنگی اور آسانی میں امیر کی اطاعت کریں گے۔ آپ حضرات کو معلوم ہے کہ پرانے زمانے میں جب جہاد ہوا کرتا تھا تو ہر طرف سے لوگ نصرت کے لیے پہنچ جاتے تھے۔ آپ سختی کے وقت دوسروں کی نصرت کریں اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا بدلہ دیں گے۔ غزوۂ تبوک کے بارے میں سنا ہوگا کہ کچھ صحابہ کرام جہاد سے پیچھے رہ گئے۔ چالیس دن تک ان پر توبہ کا دروازہ بند رہا، ان کے بارے میں اتنی سخت وعید نازل ہوئی۔ اسی طرح ایک صحابی کا واقعہ ہے کہ وہ جہادی قافلے کے ساتھ روانگی میں صرف اس وجہ سے پیچھے رہے کہ جمعے کا دن تھا میں رسول اللہ ﷺ کی امامت میں جمعے کی نماز پڑھ لوں گا اور اس کے بعد قافلے میں شامل ہو جاؤں گا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ تمہیں کس چیز نے قافلے سے پیچھے رکھا تو آپؓ نے اپنا حال سنایا جس کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کی راہ میں ایک گھڑی گزارنا دنیا اور اس میں جو کچھ ہے اس سے بہتر ہے۔ لہٰذا جب ہمارے بھائیوں کو کہیں بھی تکلیف پہنچے، چاہے قندوز ہو یا بدخشاں، کہیں بھی، ہم اور آپ مدد کے لیے جائیں گے ناں؟ ان شاء اللہ ہم ان کی نصرت کے لیے پہنچیں گے کیونکہ یہ اللہ کے دین کی نصرت ہے۔ آپ سب کو اللہ کے حوالے کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ آپ سب کو دنیا و آخرت کی سعادت نصیب فرمائے، آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین!

# حُسنِ نیت: کلیدِ جنّت

حافظہ ام حیدر

انسان کو اللہ رب العزت نے دنیا میں تخلیق فرمایا اور دو راہیں اس کے سامنے واضح کر دیں۔ عمل اچھا ہو یا برا، جزا بھی تجویز کر دی اور سزا بھی تجویز کر دی، اب عمل کی بنیاد پر دارومدار ہے۔ نیک عمل ہے تو بدلہ بھی احسن ہے، دنیا بھی اچھی ہے اور عقبیٰ بھی کامیاب ہے۔ لیکن اگر عمل کی دنیا میں اخلاص نہیں ہے، ریاکاری ہے، حبِ جاہ ومال ہے تو دنیا میں بالفرض نیک نامی ہو بھی جائے لیکن آخرت میں ناکامی کا سامنا ضرور بالضرور ہے۔ یہی دو راستے ہیں جو بحیثیت ایک مسافر ہونے کے ہمارے سامنے موجود ہیں ۔

ہمارے لیے قرآنی آیات اور احادیث مشعل راہ بنی ہوئی ہیں اور نجات دہندہ کے طور پر موجود ہیں کہ

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

اصلاً تو مسلمان کا ہر عمل اس کے اخلاص اور صدقِ نیت کی بدولت نجاتِ آخرت کا باعث ہونا چاہیے لیکن ہماری کوتاہ نظری کی بدولت ہمارے اعمال ہمارے لیے سرمایۂ آخرت نہیں بن سکتے۔ بات سیدھی اور صاف ہے جو ہم میں سے ہر ایک کے ذہن میں سما سکتی ہے اور ایک مختصر سی حدیث مبارکہ میں پورا کا پورا مضمون موجود ہے کہ "انما الاعمال بالنیات" یعنی سارے اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔

یہ چند الفاظ پر مشتمل حدیثِ مبارکہ ہے لیکن ایک جامع حدیث ہے جو آپ کے ہر عمل کی درستگی کا ذریعہ بن کر اسے آخرت کا زادِ راہ بنا سکتی ہے۔ اس کی تشریحات میں شارحین نے پوری پوری صفحات بندی کی ہے۔ یہ مختصر لیکن جامع حدیث ہماری پوری زندگی کے گرد گھومتی نظر آتی ہے اور ہر عمل کی شروعات میں ہم سے تقاضہ کرتی ہے کہ ہم اپنے عمل کو ابتدا ہی سے اس حدیث مبارکہ کے مطابق لے کر چلیں۔

نیت کے لغوی معنی قصد اور ارادہ کے ہیں۔ شرعی اصطلاح میں ہر وہ کام مراد ہے جس میں رضائے خداوندی مقصود ہو۔

یہ حدیث جوامع الکلم میں سے ہے۔ امام بخاریؒ، امام ابو حنیفہؒ اور بعض حضرات نے جب ذخیرہ حدیث میں سے چند احادیث کا انتخاب تو اس میں یہ حدیث مبارکہ بھی تھی ۔ بعض اکابر امت نے فرمایا یہ حدیث آدھا دین ہے۔

کتاب 'معرفت علوم حدیث' میں عبد الرحمن بن مہدی کا قول نقل ہے کہ اگر مجھے کسی کتاب کی تصنیف کا موقع ملا تو اس کتاب کی ابتدا اور اس کے ہر باب کی ابتدا اسی حدیث مبارکہ سے کروں گا۔

حضور ﷺ نے فرمایا:

"نية المؤمن خير من عمله۔"

"مومن کی اچھی نیت اس کے اچھے عمل سے بہتر ہے۔"

کیونکہ عمل میں ریا کا امکان ہے جبکہ نیت تو ریا سے بالکل پاک ہے۔ قرآن پاک میں بھی صدقہ وخیرات کے متعلق آیات میں نیت کو صراحتاً بیان کیا گیا ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ۝وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ۝(سورۃ البقرۃ: ۲۶۴-۲۶۵)

"اے ایمان لانے والو! اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور دکھ دے کر اس شخص کی طرح خاک میں نہ ملا دو، جو اپنا مال محض لوگوں کے دکھانے کو خرچ کرتا ہے اور نہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے، نہ آخرت پر۔ اس کے خرچ کی مثال ایسی ہے، جیسے ایک چٹان تھی، جس پر مٹی کی تہہ جمی ہوئی تھی۔ اس پر جب زور کا مینہ برسا، تو ساری مٹی بہہ گئی اور صاف چٹان کی چٹان رہ گئی۔ ایسے لوگ اپنے نزدیک خیرات کر کے جو نیکی کماتے ہیں، اس سے کچھ بھی ان کے ہاتھ نہیں آتا، اور کافروں کو سیدھی راہ دکھانا اللہ کا دستور نہیں ہے۔

بخلاف اس کے جو لوگ اپنے مال محض اللہ کی رضا جوئی کے لیے دل کے پورے ثبات و قرار کے ساتھ خرچ کرتے ہیں، ان کے خرچ کی مثال ایسی ہے، جیسے کسی سطح مرتفع پر ایک باغ ہو۔ اگر زور کی بارش ہو جائے تو دوگنا پھل لائے، اور اگر زور کی بارش نہ بھی ہو تو ایک ہلکی پھوار ہی اس کے لیے کافی ہو جائے۔ تم جو کچھ کرتے ہو، سب اللہ کی نظر میں ہے۔"

ان مذکورہ بالا دو آیتوں میں صدقہ وخیرات کرنے والے دو آدمیوں کا ذکر کر کے بتایا ہے کہ ایک دکھلاوے کے لیے خرچ کرتا ہے اور دوسرا اللہ کی رضا کے لیے خرچ کرتا ہے۔ دیکھنے والے نہیں فرق کرسکتے کہ کس کا عمل خالصتاً للہ ہے لیکن نیت کی بدولت ایک کا عمل برکت کا باعث ہے اور دوسرے کا اکارت ہے۔ بڑے سے بڑا عمل بھی اگر اخلاص اور للّٰہیت سے خالی ہو گا تو وہ جہنم ہی میں لے جائے گا۔

ایک حدیث میں وارد ہوا ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے تین اشخاص کے متعلق عدالت الٰہیہ سے جہنم کا فیصلہ سنایا جائے گا۔ سب سے پہلے ایسے شخص کی پیشی ہو گی جو جہاد میں شہید ہوا ہو گا، وہ جب حاضرِ عدالت ہو گا تو اللہ تعالیٰ پہلے اس کو اپنی نعمتیں جتائے گا اور یاد دلائے گا، جب وہ اس کو یاد آ جائیں گی پھر اس سے فرمایا جائے گا بتلا تو نے ان نعمتوں کا کیا حق ادا کیا؟ اور کیا عمل کیے؟ وہ عرض کرے گا خداوندا! میں نے تیری راہ میں جہاد کیا اور تیری رضا طلبی میں جانِ عزیز تک قربان کر دی۔ حق تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹ بولتا ہے تو نے تو صرف اس لیے جہاد کیا تھا کہ تو بہادر مشہور ہو، تو دنیا میں تیری بہادری کا چرچا ہو چکا۔ پھر اللہ کے حکم سے اس کو اوندھے منہ جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ اسی طرح ایک عالم دین اور عالمِ قرآن حاضرِ عدالت کیا جائے گا اور اس سے بھی اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ تو نے کیا اعمال کیے؟ وہ کہے گا میں نے تیرے دین اور تیری کتاب کے علم کو پڑھایا، اور یہ سب تیری رضا کے لیے کیا۔ حق تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹا ہے، تو نے تو عالم، قاری، اور مولانا کہلانے کے لیے یہ سب کچھ کیا تھا۔ پھر بحکم خداوندی اس کو بھی دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ پھر اس کے بعد ایک شخص پیش ہو گا جس کو اللہ نے بہت کچھ مال و دولت دیا ہو گا۔ اس سے بھی سوال کیا جائے گا کہ تو نے کیا کیا؟ وہ عرض کرے گا کہ خداوندا! میں نے خیر کا کوئی شعبہ ایسا نہیں چھوڑا جس میں تیری رضاجوئی کے لیے اپنا مال نہ خرچ کیا ہو۔ حق تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹا ہے، تو نے تو صرف اس لیے مال خرچ کیا تھا کہ دُنیا تجھ کو سخی کہے تو دنیا میں تیری سخاوت کا خوب چرچا ہو لیا، پھر اس کو بھی اوندھے منہ جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ (مسلم)

اس حدیث مبارکہ سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے ہر عمل کے اندر اس کی نیت کا کس قدر عمل دخل ہے۔ یہ نیت ہی ہے جس کی بدولت صرف نیکی کا ارادہ کرنا بھی باعث اجر ہے اور اسی نیت کی درستگی نہ ہونے کے سبب بڑے سے بڑا عمل گو کہ محنت مشقت سے پُر ہو اکارت ہے، ضائع ہے، ذخیرۂ آخرت نہیں ہے۔

ہمارا ہر عمل چاہے وہ چھوٹا سا ہی کیوں نہ ہو ہماری حسنِ نیت کے باعث اجر کا حامل ہے چاہے دنیاوی فائدہ بھی حاصل ہوتا ہو مثلاً آپ گھر بناتے ہیں اب آپ اس میں روشن دان بناتے ہیں۔ ہم میں سے ہر ایک کی نیت روشن دان رکھنے میں یہ ہوتی ہے کہ اس سے ہوا آئے گی اور حبس نہیں ہو گا۔ لیکن اگر ساتھ ہی یہ نیت کر لیں کہ اس کے ذریعے سے اذان کی آواز آئے گی اور نماز کے لیے بیدار ہونے میں مدد ملے گی تو یہ روشن دان کا رکھنا اجر کا باعث ہو جائے گا اور ہوا اپنی جگہ الگ ملتی رہے گی۔

یہ تو ایک مثال ہے۔ ہماری روزمرہ کی زندگی میں بے شمار کام ایسے ہیں جن میں حسن نیت کی وجہ سے ہم ڈھیروں ڈھیر اجر کما سکتے ہیں۔ ہم اپنے روزمرہ کے کاموں میں اپنی نیت خالص رکھیں اور اپنے آپس کے معاملات للہ فی اللہ رکھیں تو بنا کسی مشقت کے رب کی رضامندی مل سکتی ہے۔ جتنے بھی جائز اور مباح کام ہیں ان کو اچھی نیت کی وجہ سے باعثِ اجر و ثواب بنایا جایا جا سکتا ہے۔ مثلاً کھانا کھانا ایک مباح کام ہے لیکن اگر یہ نیت کر لی جائے کہ اس کے کھانے سے جو قوت حاصل ہو گی اسے طاعات کے کاموں میں صرف کریں گے تو یہ کھانا بھی ہمارے کے لیے باعث اجر ہو گا۔

ایک اور حدیث مبارکہ کا مفہوم ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نہ تمہاری صورتوں کو دیکھتا ہے نہ تمہارے مالوں کو دیکھتا ہے بلکہ اس کی نظر تمہارے دلوں اور تمہارے اعمال پر ہے۔

اعمال بھی وہ قابل قبول ہیں جو ریاکاری سے پاک ہوں، اخلاص سے کیے گئے ہوں، ہر عمل کی ابتدا میں نیت کی درستگی ہو اور اختتام بھی لِوَجہِ اللہ ہو تو وہ عمل چاہے معمولی ہی کیوں نہ ہو مقبول ہے۔

برخلاف اس عمل کے خوب خرچ کیا جائے یا اپنے آپ کو عبادات میں خوب تھکایا جائے لیکن واہ واہ مقصود ہو، ریاکاری ہو، دکھلاوا ہو، تو نیک نامی کا یہ چرچا بھی آپ کے کسی کام کا نہیں کیونکہ ایک نیت کے درست نہ ہونے کی وجہ سے اعمال سب اکارت ہو جایا کرتے ہیں۔

اللہ رب العزت نے انسان کے ساتھ کس قدر بھلائی کا معاملہ فرمایا ہے کہ اچھی نیت پر باوجود یہ کہ عمل ہو یا نہ ہو، اجر ضرور دیتے ہیں۔ اور عمل اگر اخلاص کے ساتھ کیا گیا ہو اور متعدد خیر کی نیتیں شامل ہوں تو ہر ایک نیت ایک مستقل ثواب کی حامل ہے۔ غرض یہ کہ ہم جیسے انسانوں کے لیے یہ دنیا ایک متاعِ قیمتی ہی ہے کہ جس کو اگر اپنی غفلت کی بنا پر ضائع کر دیا تو خسارہ ہی خسارہ ہے۔ ورنہ ہر چھوٹے سے چھوٹا عمل بھی اگر لِوَجہِ اللہ کیا گیا ہو تو ایک مستقل اجر کا باعث بن سکتا ہے۔

اللہ کریم ہم سب کو حسنِ نیت اور اخلاص کے ساتھ اپنے ہر کام کو سر انجام دینے والا بنائے، آمین!



# امیر المومنین
## شیخ ھبۃ اللہ اخوندزادہ نصرہ اللہ
## کی ہدایات...... مجاہدین کے نام
# امرا و مسئولین کو نصیحتیں [۲]

### (۳) مجاہدین اور شہدا کے گھرانوں کا خیال رکھنا

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے گھر کے علاوہ کسی کے گھر میں نہیں جاتے تھے، کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس گھر میں کثرت سے جانے کی وجہ پوچھی، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ 'مجھے اس پر رحم آتا ہے کیونکہ اس کا بھائی میرے ساتھ شہید ہوا تھا'۔ حضرت ام سلیمؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی خالہ تھیں اور ان کے بھائی حرام بن ملحانؓ بئر معونہ کے واقعے میں شہید ہوئے تھے۔

لہٰذا امیر کے لیے لازم ہے کہ اپنے ساتھیوں اور ان کے اہل و اولاد کی مزاج پرسی کرے اور ان کی ضروریات کو پورا کرے، جو شخص اس کی امارت کے تحت شہید ہوا ہو تو اس کے اولاد کی ضروریات کو پورا کرنا اس امیر پر واجب ہے۔ امیر کا یہ عمل جہاد فی سبیل اللہ کے ساتھ مجاہدین کی محبت میں اضافہ کرتا ہے اور مجاہدین کے لیے اللہ کے راستے میں اپنے سروں کو قربان کرنے میں آسانی پیدا کرتا ہے۔

### (۴) قوم پرستی اور اس کے نقصانات

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ○ (سورۃ الحجرات: ۱۳)

''اے لوگو! حقیقت یہ ہے کہ ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے، اور تمہیں مختلف قوموں اور خاندانوں میں اس لیے تقسیم کیا ہے تاکہ تم ایک دوسرے کی پہچان کر سکو، درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہو۔ یقین رکھو کہ اللہ سب کچھ جاننے والا، ہر چیز سے باخبر ہے۔''

مطلب یہ کہ قوموں اور قبیلوں کی تقسیم اس مقصد کی خاطر ہوئی تاکہ میراث اور دیت کی پہچان ہو جائے، نہ کہ ایک کو دوسرے سے زیادہ عزت دی جائے، اس لیے اللہ کے ہاں سب سے محترم وہ ہے جو تقویٰ میں بڑھ کر ہو، لہٰذا اپنے باپ، دادا، قوم اور قبیلے پر فخر کرنا جائز نہیں۔

حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''نسب کوئی ایسی چیز نہیں جس کے سبب تم کسی کو برا کہو اور عار دلاؤ۔ تم سب کے سب آدم کی اولاد ہو جس طرح ایک صاع دوسرے صاع کے برابر ہوتا ہے کہ جس کو تم نے بھرا نہ ہو کسی کو کسی پر کوئی فضیلت و ترجیح نہیں ہے علاوہ از دین اور تقوی کے۔ آدمی کی برائی کے لیے بس اتنا ہی کافی ہے کہ وہ زبان دراز، فحش گوئی اور لچر باتیں کرنے والا بخیل ہو۔''

امام زہری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس شخص میں جتنی زیادہ عصبیت ہو، اتنا ہی اس کے دل سے ایمان نکلتا ہے۔''

حضرت واثلہ بن اسقعؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا 'یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصبیت یعنی جاہلیت کیا چیز ہے؟' آپ نے فرمایا 'عصبیت یہ ہے کہ تم ظلم پر اپنی قوم و جماعت کی حمایت کرو'۔ (ابوداود)

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو شخص اپنی قوم کی ناحق حمایت و مدد کرے وہ اس اونٹ کی مانند ہے جو کنویں میں گر پڑے اور پھر اس کی دم پکڑ کر اس کو کھینچا جائے۔'' (ابوداود)

مطلب یہ کہ وہ شخص اپنے آپ کو اس طرح کی ہلاکت میں ڈالتا ہے جس طرح ایک اونٹ کنویں میں گر جائے اور نکالنے کے لیے اس کو دم سے پکڑ کر کھینچا جائے، کیونکہ اس سے اونٹ کا بچنا ناممکن ہے، لہٰذا اونٹ کی طرح یہ شخص بھی نجات نہیں پا سکتا۔

### (۵) اتحاد و اتفاق

مجاہدین کو چاہیے کہ اپنے امور میں متحد رہیں، اتحاد کو اپنائیں اور اپنے نظم کو مستحکم بنائیں۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ○ (سورۃ آلِ عمران: ۱۰۳)

''اور اللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوطی سے تھامے رکھو، اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو، اور اللہ نے تم پر جو انعام کیا ہے اسے یاد رکھو کہ ایک وقت تھا جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، پھر اللہ نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا اور تم اللہ کے فضل سے بھائی بھائی بن گئے، اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے، اللہ نے تمہیں اس سے نجات عطا فرمائی۔ اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنی نشانیاں کھول کھول کر واضح کرتا ہے، تاکہ تم راہ راست پر آجاؤ۔''

مجاہدین کو چاہیے کہ کسی بھی کام میں اختلاف کا شکار نہ ہوں، اگر شرعی وسیاسی امور میں اختلاف ہو جائے تو شرعی امور کے لیے علمائے کرام کی طرف رجوع کریں اور سیاسی امور میں اپنے امرا کی طرف، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوۡحِىۡۤ اِلَيۡهِمۡ فَسۡـَٔلُوۡۤا اَهۡلَ الذِّكۡرِ اِنۡ كُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ○ (سورۃ النحل: ۴۳)

’’اور ہم نے تم سے پہلے بھی کسی اور کو نہیں، انسانوں ہی کو پیغمبر بنا کر بھیجا تھا جن پر ہم وحی نازل کرتے تھے۔ اب اگر تمہیں اس بات کا علم نہیں ہے تو جو علم والے ہیں ان سے پوچھ لو۔‘‘

اسی طرح دوسری جگہ اللہ رب العزت نے فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَاُولِى الۡاَمۡرِ مِنۡكُمۡ‌ۚ فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ فِىۡ شَىۡءٍ فَرُدُّوۡهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوۡلِ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ‌ؕ ذٰلِكَ خَيۡرٌ وَّاَحۡسَنُ تَاۡوِيۡلًا○ (سورۃ النساء: ۵۹)

’’اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی بھی اطاعت کرو اور تم میں سے جو لوگ صاحب اختیار ہوں ان کی بھی۔ پھر اگر تمہارے درمیان کسی چیز میں اختلاف ہو جائے تو اگر واقعی تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اسے اللہ اور رسول کے حوالے کر دو۔ یہی طریقہ بہترین ہے اور اس کا انجام بھی سب سے بہتر ہے۔‘‘

مجاہدین کے مابین اختلاف ان کی قوت اور دشمن پر طاری ہونے والے رعب کو ختم کر دیتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوۡا فَتَفۡشَلُوۡا وَتَذۡهَبَ رِيۡحُكُمۡ‌ وَاصۡبِرُوۡا‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيۡنَ○ (سورۃ الانفال: ۴۶)

’’اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، اور آپس میں جھگڑا نہ کرو، ورنہ تم کمزور پڑ جاؤ گے، اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی، اور صبر سے کام لو۔ یقین رکھو کہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔‘‘

(وما علينا إلّا البلاغ المبين!)

## بقیہ: قبولیتِ جہاد کی شرائط

یہ صرف تمہارے ضعفا کی وجہ سے تمہیں مل رہا ہے۔ وہ بوڑھی عورتیں جو تمہارے لیے دعائیں کرتی ہیں، ان کی وجہ سے تم کو مل رہا ہے، وہ تمہاری مائیں جنہوں نے پتہ نہیں کہ کس دل کے ساتھ اجازت دی (جہاد میں جانے کی) وہ جو پیچھے رو رو کے تمہارے لیے دعائیں کرتی ہیں، ان کی وجہ سے تمہیں رزق مل رہا ہے، نصرت ہو رہی ہے۔ وہ بوڑھے بوڑھے علما و صالحین جو راتوں کو اٹھ اٹھ کے، تہجد میں ہم جیسے بد اعمالوں کے لیے، ہمیں پتہ نہیں کیا چیز سمجھتے ہوئے اللہ سے دعائیں کرتے ہیں، ان کی وجہ سے ہے ہماری یہ نصرتیں ہمارا رزق جاری ہے۔ وہ چھوٹے چھوٹے معصوم بچے جن کو ابھی جہاد کا بھی مفہوم پوری طرح سے نہیں معلوم، وہ جب کسی کا بھائی، کسی کا بیٹا، وہ جب اس کے لیے ہاتھ اٹھا کے دعائیں کرتا ہے، ان دعاؤں کی وجہ سے ان کے اخلاص کی وجہ سے، ان کی محبت کی وجہ سے یہ نصرت ہو رہی ہے، تم اپنے آپ کو کیا سمجھتے ہو کہ تمہارے اندر کوئی ایسی چیز ہے، کہ کیا تمہاری وجہ سے یہ سارے محاذ چل رہے ہیں؟ کیا تمہاری وجہ سے یہ امریکہ گر رہا ہے؟

یہ پوری امت کھڑی ہے، یہ امت آج اپنی دعائیں کھینچ لے، یہ امت آج اللہ کو ناراض بحیثیت مجموعی کر دے، تو ہم کون ہیں؟ ہم تو خود اعمال میں تہی دامن ہیں۔ محض میدان کے اندر بیٹھے ہوئے ہیں۔ تو اپنے دلوں میں عاجزی پیدا کریں اور اپنی حقیقت پہ نگاہ رکھیں، اپنے گناہوں پہ نگاہ رکھیں، ہمیں اللہ ہی نکال کر یہاں تک لایا ہے۔ جس دن اللہ نے رد کر دیا، اس دن اسفل سافلین، ان سے بھی زیادہ نعوذ باللہ نیچے جا کر گریں گے۔ جس کو ہم آج حقیر سمجھ رہے ہیں کہ وہ جہاد پر نہیں آئے، تو پیارو! سب اللہ جانتا ہے کہ کس کا کیا مقام ہے؟

یہ سب کچھ قیامت کے دن پوشیدہ راز عیاں ہونے ہیں اور یہ قیامت کے دن سب کچھ کھلے گا۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو اس دن معاف کر دے اور اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو اس دن جنتوں میں اکٹھا فرما دے۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله ربّ العالمين!

------ تمّت بالخير ------

## بقیہ: تشنگانِ جامِ شہادت

اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق دے اور افغانستان کو فتح مبین دے۔ اے اللہ! فرشتوں کی مدد بھیج دے، ہم داڑھی والے، گول ٹوپی والے علما کی عزت رکھ لے۔ سارے عالم اسلام کی آبرو رکھ لے۔ عالم اسلام کے دشمنوں کو خاک میں ملا دے۔ ان کے خیالات اور ان کے مذموم عزائم کو خاک میں ملا دے اور افغانستان کو مضبوط اسلامی سلطنت قیامت تک کے لیے بنا دے۔ اے اللہ! تقریباً سولہ لاکھ شہید ہوئے ہیں، ان سولہ لاکھ شہیدوں کے خون کو اپنی رحمت سے قبول فرما کر ان کے خون کی عظمت کے صدقہ میں طالبان کو فتح مبین، فتح عاجل کامل مستمر عطا فرما اور جلدی سے فرشتوں سے مدد فرما کر جتنے کمیونسٹ بدمعاش دھوکہ باز منافقین ہیں ان سب کو گرفتار کرا کے ان کو قانونِ شریعت کے مطابق عبرت ناک سزاؤں سے روسیاہ کر دے اور ان کی ذلت و خواری کی خبروں کو سارے عالم میں نشر کرا دے۔ اے اللہ! اگرچہ ہم آپ کے نالائق بندے ہیں، لیکن کافر ہمیں آپ کا سمجھتے ہیں۔ اگرچہ ہم اپنی نالائقی سے آپ کے نہیں بن سکے لیکن کافر سمجھتے ہیں کہ یہ مسلمان اللہ کے ہیں۔ اے اللہ! اپنی اس نسبت کی لاج رکھ لے، کافروں کے اس خیال اور اس نظریہ سے کہ وہ ہمیں آپ کا سمجھتے ہیں۔ ہماری آبرو کی لاج رکھ لے اور ہم نالائقوں کو لائق بھی بنا دے، آمین!

وصلى الله تعالىٰ على خير خلقه محمد واله وصحبه اجمعين برحمتك يا ارحم الراحمين.

☆☆☆☆☆

# ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم......رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن!

نائب امیر المومنین خلیفہ صاحب ملا سراج الدین حقانی حفظہ اللہ

اعــوذ باللــه من الشیطــٰن الرجیــم

بســـــم اللـــــه الرحمٰــــن الرحیـــــم

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ۝(سورۃ النساء:۵۹)

”اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی بھی اطاعت کرو اور تم میں سے جو لوگ صاحب اختیار ہوں ان کی بھی۔“

میرے محترم بھائیو!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

اللہ تعالیٰ آپ سب کی قربانیاں اور تکالیف اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے، اللہ تعالیٰ ہمارے شہدا کے درجات بلند فرمائے اور ہمیں ان کا نعم البدل عطا فرمائے، آمین!

کافی عرصے سے آپ بھائیوں سے ملاقات کرنے کی خواہش تھی، آپ سب بھائیوں سے ملاقات کرنا میرے لیے سعادت ہے، یقیناً آپ سب نے اپنی مسئولیت کا حق ادا کیا ہے، اللہ تعالیٰ آپ سب سے راضی ہو جائے، ہم آپ سے راضی ہیں، ہم آپ کے بارے میں مطمئن ہیں کیونکہ ہم آپ کی نگرانی نہیں کر رہے بلکہ اللہ رب العزت آپ سب کو دیکھ رہا ہے۔ آج دنیا بھر کے لوگ دوست و دشمن امارتِ اسلامیہ کے وحدت و اتفاق، ایثار و استقامت کے چشم دید گواہ ہیں، اس کی وجہ آپ حضرات کا تمام امور میں اللہ کا خوف ہے، اللہ، اس کے رسول ﷺ اور اپنے امرا کی اطاعت ہے۔

جہاد فی سبیل اللہ کا آغاز نہایت اخلاص اور خالص نیتوں سے ہوا تھا کیونکہ اس وقت مادی اسباب نہیں تھے اور مسئولیتیں (بمعنیٰ عہدہ) نہیں تھیں، کوئی دلگئے (جہادی مجموعہ یا گروپ) نہیں تھا، کسی ولسوالی (ضلع) یا ولایت (صوبے) کی ذمہ داریاں نہیں تھیں، ہر شخص اپنے جہادی فریضے کی طرف اس خوف سے متوجہ تھا اللہ رب العزت کے ہاں ہم سے پوچھا نہ جائے، باقی فتح و نصرت اللہ کے ہاتھ میں ہے، کوئی یہ نہیں سوچتا تھا کہ ہمارا کام کامیاب ہو گا یا نہیں، دوست و دشمن سب یہی کہتے تھے کہ تم لوگ پہاڑوں اور آگ کے ساتھ مقابلہ کر رہے ہو، یہ مقابلہ ناممکن ہے۔ اپنی جانوں کو عبث تکالیف و سختیوں میں نہ ڈالو۔ اسباب کے اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو آپ سب کا جہاد کرنا ناممکن ہے، لیکن الحمدللہ، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے نصرت کا عدہ کیا ہے، اللہ تعالیٰ کے کلامِ مبارک اور رسول اللہ ﷺ کے ارشادات پر ہمارا عقیدہ اور ایمان ہے کہ اگرچہ ہم رہیں یا نہ رہیں 'احدی الحسنیین' (شہادت یا فتح مندی میں سے کوئی ایک کامیابی) ہمارا مقدر ہے، ہمارا جو عقیدہ ابتدائے جہاد میں تھا اس عقیدے کو ہم اپنی مسئولیت، خدمات اور مادی وسائل حاصل ہو جانے کے بعد خراب نہ ہونے دیں۔ بعض مخلص مجاہد ساتھیوں کو میں دیکھتا ہوں کہ وہ اپنے آپ کو اس وقت تک مکمل نہیں سمجھتے جب تک ان کو کوئی مسئولیت نہ دی جائے۔

بھائیو! ہمیں اس جہاد میں عبادت کی نیت سے شامل ہونا چاہیے، پھر بھی اگر امیر المومنین کسی مجاہد کو کوئی مسئولیت سونپتے ہیں تو وہ مجاہد اللہ تعالیٰ سے اس کی رہنمائی اور توفیق مانگا کرے، وہ فرامین ولوائح جو امارت نے وضع کیے ہیں، ہر وزارت کے لیے لائحہ موجود ہے، ہر لائحہ علما، مفتیان و مشائخ کی نظر سے گزرا ہے، یہ لائحہ شرعی منہج پر بنایا گیا ہے، اس کے بعد امارت نے تمام مسئولین پر اس کی تعمیل کو لازم کیا ہے، ہمارے شعبہ جات کی جو تقسیم ہے، ان میں سے ہر شعبے کے افراد پر لازم ہے کہ آپس میں ہم آہنگی اور وحدت کو پیدا کرنا اپنی مسئولیت سمجھیں، کیونکہ ہمارا جسم ایک، ہمارا گھر ایک اور ہماری عزت ایک ہے۔ اگر ہم شریعت کی رُو سے ایک غلطی دیکھتے ہیں، تو ہمیں چاہیے کہ اس کی تحقیق کریں، اس کی مسئولیت اپنے ذمے نہ لیں بلکہ اپنے امیر کی طرف رجوع کریں کہ آیا یہ کام شرعاً درست ہے یا نہیں؟ اگر شرعاً جائز ہو تو آپ مطمئن ہو جائیں گے اور اگر شرعاً جائز نہ ہو تو امیر آپ کا شکریہ ادا کرے گا کہ آپ نے اس طرف توجہ دلائی۔ ایک دوسرے کے خلاف پراپیگنڈا کرنے کے بجائے خیر کے امور میں ایک دوسرے کے معاون بن جائیں، ہمیں چاہیے کہ امارت کے جتنے شعبہ جات ہیں ان کو باہم متحد رکھیں۔ اپنے آپ کو دوسروں کے سامنے خدمت کے لیے پیش کریں۔ مسئول ساتھیوں کو چاہیے کہ لائحوں کا مطالعہ کریں، ہم جب صحیح طریقے سے اس کا مطالعہ کریں گے تو کوئی غلطی سرزد نہیں ہو گی۔ اکثر اوقات جب کوئی مسئلہ بنتا ہے اور بات ہم تک پہنچتی ہے تو اس کی وجہ ان اصولوں پر عمل کرنے میں کوتاہی برتا جانا ہوتی ہے، جن اصولوں کو امارت نے لائحے میں واضح کیا ہے۔ اگر ہم اپنے امور کو نفس و خواہش کے سپرد نہ کریں اور ان اصولوں پر عمل کریں، تو ہماری ساری مشکلات حل ہو جائیں گی۔

جہاد فی سبیل اللہ ایک ایسا راستہ ہے، جو مسلمان کی زندگی میں تبدیلی لاتا ہے۔ بزدل کو بہادر بناتا ہے، کمزوروں کو رجال و ابطال میں تبدیل کرتا ہے۔ غیر معروف بندے کو معاشرے میں معروف بنا دیتا ہے۔ تنہا بندے کو لشکر بنا دیتا ہے۔ بغیر مال والے شخص کو مال دار بنا دیتا ہے اور بے منصب شخص کو صاحبِ منصب بنا دیتا ہے۔ اگر ہم نے اللہ تعالیٰ کے دین اور اس کی رضا چھوڑ دی اور ان اغراض کے پیچھے چلے تو ہم اپنے راستے سے بھٹک جائیں گے۔ اگر ہم آج پرانے مجاہدین کو دیکھیں جو دشمن کی صفوں میں کھڑے ہیں تو بنیادی وجہ ان کے بھٹکنے کی یہ ہے کہ وہ

دنیاوی اغراضِ جاہ و جلال کے پیچھے چل پڑے اور اپنے اصل راستے اور منشور سے بھٹک گئے، اللہ تعالیٰ نے ان کو دین سے نکال دیا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو بچائیں، آمین!

جہاد فی سبیل اللہ کا جتنا اجر وفضیلت زیادہ ہے، اتنا ہی اس راستے کے خطرات و وعیدیں بھی ہماری جانب متوجہ ہیں۔ اکثر لوگ اس وجہ سے اپنے آپ کو خدمت کے لیے پیش نہیں کرتے کہ کہیں خدانخواستہ ہم سے خیانت نہ ہو جائے اور ہم اللہ کے ہاں مجرم نہ ٹھہریں۔ ہمیں اس لیے اپنی صلاحیتوں کے بارے میں نہیں بتاتے کہ کہیں خدانخواستہ ہماری عاقبت خراب نہ ہو، اللہ تعالیٰ ہم سب کو شریعت پر ثبات واستقامت نصیب فرمائے، آمین!

شکست وکامیابی کے اسباب ہمیں معلوم ہیں، میدانِ احد میں رسول اللہ ﷺ نے جبل الرماۃ پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بٹھایا اور آپ ﷺ نے انہیں ہدایت دی کہ فتح ہو یا شکست لیکن یہ جگہ نہیں چھوڑنی، ان صحابہ سے اجتہادی غلطی ہوئی، خلافِ اولیٰ کام ہو گیا اور اس اجتہاد کی وجہ سے تمام صحابہ آزمائش میں گھر گئے م بھائیو! یہ صحابہ کا زمانہ تھا!

بھائیو! کوشش کیجیے کہ جہادی امور نفس ومزاج کے سپرد نہ ہوں، کوئی شخص آپ کو پسند نہیں ہو گا، ولسوال (ضلعی کمشنر) یا والی (صوبے کا گورنر) آپ کو پسند نہیں ہو گا، رئیس کمیسیون آپ کو پسند نہیں ہو گا، اگر یہ افراد آپ کو پسند نہیں تو ان افراد سے ہٹ کر آپ اللہ کے دین کے بارے میں سوچیں، اگر اس مسئول فرد کو ترقی مل رہی ہے تو مل جائے میں اس کی وجہ سے بھلا اپنی نیت کو کیوں خراب کروں یا دل میں یہ بات آجائے کہ میں اگر اس مسئول کے تحت اخلاص کی نیت سے کام کروں گا تو میں نے اس کو فائدہ دیا، میرے اس عمل کی وجہ سے اس کو عزت ملے گی، اگر دل ان وسوسوں کا شکار ہو تو اس موقع پر اللہ کے دین وامارت اسلامیہ کے بارے میں فکر مند ہونا چاہیے کیونکہ آپ نے جو خدمت کی ہے وہ اللہ کے دین اور امارتِ اسلامیہ کے لیے کی ہے۔ اس لیے کہ امارت اسلامیہ ہمارے دین وعقیدے کا گھر ہے، آپ نے اس کو قوت بخشی، ہم ایک ایسے دینی رشتے پر مجتمع ہیں۔ یہ ایک ایسی اچھی مثال ہے جو دنیا کے سامنے قائم ہوئی ہے۔ یہ ہماری کامیابی ہے کہ ہمارے جتنے افراد ہیں، چاہے امرا ہوں یا مامورین مجاہدین، ان کو تنخواہیں یا ترقیاں نہیں ملتیں، یہ مجاہد چار، پانچ، چھ مہینے تشکیل پر گزارتے ہیں، ان کے ایمان وغیرت کو میں سلام پیش کرتا ہوں کہ انہوں نے کبھی بھی ہم سے یہ شکوہ نہیں کیا کہ امیر صاحب میرے گھر میں یہ تکالیف ومشکلات تھیں یا مجھے کسی چیز کی ضرورت ہے، حتیٰ کہ مجھے آپ حضرات کے بارے میں اتنا علم ہے کہ آپ نے اپنے ہاتھ سے مزدوری کر کے اپنی ضروریات پوری کی ہیں، لیکن اپنی غیرتِ ایمانی کی وجہ سے کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلایا۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو دنیا وآخرت کی سعادت وکامیابی سے نوازیں، آمین!

اسی طرح آپ سے گزارش کرتا ہوں کہ اپنے امرا کے ساتھ اپنے شرعی امور میں ایسے ہی اخلاص واچھی نیت سے کام لیں۔ زندگی میں بہت کم ہی ہم کسی فرد سے راضی رہتے ہیں لیکن جب کوئی شہید ہو جاتا ہے تو پھر تعریفیں ہی کرتے رہتے ہیں، کہ فلاں میں یہ یہ خوبیاں تھیں، لیکن اِس وقت انسان برا لگتا ہے (جب زندہ ہوتا ہے)۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے مجاہد ساتھیوں کی زندگی میں ان کی قدر کریں، رحماء بینہم (آپس میں سراپا رحمت) بن جائیں، بڑے چھوٹوں پر شفقت کریں اور چھوٹے بڑوں کا احترام کریں اور ان شاء اللہ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ ہماری صفوں کو اور بھی منظم کر دے گا۔ اگر آج ہمارا دشمن شکست خوردہ ہے تو اس کی وجہ ہمیں حاصل ہو جانے والے اسباب و وسائل نہیں بلکہ اتحاد و اتفاق ہے۔ اتحاد و اتفاق کی کوشش کیجیے۔ آج ہمارا دشمن ناکام ہے وہ خود سمجھتا ہے کہ ہم نے مجاہدین پر ہر قسم کا اسلحہ استعمال کیا، لیکن ان کے عزائم اور ارادوں کو ٹھنڈا نہیں کر سکے۔ ان کو اپنے مقصد سے پیچھے نہیں ہٹا سکے۔ اب ان کے پاس ایک ہی حربہ و چھوٹی حرکت رہ گئی ہے اور وہ یہ کہ ہمارے درمیان اختلافات کے بیج بوئے، آج انہی اختلافات کے ذریعے دشمن نے کتنی ہی اسلامی تحریکوں کو ناکام کر دیا اور ہمیں بھی اس ہلاکت کے گڑھے میں پھینکنے کی کوششوں میں لگے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے، آمین! آپ دیکھتے ہیں کہ ایک ساتھی غلط راستے پر چل رہا ہے، اگرچہ آپ کی مسئولیت نہیں لیکن آپ پھر بھی اس کی تحقیق کریں اور اس ساتھی کو خاموشی کے ساتھ تنہائی میں سمجھادیں کہ پیارے بھائی تمہارا یہ عمل و حرکت نظام اور علاقے کے لیے نقصان دہ ہے، اپنے عمل کی اصلاح کی طرف متوجہ ہو جاؤ اور اگر قصداً کرتے ہو تو ہم مجبور ہیں کہ تمہاری شکایت بڑوں تک پہنچائیں۔ کوشش کیجیے اپنے آپ میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا جذبہ پیدا کریں، اگر ہم کوشش کریں گے تو ہم اس خطرے سے محفوظ رہیں گے کہ ہماری صفوں میں کوئی اختلاف پیدا کر کے ہمیں تقسیم کر دے، آج بھی الحمدللہ ہمارے اتحاد و اتفاق نے دشمن کو شکست دی اور آئندہ بھی یہ اتحاد واتفاق شکست دے گا، ان شاء اللہ۔

یہ تو ایک موضوع ہو گیا دوسرا موضوع یہ کہ ہمارے بہت زیادہ شہدا و یتیم ہیں، آپ سب جانتے ہیں، میں جب بھی کسی ساتھی سے ملتا ہوں وہ یا تو ایک امیر کی شہادت کے بعد مجموعے کی امارت سنبھالتا ہے یا دو امرا کی شہادتوں کے بعد مجموعے کی امارت سنبھالتا ہے۔ کسی گھرانے میں پہلا بھائی شہید ہوا ہوتا ہے تو اس کا دوسرا بھائی یا تیسرا چوتھا بھائی جہاد میں ہوتا ہے یا کسی کے چچا یا ماموں کا بیٹا شہید ہوا ہوتا ہے، ہم اگر دیکھیں ہمارا کوئی گھر، کوئی مجموعہ اور کوئی گروپ شہدا سے خالی نہیں، ان شہدا کی بیوائیں اور یتیم بچے ہیں، اللہ تعالیٰ کی نصرت ان ضعفا کی آہ و فریاد اور دعاؤں سے جڑی ہے، کوشش کیجیے کہ ان کے حقوق ہم سے ضائع نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان مظلومین کی وجہ سے ہماری نصرت فرمائیں گے کیونکہ ان کی قربانیاں ہیں، ان کے شہدا ہیں، ان کے یتیم ہیں، معذور ہیں، قیدی ہیں، مہاجرین ہیں، ان کا اگر ہم اپنوں سے زیادہ خیال رکھیں تو اللہ تعالیٰ ہمارے ہر امور میں مدد کریں گے۔ کیونکہ امارت اسلامیہ نے جو نظم بنایا ہے اور امیر المومنین کی طرف سے جو ہدایات ہیں، وہ یہ ہیں کہ ہر مسئول اور مجموعے کے امیر پر لازم ہے کہ وہ ان کا حال معلوم کرے۔ ہمارے جو یتیم بچے ہیں، ان کے والدین نے بہت بڑی قربانیاں

دی ہیں، ان کا اس راستے میں خون بہا ہے، ایک ساتھی نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ آپ ﷺ کا دامن مبارک خون سے بھرا ہوا ہے، کسی نے پوچھا کہ یا رسول اللہ یہ کس کا خون ہے؟ آپ ﷺ نے جواب دیا کہ یہ افغانستان کے شہدا کا خون ہے، یہ بہت ہی معزز و مبارک خون ہے یہ خون زمین پر نہ گرنے پائے۔

میں کہتا ہوں کہ ان شہدا کے خون کی برکت سے ہم نے دنیا کی سپر پاور کو شکست دی ہے، لہٰذا اس خون کا خیال رکھا جائے، کوشش کیجیے کہ ان مظلومین کا خیال رکھیں، ان کی دُعائیں ہمیں فتح و نصرت سے ہمکنار کرتی ہے اور ان کی آہ و فریاد ہمیں نقصان پہنچا سکتی ہے۔

سیاسی حالات کے حوالے سے اکثر ساتھی پریشان رہتے ہیں، اگرچہ یہ موضوع اس مجلس کے ساتھ جڑا نہیں ہے لیکن پھر بھی میں بات کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔ آج ہم سیاسی دفتر کے ذریعے جہاد کے ثمرات سمیٹنے کے منتظر ہیں۔ الحمدللہ جس طرح آپ حضرات نے عسکری میدان میں اچھا نتیجہ دیا، اپنے جہادی اہداف کو حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے، اب ہماری کامیابی کا سارا انحصار سیاسی دفتر پر ہے۔ ہمارے جو بھائی سیاسی دفتر میں محنت کر رہے ہیں ان کے بارے میں غلط فہمی کا شکار نہ ہوں، دشمن کے گندے پراپیگنڈوں سے متاثر نہ ہوں۔ معاہدے کے بارے میں جناب امیر المومنین شیخ صاحب حفظہ اللہ نے انتہائی عرق ریزی سے کام لیا ہے، یقین جانیے عسکری امور میں، مَیں نے آپ حفظہ اللہ کو اتنا مصروف نہیں پایا جتنا سیاسی امور میں دیکھا ہے۔ ایک معمولی، جزوی، ایک سطحی بات پہلے رہبری شوریٰ کی خدمت میں نظر ثانی کے لیے پیش کرتے ہیں، رہبری شوریٰ کے بعد وہ مسئلہ علمائے مشائخ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے، جب مسئلہ شریعت کی رُو سے ٹھیک ہو تو اس کے بعد مطمئن ہو کر اس کو سیاسی دفتر بھجوایا جاتا ہے۔ الحمدللہ پہلے مرحلے میں توفق نامہ ہو گیا، پانچ ہزار قیدی رہا ہو گئے، غیر ملکی افواج کے انخلا پر توافق ہو گیا اور امارت اسلامیہ پہلے ہی مرحلے میں اپنے ہدف تک پہنچ گئی۔ یہاں اب یہ سوال اٹھتا ہے کہ یہ جو مستقل معاہدے کی خلاف ورزیاں ہو رہی ہیں، مجاہدین کو شہید کر رہے ہیں، چھاپے مار رہے ہیں، مجاہدین کی غیرت یہ برداشت نہیں کرتی کہ خاموشی کے ساتھ بیٹھے رہیں۔ میں یہ بات شریعت کی نظر میں امیر المومنین شیخ صاحب کی زبانی سنا رہا ہوں، آپ نے فرمایا ہمارے سامنے شریعت معتبر ہے، تاریخِ اسلام میں کبھی بھی مسلمانوں نے معاہدہ نہیں توڑا بلکہ کفار نے توڑا ہے، پھر بھی اگر ہم معاہدہ توڑیں گے تو ہم ان کفار کی طرح دھوکے بازی سے کام نہیں لیں گے بلکہ ہم نے جس طرح ماضی میں دنیا بھر کے ممالک سے نمائندوں کو جمع کر کے معاہدہ کیا تھا اسی طرح اب بھی ہم تمام ممالک کے نمائندوں کو جمع کر کے اعلان کریں گے کہ ہم معاہدہ توڑ رہے ہیں۔ اس سب کے باوجود شیخ صاحب سب مجاہدین کو نصیحت کرتے ہیں کہ اس معاہدے کی پاسداری کا خیال رکھیں، اگر ہم نے دھوکہ و فریب کے ذریعے دس صوبے بھی فتح کر لیے تو یہ ہمارے لیے کامیابی نہیں، کیونکہ اللہ رب العزت کی ناراضگی واقع ہو جائے گی اور امتِ مسلمہ و اسلامی تاریخ مسخ ہو جائے گی۔ اگرچہ یہ کفار معاہدے کی خلاف ورزیاں کر رہے ہیں، ہمیں تکلیف ہوگی ہم اس کو برداشت کریں گے، تاریخ میں کفار نے معاہدہ توڑا ہے، آج بھی یہ توڑ دیں۔ آج اگر امریکہ کی حکومت بدل گئی، امریکہ و نیٹو روز غلط بیانات جاری کرتے ہیں صرف اس مقصد کے لیے تاکہ ہم مجبور ہو کر جوابی رد عمل دکھائیں۔ دیکھیے بھائیو! اس سے متاثر نہ ہوں، میں بھائیوں سے عرض کر رہا تھا کہ ہم نے دس پندرہ سال کمزور وسائل کے باوجود محض ایمانی قوت سے ان کا مقابلہ کیا۔ آج تو الحمدللہ ہم نے ڈرون و میزائل سمیت کئی آلات بنا لیے ہیں، اللہ کی نصرت سے یہ ایسی شکست کھائیں گے کہ ان کو آخر میں پچھتاوے کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔ ابھی اس دن کی بات ہے، حاجی صاحب بیٹھے ہیں، انہوں نے آٹھ ڈرون اڑائے تھے اور ہدف کا انتخاب بھی کیا تھا، ہم نے ان کو کہا کہ صبر کریں۔ ہمارا ایمان و غیرت یہ برداشت نہیں کرتے، جیسا کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ کیا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے صبر سے کام لیا، پھر اسی صلح کی برکت سے کفار اتنے مجبور ہو گئے کہ انہوں نے کہا کہ حضرت ابو البصیر اور حضرت ابو جندلؓ کو لے جاؤ تاکہ ہم ان کی مصیبت سے امن میں رہیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ہماری اس قلیل قربانی کی برکت سے اللہ ان کی حکومتوں اور اتحاد کو پارا پارا کر دے گا، آپ یہ دن دیکھیں گے، ہماری حالت کو لوگ مداہنت نہ سمجھیں۔ ہم نے اگر دشمن کے ساتھ مذاکرات شروع کیے ہیں یا جہاد کر رہے ہیں تو شریعتِ مطہرہ کے سائے میں کر رہے ہیں، ہمارے لیے شریعت معتبر ہے۔ ہم اپنے آپ کو اپنے نفس و مزاج کے حوالے نہیں کریں گے۔ اگر ہم اپنے نفس کے تابع ہو گئے تو کئی اسلامی تحریکیں ہیں جن کا وجود بھی آج نہیں ہے، آج ان کا وجود کیوں نہیں ہے؟ صرف اس وجہ سے کہ انہوں نے اپنے آپ کو نفس کے تابع کر لیا تھا۔ اگر ہم اپنے ایمان و شریعت پر دل جمعی کے ساتھ ڈٹے رہے تو بھائیوں میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ان شاء اللہ اس میں ہماری دنیا و آخرت کی کامیابی ہے۔ ہمارے مرحوم ملا صاحب (ملا محمد عمر مجاہدؒ) نے ورثے میں ایسا مدرسہ نہیں چھوڑا، جس پر ہمیں کوئی عار دلائے، اللہ تعالیٰ نے امارت اسلامیہ کو جو بلند مقام دیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی رہنمائی حق گو علما کر رہے ہیں۔ آج آپ مشائخ الحدیث و التفسیر کے سامنے شاگردوں کی حیثیت سے بیٹھے ہیں، یہ آپ کی اچھی صفت ہے۔ اگر ہمارے دل میں علما و مشائخ کا احترام ہو گا تو ہم ناکام نہیں ہوں گے بلکہ اللہ تعالیٰ ہمیں مزید سربلند کرے گا۔

ہمارے اساتذہ نے محنت کی ہے، اپنا قیمتی وقت آپ حضرات کو دیا اور آپ نے اپنا قیمتی وقت ان کو دیا، اللہ تعالیٰ آپ سب کو جزائے خیر دے۔ یہ اسباق جو آپ حضرات نے ان کے دروس میں حاصل کیے اس کو بس اسی کمرے تک محدود نہ رکھیں بلکہ اس پر عمل کریں۔

ہماری عوام نے جو قربانی دی ہے، اس کی مثال پیش کرنا مشکل ہے۔ اپنی عوام کو اپنے آپ سے بلند سمجھیں، ان کے سامنے تواضع کے ساتھ قدم اُٹھائیں، بغیر ضرورت کے گاڑیوں میں گھومنا اور اپنی عوام کو ڈر و خوف میں مبتلا کرنا اور ان کے اوپر ایسے حاکم بننا چاہیے کہ اس بات کا غم نہ ہو

کہ کل اللہ کے ہاں ان کے بارے میں پوچھا جائے گا، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے جس کا مفہوم ہے، میں آپ سب کی طرح ایک بندہ ہوں، میں اگرچہ تمہارے ظاہر پر یقین کرلوں گا، لیکن تمہارے دل کا حال تو اللہ جانتا ہے۔

ہم آپ کی باتوں پر یقین کرلیں گے کہ آپ کا اپنی عوام کے ساتھ تعامل اچھا ہے، لیکن آپ کے دلوں کا حال تو اللہ جانتا ہے، براہِ مہربانی عوام کو تکلیف نہ دیں، چاہے ان کے زمینوں کے مسائل ہو یا حقوقی مسائل ہوں۔ ہر قسم کے امور کے لیے امارت اسلامیہ نے شعبہ جات ترتیب دیے ہیں، عدالتیں موجود ہیں، دعوت و ارشاد، نظامی کمیسیون، استخبارات سمیت ہر قسم کے امور کے شعبہ جات موجود ہیں۔ لہٰذا عوام کے حقوق کا خیال رکھیے، ایک روز ایک بازار میں ہم رُکے ہوئے تھے، مغرب کا وقت تھا، کیا دیکھتا ہوں کہ مجاہدین کی گاڑیاں ایسی تیزی کے ساتھ بازار کے درمیان سے گزر رہی ہیں اور سڑک کے کنارے موجود لوگ تکلیف سے گزر رہے تھے۔ اِترا کر چلنے پھرنے کی اپنی جگہ ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ (سورۃ الفتح:۲۹)

”محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں۔ اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں، وہ کافروں کے مقابلے میں سخت ہیں (اور) آپس میں ایک دوسرے کے لیے رحم دل ہیں۔“

اور فرمایا:

اَذِلَّةٍ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَي الْكٰفِرِيْنَ (سورۃ المائدۃ:۵۴)

”جو مومنوں کے لیے نرم اور کافروں کے لیے سخت ہوں گے۔“

سختی کرنے کی اپنی جگہ ہوتی ہے، ان غریب ولاچار لوگوں کے ساتھ سختی سے پیش آنا مجاہد کے شایانِ شان نہیں، چاہے اضطراری حالت ہو۔ لیکن عوام یہ محسوس نہ کریں کہ طالب نے ہم پر جابرانہ وحاکمانہ حکومت مسلط کی ہے، ہر معاملے میں ان کی حوصلہ افزائی اور احترام کریں۔

آپ حضرات کی روزمرہ کی عبادات میں بہت کمزوری ہے، دیکھیے پانچ وقت کی نمازیں بھی آپ حضرات جماعت کے ساتھ نہیں پڑھتے ہیں، ہم باجماعت نماز کا اتنا بھی اہتمام نہیں کرسکتے کہ صرف اور صرف پانچ منٹ کے لیے کہیں رُک جائیں اور کسی کو آگے کرکے باجماعت نماز پڑھیں۔ دیکھیے ہمارے دلوں میں اگر باجماعت نماز اور اذکار کی اہمیت نہ ہو، رسول اللہ ﷺ کو غزوۂ بدر میں فتح کی بشارت دے دی گئی لیکن آپ ﷺ اس کے بعد بھی فجر تک اللہ سے دعا کرتے رہے۔ ہماری اور آپ کی معنوی قوت اللہ رب العزت سے تعلق میں ہے۔ سختی کے وقت تو کفار بھی اللہ کو پکارتے ہیں۔ آسمانوں میں فرشتے جب کسی اجنبی کی آواز سنتے ہیں، تو یہ فرشتے کہتے ہیں کہ یہ تو کسی اجنبی کی آواز ہے، کیوں اس لیے کہ اس بندے کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کم ہے۔ وہ شخص جو عبادات اور ذکر و اذکار میں آگے ہو وہ فرشتوں کے درمیان تعارف کا محتاج نہیں ہوتا بلکہ فرشتے اس کو پہچانتے ہیں کہ یہ فلاں ہے، اس کی شفاعت زیادہ ہوتی ہے۔ آپ خیر کی شفاعت والے بن جائیں، عبادات ذکر و اذکار کی طرف توجہ دیں، یہ عارضی امور کہ آج میں ضلعی امیر ہوں، یا صوبے کا والی یا کمیسیون کا رئیس ہوں، دیکھیے ان امور کی وجہ سے اپنی عبادات کے معمول کو خراب نہ کریں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے جب مسئولیت لے لی جاتی تو وہ شکر ادا کرتے اور فرماتے کہ اے اللہ ہمیں اس کا اجر نہیں چاہیے بس اس کے عوض ہم سے ان امور کے بارے میں پوچھ نہ ہو۔ آج جب ہم سے مسئولیت واپس لی جاتی ہے تو ہم ناراض ہوتے ہیں۔ ہم کوشش کرتے ہیں کہ ہم آپ حضرات کو جہاد سے دور نہ کریں، بلکہ جہاد کے راستے آپ حضرات کے لیے کشادہ کریں۔ مسئولیت کا بوجھ اگر آپ کے اوپر آجائے تو احسن طریقے سے اس کا حق ادا کریں۔ ہم آپ سے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں چاہتے۔ ہم نے آپ حضرات کو ایک لائحہ دیا ہے آپ اس پر عمل کریں، کیونکہ ہم نے جتنے بھی مسئولین کو تبدیل کیا ہے، آج تک کسی نے یہ شکایت نہیں کی فلاں کو بالکل ہی صف سے نکال دیا۔ اگر ایک مسئلے کی وجہ سے ہم نے کسی کو نکالا ہو تو وہ یہ ہے کہ امارت نے جو اصول وضع کیے ہیں اس پر انہوں نے عمل نہیں کیا۔ لہٰذا یہ شخص اس قابل نہیں۔ جو شخص امارت اسلامیہ کے اصول پر عمل نہیں کرتا وہ اس قابل نہیں کہ اس کام پر رہے۔ کوشش کیجیے جن حضرات کے پاس مسئولیت ہے وہ اس مسئولیت کا امارت اسلامیہ کے اصولوں کے مطابق حق ادا کرے۔ اگر امیر آپ کی خواہش کے مطابق نہ ہو تو اس موقع پر آپ اپنے آپ کو خواہش کے سپرد نہ کریں، بلکہ اس اعلیٰ مقصد کی طرف توجہ دیں، آپ اپنے آپ کو اس بات کا مکلف جانیں کہ اگر میری بے اطاعتی کی وجہ سے نظام میں بگاڑ آتا ہے تو میں اپنی زبان بند رکھوں گا، لوگوں کی باتیں برداشت کرکے امیر کی اطاعت کروں گا، اگر آپ اطاعت کریں گے تو آپ کو دیکھ کر دوسرے بھی اطاعت کریں گے اور آپ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس میں خیر ڈالیں گے۔

پیارے بھائیو! انسان عاجز ہے، شاید زندگی میں آپ کے حقوق میں مجھ سے کوتاہی ہوئی ہو، آپ سب ہمیں معاف کردیں، اگر آپ سب سے کمی بیشی ہوئی ہو تو ہم بھی آپ کو معاف کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ آپ سے راضی ہو ہم آپ سے راضی ہیں۔

امیر المومنین حفظہ اللہ کی ہدایات ہمیشہ ہم سنتے ہیں، وہ آپ حضرات پر بہت شفقت کرتے ہیں اور آپ کے لیے دعائیں کرتے ہیں، کبھی کبھی خلافِ شریعت کام کا جب سنتے ہیں تو ان کی طبیعت خراب ہو جاتی ہے۔

ایک اہم بات جو یاد آگئی وہ یہ کہ ایک مسلمان کی عزت اور اس کے وقار کو برقرار رکھنا ہم پر واجب ہے۔ اگر کسی شخص کو اس کے گناہ یا غلطی کی وجہ سے ہم اپنے آپ سے دور کرتے ہیں اور اس کو اپنی صف سے نکالتے ہیں..... (باقی صفحہ نمبر 15 پر)

5 آخری حصہ

# قبولیتِ جہاد کی شرائط

شہید عالمِ ربّانی استاد احمد فاروق رحمہ اللہ

جو شخص ساری زندگی دنیا کی خاطر نیکی کرتا رہا، دنیا کی خاطر علم حاصل کرتا رہا، دنیا کی خاطر قتال کرتا رہا، موت کے وقت وہ ضرور کوئی ایسا کام کرے گا کہ جس سے اس کا پچھلا سارا کچھ ضائع ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ اس سے وہ سب چھین لیں گے، سارا ایمان اس سے سلب کر لیں گے (فالعیاذ باللہ)۔ موت، ایسی آخری فیصلہ کن آزمائش ہوتی ہے کہ جو سر پہ لٹکتی ہے اور انسان کو سمجھ میں آجاتا ہے کہ اب اگلا سفر شروع ہونے والا ہے۔ تو اس وقت اللہ ہی قدم جماتے ہیں، اللہ کے سوا اور کوئی توفیق نہیں دے سکتا۔ تو اللہ نے جن کو توفیق دی تو ان کی زبان پر مرتے وقت بھی، شہادت کے وقت بھی کلمہ جاری ہوتا ہے۔ آخری وقت بھی وہ آگے ہی بڑھ رہے ہوتے ہیں پیچھے نہیں ہٹتے، ایک دعا رسول اکرم ﷺ نے سکھائی:

”اللهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ أَنْ يَتَخَبَّطَنِي الشَّيْطَانُ عِنْدَ الْمَوْتِ، وَأَعُوذُ بِكَ أَنْ أَمُوتَ فِي سَبِيلِكَ مُدْبِرًا.“

”اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے اس سے بچا کہ موت کے وقت شیطان مجھے خبطی کر دے اور شیطان کا حملہ میرے اوپر کامیاب ہو جائے اور اے اللہ تجھ سے مانگتا ہوں کہ مجھے اس حال میں موت سے بچا کہ میں پیٹھ پھیر کے بھاگ رہا ہوں۔“

تو اللہ سے یہ ساری دعائیں مانگنے کی ضرورت ہے۔ کسی بھی زبان میں مانگ لیں، لیکن مانگنے کی ضرورت ہے۔ اپنے برے خاتمے سے ڈرنا چاہیے، اللہ ہی جانتا ہے کہ ہمارا خاتمہ کس چیز پہ ہونا ہے اور انجام کس حال میں ہونا ہے۔ تو اسی طرح یہ ساری دعائیں کہ جو قیامت کے دن کے حوالے سے ہیں کہ:

”اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ لَذَّةَ النَّظَرِ فِي وَجْهِكَ الْكَرِيمِ وَشَوْقًا إِلَى لِقَائِكَ۔“

”اے اللہ تجھ سے مانگتا ہوں تیرے وجہِ کریم کے دیکھنے کی لذت، اے اللہ تجھ سے مانگتا ہوں تیری ملاقات کا شوق۔“

یہ سارا کچھ اللہ تعالیٰ سے مانگنے کی ضرورت ہے۔ جو شخص مطمئن ہو جائے کہ میں تو مجاہد ہوں، میں بہت اچھی حالت میں ہوں، میں جہاد میں ہوں، دنیا والے تو ادھر ادھر کے معاملوں میں پھنسے ہوئے ہیں، دیکھو میں کتنے اچھے کاموں میں لگا ہوا ہوں، میری اتنی قربانی ہے، اتنی سردی میں یہاں بیٹھا ہوا ہوں، تو یہ جو اپنے آپ کو جو کچھ سمجھ رہا ہے یہ اللہ کے ہاں بھی قبول ہے کہ نہیں؟ تم کیا جانتے ہو بھئی؟ تو اپنے آپ کو کچھ سمجھنا اور مطمئن ہو جانا کہ میں کسی بہت ہی اعلیٰ مقام پر پہنچ گیا ہوں ان پہاڑوں میں بیٹھ کر، تو یہ اپنے ساتھ دھوکہ ہے۔ شیطان کی سب سے بڑی تلبیس یہی ہے۔ جو کچھ بھی ہو جائے، صحابہ سے اونچا مقام تو کسی کا نہیں ہو سکتا۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی اپنے بارے میں نفاق سے ڈرتے تھے۔ اپنے بارے میں برے خاتمے سے ڈرتے تھے اور گناہوں میں مبتلا ہونے سے ڈرتے تھے۔ ایک صحابی کے بارے میں آتا ہے کہ جب ستّر سال سے اوپر عمر تجاوز کر چکی تو کسی نے سنا کہ وہ دعا کر رہیں ہے کہ 'اے اللہ میں تجھ سے زنا اور تجھ سے چوری سے پناہ مانگتا ہوں کہ میں ایسے گناہ میں مبتلا ہو جاؤں'۔ کسی نے حیرت سے پوچھا کہ اس عمر میں اور صحابیٔ رسول ہوتے ہوئے یہ دعا مانگ رہے ہیں؟ غالباً حضرت سلمان فارسیؓ کا واقعہ ہے یا حضرت ابوہریرہؓ کا ہے کہ اس عمر میں پہنچ کر آپ یہ دعا مانگ رہے ہیں اور صحابیِ رسول ہوتے ہوئے۔ تو انہوں نے کہا کہ میں کیوں نہ مانگو کہ جب تک اس جسم اور روح کا تعلق قائم ہے اور شیطان میرے ساتھ لگا ہوا ہے، اللہ جانتا ہے کہ میں کب پھسل جاؤں، کہ آج تک میرے رب نے میرے سامنے بڑی بڑی دیواریں حائل کر کے اور بڑی بڑی رکاوٹیں قائم کر کے مجھے بچایا ہے۔ اس لیے نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ کسی وقت آزما لیے جائیں تو ہمیں کیا پتہ کہ ہم کتنی دیر قائم رہ سکتے ہیں؟ ہم میں سے کوئی ایک لمحے کے لیے سوچے، حضرت یوسفؑ والے قصے میں اپنے آپ کو ان کی جگہ تھوڑی دیر رکھ کے دیکھے۔ ہم میں سے کسی کو یہ آزمائش، اس میدان جہاد کے اندر کبھی پیش آجائے، کہ تنہائی میں ایک عورت گناہ کی طرف دعوت دے، جو صاحب حسب و نسب ہو اور جس کے ساتھ انسان گناہ پر راضی ہو اور کوئی بھی نہ ہو کہ دنیا میں جس کو خبر ہو، تو صرف انسان کی اس وقت زبان پہ یہ آئے کہ ......مَعَاذَ اللّٰهِ إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ...... اللہ کی پناہ اس بات (یعنی گناہ) سے کہ میرے رب نے میرے اوپر بہت احسانات کیے ہیں۔ میں اللہ کے ساتھ یہ نافرمانی اور ناشکری نہیں کر سکتا۔ تو کیا اللہ کے ساتھ اس طرح کا تعلق ہمارا ہے؟ اتنی ایمان کی پونجی ہے؟ یا بس لوگوں کی شرم حیا گناہوں سے روک رہی ہے؟ پس اللہ نے ایک لمحے کے لیے اگر آزما لیا، ایک لمحے کے لیے کسی سختی میں ڈال دیا۔ ہمیں کسی ایسی جگہ جہاں پر ایمان کا فیصلہ ہونا شروع ہو جائے۔ حضرت عمار بن یاسرؓ کے پورے خاندان پر جو کچھ گزرا کہ ان کو سختیوں سے گزارا گیا اللہ اور نبی ﷺ کو گالیاں دینے کا کہا گیا اور حضرت بلالؓ پر جو کچھ گزرا اگر ان سختیوں میں سے ہم پر خدانخواستہ آجائے؟ آج بھی بہت سے ساتھیوں پر کتنے ہی بھائیوں پر، کتنی بہنوں پر جیلوں میں یہ سب کچھ گزر رہا ہے، جن کو کیا کچھ نہیں کہا جاتا؟ کن کن آزمائشوں سے نہیں گزارا جاتا، اس وقت جب اتنی سی بات ہے آزمائش سے نکلنے کی، کہ اتنی سی بات مطلوب ہے نکلنے کے لیے، کہ میں نے توبہ کی کہ آئندہ کبھی جہاد نہیں کروں اور مجاہدین کی مخبری بھی کروں گا اور آپ کے ساتھ مل کے ان کے خلاف کام کروں گا اور آپ اس ساری آزمائش سے نجات پالیں گے۔ اس موقع پر

اپنے آپ کو ایمان پر بچائے رکھنا۔ کیا ہم اپنے اندر یہ سکت پاتے ہیں کہ ہم اللہ سے یہ کہیں کہ مسئلہ نہیں ہے، اللہ کی آزمائش پڑے گی تو سہہ لیں گے ؟

ہم جانتے ہیں کہ ہم کتنے کمزور ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ ہماری اصلی ایمان کی پونجی کتنی تھوڑی ہے، ہم پر تو یہ تو اللہ نے پردے ڈالے ہوئے ہیں، اللہ نے سہارے دے دے کر چلایا ہوا ہے، اچھا ماحول دے دیا، اچھے والدین دے دیے، اچھے ساتھی دے دیے۔ جب بھی گناہوں کی طرف بھٹکنے لگے اللہ نے ماحول بدل دیا، اللہ نے راہیں پھیر دیں۔ اللہ نے بچا لیا، ورنہ ہم کہاں اپنے ایمان سے رکے ؟ کون سا اللہ سے اتنا حیا کا تعلق ہم نے قائم کر لیا؟ کب اتنی محبت، اتنی خشیت ہمارے دلوں میں راسخ ہو گئی کہ ہم اللہ کے خوف سے رکتے ہوں، اور اللہ کی محبت کی وجہ سے ہمیں شرم آجاتی ہو، حیا آجاتی ہو ؟!

تو پیارے بھائیو! یہ وہ چیزیں ہیں جو آخرت میں کام آنی ہیں۔ کوئی دھوکہ، کوئی ڈھکوسلہ، کوئی لیپا پوتی، کوئی اوپر اوپر کا دنیا کو دکھانے کا کام، اس میں سے کچھ بھی کام نہیں آنا۔ اللہ نے فرمایا ’مَّا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَا أَنتُمْ عَلَيْهِ حَتَّىٰ يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ...... اللہ تم میں سے اہل ایمان کو اس حالت میں نہیں چھوڑے گا جس پر وہ ابھی ہیں، یہاں تک کہ خبیث اور طیب کو، پاک اور ناپاک کو اور سچے اور جھوٹے کو علیحدہ نہ کر دے۔ تو اللہ نے آزمانا ہے، ایک نہ ایک دن۔ اللہ سے پناہ مانگنی چاہیے کہ اللہ ہم پر کوئی ایسی آزمائش نہ ڈالے جس کے اٹھانے کی سکت ہمارے اندر نہ ہو اور اللہ تعالیٰ ہمیں وہ ایمان عطا کرے جس کے ذریعے سے یہ سارے مراحل طے ہو سکتے ہوں جو آگے ہمارے سامنے پڑے ہوئے ہیں۔ موت سے قبل اور موت کے بعد تو ایمان کے سوا پیارو! کچھ نہیں کام آنا! کوئی دھوکہ نہیں کام آنا! کوئی چیز نہیں کام آنی! ہم امیر ہوں، ہم مسئول ہوں، دنیا کی نگاہ میں کوئی شیخ بھی بن جائیں، علامہ بھی بن جائیں، اس چیز نے کیا نفع دینا ہے؟ یہ تو دھوکے ہیں۔ وہ تو کہے گا قیامت کے دن ’یہ جو میری سلطنت تھی یہ جو میرا طمطراق تھا، یہ لوگوں کا میرے لیے اٹھنا تھا، میرے سامنے بچھنا تھا اور لوگوں کا مجھے امیر کہنا تھا، مجھے جناب کہنا تھا، میری باتوں کے سامنے سر جھکانا تھا، میرے اشاروں کے اوپر سر کا اڑنا تھا، کہے گا قیامت کے دن جب پھنسے گا اللہ کی زنجیروں میں هَلَكَ عَنِّي سُلْطَانِيَهْ...... ساری تباہ ہو گئی میری ساری سلطنت، کچھ بھی نہیں باقی بچا میرے پاس۔ آج اکیلا اللہ کے سامنے کھڑا ہوں اور میرا اور اللہ کا معاملہ ہے۔

تو اپنے دلوں میں جھانک کے دیکھیں اپنے ایمان کا جائزہ لیں۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے لیے جو میں نے کہا کہ حضرت یوسفؑ کی جگہ اپنے آپ کو رکھ کے دیکھا کریں، تھوڑی دیر کے لیے پھر وہ آزمائش کا جو پہلو ہے، پھر دوسرا مرحلہ اس سے بھی بڑا ہے کہ وہ اللہ سے مانگے ’قَالَ رَبِّ السِّجْنُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا يَدْعُونَنِي إِلَيْهِ‘ کہ ربی مجھے جیل جانا اس سے زیادہ عزیز ہے کہ میں اس گناہ میں پڑ جاؤں۔ مجھے جیل بھجوا دیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے جیل بھجوانے کا انتظام کر دیا۔ ہم کر سکتے ہیں کیا ایسا؟ ہم اتنی ہمت اپنے اندر پاتے ہیں کہ ایک ایسے گناہ جس کو شیطان خوش نما بنا کے پیش کرتا ہے، اس سے بچنے کے لیے خود جیل جانے کے لیے اللہ سے دعائیں کریں کہ مجھے جیل میں بھیج دے لیکن گناہ سے بچا لے اور مجھے اپنی ناپسندیدگی کے کام سے بچا لے۔

تو اپنے اپنے دلوں میں جھانکیں میرا اور آپ کا، ہر ایک کا ایک علیحدہ امتحان چل رہا ہے۔ کوئی اجتماعی امتحان یوں نہیں ہے۔ ہر ایک نے اکیلے اکیلے اللہ کے سامنے جانا ہے۔ آج ہمیں نظر آتا ہے، ہم مجموعہ ہیں، ہمیں نظر آتا ہے ہم تنظیم ہیں، ہمیں نظر آتا ہے ہم تحریک ہیں، ہم میں سے ہر ایک، ایک فرد ہے۔ اللہ ایک ایک کو علیحدہ دیکھ رہا ہے۔ ایک ایک کے دل کو ایک ایک کے عمل کو علیحدہ دیکھ کے، اس کے اعمال کے مطابق اس کے ساتھ معاملہ کر رہا ہے۔ تو اپنے دلوں میں جھانکنے کی ضرورت ہے اور اللہ سے بہت مانگنے کی ضڑورت ہے۔ بس ایک موٹی سی بات یہ ہے کہ کچھ نہیں کر سکتے تو ڈر تو سکتے ہیں ناں اللہ سے۔ اتنا تو کر سکتے ہیں کہ ساری زندگی اس حالت میں گزار دیں کہ ربی میرے پاس کچھ نہیں ہے، میں جانتا ہوں میں اعمال سے خالی ہوں، تہی دامن ہوں، بس تیری رحمت کا سہارا ہے، اس کے علاوہ کوئی چیز نہیں ہے جو مجھے بچا سکتی ہے۔ یہ ایک چیز تو دل میں راسخ کر سکتے ہیں ناں کہ اللہ تیری رحمت کے سہارے چل رہا ہوں، تیری رحمت ہی کے سہارے گناہوں سے بچا ہوں، تیری رحمت ہی کے سہارے جہاد میں آیا ہوں اور تیری رحمت ہی کے سہارے پار ہو سکتا ہوں۔ تو نے جس دن رحمت اٹھالی، میں بھی سیاف کی طرح جا کے کفر کی کسی صف میں کھڑا ہوں گا، تو یہ آزمائش اتنی سخت ہے اس کو ہلکا نہ جانیں۔

زندگی کو کھیل نہ سمجھیں، اللہ سے ڈرتے ڈرتے انسان زندگی گزارے اور بس یہ مانگے اللہ تعالیٰ سے کہ اے اللہ اپنی رحمتوں سے ڈھانپ لے اور اپنی آگ سے خود اپنی رحمت کے ذریعے بچا لے اور اپنی رحمت سے خود موت کے مرحلے آسان کر دے۔ اپنی رحمت سے دنیا میں گناہوں سے بچنا اور ایمان پہ جمنا، کفر سے دور رہنا، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہم پر آسان کر دے ورنہ دامن بالکل خالی ہے اور کچھ بھی نہیں ہے۔

اگر مجاہدین واقعی ایسے ہو جائیں کہ اتنے اللہ کے سامنے جھکے ہوئے ہوں، اللہ سے اتنی خشیت ہو، اللہ سے اتنی محبت ہو، تو واللہِ، اللہ کی نصرت آنے میں اور کوئی چیز حائل نہیں۔ بد اعمالیوں کے سوا اور کوئی چیز حائل نہیں۔ تو اگر دلوں میں تکبر ہو گا اور غرور اور گھمنڈ ہو گا، دوسروں پر تمام اہل ایمان پر فضیلت کا کوئی جذبہ ہو گا کہ ہم تو کوئی اونچی چیز ہو گئے ہیں، خاص پہاڑ کی چوٹیوں پر پہنچ گئے ہیں...... اللہ کے نبی ﷺ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ جیسے بڑے سپہ سالار صحابی کو جن کے لیے بہت سے فضائل ہیں، ان کی زبان سے جب کوئی ادنی سی ایسی بات سنی کہ جس میں اپنی فضیلت کا ذکر تھا، مجاہدین کی فضیلت کا ذکر تھا، عام مسلمانون پر تو رسول اکرم ﷺ نے وہیں ٹوکا اور فرمایا ’تمہاری جو مدد ہوتی ہے اور تمہیں جو رزق ملتا ہے، روٹی کپڑا جو تمہیں مل رہا ہے یہ، کپڑا جس سے تن ڈھانپ رہے ہو، روٹی جس سے پیٹ بھر رہے ہو......

(باقی صفحہ نمبر 19 پر)

# تشنگانِ جامِ شہادت

حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر رحمۃ اللہ علیہ

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم. قال اللہ تعالیٰ: وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ○ وقال الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: والذی نفسی بیدہ لوددت ان اقتل فی سبیل اللہ ثم احیٰ ثم اقتل ثم احیٰ ثم اقتل ثم احیٰ ثم اقتل.

## حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمنائے شہادت

آج میں نے جو آیت تلاوت کی ہے اس سے میری مراد جہاد ہے۔ سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ اے دنیا والو سن لو! میں محبوب رکھتا ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جان دے دوں پھر زندہ کیا جاؤں، پھر جان دے دوں پھر زندہ کیا جاؤں، پھر جان دے دوں پھر زندہ کیا جاؤں، پھر جان دوں۔ تین چار دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر اللہ کے راستے میں جان دینا پیارا نہ ہوتا تو اللہ کا پیارا اس بات کا اعلان نہ کرتا۔

## جنت میں شہدا کی دوبارہ شہید ہونے کی تمنا

جنت میں اللہ تعالیٰ اہل جنت سے پوچھیں گے کہ کیا جنت میں کسی چیز کی کمی ہے؟ کیا تم لوگ دنیا میں جانا چاہتے ہو؟ سب لوگ کہیں گے کہ ہمیں دنیا میں جانے کی خواہش نہیں، جنت میں سب نعمتیں ہیں۔ لیکن شہید کہیں گے کہ جنت میں ایک نعمت نہیں ہے اس کے لیے ہم دوبارہ دنیا میں جانا چاہتے ہیں۔ اللہ پاک پوچھیں گے کہ وہ کیا نعمت ہے جو جنت میں نہیں ہے۔ شہدا کہیں گے کہ جنت میں یہ چیز نہیں ہے کہ آپ کے راستہ میں کافروں سے لڑ کر اپنا خون پیش کرنا، جام شہادت نوش کرنا اور جان دینا۔

## ہمارا اسلام خونِ نبوت علیٰ صاحبہا السلام اور خونِ صحابہ رضی اللہ عنہم کا ممنون کرم ہے

اُحد کے دامن میں ایک ہی وقت میں ستّر (۷۰) شہید ہوگئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی، اس وقت ہر شہید کا جنازہ بزبانِ حال یہ شعر پڑھ رہا تھا

ان کے کوچے سے لے چل جنازہ مرا
جان دی میں نے جن کی خوشی کے لیے

چھوٹے چھوٹے بچوں نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم این ابوی۔ میرے ابا کہاں ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ چھوٹے چھوٹے بچوں سے کس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ تمہارے ابا شہید ہوگئے۔ اسلام ہمیں یوں ہی نہیں مل گیا۔ اس دین پر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا خون مبارک بہا ہے۔ میدان اُحد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سر سے پاؤں تک لہولہان ہوگئے۔ اگر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا خونِ نبوت اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا خونِ شہادت نہ بہتا تو آج ہم سیتا رام، رام پرشاد اور نہ جانے کیا کیا ہوتے۔ آج خونِ نبوت اور خونِ صحابہ کے صدقے میں ہم تک اسلام آیا ہے۔

## جہادِ افغانستان پورے عالم کی آبرو

اس وقت افغانستان میں جو جہاد ہو رہا ہے یہ پورے عالم اسلام کی آبرو کا مسئلہ ہے۔ ساری دنیائے کفر لرزاں ہے، ساری دنیا کے کافر دانت پیس رہے ہیں کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ ان طالب علم مولویوں، غریبوں، پگڑی والوں اور داڑھی والوں کی اللہ تعالیٰ ایسی مدد کر رہا ہے کہ بڑے بڑے تربیت یافتہ جرنیل اور میجر انگشت بدنداں ہیں کہ ان مولویوں کے ہاتھوں سے اللہ تعالیٰ سب فتح کرا رہا ہے۔

## اس جہاد سے قرونِ اولیٰ کی یاد تازہ ہوگئی

لہٰذا اس وقت جو جہادِ افغانستان میں اپنی جانوں سے، اپنے مالوں سے، اپنے قلب سے، اپنی اشک بار آنکھوں سے، اپنی دعاؤں سے شریک نہیں ہوگا تو اندیشہ ہے کہ قیامت کے دن اس سے مواخذہ ہوگا کیونکہ بارہ سو برس بعد ایسا جہاد نظر آیا ہے کہ لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھ آئے ہیں۔ میرے بیٹے مولانا مظہر کئی بار جا چکے اور دیکھ کر آئے ہیں کہ وہاں ایک عورت بے پردہ نظر نہیں آتی، کوئی بے داڑھی والا نظر نہیں آیا، کسی ریڈیو سے کوئی گانے بجانے کی آواز نہیں آتی، کوئی ڈاکہ چوری نہیں، لوگ دروازے کھول کر امن سے سو رہے ہیں، صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ کی یاد تازہ کر دی ہے۔ آج بارہ سو برس کے بعد کافروں کو اتنی بے چینی ہے کہ ان کی نیند حرام ہے۔ لہٰذا ہم لوگوں پر فرض ہے کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے توفیق دی ہے وہ جا کر جہاد میں شریک ہوں۔ کل کراچی سے طالب علموں کی تقریباً ۲۵ بسیں گئی ہیں [واضح رہے کہ یہ امارتِ اسلامیہ کے دورِ اول کا بیان ہے (ادارہ)]، ہمارے مدرسہ سے بھی ایک بس گئی ہے۔ اٹھارہ سال، انیس سال، بیس سال کے نوجوان بچے اللہ تعالیٰ کے نام پر فدا

ہونے گئے ہیں۔ جاتے وقت انہوں نے مجھ سے کہا کہ آپ ہمیں کوئی نصیحت کر دیجیے۔ میں نے کہا کہ بیٹھ جاؤ۔ ان پچاس مجاہدین کو میں نے جو نصیحت کی، وہ آپ کو سناتا ہوں۔

### سر میدان کفن بر دوش دارم

میں نے ان سے کہا کہ ہندوستان کے صوبہ یوپی میں ایک شہر ہے فیض آباد۔ وہاں جہاد ہو رہا تھا، مولانا امیر خاں صاحب لشکر کے سپہ سالار تھے۔ وہاں کے ایک اسلام دشمن اور مسلمانوں کے دشمن حکمر اں کے خلاف جہاد لڑا جا رہا تھا۔ میرے شیخ شاہ عبد الغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا وطن چھاؤں ہے، ضلع اعظم گڑھ میں۔ وہاں کے ایک بڑے میاں اس جہاد میں شریک تھے۔ انہوں نے آکر میرے شیخ کو بتایا اور جو میرے شیخ نے بتایا وہ میں آپ کو بتا رہا ہوں، بیچ میں زیادہ راوی نہیں ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ مولانا امیر خاں صاحب جب کافروں سے جہاد کر رہے تھے اور تلوار چلا رہے تھے تو وہ ایک مصرع پڑھ رہے تھے، وہ مصرع کیا تھا

؎ سر میدان کفن بر دوش دارم

اے اللہ! میدان جہاد میں امیر خاں کفن کو اپنے کندھے پر رکھ کر لایا ہے کہ اب واپس نہیں جانا ہے، جاں آپ پر دینا ہے۔

؎ سر میدان کفن بر دوش دارم

میں سر میدان کفن لے کر آیا ہوں، آپ کے راستہ میں جان فدا کرنے کے لیے میں میدانِ جہاد سے بھاگنے والا نہیں ہوں۔ آسمان سے آواز آئی جو اس بڈھے نے سنی جو میرے شیخ کے وطن کا رہنے والا تھا کہ جب جب امیر خاں صاحب یہ مصرع پڑھتے تھے تو فوراً آسمان سے آواز آتی تھی

؎ بیا مظلوم اکنوں در کنارم

اے مظلوم! میری رحمت کی گود میں جلدی سے شہید ہو کر آجا۔ یہ آواز اس مجاہد نے سنی اور میرے شیخ کو بتایا کہ اس وقت میں جوان تھا اور اس جہاد میں شریک تھا۔ میں نے اپنے کانوں سے یہ آواز سنی ہے۔ اس نے یہ آواز میرے شیخ کے کان میں ڈالی، شیخ نے میرے کان میں ڈالی اور آج اختر یہ آواز آپ کے کانوں میں ڈال رہا ہے۔

### آں منم کاندر میان خاک وخوں بینی سرے

پھر میں نے اپنے ان نوجوان مجاہدین سے کہا کہ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے گلستان میں فرمایا کہ ایک شاہزادہ دبلا پتلا تھا، دوسرے شہزادے تگڑے تھے۔ وہ اس شہزادے کا مذاق اڑایا کرتے تھے، توہین کرتے تھے۔ ایک دن اس شہزادے نے اپنے باپ سے کہا کہ آپ لوگوں کو جمع کیجیے، میں جواب دوں گا آخر یہ کیوں میری غیبت کرتے ہیں۔ بادشاہ نے مجمع جمع کیا اور اس شہزادہ نے اعلان کیا کہ کیونکہ میں دبلا پتلا ہوں اس لیے لوگ مجھے حقیر سمجھتے ہیں لیکن یاد رکھیے کہ

اسپ لاغر میاں بہ کار آید
روز میداں نہ گاؤ پرواری

دبلا پتلا گھوڑا جہاد میں کام آتا ہے، میدانِ جنگ میں موٹی گائے کام نہیں آتی۔ اس کے بعد اس نے یہ شعر پڑھا جس کو حضرت سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا:

؎ آں نہ من باشم کہ روز جنگ بینی پشت من

اے سلطنت کے تمام بڑے بڑے عمائد اور اراکینِ سلطنت، سن لو! کہ میں اپنے باپ کا وہ لڑکا نہیں ہوں کہ میدانِ جنگ میں کوئی میری پیٹھ دیکھ لے۔

؎ آں نہ من باشم کہ روز جنگ بینی پشت من

میں وہ ہوں کہ میدانِ جہاد میں خاک اور خوں میں میرا سر دیکھو گے، میں میدانِ جہاد سے بھاگنے والا نہیں ہوں۔

### تشنہ زارم بہ خون خویشتن

اور مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کافروں کے ساتھ ہمارے جہاد کا کیا عالم ہے۔ فرماتے ہیں

تو مکن تہدیدم از کشتن کہ من
تشنۂ زارم بہ خون خویشتن

اے دنیاوالو! اللہ کے عاشقین کو، مجاہدین کو، اللہ کے راستہ میں کافروں سے جہاد کرنے والوں کو موت سے مت ڈراؤ۔ اے دنیاوالو! مجھے مت ڈراؤ کہ میں جہاد میں قتل کر دیا جاؤں کیونکہ ہم تو اپنے خون کے خود پیاسے ہیں کہ ہم اس کو اللہ کے راستے میں فدا کر دیں، تم ہم کو کیا ڈراتے ہو؟ ابھی بی بی سی نے مسلمانوں کو ڈرانے کے لیے اعلان کیا کہ طالبان کی سیکڑوں لاشیں سڑکوں پر نظر آئیں۔ یہ قسمت والے ہیں جو اللہ کے یہاں جنت کی سیر کرنے والے ہیں، ان شاء اللہ۔ ان کو مُردہ مت کہو، اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے کہ جو ہماری راہ میں شہید ہو جائے اس کو مُردہ مت کہو، وہ زندہ ہیں ان کو ایک خاص حیات ہم دیتے ہیں جس کو تم نہیں جانتے۔

### حضرت سید احمد شہید اور مولانا اسماعیل شہید رحمہا اللہ تعالیٰ کی کرامت

اس کے بعد سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ سن لو۔ یہ دونوں بہت بڑے لوگ ہیں، اتنے بڑے لوگ ہیں کہ ان کی زبان میں اللہ نے اثر کر دیا۔ ایک

بدکار رنڈی جو بہت مال دار تھی اس کے گھر جا کر مولانا اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے تقریر کی۔ پہلے تو آواز لگائی کہ فقیر کچھ صدا سنانا چاہتا ہے۔ اس بدکار عورت نے سمجھا کہ کوئی بھیک مانگنے والا ہے اپنی خادمہ سے کہا کہ اس کو آٹا دے دو۔ مولانا اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کو آٹا بھیجا تو مولانا نے فرمایا کہ فقیر آٹا نہیں لیتا پہلے اپنی صدا سناتا ہے۔ پردہ کراؤ، پردہ کرا کے پھر تقریر فرمائی اور قیامت کا حال بیان کیا کہ إِذَا السَّمَاءُ انفَطَرَتْ جب آسمان پھٹ جائے گا اور سورج گر جائے گا اور ستارے جھڑ جائیں گے تو ان عورتوں کو ایسا لگا کہ ابھی سورج گر رہا ہے، آسمان پھٹ رہا ہے، ستارے جھڑ رہے ہیں، سب چیخ مار کر رونے لگیں۔ اس بدکار عورت نے کہا کہ جلدی سے مجھے توبہ کرادو اور میری شادی کرادو۔ مولانا اسماعیل شہید نے اسی وقت توبہ کرائی اور اس کی شادی بھی کرادی۔ اسی طرح ایک عورت نے سید احمد شہید کے ہاتھ پر توبہ کی اور گناہ کی زندگی سے اللہ والی زندگی اختیار کرلی۔

جب جہاد کا اعلان ہوا تو ان دونوں نے کہا کہ ہم بھی ان شوہروں کے ساتھ جہاد پر چلیں گی۔ مولانا نے پوچھا کہ تم لوگ جہاد میں کیا کروگی؟ ان عورتوں نے کہا کہ ہم مجاہدین کے گھوڑوں کے لیے رات بھر چنے دلیں گی، چکی چلائیں گی، دِلّی سے چکی لے کر چلیں گی اور چنا دَل کر مجاہدین کے گھوڑوں کی غذا تیار کریں گی۔

## جہاد کی بدولت کیسا ایمان عطا ہوتا ہے

جب بالاکوٹ کے دامن میں جہاد شروع ہوا تو پھولوں پر زندگی بسر کرنے والی ان عورتوں نے جب چکی چلائی تو ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے۔ ایک دل جلے نے پوچھا کہ اے میری بہنو! دِلّی میں تمہاری زندگی عیش کی تھی، تم پھولوں کی سیج پر سوتی تھیں، اب چکی چلانے سے تمہارے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے ہیں۔ بتاؤ کہ یہ زندگی اچھی ہے یا وہ گناہوں والی زندگی اچھی تھی؟ ان دونوں خواتین نے جواب دیا کہ خدا کی قسم! رات بھر چکی چلا کر مجاہدین کے گھوڑوں کے لیے چنے دَلنے سے اور بالاکوٹ کے پہاڑوں کی کنکریوں پر سونے سے سید احمد اور مولانا اسماعیل کے صدقہ میں ہمیں ایسا ایمان عطا ہوا ہے کہ اگر ہمارا ایمان بالاکوٹ کے پہاڑوں پر رکھ دیا جائے تو یہ پہاڑ اس کو برداشت نہیں کرسکتے، ٹکڑے ٹکڑے ہوجائیں گے۔

اللہ اس مشقت سے ملتا ہے۔ اللہ اس حرام کاری سے نہیں ملتا جہاں چاہو نظر ڈال دو، نفس کی غلامی کرلو، نفس کی غلامی تو کافر بھی کرتا ہے۔ آپ نے نفس کی غلامی کرکے کون سا تیر ماردیا؟ مسلمان کی تو یہ شان نہیں ہے، مسلمان کی شان تو اللہ کی راہ میں جان دینا ہے۔ کبھی نفس سے مقابلہ کرکے کبھی کافروں سے مقابلہ کرکے۔ جہاد سے جان چرانا مسلمان کا کام نہیں ہے۔

ایک بڑے عالم نے مجھ سے کہا کہ جب میں افغانستان گیا تو بندوق کی گولیاں کانوں کے پاس سے گزر رہی تھیں۔ کبھی اِدھر سے گولی گزر گئی کبھی اُدھر سے گزر گئی۔ کہنے لگے کہ اگر میں ایک ہزار سال عبادت کرتا، مجاہدہ کرتا تو ایسا ایمان نصیب نہ ہوتا جو یہاں چند دن میں عطا ہوا۔

## خون خود درابر کہہ و کہسار ریخت

تو سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ بالاکوٹ کے دامن میں آگئے۔ مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ کی قبر پر ایک مصرع لکھا ہوا ہے:

ع خون خود درابر کہہ و کہسار ریخت

یہ وہ شخص ہے جس نے بالاکوٹ کے پہاڑوں کے کنکروں، پتھروں اور گھاس تنکوں پر اپنے خون کو بکھیر دیا۔

یہ شاہ ولی اللہؒ کا پوتا، نازونعمت کا پلا ہوا، دِلّی سے چل کر آیا۔ دِلّی میں جو عزت شاہانِ مغلیہ کے شہزادوں کی تھی اتنی ہی عزت شاہ ولی اللہؒ کے بیٹوں اور پوتوں کی تھی کہ ان کو دیکھ کر بھی دِلّی کے تاجر کھڑے ہوجاتے تھے۔ شاہ ولی اللہؒ کا یہی پوتا تھا جو جہاد میں جان دینے کے لیے دِلّی کی جامع مسجد کے گرم پتھروں پر بارہ بجے دن کے روزانہ ایک گھنٹہ چلتا تھا تاکہ پہاڑوں کی گرمی برداشت کرسکے اور عین برسات میں دریائے جمنا میں کود کر دہلی سے آگرہ تک تیرتے تھے تاکہ اگر جہاد میں کہیں دریا میں کودنا پڑے تو وہاں بھی کفار سے لڑ کر اللہ کے راستہ میں اپنی جان فدا کردیں۔

## حضرت سید احمد شہیدؒ کا شوقِ شہادت

جہاد کے دن سید احمد شہیدؒ نے علی الصبح جہاد کا جامہ زیبِ تن فرمایا، تلوار میان سے نکال لی، اشراق کی نماز پڑھ کر، شہادت کے شوق میں جہاد کے لیے تیار ہوگئے۔ اتنے میں لاہور سے ایک مسلمان فوجی کا خط آیا کہ میں اگرچہ کافروں کا نمک کھاتا ہوں، رنجیت سنگھ کا نوکر ہوں لیکن آپ ہمارے پیشوا ہیں، مسلمانوں کی بڑی اہم شخصیت ہیں۔ میں آپ کو خبر کرتا ہوں کہ سکھوں کی بہت بڑی فوج آرہی ہے آپ کہیں چھُپ جائیے تو آپ کی جان بچ جائے گی۔ آپ کی جان ہمارے لیے بہت قیمتی ہے۔

## آج فتح ہوگی یا شہادت

اب سید احمد شہیدؒ کا جواب سن لیجیے۔ سید احمد شہیدؒ نے لکھا کہ مسلمان کی شان کے خلاف ہے کہ میدانِ جنگ میں اتر کر، اللہ کے راستہ میں آکر، جنگی لباس پہن کر، تلوار ننگی کرنے کے بعد پھر وہ اپنے جنگی ذوق سے توبہ کرکے میدانِ جہاد سے بھاگ جائے، یہ نہیں ہوسکتا۔ یا تو آج میں لاہور پر اسلام کا جھنڈا لہرادوں گا اور یا پھر آج شہید ہوکر اپنے اللہ سے ملاقات کروں گا۔ جب سید احمد شہید ہوگئے تو اس تاریخ کو لکھ کر مولانا علی میاں ندوی نے اس موقع پر ایک شعر لکھا ہے کہ

جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم
سو اس عہد کو ہم وفا کر چلے

## شاہ عبد الغنی پھولپوریؒ کا شوقِ شہادت

میرے شیخ شاہ عبد الغنی پھولپوریؒ نے جہاد کے شوق میں دس سال تلوار سیکھی تھی۔ آخری عمر میں جب حضرت کے گھٹنے بے کار ہو گئے تھے، حضرت خود کھڑے نہیں ہو پاتے تھے، دو آدمی اٹھا کر کھڑا کرتے تھے۔ میرے سامنے ایک سے فرمایا کہ جب ہندوستان سے جہاد ہو تو مجھے جنگ کی سرحد پر لے چلنا اور توپ خانہ میرے ہاتھ میں دے دینا میں توپ چلاؤں گا، کافروں کو گولے ماروں گا، کافروں کا کوئی گولہ مجھے بھی لگ جائے گا اور میں شہید ہو جاؤں گا۔ یہ کہہ کر حضرت رونے لگے، حضرت کو ایسا شوقِ شہادت تھا۔

دوستو! اس وقت افغانستان بہت نازک مرحلہ میں ہے۔ اس وقت سارے عالمِ اسلام کی آبرو کا مسئلہ ہے، یہ خالی افغانستان کا مسئلہ نہیں ہے۔ ہر مسلمان کی عزت کا مسئلہ ہے کیونکہ ہر کافر دانت پیس رہا ہے کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ یہ چند مُلّا لوگ کیسے فتح کر رہے ہیں؟ اللہ تعالیٰ کی مدد سے ان شاء اللہ وہ دیکھیں گے جو ان کو اپنی آنکھوں کے سامنے نظر آ رہا ہے۔

من جهز غازيا في سبيل الله فقد غزى

لہٰذا اس جہاد میں جو ایک روپیہ بھی دے گا وہ ان شاء اللہ قیامت کے دن مجاہدین میں اٹھے گا۔ کوئی ایک روپیہ بھی دینا چاہے تو لے لو، انکار نہ کرو۔ میں کبھی چندے کی اپیل نہیں کرتا لیکن آج مجاہدینِ افغانستان کے درد سے مجبور ہو کر کہتا ہوں کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں من جهز غازيا في سبيل الله فقد غزى کہ جس نے کسی مجاہد کو جہاد کا کچھ سامان خرید کر دے دیا، یا مجاہدین کو کچھ کھانے کے لیے دے دیا، کسی قسم کی مدد کر دی، کوئی ہتھیار دے دیا قیامت کے دن وہ بھی جہاد کرنے والوں میں شامل ہو جائے گا۔

سب سے اعلیٰ نمبر تو یہ ہے کہ اللہ کو اپنی جان کا نذرانہ پیش کرو۔ الحمد للہ کل ہمارے مدرسہ سے طلبا کی ایک جماعت افغانستان گئی ہے۔ ہم نے مجاہدین بچوں کا تحفہ اللہ کو پیش کیا، اللہ عافیت سے ان کو لائے اور مجاہدینِ افغانستان کی تقویت کا سبب بنائے۔

میں عرض کر رہا ہوں کہ مجاہدین کو اس وقت پیسے کی سخت ضرورت ہے۔ اس وقت معرکۃ الآراء جہاد ہو رہا ہے، اللہ تعالیٰ مجاہدین کی مدد فرمائے۔ جو لوگ اپنی جان سے، اپنے مال سے، اپنی اشک بار آنکھوں سے یا رونے والے چہروں کی شکل بنا کر دعا نہیں کریں گے غور سے سن لیجیے کہ اندیشہ ہے کہ قیامت کے دن مواخذہ ہو کہ جہاد ہو رہا تھا، ہمارے بندے شہید ہو رہے تھے اور تم اپنا مال اور مکھن اور انڈے اور ڈبل روٹی اڑا رہے تھے، تمہارا ایک آنسو بھی نہ نکلا، تم دعا سے بھی شریک نہیں ہوئے۔ لہٰذا کم سے کم دو دو رکعات پڑھ کر رو رو کر دعائیں شروع کر دیجیے کہ اللہ تعالیٰ ان کو فرشتوں سے مدد بھیج دے، غیب سے ان کو غلبہ عطا فرما دے، ان کے حوصلے بلند کر دے۔ یا اللہ! ان کے جو مخالفین ہیں یا جتنے کفار ہیں ان پر بزدلی اور جبن مسلط فرما دے۔ اللهم الق في قلوب اعداء الطالبين الرعب اے اللہ طالبان کے دشمنوں کے دلوں پر رعب اور ہیبت اور جبن مسلط کر دے۔ اللهم زلزل اقدامهم اے اللہ! ان کے قدم اکھاڑ دے۔ اس وقت وہاں سخت جنگ ہو رہی ہے، اس وقت ان کو پیسوں کی سخت ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ جتنی توفیق دے اتنا پیسہ دیں اور جس کے جسم میں جان ہے، صحت ہے، میں دعوت دیتا ہوں کہ وہ ضرور جائیں اور وہاں جا کر ان کی حوصلہ افزائی کریں اور اس وقت ان کو ڈاکٹروں کی بھی ضرورت ہے۔ لہٰذا جن کو اللہ تعالیٰ نے ایم بی بی ایس ڈاکٹر بنایا ہو، کچھ دن کے لیے وہ افغانستان میں جا کر زخمیوں کے علاج میں اپنی خدمات اور اپنا ہنر پیش کر کے اللہ پر فدا ہو جائیں۔

## جہاد میں شرکت کی ترغیبِ عاشقانہ

لہٰذا بعد نماز خانقاہ میں اجتماع ہو گا۔ جن کو اللہ تعالیٰ کے کلمۂ اسلام کی بلندی کا اور اس دین کی بلندی کا درد ہے، جس دین پر اُحد کے میدان میں اور طائف کے بازار میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا خونِ نبوت فدا ہوا ہے، خونِ نبوت سے بڑھ کر ہماری جان اور ہماری دولت نہیں ہو سکتی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ جو توفیق دے جلد سے جلد طالبان کو اپنا مال بھی پہنچائیں اور جن کو اللہ تعالیٰ نے طاقت، ہمت اور توفیق دی ہے وہ خود بھی فوراً مشورہ کر کے وہاں پہنچنے کی کوشش کریں۔ جان سے، مال سے اور دعاؤں سے شریک ہو جائیے۔ سمجھ لو کہ اس وقت اسلام کی آبرو کا مسئلہ ہے۔ اپنی جان اور مال کی کوئی قیمت مت لگاؤ۔ دلیل کیا ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا خونِ مبارک اس دین پر فدا ہوا ہے اور زمین و آسمان نے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے خونِ نبوت سے بڑھ کر کوئی قیمتی چیز نہیں دیکھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سید الانبیاء ہیں، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خونِ نبوت بھی تمام نبیوں کے خون کا سردار ہے۔ اس سے سمجھو کہ اللہ کتنا قیمتی ہے اور کتنا پیارا ہے۔

میرے شیخ نے سنایا تھا کہ ایک مجذوب نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا کہ اے اللہ آپ کی کیا قیمت ادا کروں جس سے آپ مجھے مل جائیں۔ دل میں آواز آئی کہ دونوں جہان مجھ پر فدا کر دے۔ اس اللہ والے نے کہا کہ

قیمت خود ہر دو عالم گفتئی
نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

اے اللہ! آپ نے اپنی قیمت دونوں جہان بتائی ہے۔ آپ اپنے دام ابھی اور بڑھایئے ابھی تو آپ ہمیں سستے معلوم ہوتے ہیں۔ (باقی صفحہ نمبر 19 پر)

# زیارتِ مقامِ شوق: بالا کوٹ

معین الدین شامی

اگر اس دنیا میں کچھ مقاماتِ شوق ہیں، جنہیں دیکھا جائے تو وہ کیا ہیں؟ قصر الحمراء، تاج محل، یا کچھ اور؟ بلا شبہ قصر الحمراء ہو یا تاج محل یہ مسلمانوں کے زمانۂ عروج کی ظاہری نشانیاں ہیں۔ لیکن یہ نشانیاں جس عروج کی ہیں اس عروج سے پہلے کے مراحل جہاں طے ہوتے ہیں، وہ مقامات ہی مقاماتِ شوق کہلانے کے فی الحقیقت مستحق ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ غرناطہ و اشبیلیہ اور قرطبہ و وادی الکبیر دیکھنے کا اشتیاق ہمارے قلب و نظر کو نہیں، بلکہ زمانۂ بچپن ہی سے ہمارا قلب، غمِ اندلس میں روتا رہا ہے اور تاج محل کو دیکھنے کی خواہش بھی کم از کم دو دہائیوں سے ہے، جب سے ہم نے اپنے والدِ ماجد سے تاج محل کا چشم دید احوال سنا۔ لیکن اسی کے ساتھ کیفیتِ قلب یہ تھی کہ مجھے بہت سے دیگر نیاز مندوں کی طرح تاج محل سے زیادہ سلطان ٹیپوؒ کا مزار دیکھنے کا شوق تھا اور ہے۔ اسی طرح جب اپنے نانا ابا مرحوم سے شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ کے زیارتِ مزار کا ذکر سنا تو میں اپنے شعورِ شوق میں اس زیارتِ مزار میں بھی ان کے ساتھ تھا۔

بہر کیف، پانچ سال قبل، میں اپنے شہرِ وطن سے قلبِ برِّ صغیر، شہرِ زندہ دِلان، لاہور بذریعہ مسافر بس پہنچا۔ رکشالیا اور پہلی منزل ایک عالمِ دین ساتھی کا گھر تھی۔ مولوی صاحب کے گھر پہنچا تو رات ہو چکی تھی۔ جن مجاہد دوستوں کے ساتھ بالا کوٹ جانے کا ارادہ تھا وہ ابھی تک طے کردہ، مولوی صاحب کی جگہ پر نہیں پہنچے تھے۔ غالباً ساڑھے دس بج چکے تھے، پھر سفر اور گرمی نے تھکا دیا تھا، سو نماز پڑھ کر اور انسدادِ گرمی میں نہا کر سو گیا۔ علی الصباح مولوی صاحب نے نماز کے لیے جگایا۔ نماز پڑھ کر بیٹھا تھا کہ قریشی صاحب آ گئے۔ قریشی صاحب کی آمد کے بعد ہم اپنے چوتھے رفیقِ سفر میاں صاحب کے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔

دن چڑھے میاں صاحب کو لیا اور مقامِ شوق کی طرف چل پڑے۔ لاہور سے بالا کوٹ تک کا ہمارا بیشتر سفر بذریعہ 'نیشنل ہائی وے نمبر ۵' تھا جسے عرف میں ہمارے یہاں جی ٹی روڈ کہتے ہیں۔ لاہور سے ہم موٹروے (M2) پر چڑھے اور کالا شاہ کاکو سے اتر کر جی ٹی روڈ پر گوجرانوالہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ کالا شاہ کاکو سے بیسیوں بار گزرنا ہوا ہے اور شاذ ہی ایسا ہوا ہو گا کہ وہاں سے گزرتے ہوئے اپنے بعض شہید ساتھی یاد نہ آتے ہوں، جن میں سرِ فہرست فیصل آباد کے بھائی فیصل ہیں، جو مجاہدین میں فرقان کے نام سے معروف تھے۔ فرقان بھائی نے قریباً تین چار سال ارضِ ہجرت میں گزارے جہاں وہ برقیات (الیکٹرانکس) اور توزیع (دعوتی مواد کی تقسیم) کے شعبوں سے وابستہ رہے۔ فیصل آباد میں بھی آپ کی دعوتی سرگرمیاں معروف ہیں اور آج تک ان کی محنتیں اس شہر اور اطراف میں برگ و گل بحمد اللہ کِھلا رہی ہیں۔

سال ۲۰۱۵ء میں فرنٹ لائن اتحادی فوج کی ملٹری انٹیلی جنس کے کالا شاہ کاکو میں ایک چھاپے میں فرقان بھائی دیگر ساتھیوں سمیت مقامِ شہادت پر فائز ہوئے اور دس سے زائد فرنٹ لائن اتحادی بھی اگلے جہان میں اسی خانے میں داخل ہو گئے جس میں ان کے آقا جاتے ہیں۔

قریباً ایک گھنٹہ مزید سفر کرنے کے بعد، ہم بابِ وزیر آباد سے گزر کر وزیر آباد شہر کی طرف جا رہے تھے۔ جی ٹی روڈ سے چند کلو میٹر دور ہی وزیر آباد کا قصبہ سارو کی ہے جو شہیدِ ناموسِ رسالت غازی عامر چیمہ شہیدؒ کا آبائی وطن اور حالیہ مسکن ہے۔

ہم وزیر آباد کے ریلوے جنکشن کے ساتھ تعمیر شدہ فلائی اوور سے گزر رہے تھے جب میاں صاحب کہنے لگے کہ 'سیّد احمد شہید کی جماعتِ مجاہدین کے اموال کی ترسیل بذریعہ وزیر آباد ہوا کرتی تھی۔ حالانکہ وزیر آباد سکھوں کا گڑھ تھا۔ لیکن سیّد صاحب کے ساتھیوں کی امنیت (اہتمامِ حفاظت) بفضل اللہ، اتنی اچھی تھی کہ ان کے راز افشا نہ ہوئے'۔ مقصدِ سفر چونکہ محض تفریح نہ تھا، بلکہ حضرت امیر المومنین، سیّد احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ سے نسبت تھا، سو راستے میں عموماً حضرت سیّد بادشاہ کا ذکر ہوتا رہا۔

بات آگے چلی کہ ابتداءً تو سیّد صاحب کے ساتھیوں کا 'طریقِ ہجرت' وہی تھا جو خود سیّد صاحب نے اختیار کیا تھا، یعنی یوپی سے راجستھان، پھر سندھ و بلوچستان، پھر قندھار، غزنی، کابل اور پھر علاقۂ سرحد۔ لیکن بعداً جو مہاجر مجاہدین آتے رہے وہ یوپی سے براستہ پنجاب، علاقۂ سرحد میں داخل ہوتے جو آدھے سے بھی کم مسافت تھی۔ ہاں یہاں حفاظت کا اہتمام خوب زیادہ کرنا پڑتا تھا اور کبھی کوئی حادثہ بھی پیش نہ آیا۔

ہم وزیر آباد سے تو گزر چکے تھے، لیکن ہماری گفتگو اس موضوع پر کچھ دیر جاری رہی۔ یاد آیا کہ خود سیّد صاحب نے جب پشاور کے خائن خوانین کو ایک بار مخاطب کیا تو ان سے یہی کہا تھا کہ تم کیسے مسلمان ہو کہ ہمارے ہندوستانی مہاجر بھائی، سکھوں کے علاقے سے تو بخیر و عافیت گزر آتے ہیں لیکن تمہارے علاقے میں داخل ہوتے ہیں تو لُوٹ لیے جاتے ہیں، بے عزت کیے جاتے ہیں۔ بعض مہاجرین کو تو ان خائنین نے پکڑ کر دریائے سندھ میں ڈبکیاں بھی لگوائیں،

پگڑیاں چھین لیں اور نہایت ذلیل کیا[1]۔ کتابوں میں پڑھی اسی یاد کے ساتھ خیال آیا کہ منافق کردار ہمیشہ ایسے ہی رہے ہیں اور آج بھی ان کا یہی طرزِ عمل ہے۔ امارتِ اسلامیہ افغانستان کے ۲۰۰۱ء کے اواخر میں سقوط کے بعد مہاجر مجاہدینِ عرب و عجم جب آج کے پاکستان میں داخل ہوئے تو پرویز مشرف کے اپنے اعتراف کے مطابق اس نے ساڑھے چھ سو سے زائد (غالباً ۶۸۰) عرب مجاہدین پکڑ کر امریکیوں کے حوالے کیے۔ یہ مہاجر مجاہدین امریکیوں سے تو بچ گئے لیکن 'مومنوں' نے ان کو پکڑ لیا اور کیوبا کے پنجرے ان سے آباد کروانے میں امریکہ کے لیے 'سہولت کاری' کی۔ انہوں نے صلے میں ڈالر تو وصول کیے لیکن 'اصل' صلہ وہ تھا جو ایک امریکی اخبار نے کارٹون کی صورت میں 'عطا' کیا، جس میں افواجِ پاکستان اور انٹیلی جنس اداروں کو ایک کتے کی شکل میں دکھایا گیا، جس نے چوٹی کے ایک عرب مجاہد قائد [شیخ ابو فرج اللیبی (فک اللہ اسرہ)] کو اپنے جبڑوں میں دبوچا ہوا ہے اور امریکی فوجی آقا کو پیش کر رہا ہے اور امریکی آقا کتے سے کہتا ہے کہ 'شاباش! اب جا کر اسامہ بن لادن کو تلاش کرو!'۔ [بعد میں (امریکیوں کی منظر کشی کے مطابق یہی 'بے وفا کلبِ زر خرید') شیخ اسامہ بن لادن کی بُو سونگھنے میں کامیاب ہو گیا اور ان کا بھی سودا کیا]۔

علاقۂ سرحد کے خائن خوانین کا حشر بھی، سیّد صاحب سے خیانت کے بعد اس سے کچھ مختلف نہیں ہوا تھا۔ بلکہ انہوں نے نہایت ذلت کے ساتھ رنجیت سنگھ کو خراج دینا منظور کیا اور تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ خائن لوگوں کی عورتوں کو سکھ اٹھا کر لاہور لے گئے اور بعد میں یہ عورتیں پنجاب کے بازاروں میں 'زنانِ بازاری' بن گئیں، جن کی اولادیں نجانے آج تک کتنی ناپاکیاں لاہور و ملتان کے بازاروں میں ڈھو رہی ہیں، حسبنا اللہ و نعم الوکیل۔ ظاہر ہے کہ ان عورتوں کا تو کچھ قصور نہیں تھا، لیکن قصور ان بدبختوں کا تھا جنھوں نے اپنی 'روایات و قوانین' کو شریعت پر ترجیح دے کر اور رنجیت سنگھ کا 'فرنٹ لائن اتحادی' بن کر سیّد بادشاہ کے ساتھ خیانت کی تھی۔ آج کے خائنوں کو بھی اس سے عبرت حاصل کرنا چاہیے۔

میرے ذہن کی سکرین پر وہ واقعہ بھی ساتھ ہی گھوم گیا جب آج سے ایک دہائی یا کچھ زیادہ قبل آسٹریلیا سے ایک مسلمان خاتون 'اُمِّ عمر'، حفاظتِ ایمان کی خاطر اپنے بچوں سمیت مہاجر ہو کر یمن کے شہر صنعاء میں آ کر بسی۔ امریکی تربیت یافتہ اور سعودی نمک خوار یمنی فوج نے اس خاتون کے گھر چھاپہ مار کر اس کو اٹھا لیا۔ یہ اللہ والی 'آسٹریلوی-یمنی عافیہ صدیقی' کہنے لگی کہ 'بھائیو! تم میرے ساتھ کیا کر رہے ہو؟ تم جانتے ہو کہ میں ایک عورت ہوں۔ میں اللہ کے لیے ہجرت کر کے یمن آئی ہوں۔ اور تم تو میرے ''انصار'' (مددگار) ہو؟!'۔ جواباً یمنی فوج کے کلمہ گو افسر نے کہا 'إنّنا نصاریٰ ولسنا اأنصاراً!، ہم تمہارے انصار نہیں ہیں، بلکہ ہم نصاریٰ یعنی صلیبی ہیں!)'۔

ذہن و نظر کی جب سڑک پر واپسی ہوئی تو جی ٹی روڈ کے بعض مقامات کو دیکھ کر ماضی کے تصور میں پہنچ گیا۔ سلطانِ عادل، محی الدین محمد اورنگ زیب عالمگیرؒ کا جہادی جنگی تزویراتی اہمیت کے پیشِ نظر دریائے جہلم کے کنارے، کشمیر و پنجاب کی سرحد پر سلطنتِ اسلامیہ قائم رکھنے کے لیے آباد کردہ 'سرائے عالمگیر' جو دراصل بطورِ چھاؤنی بسایا گیا تھا۔ دینہ کے قریب شیر شاہ سوریؒ کا قلعہ روہتاس، جس کا نام شیر شاہ سوری نے صوبۂ بہار کے قلعہ روہتاس گڑھ کے نام پر رکھا تھا اور قلعہ روہتاس گڑھ شیر شاہ نے کمال دانائی سے فتح کیا تھا، جس کے قصّے کا یہ مقام نہیں۔ سوہاوہ میں شہاب الدین محمد غوریؒ کے مزار کے پاس سے گزر ہوا۔ پھر آج کاروات جو کل شیر شاہ سوریؒ نے بطورِ 'رباط' یعنی 'پہرہ گاہ' آباد کیا تھا اور وہاں بھی ایک قلعہ تعمیر کیا تھا۔ نجانے انہی خیالوں میں کتنا وقت گزر گیا۔ حقیقی خیالوں کی اصلی دنیا سے جب واپسی ہوئی تو ہم راولپنڈی کی مال روڈ پر تھے۔ بسمتِ پشاور جی پی او چوک سے پہلے دائیں ہاتھ پر انگریزوں کا بنایا کلیسا 'سینٹ پال چرچ' تھا اور بائیں ہاتھ ایسٹ انڈیا کمپنی کا جنرل ہیڈ کوارٹر۔ ہمارا سفر تو جاری تھا لیکن شاید وقت پچھلی کئی صدیوں سے ٹھہرا ہوا تھا، یا وقت تو شاید نہیں ٹھہرا تھا لیکن، زمانے کے سٹیج پر کردار اب تک ویسے ہی تھے، کسی عالمگیر کے مقابل ہندو راجے، مرہٹے اور اپنا ہی لادین بھائی دارا شکوہ[2]، کسی غوری کے مقابل پرتھوی راج، سیّد بادشاہ کے مقابل رنجیت سنگھ اور انیسویں صدی کے ناردرن کمانڈ ہیڈ کوارٹرز راولپنڈی (جو قیامِ پاکستان کے بعد جی ایچ کیو قرار پایا) سے شریعت کا مطالبہ کرتے قبائل کے خلاف جنگ۔

یہ رات کا وقت تھا اور ہمیں اپنی پہلی منزل مانسہرہ پہنچنے کی جلدی تھی۔ سو راستے میں ایک پٹرول پمپ سے پٹرول ڈلوانے اور نمازیں پڑھنے کے سوا کہیں اور نہیں رکے۔ کئی کئی بار میں راستے میں سو بھی گیا اور ہم ٹیکسلا، واہ، ہری پور اور پھر ایبٹ آباد سے ہوتے ہوئے غالباً رات کو دس گیارہ بجے مانسہرہ اپنے ایک پشتون میزبان کے گھر پہنچے۔ قریب میں ایک مہمان خانے میں رات گزاری، نمازِ فجر کے بعد ایک پر تکلف ناشتہ کیا اور پھر جب دن چڑھا تو قریبی نالے پر نہانے چلے گئے، یہ نالا صاف نالا ہے کوئی اسے اسلام آباد کے نالوں پر قیاس نہ کر لے، جن میں اول تو پانی ہوتا نہیں ہے اور اگر ہوتا ہے تو انتظامیہ کی بدانتظامی کے سبب دہائیوں سے یہ نالے

[1] پگڑی اور عزت کے تعلق کا تصور اب ہمارے معاشرے سے مفقود ہو چکا ہے، لیکن یہی تصور آج بھی افغانستان و قبائل میں پایا جاتا ہے۔ زیادہ دور کی نہیں محض ڈھائی دہائی قبل کی بات ہے کہ خود راقم کے دادا مرحوم گھر سے باہر بنا پگڑی سر پر باندھے نکلنے کو بے عزتی گردانتے تھے۔

[2] دارا شکوہ آج کل کے نام نہاد 'سیکولر و لبرل صوفیوں' کا رہنما ہے، جس نے تمام ادیان کے اتباع کو حصولِ جنت جانا اور 'سرمد کاشانی' کو اپنا 'مرشد' قرار دیا۔ 'سرمد' پہلے ایک یہودی تھا، بعد اًلا دین صوفی بنا جو الف ننگا گھوما کرتا تھا اور سندھ کے شہر ٹھٹھہ کے ایک نوعمر ہندو لڑکے ابھائی چند کا عاشق ہو گیا تھا، سرمد نے اپنی رباعیات میں لکھا ہے کہ نہ وہ یہودی ہے، نہ مسلمان اور نہ ہی ہندو۔ نیز تاریخی روایات میں درج ہے کہ وہ محض 'لا الہ' کہا کرتا تھا اور 'الا اللہ' کا اقرار نہ کیا کرتا تھا اور اسی جرمِ الحاد کے سبب سلطانِ عادل اورنگزیب عالمگیرؒ نے سرمد کا سر قلم کروایا اور اسی لادینیت کی اتباع میں دارا شکوہ نے عالمگیر سے جنگیں لڑیں اور یہی الحاد دارا شکوہ کے قتل کا سبب بنا۔ آج کل کے بعض پاکستانی سیکولر لوگ 'دارا شکوہ' کو اپنا آئیڈیل بتاتے ہیں اور اسی قسم کا 'جوگی تصوف' آج کل ہندوستان میں بھی دارا شکوہ کے ذکر کے ساتھ فروغ دیا جا رہا ہے۔

گندے نالے بن گئے ہیں جن میں شہر بھر کی سیوریج کی لائینیں گرائی جاتی ہیں، بہر کیف مقامی لوگ اس کو دریا کہتے ہیں اور اس میں راولپنڈی میں بہتے دریائے سواں سے تو بہر حال پانی زیادہ ہی تھا۔ اس علاقے کا نام مجھے اب اتنے سال گزر جانے کے بعد بالکل یاد نہیں ہے۔ لیکن اسی نالے کے ساتھ ایک بڑا میدان بھی ہے، میدان کو بھی سٹیڈیم پر قیاس نہ کریں۔ خیر اس میدان کے بارے میں ہمارے پشتون میزبان نے بتایا کہ سیّد صاحب کے ساتھیوں کی یہاں بھی ایک بار سکھوں سے معرکہ آرائی ہوئی تھی۔ میرا اندازہ ہے کہ جنوب کی طرف سکھوں کا لشکر تھا اور شمال مشرق کی طرف سے مجاہدین نے ان پر حملہ کیا اور ان کا سالمین غانمین واپس لوٹنا بہر حال ثابت ہے۔

یہ دن ہم نے مانسہرہ ہی میں گزارا۔ قریب ایک تفریح گاہ تھی، وہاں بھی جانا ہوا، راستے میں ہم



دریائے کنہار کا ایک پانوراما (panorama) منظر جسے راقم نے اسی سفر کے دوران محفوظ کیا۔ پس منظر میں بالا کوٹ کے پہاڑ بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔

نے ایک حلوائی کی دکان سے جس کا 'کھویا' مشہور ہے، خریدا اور میری توقع کے بر خلاف وہ اتنا لذیذ تھا کہ نہ میں نے اس سے پہلے کبھی ایسا کھویا کھایا اور نہ بعد میں۔

شام کو میزبان کے گھر لوٹے۔ انہوں نے پلاؤ، قورمہ، سیخ کباب اور مانسہرہ کے لوگوں کے خاص انداز سے بنائے رائتے سے تواضع کی۔ اس رائتے کی دقیق ترکیب تو مجھے معلوم نہیں لیکن یہ معلوم ہے کہ اس میں اخروٹ کُوٹ کر ڈالا جاتا ہے۔ پہلے پہل اس رائتے کے بارے میں میرا خیال تھا کہ یہ ہمارے میزبان کی خاص پیشکش ہے، لیکن بعد میں کئی اور مانسہریوں سے بھی اور مانسہرہ آنے جانے والوں سے بھی معلوم ہوا کہ ان کا یہ رائتہ مشہور ہے، بہر کیف، کھایا، اللہ کا شکر ادا کیا، میزبان کو دعائیں دیں اور قریبی مہمان خانے سونے کے لیے چلے گئے۔

اگلی صبح ہم بالا کوٹ کے لیے روانہ ہوئے۔ میں قریباً نو سال پہلے بھی بالا کوٹ جا چکا ہوں۔ لیکن تب ہمارا اصلی قصد بالا کوٹ نہیں تھا، اس لیے ہم صرف ایک رات بالا کوٹ میں رکے اور علی الصباح وہاں سے کاغان و ناران کی طرف روانہ ہو گئے[1]، گو کہ اس بار کا قیام بھی صبح سے شام تک ہی تھا، لیکن بالا کوٹ خود مقصد تھا سو اس قیام میں بہت کچھ دیکھنے اور محسوس کرنے کا موقع ملا۔ البتہ نو سال پہلے کی رات بھی بالکل خالی نہیں گئی تھی، بلکہ جب میرے تمام رفقائے سفر سو گئے تھے تو میں اکیلا رات گئے کنہار کے کنارے آیا تھا۔ پھر جس مقام پر میں کھڑا تھا وہاں پر کنہار کا عرض تنگ ہو جاتا ہے، یہاں سے کافی دیر تک کنہار کی بپھری موجوں کو دیکھتا رہا تھا۔ دریائے کنہار کی موجیں اس کی دیواروں سے ٹکرا رہی تھیں اور رات کے سناٹے میں ان موجوں کا شور بہت زیادہ تھا۔ میں جب ان اچھلتی، بپھرتی، بل کھاتی، پتھروں کو اپنے ساتھ بہاتی، تند و تیز موجوں کو دیکھ رہا تھا تو میرے ذہن میں وہ تاریخی روایت تھی جس کے مطابق سیّد صاحب کی نعش کو کنہار بہا کر لے گیا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ وہ کیسی موجیں ہوں گی جنھوں نے اپنے زمانے کے مجدد کو اپنے اندر ڈبویا ہو گا اور ان کی نعش کھینچ کر لے گئی ہوں گی۔ بعد میں سیّد صاحب کی نعش ملی یا نہیں، اس پر لائقِ قدر مؤرخین نے لکھا ہے، لیکن اگر ان کی نعش کنہار ہی لے گیا تو وہی مولانا سیّد ابو الحسن علی ندویؒ اور دیگر حضرات کی نقل کردہ بات کہ سیّد صاحب سے کسی نے کہا کہ آپ قبور پرستی کے خلاف دعوت دیتے ہیں اور اس شرک سے لوگوں کو روکتے ہیں، جب آپ فوت ہو جائیں گے تو لوگ آپ کی قبر کا بھی ایسا ہی مزار بنا لیں گے اور قبر پرستوں اور ضعیف الاعتقاد لوگوں کا تانتا آپ کی قبر پر بھی بندھا ہو گا! جواباً سیّد بادشاہ نے فرمایا تھا کہ میں نے اللہ سے دعا کی ہے کہ میری قبر بے نشان ہو اور اس کا کچھ پتہ کسی کو نہ ہو تا کہ میری قبر اس

---

[1] کاغان ناران جانے کا تجربہ نہایت برا ثابت ہوا۔ عرف میں ہم 'مولوی لوگ'، اصل میں مجاہدین جب یہاں پہنچے اور خاص کر جب جھیل سیف الملوک پہنچے تو سخت پریشان ہوئے اور مجھے تو سخت غصہ آیا۔ اس کا سبب یہاں کی بے حد و حساب فحاشی تھی۔ عورتیں اور ان میں بے حجاب و حیا باختہ عورتیں اس قدر زیادہ تھیں کہ ہمارے لیے نظر اٹھانا محال تھا۔ اس سبب ہم جھیل سیف الملوک بھی صحیح سے نہ دیکھ سکے۔ بعد اُ ہمارے ایک ساتھی نے ایک کونۂ عافیت ڈھونڈا، جہاں عافیت وعفت تو تھی لیکن سیف الملوک کا وہ حُسن نہیں تھا جس کو نہ صرف دیکھنا جائز ہے بلکہ اس حُسن کو دیکھ کر وطنِ اصلی 'جنت' کو یاد کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا ایک ساتھی کو اس قدر غصہ آیا کہ کہنے لگا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ جھیل کو مٹی سے پاٹ دوں کہ یہ فحاشی کا سلسلہ تو ختم ہو۔ سیف الملوک جانے کا راستہ عموماً فور بائی فور جیپوں پر طے کیا جاتا ہے کہ کسی اور گاڑی کا ان کچی چڑھائیوں پر چڑھنا ناممکن ہے اور جب جیپ وہاں چڑھتی ہے تو ایک طرف چڑھائی اور دوسری طرف گہری کھائی کو دیکھ کر انسان ایک خوف میں مبتلا رہتا ہے، لیکن مقامِ عبرت یہ ہے کہ یہ خوف ناک کھائیاں اور چڑھائیاں عبور کر کے 'انسانوں' کی کثیر بے حیا تعداد اپنے جلوے دکھانے اور باقی دیکھنے جاتی ہے، حالانکہ چڑھائی چڑھتی جیپ بعض جگہوں پر محض دو چار انچ دائیں بائیں ہو جائے تو انسان سیدھا موت کی کھائی میں چلا جائے۔ ممکن ہے کہ اب وہاں کا راستہ ایسا خطرناک نہ رہا ہو، لیکن اللہ کے خوف کی تو بہر حال و کیفیت ضرورت ہے!

جہالت سے محفوظ رہے۔ اور سیّد صاحب کی دعا قبول ہوئی کہ ایک روایت کے مطابق آپ کی نعش ملی ہی نہیں (جو مقامات آپ کی قبر کے طور پر مشہور ہیں ان کا ذکر آگے آئے گا)۔

میں اس رات، کنہار کو دیکھتا رہا، کنہار کی موجوں کی آواز جسے ہم شور سے تعبیر کر رہے ہیں، شور نہیں ہے، بلکہ ایک پیغام کی ترجمانی ہیں۔ یہ پیغام نفاذِ اسلام کا پیغام ہے، شریعت پر عمل کرتے ہوئے شریعت کی خاطر جینے کا اور پھر شریعت ہی کی خاطر شہادت کو گلے لگانے کا کہ کنہار کے پانی میں تیرہویں صدی ہجری کے بہترین لوگوں کا خون ملا ہے۔ یہ کنہار سیّد بادشاہ کی تحریکِ برحق کا دنیا میں سب سے بڑا زندہ عینی گواہ ہے، بلکہ اس نے اس تحریک کے پیغام کو اپنے اندر سمو رکھا ہے، بس بصر چاہیے جو اس پیغام کی عبارت کو پڑھے اور وہ سمع چاہیے جو اس پیغام کو سن سکے۔

کبھی لٹا تھا یہاں قافلہ تمنا کا
نظر اِدھر سے اُدھر بار بار پھرتی ہے
وہ جبکہ تیغوں کے سائے میں دورِ جام چلا
نگاہوں میں وہ شبِ یادگار پھرتی ہے

بہر کیف، ہم مانسہرہ سے بالاکوٹ کو روانہ تھے۔ شاید صبح سات ساڑھے سات بجے ہم بالاکوٹ کے مضافات میں پہنچے۔ ناشتہ ایک ڈھابے پر کیا۔ میرے رفقا چائے کے شوقین تھے اور چائے ڈھابے پر یا تو اچھی نہیں تھی یا ملی ہی نہیں تھی، سو مزید آگے چلے اور بالاکوٹ میں پی ٹی ڈی سی موٹل کی طعام گاہ میں بیٹھ کر چائے پی۔ میری نظر میں چائے کا مزا، اس کو محض پینے میں نہیں بلکہ یاروں دوستوں کے ساتھ بیٹھ کر پینے میں ہے جو اکثر میرے لیے ٹھنڈی ہی ہو جاتی ہے، لیکن یادوں اور احساس کی گرمی وحدّت سالوں برقرار رہتی ہے، جیسے اس بار کی اب تک یاد و احساس میں محفوظ ہے۔

چائے پی کر فارغ ہوئے تو سب سے پہلے ہم معرکۂ بالاکوٹ کے مقام پر پہنچے جس کی کوئی نشانی موجود نہیں ہے، سوائے ان روایات کے، کہ جو سینہ در سینہ چلتی آئی ہیں۔ ہمارے مقامی میزبان ہمیں پہاڑی پگڈنڈیوں پر لے کر ایک طرف کو روانہ ہوئے۔ شاید آدھ گھنٹے کا فاصلہ طے کرنے کے بعد ایک چشمے کے پاس پہنچے جو ایک درّے میں بہہ رہا تھا۔ ہمارے میزبان نے ایک پہاڑ کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ یہ وہ پہاڑ ہے جس سے سکھ اترے تھے۔ اس پہاڑ کو دیکھ کر اس پہاڑ سے منسوب تاریخی روایتیں تازہ ہو گئیں۔ سیرت سیّد احمد شہید (مؤلفہ مولانا سیّد ابو الحسن علی ندویؒ) میں درج ہے کہ:

”۲۴ ذی قعدہ (۱۲۴۶ھ) کی صبح صادق اور صبح کی اذان ہوئی، تو سب لوگ وضو کر کے مسلح ہو کر حاضر ہوئے۔ آپ (سیّد صاحب) نے نماز پڑھائی۔ پھر اجازت دی کہ اپنی اپنی جگہ پر جا کر ہوشیار رہو۔ آپ بھی اپنے ڈیرے پر آ کر وظیفے میں مشغول ہو گئے۔ جب آفتاب نکلا، تو نماز اشراق پڑھ کر کچھ دیر کے بعد وضو کر کے سرمہ لگایا اور ڈاڑھی میں کنگھی کی اور لباس اور ہتھیار پہن کر مسجد کو چلے۔ اس وقت سکھ پہاڑ سے مٹی کوٹ کی طرف اترتے تھے۔ لوگوں نے ان کی طرف اشارہ کر کے آپ سے عرض کیا سکھوں کا لشکر پہاڑ سے اترتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اترنے دو۔ پھر آپ مسجد میں داخل ہوئے اور اس کے سائبان تلے بیٹھے اور ایک ایک دو دو کر کے بہت سے غازی بھی وہیں جمع ہو گئے۔“

اسی طرح دوسری جگہ اسی پہاڑ کے متعلق درج ہے:

”محمد امیر خاں قصوری کہتے ہیں: اس وقت آسمان صاف تھا: نہ ابر تھا نہ غبار، دھوپ پھیلی ہوئی تھی، مگر بارود کے دھویں کے سبب سے اس طرح کی تاریکی تھی کہ نزدیک کا آدمی بھی بمشکل پہچانا جاتا تھا۔ سکھوں کی بندوقوں کے کارتوس کے کاغذ یوں معلوم ہوتے تھے، جیسے ٹیٹریاں (ٹڈیاں) اڑتی ہیں۔ وہ وقت نہایت اداس اور خوفناک نظر آتا تھا۔ سب مجاہدین نے قرابین اور بندوقیں گلے میں ڈال کر تلواریں پکڑیں اور یکبارگی باآواز بلند اللہ اکبر! اللہ اکبر! کہہ کر حملہ آور ہوئے۔ اس وقت لڑائی کا یہ رنگ تھا کہ تمام سکھ منہزم ہو کر پہاڑ پر چڑھے جاتے تھے اور مجاہدین پہاڑ کی جڑ تک پہنچ گئے تھے اور سکھوں کی ٹانگیں پکڑ پکڑ کر کھینچتے تھے اور تلواریں مار مار کر مردار کرتے تھے اور جانبین سے پتھر چلتے تھے۔“

ہم بغور اس پہاڑ کو دیکھتے رہے اور چشمِ تصور سے سکھوں کو اترتا، پہلے پسپا اور پھر شیر سنگھ کی چیخ و پکار پر دوبارہ جمع ہو کر مجاہدین پر ہلہ بولتے دیکھتے رہے۔ ساتھ بہتے چشمے کا جب خیال آیا تو لڑائی کے بعد جو عزم و ہمت کی مجسم تصویر مجاہدین بچے تھے، ان کی یاد تازہ ہو گئی، جنھوں نے انیسویں صدی عیسوی کے بچ جانے والے یاقوتوں اور ہیروں کو دوبارہ جمع کیا اور اور چشمے کا یہ چھوٹا سا اجتماع تحریکِ مجاہدین کو اگلی سوا صدی تک مزید جِلا بخشنے کا اقدام قرار پایا۔

”میاں خدا بخش، الٰہی بخش، شیر محمد خاں رامپوری، محمد امیر خاں قصوری، لعل محمد جگدیس پوری اور داروغہ عبدالقیوم وغیرہ کہتے ہیں کہ لڑائی کے کھیت سے نکل کر ہم اکثر لوگ پہاڑ کی آڑ میں چشمے پر جمع ہوئے۔ کچھ لوگ آگے چلے گئے، وہیں چشمے پر دو یا تین غازی مولوی خیر الدین صاحب کے ہمراہی آ پہنچے۔“

ہم نے اس بابرکت چشمے میں ہاتھ تر کیے اور (ان شاء اللہ) آئندہ اپنے ہی فی اللہ بہہ جانے والے خون میں ہاتھ تر کرنے کا عزم۔ اس چشمے کی ایک تصویر کیمرے سے اور دوسری اپنی آنکھوں کے راستے آئینۂ دِل میں محفوظ کر لی۔

انہیں پہاڑوں کو دیکھتے ہوئے ان لکھنوی مجاہد کا واقعہ بھی یاد آیا جو یہیں کہیں کسی پہاڑ سے لٹکے کسی سکھ کو ٹانگوں سے کھینچ رہے تھے، کتاب میں کچھ یوں درج ہے:

”لعل محمد جگدیس پوری یوں بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ معمور خاں لکھنوی دانتوں سے ننگی تلوار پکڑے ہوئے ایک سکھ کے پاؤں پکڑ کر اپنی طرف کھینچ رہے ہیں اور ایک سکھ اس سکھ کے ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچتا ہے۔ آخر الامر خان موصوف نے ایسا زور کیا کہ وہ سکھ اس کھینچنے والے سے چھوٹ کر ان کے اوپر آ رہا اور دونوں وہاں سے غلطاں نیچے نالے میں آ کر گرے اور دونوں وہیں رہے۔ خان ممدوح تو شہید ہو گئے اور وہ مردار ہوا۔“

پھر میں تصور کی آنکھ سے ان بڑے میاں کو دیکھتا رہا جو یہیں کسی پہاڑ پر مجاہدین کے لیے کھیر پکا رہے تھے، جنہوں نے عالمِ خواب میں نہیں، بلکہ کھلی آنکھوں سے ستّر پوشاکوں میں اور لہنگوں اور غراروں میں ملبوس حورِ جنت کو دیکھا، پہلی نظر میں محبت میں گرفتار ہو گئے، وہیں اس عروس سے تقریب نکاح ہوئی اور چند لمحوں میں اپنی محبوبہ سے کبھی نہ ختم ہونے والے وصال کو پا گئے۔ سیرتِ سیّد احمد شہید میں لکھا ہے:

”الٰہی بخش رامپوری کہتے ہیں کہ ہماری جماعت میں ضلع پٹیالہ کے ایک سیّد چراغ علی تھے وہ کھیر پکا رہے تھے اور قرابین ان کے کندھے پر پڑی ہوئی تھی۔ سکھ مٹی کوٹ سے نیچے اتر رہے تھے، وہ اپنی کھیر بھی چمچہ سے چلاتے جاتے تھے اور سکھوں کی طرف بھی دیکھتے تھے۔ اس وقت ان پر ایک اور ہی حالت واقع تھی۔ یکبارگی آسمان کی طرف دیکھ کر بولے کہ وہ دیکھو، ایک حور کپڑے پہنے ہوئے چلی آتی ہے۔ کچھ دیر کے بعد کہنے لگے کہ دیکھو ایک حور کپڑے پہنے ہوئے چلی آتی ہے۔ کچھ دیر کے بعد کہنے لگے کہ دیکھو ایک پوشاک پہنے ہوئے آتی ہے۔ یہ کہہ کر وہ چمچہ دیگچی پر مارا اور یہ کہتے ہوئے کہ اب تمہارے ہی ہاتھ کا کھانا کھائیں گے، سکھوں کی طرف روانہ ہوئے۔ کتنا ہی لوگ کہتے رہے کہ میر صاحب ٹھیر جاؤ، ہم بھی چلیں گے۔ انہوں نے کسی کے کہنے کا کچھ خیال نہ کیا اور جاتے ہی سکھوں کے مجمع میں گُھس گئے اور داد جوانمردی دے کر شہید ہو گئے۔“

ہم کچھ دیر یہاں جہاں جگہ ملی بیٹھ گئے، ہم تھے ایک سکوت تھا اور سکوت کو توڑتے چشموں اور چھوٹے چھوٹے جھرنوں کی آوازیں۔ پھر یہاں سے اٹھے اور اگلے مقامِ شوق حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہید نوّر اللہ مرقدہٗ کے مزار کی طرف روانہ ہو گئے۔

یہ مزار عام آبادی و بازار سے ہٹ کر ہے۔ اگر رُخ کاغان و ناران کی طرف ہو تو مزار کے لیے بازار کی بغل سے (جس زمانے میں راقم نے دیکھا تھا) ایک سڑک بائیں طرف کو جاتی ہے، شاید دو کلومیٹر کا گاڑی کے لیے کچا پکا راستہ ہو گا جسے طے کرنے کے بعد مزار آتا ہے۔

شاہ اسماعیل صاحب کے مزار کے ارد گرد اور لوگوں کی بھی قبریں ہیں۔ اس قبروں کے احاطے میں جب داخل ہوتے ہیں تو وہاں سب لوگ جوتے اتار لیتے ہیں اور برہنہ پا داخل ہوتے ہیں۔ جب ہم اس احاطۂ مزار میں داخل ہوئے تو عین دوپہر کا وقت تھا۔ آسمان پر ارد گرد بادل تھے، لیکن رُوئے خورشید کو ابھی نقابِ ابر نے چھپایا نہ تھا، سو وہ گرمی بکھیر رہا تھا۔ سورج کی تپش کے سبب مزار کے احاطے کا فرش تپ رہا تھا اور اس تپتے فرش پر پاؤں رکھتے ہی مجھے وہ واقعہ یاد آ گیا جو میں نے پہلی بار اپنے والدِ ماجد (مدّ ظلہ) سے ابتدائے بچپن میں، اپنے والد صاحب کے بچپن کے محلے کی مسجد میں سنا تھا۔ وہ بھی گرمیاں ہی تھیں جب میں ظہر کی نماز پڑھ کر اپنے ابّو کے ساتھ اس چھوٹی سی مسجد کے مسقّف احاطے سے نکل کر صحن میں آیا تو فرش کے گرم ہونے کے سبب پاؤں نہ رکھ سکا اور فوراً اُچھلا۔ پنجوں پر چلتا جیسا تیسا مسجد سے باہر نکلا اور جلدی سے جوتے پہنے تو ابّو کہنے لگے کہ ’شاہ اسماعیل شہید، جہاد کی تیاری کی غرض سے جامع مسجد دہلی کے صحن کے گرم فرش پر عین دوپہر میں ننگے پاؤں چلا کرتے تھے کہ جسم جہاد کی سختیوں کا عادی ہو جائے‘۔



پہاڑی درے کے درمیان بہتا ایک چشمہ

’شدّت پسندی‘ کی یہ تعلیم ہر مسلم گھرانے میں کسی نہ کسی صورت بچپن سے ہی ملتی ہے۔ آج کا کوئی دین دار گھرانہ مشکل سے ایسا ملے گا جہاں ذکرِ سیّدین شہیدین کی باس سے مکان نہ مہکتا ہو۔ اسی بات سے اپنے ایک نہایت بزرگ اور نہایت مکرم و محترم شیخ و مفتی صاحب (دامت برکاتہم العالیہ) کا چند برس پہلے سنایا واقعہ یاد آ گیا۔ حضرتِ والا فرمانے لگے کہ جب نیشنل ایکشن پلان وطنِ عزیز کی اساس (لا الٰہ الا اللہ) کی مخالفت و تردید میں منظور ہوا تو انٹیلی جنس ایجنسیوں کے اہلکاروں نے جابے جا چھاپے مارے اور چھاپوں کا خاص سلسلہ اردو بازار لاہور میں چل پڑا۔ ایجنسی والے ایک ناشر و کتب فروش کی دکان پر گئے اور اس کو بتانے لگے کہ فلاں اور فلاں کتابوں پر پابندی ہے کہ ان میں ’شدّت پسندی‘ کا مواد پایا جاتا ہے۔ یہ ناشر و کتب فروش

صاحب بغور سنتے رہے اور بظاہر یہی دکھاتے رہے کہ وہ ایجنسی والوں سے خوب تعاون کر رہے ہیں۔ جب ایجنسی والوں کی بات ختم ہو گئی تو یہ صاحب بولے کہ کتابوں کی جس فہرست کا آپ نے ذکر کیا ہے اس میں ایک کتاب رہ گئی ہے، میرے پاس رکھی ہے، میں سٹور سے لاتا ہوں۔ ایجنسی والے اس 'تعاون' پر بہت خوش ہوئے اور کہا کہ ضرور لائیے۔ یہ صاحب اندر گئے اور مصحف شریف اٹھالائے۔ ایجنسی والوں نے دیکھا تو آگ بگولہ ہو گئے اور کہنے لگے 'تُو ہمارے ساتھ مخول (مذاق) کرتا ہے؟ یہ تو قرآن شریف ہے!'۔ اس پر یہ صاحب کہنے لگے کہ 'جتنی ''شدّت پسندی'' کی کتابوں کی فہرست تم نے دی ہے یہ سب اسی قرآن سے نکلی ہیں!'۔ ایجنسی والے یہ سن کر مغلظات بکنے لگے اور ڈرا دھمکا کر چلے گئے۔ خیر، اس واقعے کے بیان سے میرا مقصد یہ تھا کہ جسے امریکہ کے دینِ جدید 'نیو ورلڈ آرڈر' میں 'شدّت پسندی' کہا جاتا ہے تو اس کا آغاز تو ازل سے ہوا اور جب تک کا زمانہ ابد کہلاتا ہے تب تک یہ غلغلہ بلکہ حقیقت میں اس فکر کا غلبہ رہے گا۔ لہٰذا حسبِ قولِ عباس تابشؔ:

ع تیری مرضی جس کو دہشت گرد کہہ کر مار دے

سو جب تک قرآن گھروں، مدرسوں، مسجدوں، مکتبوں، دکانوں اور زندگی کے کارخانوں سے نہیں 'اٹھایا' جاتا یہ 'شدّت پسندی' رہے گی۔ یہ 'شدّت پسندی' امت کے ہر مکتبۂ فکر اور ہر مسلک سے وابستہ ہے، ہر شعبۂ زندگی میں دخیل ہے اور جب آخر الزمان میں قرآن 'اٹھایا' جائے گا تو قیامت آجائے گی اور قرآن اور قرآنی پیغام کے دشمنوں کے لیے دنیا جہنم 'ہمارے' ہاتھوں ہے اور قیامت تا ہمیشہ نارِ جہنم 'مالک' داروغۂ جہنم کے ہاتھوں ہے (اللهم أجرنا من النار!)۔

شاہ اسمٰعیل صاحب کے احاطۂ مزار کے صحن کا فرش بدستور تپ رہا تھا، سو مجھ سہولت کے مارے نے فوراً ایک سائے کی جگہ میں پناہ لی۔ چند منٹ مزید بیتے تو پورے آسمان پر بادل چھا گئے اور مزار بھی زیرِ سایہ آ گیا، پھر شاہ صاحب کی قبر کے پاس پہنچا، کچھ دیر عقیدت سے اس بقعۂ نور کو دیکھتا رہا۔ قبر کے ساتھ کتبے پر 'حضرت مولوی شاہ محمد اسماعیل شہید دہلوی بن شاہ عبد الغنی بن شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہم' لکھا ہوا تھا۔ سوچتا رہا کہ یہ علما کے خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ زمانے کے بہترین لوگوں میں سے ایک۔ اس زمانے کے بلکہ ہر زمانے کے میٹروپولیٹن شہر 'دِلّی جو ایک شہر تھا عالَم میں انتخاب' کے باشندے۔ شاہ صاحب سب چھوڑ چھاڑ کر یہاں آئے تھے۔ اس بالاکوٹ کو کون جانتا تھا؟ شاہ صاحب واقعی ان لوگوں میں سے تھے جن کی نسبت سے شہر جانے جاتے ہیں۔ آج یہی بالاکوٹ لکھنوی بھی ہے اور دہلوی بھی۔ انہی شاہ صاحب کے ایک مدّاح، 'اقبالؒ'[1] کے ایک مصرعے میں کچھ تصرف کے ساتھ:

ع اس 'جبل' سے بہتر ہے نہ دِلّی نہ بخارا!

ہم نے شاہ صاحب کے بلندیٔ درجات کے لیے دعا کی اور اپنے لیے انہی شہیدوں میں شامل کیے جانے کی۔ باہر نکلے، پھر راہ میں تپتا صحن آیا تو میں نے فوراً میاں صاحب کو جامع مسجد دلّی کے صحن کے تپتے فرش والا واقعہ یاد دلایا، میاں صاحب اپنے کشمیری لہجے میں کہنے لگے 'شاہ صاحب بعد از شہادت بھی اپنے احاطۂ قبر کے صحن کے تپتے فرش سے لوگوں کو تیاریٔ جہاد کی تحریض دلا رہے ہیں'۔ ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ 'مرابط کا اجر تا قیامت جاری رہتا ہے'، اس کی تشریح میں شیخ انور العولقی شہید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اور امامِ ابنِ حجرؒ یا امام سیوطیؒ میں سے کسی کا قول نقل کرتے ہیں کہ ہر شخص کا سلسلۂ اجر کہیں نہ کہیں جا کر موقوف ہو جاتا ہے سوائے مرابط مجاہد کے، کہ جس سلسلۂ رباط سے مرابط مجاہد جڑا ہوتا ہے وہ تا قیامت جاری رہے گا۔ سو جو مجاہد، عالم بھی ہو اور اس کے علم و عمل سے ایک دنیا فیض یاب ہو رہی ہو اس کے اجر کا تو کیا ہی کہنا!

ع ایں سعادت بزورِ بازو نیست!

شاہ صاحب کے مزار کے بعد اگلی منزل سیّد بادشاہ کا مزار تھا۔ سیّد صاحب کی قبر کے حوالے سے تین چار مقامات معروف ہیں۔ غالباً دو بالاکوٹ میں، ایک کہیں اور، اور ایک گڑھی حبیب



شہیدِ اسلام، حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کا ایک پانوراما (panorama) منظر

[1] علامہ اقبالؒ شاہ اسماعیل شہیدؒ کو بہت بلند نظر سے دیکھتے تھے اور اقبال نے شاہ صاحب جیسے اور عالم پیدا نہ ہونے کا شکوہ بھی ایک جگہ کیا ہے (بحوالہ 'تذکرۂ شہید' از مولانا محمد خالد سیف)۔

اللہ میں، لیکن بالاکوٹ میں ایک مقام مشہور ہے، جہاں سلسلۂ سیّد احمد شہید کے ایک بزرگ با وفا وصفا اور دورِ حاضر میں مجاہدین کے ایک محب و انصار، جن کی خانقاہ میں مجاہدین آئی ایس آئی سے چھپ کر پناہ لیتے تھے اور بعض دفعہ مہینوں گزارتے تھے، مکتبہ سیّد احمد شہید (اردو بازار لاہور) اور سیّد احمد شہید اکادمی قائم کرنے والے اور وقائع احمدی کو (غالباً) پورا اپنے ہاتھ سے دوبارہ تحریر کر کے شائع کرنے والے، خطِ نستعلیق میں صنفِ 'نفیس' کو تشکیل دینے والے، حضرت مولانا سیّد نفیس الحسینی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سیّد احمد شہید کے متعلق ایک کتبہ لکھوا رکھا ہے۔

قبر پر حاضر ہوئے، یہ قبر عام قبرستان میں واقع ہے۔ یہ قبرستان بالاکوٹ کے ایک اندرونی بازار سے متصل ہے، بلکہ بازار کے درمیان سے ایک چھوٹی سی گلی اس کی جانب جاتی ہے۔ جب میں قبر کے قریب گیا تو یقین ہی نہ آیا کہ یہ سیّد بادشاہ کی قبر ہے۔ قبر کے پاس میں قریباً آدھ گھنٹہ کھڑا رہا، لیکن بس میں تھا اور میرے ساتھی اور کوئی نہ تھا۔ غالباً ایک عورت آئی اور وہ بھی شاید کسی اور عزیز کی قبر پر کچھ دیر کھڑی رہی اور چلی گئی۔ عام طور پر عورتیں زیادہ ضعیف الاعتقاد ہوتی ہیں، عورت آئی اور زمانے کے قطب اور ابدال میں سے ایک پیرِ طریقت حضرت سیّد احمد شہید کے مزار پر نہ کھڑی ہوئی؟ اب اگر یہی مان لیا جائے کہ یہی سیّد المجاہدین کی قبر ہے تب بھی سیّد صاحب کی دعا کے مقبول ہونے کا یقین ہو جاتا ہے۔ قبر پر گھاس سی اگی ہوئی تھی، کچھ جنگلی بُوٹیاں بھی اور شاید کسی نے ایک باقاعدہ پودا بھی اس پر لگا رکھا تھا۔ قبر پر گرد پڑی ہوئی تھی۔




سیّد بادشاہ کی قبر کی نشاندہی کرتا کتبہ

ہزار جاہ و حشم اس کی شان پر قرباں
وہ بے کسی جو بہ گردِ مزار پھرتی ہے
یہاں پہ خونِ شہیداں کے جل رہے ہیں چراغ
بقا کو دیکھیے پروانہ وار پھرتی ہے

یہاں دل کی عجیب سی حالت رہی، نہ دل پر کسی خیال کا گزر ہوا اور نہ ہی دماغ نے کچھ دیر یہاں کچھ بھی سوچنا چاہا۔ قاطعِ شرک وبدعت کی قبر پر دل دل میں بس اپنے لیے دعا کی، کچھ ایصالِ ثواب ان سے نسبت جوڑنے کی خاطر کر دیا اور یہاں سے نکل آئے۔

سیّد صاحب کی حیاتِ دنیوی کی آخری شب کچھ ساتھیوں نے لوگوں کے غدر و خیانت کا ذکر کیا۔ سیّد صاحب نے بھی جواباً کچھ باتیں گنوائیں، جن درباری علما نے سیّد صاحب پر الزامات لگائے ان کا بھی ذکر کیا، لیکن خائنوں اور غداروں کے ذکر کے بعد آپ نے دوبارہ ساتھیوں کی توجہ اپنے مقصد کی طرف کروائی۔ سیرتِ سیّد احمد شہید میں درج ہے کہ سیّد صاحب نے فرمایا:

''تم سچ کہتے ہو، حقیقت حال یہی ہے۔ اتنے برس ہم نے اس کارِ خیر کے واسطے طرح طرح کی کوشش و جانفشانی کی، اپنی دانست میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا، ہندوستان، خراسان اور ترکستان میں اپنے خلفا روانہ کیے، انہوں نے بھی حتی الامکان دعوت فی سبیل اللہ میں کوئی کوتاہی نہیں کی اور ہم بھی جہاں جہاں گئے وہاں کے لوگوں کو ہر طریقے پر وعظ و نصیحت سے سمجھاتے رہے، مگر سوائے تم غربا کے کسی نے ہمارا ساتھ نہ دیا، بلکہ ہم پر طرح طرح کا افترا کیا، اب ہمارے کاتب بھی خط لکھتے لکھتے تھک گئے اور ہم بھیجتے بھیجتے تنگ آ گئے اور کچھ ظہور میں نہ آیا، اب یہی خوب ہے کہ اپنے غازی بھائیوں کو پہروں پر سے اپنے پاس بلوا لیں۔ کل صبح کو اسی بالاکوٹ کے نیچے ہمارا اور کفار کا میدان ہے۔ اگر اللہ نے ہم عاجز بندوں کو ان پر فتحیاب کیا تو پھر چل کر لاہور دیکھیں گے اور جو شہید ہو گئے، تو ان شاء اللہ جنت الفردوس میں چل کر عیش کریں گے۔''

بزبانِ شاعرِ جہاد، شیخ احسن عزیز شہیدؒ، سیّد المجاہدین نے اپنے وفادار ارباب بہرام خان شہیدؒ سے فرمایا:

''سارا سفر یہ اپنا
جس وقت کے لیے تھا
وہ وقت بس یہی تھا
تھا انتظار جس کا
خاں جی! یہ وہ گھڑی ہے
'منزل' تو آ گئی ہے!''

سیّد بادشاہ نے ولایتِ الٰہی کا عظیم مقام 'شہادت' پایا اور ان کے ساتھی مجاہدین نے بھی۔ رسولِ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک فرمانِ مبارک کا مفہوم ہے کہ 'جنت میں اللہ تعالیٰ نے صرف مجاہدین کے لیے سو درجات تیار کر رکھے ہیں'۔ ان شاء اللہ، سیّد بادشاد جنت میں بھی بادشاہوں کے ٹھاٹ کے ساتھ، اہلِ جہاد کے لیے بنائے گئے اعلیٰ ترین درجے پر فائز ہوں گے۔

سیّد صاحب کے مزار سے نکل کر ہم نے اپنی واپسی کا سفر شروع کیا۔ ہم سب کی خواہش تھی کہ واپسی پر ایبٹ آباد میں مشہدِ شہیدِ اسلام، حضرت شیخ اسامہ بن لادن پر بھی حاضری دیتے، لیکن حفاظت کا خیال درمیان میں مانع ہوا، کہ شیخ صاحب کے مشہد پر ان کا سودا کرنے والے اکیسویں صدی کے بدترین کلمہ گو خائن نہ ہوں اور ہمارا راز ان کے سبب افشا نہ ہو جائے۔ بقول ایک قابلِ احترام مبلغِ دین 'خورشید سمندر میں ہی ڈوبا کرتا ہے'، سو ہمارے شیخ کا مرقد کوئی نہیں ہے، دشمن نے شیخ کا نشان مٹانے کے لیے انہیں مٹی میں نہ دفنایا، لیکن اس کے ہاتھوں خدائے برتر نے، خیر الماکرین نے شیخ شہید کے لیے دنیا کی سب سے بڑی قبر کا سامان پیدا کر دیا، بس دنیا

کا جو ساحل جس معتقد و عاشقِ شیخ اسامہ کو مل جائے اسے ہی شیخ کی قبر جان لیا جائے۔ ایبٹ آباد سے شیخ مرحوم کے مشہد کی زیارت کیے بغیر جو گزرے اور جو دل کی حالت ہوئی اس کی ترجمانی نعیم صدیقی مرحوم کے کچھ اشعار سے ہوتی ہے (ایک آدھ جگہ معمولی تصرف کے ساتھ):

مرے رفیقِ سفر! اس مقام پر تھم جا
حسابِ الفتِ محبوب کچھ چکا کے چلیں

یہ اجڑا شہر جہاں تھے ہزار روئے صبیح
تصورات میں وہ صورتیں بسا کے چلیں

یہ خاک جس میں تھے گلہائے رنگ رنگ کھلے
ہم اپنے زخموں کے کچھ پھول یاں کھلا کے چلیں

ہم اس صلیب کی پُر ہول چھاؤں میں رُک کر
دو ایک ساغرِ زہراب ہی لنڈھا کے چلیں

ہے یاں پہ خونِ شہیداں کی پھیلتی خوشبو
مشامِ جاں میں یہ بُوئے جناں بسا کے چلیں

یہ وہ جگہ ہے جہاں قافلہ وفا کا لُٹا
یہاں پہ ہم بھی متاعِ جگر لُٹا کے چلیں

مزار سارے ہیں جیسے یہاں مزارِ حبیب
چراغِ نالۂ حشر آفریں جلا کے چلیں

اِدھر اُدھر کئی لاشیں پڑی ہیں بکھری ہوئی
ہم ان کو چوم کے اِن کو گلے لگا کے چلیں

یہ خاک جس نے پیا ہے لہو شہیدوں کا
ہم اپنا خوں بھی کچھ اس خاک میں ملا کے چلیں

وہ گیت جس کو الاپا گیا تو جرم بنا
مرے رفیق! وہی گیت ہم بھی گا کے چلیں

اگر کچھ اور نہ توفیق ہو رفیقِ حزیں!
دیارِ یار میں دو اشک ہی بہا کے چلیں!

اپنے زمانے کے مجددِ دین ہوں یا اپنے زمانے کے مجددِ جہاد، سیّد بادشاہ سے شیخ اسامہ تک کی زندگی کا ایک ہی پیغام ہے۔ مشہدِ بالاکوٹ سے مشہدِ ایبٹ آباد تک کے مقاماتِ شوق سے ایک ہی صدا بلند ہو رہی ہے:

إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ○

”بلاشبہ میری نماز، میری قربانی، میرا جینا اور میرا مرنا، صرف اور صرف اللہ ربّ العالمین کے لیے ہے۔“

☆☆☆☆☆

## بقیہ: امیر المومنین عید پیغام

اسی طرح مقابل فریق سے بھی کہتا ہوں کہ عام لوگوں کے قتل، تشدد اور ایذا رسانی سے باز آجائیں۔

انتہائی افسوس کی بات ہے کہ اب بھی مقابل فریق کی کارروائیوں، بمباریوں، میزائل حملوں اور دیگر کارروائیوں میں ہمارے عام شہری شہید ہو رہے ہیں اور انہیں نقصانات پہنچائے جا رہے ہیں جو کسی صورت قابل برداشت نہیں ہے۔

مجاہدین بھائی اپنے عوام کے ساتھ بہتر اور نرم رویہ رکھیں۔ یہ قوم بہت تھک چکی اور بہت تکالیف اٹھا چکی ہے۔ ہم سب ان سے رحم و شفقت سے پیش آئیں۔ کہیں بھی کسی بھی شخص پر ظلم اور زیادتی نہیں ہونی چاہیے۔ اگر کہیں کسی کی جانب سے آپ پر ظلم و زیادتی بھی ہو جائے تو بھی ہمیں چاہیے کہ بہت تحمل سے کام لیں، اپنے عوام کی قدر کریں۔ اس کے ساتھ ساتھ اپنے ذاتی اعمال پر بہت توجہ دیں۔ تمام نمازیں باجماعت ادا کریں، گناہوں سے خود کو بچائیں اور اسی طرح کامیابی کے مرحلے پر کوئی غرور اور تکبر کا فعل آپ سے سرزد نہ ہو۔ بلکہ لازم ہے کہ اللہ جل جلالہ کا شکر ادا کریں اور اس کی طرف اور زیادہ توجہ دیں مزید اللہ تعالیٰ سے نصرت کی طلب میں اضافہ کریں اور توکل کریں۔

آخر میں ایک بار پھر عید الفطر کی مناسبت سے پوری قوم کو مبارک دیتا ہوں۔ صاحب حیثیت اور دولت مند شہریوں سے امید رکھتا ہوں کہ ان مبارک لمحات میں اپنے ملک کے غریب، یتیم، معذور، بے سہارا اور محتاج شہریوں سے تعاون کریں۔ خصوصاً اس سال ملک میں خشک سالی ہے۔ لوگوں کو بہت سے مسائل کا سامنا ہے۔ کورونا کی وبا ایک اور سانحہ ہے جس کا ہماری قوم سامنا کر رہی ہے۔ اس لیے حتی الوسع اس مظلوم قوم سے تعاون کریں۔ اسی طرح رفاہی و خیراتی ادارے اور عالمی تنظیموں کو چاہیے کہ لوگوں سے ہر طرح کے تعاون پر زیادہ سے زیادہ توجہ دیں اور ان کی مدد کریں۔

والسلام

زعیم امارت اسلامیہ

امیر المومنین مولوی ہبۃ اللہ اخندزادہ

۲۷ رمضان المبارک ۱۴۴۲ھ / ۹ مئی ۲۰۲۱ء

☆☆☆☆☆

# شیخ اسامہؒ کے کارہائے نمایاں

مصعب ابراہیم (فک اللہ اسرہٗ)

پندرہویں صدی ہجری کی ابتدا اس حال میں ہوئی کہ امت مسلمہ تین صدیوں کی غلامی، کسمپرسی اور ذلت کے بعد عزت، رفعت، عروج اور بلندی کے سفر کو شروع کر رہی تھی۔ اس زمانے میں اللہ تعالیٰ کی خاص مشیت سے ایسا ماحول میسر ہوا کہ منہج نبویؐ کے مطابق جہاد و قتال کے میدان آراستہ ہونے لگے۔ افغانستان میں سوویت یونین کے خلاف جہاد کا آغاز ہوا۔ اس جہادی سفر کے مسافر شرق و غرب کے مسلمان نوجوان ٹھہرے۔ قافلۂ جہاد کے نقیب شیخ عبد اللہ بن عزام شہیدؒ کی پر سوز دعوت اور اجلے کردار کا اثر تھا کہ امت کے ابطال سر فرازیٔ دین کے لیے افغانستان کے محاذ پر جمع ہونے لگے۔ اِنہی نوجوانوں میں ایک نمایاں نام شیخ اسامہ بن لادن شہید رحمہ اللہ کا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی نصرت و تائید کے ساتھ مجاہدین سرخ ریچھ کے مقابل صف آرا ہوئے اور بالآخر سوویت یونین، افغانستان سے اس حالت میں ناک رگڑتا ہوا فرار ہوا کہ اُس کے اپنے حصے بخرے ہو گئے۔ عرب و عجم کے مجاہدین نے اس مبارک جہاد کے بعد بیٹھ رہنا قبول نہیں کیا بلکہ 'مصنوعی خداؤں' کو نابود و ناپید کرنے کے اس سلسلے کو آگے بڑھانے کی حکمت عملی ترتیب دی۔ اُنہوں نے امریکہ کی صورت میں موجود 'واحد سپر پاور' کو اپنا اگلا ہدف بنایا تاکہ دنیا سے طاغوت کی فرماں روائی کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر سکیں اور اللہ کے دین کو کرۂ ارض پر نافذ کر سکیں۔

شیخ عبد اللہ عزام رحمہ اللہ کی شہادت کے بعد اب اس قافلۂ سعید کے روحِ رواں شیخ اسامہ بن لادن قرار پائے۔ آپ نے اپنی تمام صلاحیتیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ ہر طرح کے وسائل جہاد و قتال کے میدانوں میں لا کر ڈھیر کر دیے۔ یوں اللہ رب العزت نے عصرِ حاضر کے ہبل کو توڑنے کے لیے 'جیشِ اسامہ' کو کھڑا کیا۔ شیخ کو یقینی طور پر محسنِ امت قرار دیا جا سکتا ہے۔ ان سطور میں ہم شیخ رحمہ اللہ کے چند نمایاں کارناموں کا اجمالی تذکرہ کریں گے۔ یہاں تو شیخ کے کارہائے نمایاں کا اجمالی تذکرہ ہی ہو سکتا ہے۔ شیخ رحمہ اللہ نے جو معرکے سر کیے اُن کا مفصل اور جامع احوال تو اُن کے نامۂ اعمال میں ہی درج ہو گا، جو اُن کے رب کے پاس محفوظ ہے اور کچھ عجب نہیں کہ ربِ کائنات نے اُن کا اعمال نامہ حاملین عرش اور فرشتوں کے سامنے فخریہ انداز میں نمایاں کیا ہو کہ

؎ یہ بندہ دوعالم سے خفا میرے لیے ہے

## مسلمانوں کو احساس عروج دینا اور امریکہ کی بالادستی ختم کرنا:

شیخ نے اپنی جدوجہد اور تمام تر کوششوں کا محور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث مبارک کو رکھا، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"الاسلام یعلوا ولا یُعلیٰ علیه."

"اسلام ہمیشہ بلند ہے، کوئی چیز اس پر برتری نہیں رکھتی ہے۔"

مسلمان جو جہاد افغانستان (اول) سے پہلے دنیا بھر میں مظلومی اور مقہوری کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ اسلام کا نام لینا خود کو نکّو بنانے کے مترادف تھا، اسلامی تعلیمات پر عمل کرنا عیب سمجھا جاتا تھا، اپنے اسلاف کے ذکر سے اجتناب ہی میں عافیت جانی جاتی تھی...... لیکن جہاد افغانستان کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ذہنی غلامی کے اس ماحول کو بدل کر رکھ دیا۔ سوویت یونین کی پسپائی کے بعد امریکہ اسلام کے مقابل آیا تو شیخ نے مسلمانوں میں یہ روح پھونکی کہ 'بازو تیرا توحید کی قوت سے قوی ہے'۔ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے جو عزت، عروج، تمکنت، بالادستی، علو اور برتری کے وعدے کیے ہیں...... ان وعدوں کی تکمیل جہاد و قتال کے میدانوں میں ہی ہوتی ہے۔ لہٰذا شیخ نے امت کے نوجوانوں کو یہ وعدے ازبر کروائے اور ساتھ ہی میادینِ جہاد کی جانب رخ کرنے اور قرآن و سنت کی تعلیمات کے مطابق قتال کے فریضے کو سرانجام دینے کی دعوت دی۔ آپ فرماتے ہیں:

> "آج امت مسلمہ کو جن مصائب و آلام کا سامنا ہے، وہ اللہ کے دین اور جہاد کو چھوڑ دینے کا براہ راست نتیجہ ہے۔ ایک صحیح حدیث میں وارد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا 'جب تم سُودی تجارت (عینہ) کرنے لگو گے اور گائے بیلوں کی دُمیں پکڑ لو گے اور کھیتی باڑی (کی زندگی) میں (مگن ہو کر) مطمئن ہو جاؤ گے اور جہاد چھوڑ بیٹھو گے تو اللہ تمہارے اوپر ایسی ذلت مسلط کر دے گا جو اس وقت تک نہیں ہٹائے گا جب تک تم اپنے دین کی طرف واپس نہ لوٹ آؤ'۔ یہ حدیث بالکل واضح ہے اور ہم سب پر حجت تمام کر دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ذلت کی یہ چادر انہی وجوہات کی بنا پر ہمارے اوپر تانی ہے۔ اور یہ اس وقت تک نہیں اٹھائی جائے گی جب تک ہم اپنے دین کی طرف واپس پلٹ نہیں آتے۔ لہٰذا میرے مسلمان بھائیو! یہ بات اچھی طرح سمجھ لو کہ دین کی طرف رجوع، کبیرہ گناہوں سے اجتناب اور جہاد فی سبیل اللہ کی راہ اختیار کیے بغیر کوئی چارہ نہیں! اگر ہم چاہتے ہیں کہ دین صحیح بنیادوں پر قائم ہو تو ہمیں رہ

نمائی اور منہج، قرآن وسنت ہی سے لیتا ہوں گے اور یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہمیں واضح طور پر سمجھادی گئی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی راہ میں اس طرح جہاد کیا کہ جہاد کا حق ادا کر دیا، دین کی بھرپور تبلیغ کی اور اس بارِ امانت سے سبکدوش ہو کر دنیا سے رخصت ہوئے۔''

اسی طرح شیخ نے امریکی بالادستی کے خاتمہ کے لیے بھی اہم کردار ادا کیا۔ ایسا کردار...... جو تاریخ میں مرقوم رہے گا...... جس کردار کی روشنی میں امت مسلمہ کی آنے والی نسلیں ہر طاغوت سے انکار کرنے اور فراعینِ عصر کی رعونت کو خاک میں ملانے کو اپنا فرضِ اولین سمجھیں گی۔

سوویت روس کے خاتمے کے بعد امریکہ 'یک قطبی' دنیا(Unipolar world) کے لیڈر ہونے کا دعوے دار بنا۔ اسی عرصہ میں نیو ورلڈ آرڈر کا نیا رُوپ متعارف کروایا گیا، جس کی رو سے دنیا میں وہی قانون چلے گا جو امریکہ چاہے گا، دنیا میں اُسی کا چلن ہو جسے امریکہ پسند کرے گا، دنیا میں وہی پنپ سکے گا جو امریکہ کی آنکھ کا تارا ہو گا...... الغرض دنیا کا اوڑھنا بچھونا امریکی اشاروں ہی کے مرہونِ منت ہو گا۔ لیکن خالقِ کائنات کے سامنے سر بسجود ہونے والے خدائی کے اس دعوے دار کو پرِ کاہ کی حیثیت دینے کو تیار اور آمادہ نہیں تھے۔ اسی لیے سوویت یونین سے فارغ ہونے کے معاً بعد مجاہدین نے اپنی تمام تر توجہات کا مرکز امریکہ اور اُس کے باطل نظام کو بنایا۔ وہ امریکہ جو ناقابلِ تسخیر گردانا جاتا تھا...... مجاہدین کے حملوں کی زد میں آ گیا۔ شیخ کے ہاتھ میں ان مجاہدین کی قیادت تھی جو امریکہ کی خدائی کا انکار کر کے ربِ واحد کی توحید کو دنیا میں عملاً رائج و نافذ کرنا چاہتے تھے۔ شیخؒ نے ایسے وقت میں امریکہ کو للکارا جب ساری دنیا اُس کے احکامات کے آگے 'دُم ہلاؤ' پالیسی اپنائے ہوئے تھی۔ آپ نے امریکی عوام کو مخاطب کر کے فرمایا:

''ان شاء اللہ ہم امریکہ سے لڑتے رہیں گے، امریکہ کے اندر اور باہر شہیدی حملے جاری رکھیں گے یہاں تک کہ تم ظلم سے باز آ جاؤ، حماقتیں ترک کر دو اور اپنے کم عقل حکمرانوں کو لگام دو۔ یاد رکھو! ہم اپنے شہدا کو ہرگز نہیں بھولتے، خصوصاً وہ جو فلسطین میں تمہارے حلیف یہودیوں کے ہاتھوں شہید ہوئے ہیں۔ ان شاء اللہ ہم ان کا بدلہ تمہارے ہی خون سے وصول کریں گے، اسی طرح جیسے یومِ تفریق (گیارہ ستمبر) میں ہم نے کیا تھا۔ جب تک ہمارے ہاتھوں میں ہتھیار اٹھانے کی سکت ہے ہم تمہارے خلاف لڑتے رہیں گے۔ اور ہمارے بعد ہماری اولاد یہ ذمہ داری سنبھالے گی۔ ہماری مائیں ہم پر روئیں اگر ہم اپنی سرزمین میں تمہارے ناپاک وجود کا ایک ذرہ بھی باقی رہنے دیں!!!''

شیخؒ امت کے نوجوانوں کو تسلسل کے ساتھ امریکہ کے مقابل آنے کے لیے ابھارتے رہے۔ اسی تحریض کا نتیجہ گیارہ ستمبر کے معرکوں کی صورت میں سامنے آیا۔ جب دنیا نے 'ناقابلِ شکست اور ناقابلِ تسخیر امریکہ' کی تہذیبی عظمتوں کے نشان ورلڈ ٹریڈ سنٹرز کو زمین بوس ہوتے اور اُن کے ناقابلِ رسائی پنٹاگان کی عمارت کو خاک میں ملتے دیکھا۔ شیخؒ نے اللہ تعالیٰ ہی کی مدد اور نصرت کے ذریعے امریکہ کا ہوّا، جو اُس نے کئی دہائیوں کی محنتوں کے بعد پیدا کیا تھا، کو ہوا میں اڑا کر رکھ دیا۔ آپؒ نے فرمایا:

''سوویت اتحاد کی شکست کے بعد امریکہ ''واحد سپر پاور'' کے طور پر سامنے آیا اور دیگر اقوام پر اپنا سیاسی تسلط جمانے لگا، ہمارے نام نہاد مسلمان حکمران اُس کے سامنے پہلے سے بھی زیادہ خشوع وخضوع کے ساتھ جھک گئے، اس کی وجہ سے وہ مزید جری ہو کر صہیونی عزائم کی تکمیل کے لیے فلسطین میں مزید تباہی پھیلانے لگ گیا۔ ایسے میں اس امت کے بیٹوں کی ایک مختصر سی جماعت نے اس ہٹلرِ زمانہ، ایک سینگ والے وحشی درندے کے خلاف جہاد کا علَم بلند کیا۔ ہم نے اُس کے غرور کا سینگ توڑ ڈالا، اُس کے قلعے کو مسمار کر دیا اور اُس کی عظمت کے مینار کو زمین بوس کر کے رکھ دیا۔ اس کے جواب میں وہ اس زعم میں کہ وہ مجاہدین کی قیادت کو زندہ یا مردہ اپنے کٹہرے میں لا کھڑا کرے گا اور دنیا کے سامنے نشانِ عبرت بنا دے گا، ہم پر حملہ آور ہوا۔ اُس وقت اس کی حالت بالکل ابوجہل جیسی تھی جو بدر کے دن اپنی جنگی اور عددی قوت پر اتراتے ہوئے نکلا تھا۔ لیکن ہم نے اُس کا ہتھیار کند ثابت کر دکھایا، اُس کی فوج کو جہنم کا ایندھن بنا ڈالا اور اُس کی جمعیت کو پارہ پارہ کر دیا اور بہر حال یہ سب کچھ اللہ وحدہ لاشریک کے فضل وکرم ہی سے ہو پایا۔''

امریکیوں کی بزدلی اور میدانِ جنگ سے فرار کی راہ اپنانے کے متعلق شیخؒ نے کیا خوب فرمایا:

''ہم نے گذشتہ عشرے میں امریکی حکومت کا زوال اور امریکی فوج کی کمزوری دیکھی ہے جو سرد جنگ لڑنے کے لیے تو تیار ہے لیکن طویل جنگیں لڑنے کے لیے آمادہ نہیں ہے۔ یہ بات بیروت میں ثابت ہوئی تھی جہاں میرینز صرف دو دھماکوں کے بعد بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ چوبیس گھنٹوں سے کم میں میدان چھوڑ کر بھاگ سکتے ہیں، اور یہی بات صومالیہ میں بھی دہرائی گئی۔ ہم ہر طرح کی صورتحال کے لیے تیار ہیں۔ ہم اللہ پر توکل کرتے ہیں۔'' (امریکی صحافی جان ملر کے ساتھ انٹرویو: ۱۹۹۸ء)

دنیا بھر میں امریکیوں کے خوف سے لرزنے والوں کے لیے شیخؒ کے اس قول میں بہت سبق پوشیدہ ہے، اپنے اس بیان میں شیخ امریکی ''بہادری'' کا تذکرہ اس طرح فرماتے ہیں:

"تمہاری یہ جعلی جرأت بیروت میں ۱۴۰۳ھ میں ہونے والے دھماکوں کے بعد کہاں گئی جن مین تمہارے دو سو اکتالیس فوجیوں جن میں زیادہ تر میرینز تھے، کی ہلاکت نے تمہارے پرخچے اڑا دیے تھے، اور تمہاری یہ جعلی بہادری عدن میں کہاں گئی تھی جب صرف دو دھماکوں نے تمہیں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر چوبیس گھنٹوں کے اندر وہاں سے فرار ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔

مگر تمہاری سب سے بڑی اور بدترین ذلت کا مقام صومالیہ تھا، جب امریکی طاقت اور سرد جنگ کے بعد امریکی نیو ورلڈ آرڈر کی سرداری کے دعووں پر کئی مہینوں تک چلنے والی بہت بڑی پراپیگنڈا مہم کے بعد تم نے بین الاقوامی فوج کے لاکھوں فوجی صومالیہ میں داخل کیے، جن میں اٹھائیس ہزار امریکی فوجی بھی شامل تھے۔ مگر معمولی لڑائیوں میں کچھ درجن فوجیوں کی ہلاکت اور اپنے ایک پائلٹ کے موغادیشو کی سڑکوں پر گھسیٹے جانے کے بعد تم اپنے کندھوں پر شرمندگی، نقصان اور خوف و ہراس کا بوجھ اٹھائے، مایوسیاں، ذلت اور شکست اور اپنے مردہ فوجیوں کی لاشیں اپنے دامن میں سمیٹے وہاں سے فرار ہوگئے۔ اور کلنٹن پوری دنیا کے سامنے ان دھمکیوں اور وعدوں کے ساتھ نمودار ہوا کہ وہ انتقام لے گا جبکہ یہ دھمکیاں صرف فرار کا ایک بہانہ ثابت ہوئیں، اور پھر اللہ تعالیٰ نے تم پر ذلت مسلط کی اور تم وہاں سے بھاگے اور تمہاری کمزوری اور نامردی کی انتہا ہوگئی۔ ان تین اسلامی شہروں بیروت، عدن اور موغادیشو میں تمہاری ذلت آمیز شکست خوردگی کے منظر نے ہر مسلمان کے دل کو راحت بخشی اور مومنوں کے سینوں کے لیے شفا بن گیا۔" (دو مقدس مقامات کی سرزمین پر قابض امریکیوں سے اعلان جہاد)

### مسجد اقصیٰ کو دنیا کا مسئلہ نمبر ایک بنانا:

شیخؒ نے مسجد اقصیٰ کو دنیا کا اولین مسئلہ گردانا اور بالآخر تمام دنیا سے منوایا کہ مسئلہ فلسطین سب سے اہم مسئلہ ہے۔ آپؒ نے امت مسلمہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

"اے امت مسلمہ! بے شک فلسطین اور اس کے باشندے تقریباً ایک صدی سے یہود و نصاریٰ کے ہاتھوں فتنہ و فساد برداشت کر رہے ہیں۔ ان دونوں گروہوں نے ہم سے فلسطین مذاکرات کے ذریعے نہیں بلکہ طاقت کے زور پر حاصل کیا ہے۔ لہٰذا اس کی واپسی کا راستہ بھی یہی ہے کیونکہ لوہا ہی لوہے کو کاٹتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے کفار کا زور توڑنے کا راستہ واضح کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ لاَ تُكَلَّفُ إِلاَّ نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَسَى اللهُ أَن يَكُفَّ بَأْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُواْ وَاللهُ أَشَدُّ بَأْساً وَأَشَدُّ تَنكِيْلاً○ (سورۃ النساء: ۸۴)

'چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی راہ میں لڑیں، آپ صرف اپنی ہی ذات کے ذمہ دار بنائے گئے ہیں اور آپ مومنوں کو رغبت دلائیں، امید ہے کہ اللہ کافروں کی جنگ کو روک دے اور اللہ بہت سخت ہے لڑائی میں اور بہت سخت ہے سزا دینے میں۔'

اس لیے قتال اور اس کی ترغیب کے ذریعے ہی کفار کا زور ٹوٹے گا۔

بیت المقدس کے جہاد اور اُن کے مابین رکاوٹ بس اتنی سی ہے کہ وہ شرکیہ جمہوریت کے دھوکے میں غرق جماعتوں اور گروہوں کے افکار کو ترک کر دیں اور برسرِپیکار مجاہدین کی صفوں میں شامل ہو کر اپنے مورچے سنبھال لیں۔ امداد باہمی کے اس جذبے اور اللہ پر خالص توکل کی بدولت ہی نصرتِ الٰہی کا حصول ممکن ہے۔ پھر اسی کے نتیجے میں اقصیٰ کی بابرکت سرزمین کی جانب پیش قدمی ہوگی اور باہر سے آنے والے مجاہدین اندر موجود مجاہدین کو مضبوط کریں گے۔ وہ ہمارے لیے حطین کی یاد دوبارہ سے تازہ کریں گے اور اللہ کے حکم سے اس عظیم نصرت سے مسلمانوں کی آنکھوں کو ٹھنڈک نصیب ہوگی۔"

شیخؒ نے گیارہ ستمبر کی مبارک کارروائیوں کی بنیادی وجہ بھی فلسطین ہی کو قرار دیا۔ آپؒ نے ان کامیاب معرکوں کے بعد امریکیوں کو مخاطب کرتے ہوئے تاریخی الفاظ میں قسم اٹھاتے ہوئے فرمایا:

"میں اُس اللہ عظیم و برتر کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس نے آسمان کو بغیر ستون کے بلند فرمایا۔ نہ تو امریکہ اور نہ ہی امریکہ والے سکون کا سانس لے سکیں گے، جب تک ہم حقیقی معنوں میں فلسطین میں امن و سکون سے نہیں رہیں گے اور جب تک ارض محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے تمام کافر فوجیں نکل نہیں جاتیں۔" (معرکہ گیارہ ستمبر کے بعد خطاب)

اہل فلسطین کو حوصلہ دیتے ہوئے اور اُن کی ہمت بندھاتے ہوئے آپؒ نے یہ تاریخی الفاظ کہے:

"ہم اپنے فلسطینی بھائیوں کو بتا دینا چاہتے ہیں کہ تمہارے بچوں کا خون ہمارے بچوں کا خون ہے اور تمہارا خون ہمارا خون ہے، پس خون کا بدلہ خون سے اور تباہی کا بدلہ تباہی سے لیا جائے گا۔ ہم رب العزت کو گواہ بنا کر کہتے ہیں کہ ہم تمہیں تنہا نہیں چھوڑیں گے یہاں تک کہ یا تو ہمیں فتح حاصل ہو جائے یا پھر ہم اُسی انجام کا مزہ چکھ لیں جو حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کے حصے میں

آیا۔ ہم تمہیں یہ خوش خبری بھی سناناچاہتے ہیں کہ اسلام کی نصرت کے لیے لشکر چل پڑے ہیں اور یمن سے آنے والی مدد و نصرت بھی ان شاء اللہ اب رکنے نہ پائے گی۔" (جدید صلیبی جنگیں حصہ اول)

ایک اور جگہ آپ فرماتے ہیں:

"ہم اللہ کے حکم سے فلسطین کے بالشت بھر حصے سے بھی ہرگز دست بردار نہ ہوں گے، جب تک اس زمین پر ایک بھی سچا مسلمان بستا ہے۔ جو کانٹا بوئے گا وہ انگور کی فصل نہیں کاٹ سکتا۔" (اسرائیلی غاصبانہ قبضے کے ساٹھ سال اور خطے میں محاذ آرائی کی وجوہات: مغربی عوام کے نام پیغام، ۱۴۲۹ھ)

## بلادِ حرمین پر امریکی قبضہ کو نمایاں کرنا:

مسجد اقصیٰ اور فلسطین پر قبضے کے بعد صلیبی وصہیونی اتحاد نے سرزمین حرمین کی طرف اپنے ناپاک قدم بڑھائے۔ ۱۹۹۰ء میں کویت پر عراق کے قبضے کو آڑ بناتے ہوئے امریکی افواج سعودی نظام حکومت کی غداری کے باعث سرزمین حرمین میں داخل ہو گئیں۔ اور آج بھی حرمین شریفین کے قرب وجوار میں ناپاک امریکی موجود ہیں۔ جب کہ حال یہ ہے کہ امت مسلمہ کی اکثریت اس معاملہ سے بالکل لاتعلق ہے۔ اُنہیں سرے سے احساس ہی نہیں کہ بیت اللہ اور مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی سرزمین پر کیا بیت رہی ہے۔ آل سلول (جزیرۃ العرب پر مسلط حکمران طبقہ) کا سردار آج بھی امت کے بیشتر افراد کی نظر میں "خادم الحرمین الشریفین" ہے۔ شیخؒ فرماتے ہیں:

"آج امت کا سب سے گہرا گھاؤ وہ ہے جو دشمنوں نے اس کے مقدس ترین مقام، اللہ کے گھر...... بیت عتیق...... خانۂ کعبہ کی سرزمین پر لگایا ہے...... اس سرزمین پر جہاں ہمارے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد ہے۔ اس سے پہلے ہماری ہی غفلتوں اور اغیار کی سازشوں نے ہم سے ہمارا قبلۂ اول اور واقعۂ معراج کی یادگار، مسجد اقصیٰ چھنوائی۔ آج صلیبی صہیونی اتحاد ہمارے دوسرے مقدس مقام، سرچشمۂ اسلام، سرزمین حجاز میں اپنے ناپاک پنجے گاڑ چکا ہے۔ اور یقیناً ہمارے پاس اللہ بزرگ و برتر کے سوا کوئی بچاؤ اور قوت نہیں۔ بلاشبہ ہمارے باقی زخم بھی رِس رہے ہیں لیکن سرزمینِ مکہ و مدینہ پر لگنے والا یہ گھاؤ سب سے زیادہ تکلیف دہ اور سب سے زیادہ ہیبت ناک ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے لے کر آج تک، اس امت کی پوری تاریخ میں ہم پر کبھی اتنی بڑی مصیبت نہیں ٹوٹی۔ کفار کو کبھی بھی یہ جرأت نہیں ہوئی تھی کہ وہ اللہ کے گھر کی طرف ہاتھ بڑھائیں۔ آج یہ مقدس زمین امریکی فوجیوں کی چراگاہ اور یہود و نصاریٰ کی خبیث عورتوں کے لیے تفریح گاہ بن چکی ہے۔ یہ ناپاک وجود اُس زمین کو اپنے پیروں تلے روند رہے ہیں جو ہمارے محبوب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے پیدائش ہے، جہاں جبرائیلِ امینؑ آسمان سے وحی لے کر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لاتے تھے۔ آخر کب تک مسلمان اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی نصرت اور اس کے گھر کے دفاع سے غافل ہو کر بیٹھے رہیں گے؟ دنیا بھر کے اہل ایمان آخر کب اٹھیں گے؟ کب صلیبیوں اور صہیونیوں کی نجاست سے اس مقدس زمین کو پاک کریں گے؟ یہ تو اللہ رب العزت کا حکم ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَذَا (سورۃ التوبۃ:۲۸)

"اے ایمان والو! مشرک بالکل ہی ناپاک ہیں! پس وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس بھی نہ پھٹکنے پائیں۔"

کیا مسلمان بھول گئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے مرض الموت میں ایسا ہی حکم صادر فرمایا تھا کہ

"اخرِجُوا الْمُشْرِكِيْنَ مِنْ جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ."

"مشرکین کو جزیرۂ عرب سے نکال دو!"

امریکی افواج کو سرزمین مکہ و مدینہ میں داخل ہوئے دس سال سے زائد کا عرصہ ہو چکا ہے (یاد رہے شیخؒ کی یہ تقریر ۲۰۰۰ء کی ہے)۔ اللہ کی قسم! آج محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی جزیرۂ عرب کے قید خانوں میں بند ہیں جب کہ امریکیوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سرزمین میں دندنانے کی عیش اُڑانے کی کھلی چھٹی ہے؟! کیا لوگوں کے سینوں میں ایمان کی کوئی رمق باقی نہیں بچی؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے لیے لوگوں کی غیرت ختم ہو گئی؟" (اے اللہ صرف تیرے لیے)

## حرمت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تحفظ:

آج صلیبی ممالک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت جیسے جرم عظیم کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ امت مسلمہ سے متعلق ہر فرد کا دل اس حوالے سے زخمی ہے۔ شیخؒ نے حرمت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تحفظ کے لیے قرار دادوں، جلسوں، مظاہروں اور نعروں کے پر فریب جال کی طرف دعوت دینے کی بجائے عملی اقدامات کرنے کی طرف توجہ دلائی اور کفار کو جری انداز میں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

"اگر تمہاری اظہار رائے کی آزادی کا کوئی اصول نہیں تو پھر ہمارے افعال کی آزادی کے لیے بھی اپنے سینے کھلے رکھو۔ یہ بات عجیب اور اشتعال انگیز ہے کہ تم نرمی اور سلامتی کی بات کرتے ہو حالاں کہ تمہارے فوجی ہمارے ملکوں میں

ناتواں لوگوں تک کا مسلسل قتلِ عام کر رہے ہیں۔ اس پر مزید یہ کہ تم نے یہ خاکے شائع کیے جو کہ جدید صلیبی حملے کا ایک حصہ ہیں اور "ویٹی کن" میں بیٹھے پوپ کا اس میں بہت بڑا ہاتھ ہے۔ یہ تمام چیزیں اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ تم مسلمانوں سے ان کے دین پر جنگ جاری رکھنا چاہتے ہو اور یہ جاننا چاہتے ہو کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو اپنے جان ومال سے زیادہ محبوب ہیں یا نہیں؟ لہٰذا اب ہمارا جواب اب تم سنو گے نہیں بلکہ دیکھو گے اور ہم برباد ہوں اگر ہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت نہ کریں۔ اور سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔" (یورپ کے عقل مندوں کے نام)

### جہاد کو امریکہ اور اُس کے حواریوں کے اثرات سے پاک کرنا:

شیخ کا ایک بڑا کارنامہ موجودہ دور میں جہاد جیسے اہم فریضے کو تمام طواغیت کے اثرات سے پاک کرنا ہے۔ سوویت یونین کے خلاف جہاد کے آخری چند سالوں میں بعض مجاہد تنظیموں کی طرف سے امریکی امداد اور پاکستانی وسعودی نظام ہائے مملکت کے تعاون کو قبول کرنے کے نتیجے میں جہاد جیسے مقدس فریضے پر بھی طعنہ زنی کی جانے لگی۔ کفر کے ذرائع ابلاغ نے پوری دنیا میں ڈھنڈورا پیٹا کہ سوویت یونین کو امریکی ڈالروں اور سٹنگر میزائلوں کی مدد سے شکست دی گئی۔ وہ مجاہدین جنہوں نے روس کے خلاف جہاد شروع کیا اور بے سروسامانی اور فاقہ مستی کے عالم میں کامل ایک دہائی تک روسی افواج کا مقابلہ کرتے رہے' اُن کی سعی وجہد کو منظرِ عام سے ہٹا دیا گیا۔ اب جہاد بھی 'امریکی برانڈ' مشہور ہونے لگا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ جہاد کشمیر کو پاکستانی خفیہ ایجنسی آئی ایس آئی نے یرغمال بنالیا۔

شیخ اور اُن کے ساتھیوں نے جہادِ اسلامی کے پاکیزہ ماتھے سے امریکی بدنما داغ مکمل طور پر دھو ڈالا۔ آپؒ نے دنیا کو بتایا کہ جہاد افغانستان اول میں بھی عرب و عجم کے مجاہدین نے بے پناہ قربانیوں کے بعد محض اللہ تعالیٰ کی مدد، تائید اور نصرت کے سہارے دنیا کی عظیم ترین طاقت کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کیا تھا اور پھر آپ نے بالفعل امریکہ کو دعوت مبارزت دے کر اس پراپیگنڈے کے غبارے سے بھی ہوا نکال دی کہ امریکی ڈالروں کے بغیر جہاد ہو ہی نہیں سکتا۔ آپ اور آپ کے ساتھیوں نے تن تنہا، صرف اللہ کی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے امریکہ کے خلاف جہاد کیا۔ امریکہ اور نیٹو اتحاد کو آپؒ نے اللہ کی مدد ومعیت سے شکست کے دہانے پر لا کھڑا کیا۔ ایک ایسا میدان جس میں ایک طرف امریکہ تھا، اُس کی ٹیکنالوجی تھی، اُس کے صلیبی اتحادی تھے، اُن کی افواجِ قاہرہ تھیں، امریکہ کے غلام، مسلم خطوں کے مرتد حکمرانوں کا ٹولہ تھا، اُن کی خفیہ ایجنسیاں اور ان کی افواج تھیں، لیکن دوسری طرف، غزوۂ احزاب کی یاد تازہ کرتے مجاہدین کا مختصر سا گروہ تھا، مٹھی بھر چنوں اور چند کھجوروں پر کئی کئی دن بِتانے والے فاقہ مست تھے، پرانی بندوقوں اور دیسی بموں سے "لیس" مجاہدین فی سبیل اللہ تھے، سخت ترین موسم کی صعوبتیں برداشت کرنے والے مہاجرین تھے، اپنے جسموں کو بموں میں تبدیل کر لینے والی فدائی مجاہدین تھے اور پھر چشمِ عالم نے دیکھا کہ جنہوں نے سوکھی روٹی قہوہ کے ساتھ کھا کر روس کو دریائے آمو کے پار دھکیل دیا تھا، آج وہی اللہ کے بندے امریکہ اور اُس کے پورے کفری اتحاد کو ننگی کا ناچ نچا رہے ہیں، شیخؒ نے دنیا کو کھلی آنکھوں سے وہ منظر دکھلا دیا، جس کے بارے میں شاعر نے کہا تھا

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

امیر المجاہدین شیخ نے بدر کی فضا پیدا کی، اُحد کے میدان کا نقشہ دہراتے ہوئے اپنے قریب ترین ساتھیوں کے جسموں کے پرخچے اڑتے دیکھے اور آیت قرآنی کے مصداق جب یہ معاملہ ہوا:

الَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُواْ لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ (سورۃ آل عمران:۱۷۳)

"وہ لوگ جب ان سے لوگوں نے کہا کہ کافروں نے تمہارے مقابلے میں لشکر جمع کر لیے ہیں۔ تم ان سے خوف کھاؤ۔"

تو اُن کا حال آج بھی یہی تھا

فَزَادَهُمْ إِيْمَاناً وَقَالُواْ حَسْبُنَا اللّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ (سورۃ اٰل عمران:۱۷۳)

"تو اس بات نے انہیں ایمان میں اور بڑھا دیا اور کہنے لگے ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے۔"

احزاب کی طرح جب اُن کی نظر کفار کے اتحادی لشکروں پر پڑی تو قرآنی الفاظ اُن پر صادق آئے:

وَلَمَّا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ الْأَحْزَابَ قَالُوا هَذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَاناً وَتَسْلِيماً ○ (سورۃ الاحزاب:۲۲)

"اور ایمان داروں نے جب (کفار کے) لشکروں کو دیکھا (تو بے ساختہ) کہہ اٹھے! کہ انہی کا وعدہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے دیا تھا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا اور اس (چیز) نے ان کے ایمان میں اور شیوۂ فرماں برداری میں اور اضافہ کر دیا۔"

اس کے نتیجے میں وہ فساق وفجار جو جہاد اور فلسفۂ جہاد پر چاند ماری کرتے تھے، منہ میں انگلیاں دبائے، حیران و ششدر امریکی اتحاد کی شکست خوردگی کو دیکھ رہے ہیں۔ شیخ نے ثابت کیا کہ سابقہ افغان جہاد میں بھی امریکی مدد وتعاون کے بغیر مجاہدین نے خالص اللہ کی نصرت سے فتح و کامرانی حاصل کی تھی اور موجودہ جہاد میں بھی فقط اللہ ہی کی طاقت، قوت، مدد اور بھروسے پر مجاہدین کامیابیاں سمیٹ رہے ہیں۔

## الولاء والبراء کا مفہوم امت کو سمجھانا:

عقیدہ الولاء البراء کو جس قدر شیخؒ نے اپنی جہادی تحریک کی بدولت عام کیا، اس کی مثال سقوطِ خلافت کے بعد ملنا محال ہے۔ الولاء والبراء کے عقیدے پر مصلحتوں، عیش کوشیوں اور ہوائے نفس کی دبیز تہہ جم چکی تھی۔ اس قدر حساس عقیدہ عمومی طور پر عدم توجہی اور بے اعتنائی کا شکار تھا، آپؒ نے دوستی اور دشمنی کے معیار کے اسلامی فہم کو عام کیا۔ اپنی گفتگوؤں، تقاریر اور پیغامات میں اس اہم ترین عقیدہ کی نزاکتوں اور جزیات پر سیر حاصل گفتگو فرمائی اور امت مسلمہ کو اس جانب متوجہ کیا کہ وہ اپنی پسند وناپسند، دوستی و دشمنی، موالات و معادات اور ولایت وبرأت کو قرآن وسنت کی تعلیمات کے مطابق ڈھالیں۔ آپؒ فرماتے ہیں:

”عقیدہ الولاء البراء اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ایک ہے۔ یعنی ہم اسی سے دوستی کرتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دوست ہو اور اسی سے دشمنی کرتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن ہو۔ لیکن منافق اور درہم و دینار کے بندے، ہر حق وباطل میں بادشاہ کی پیروی کرتے ہیں۔ جس سے یہ (بادشاہ) دوستی کرے وہ ان کا دوست اور جو اس کا دشمن وہ ان کا دشمن ہوتا ہے۔ کیا کسی انسان میں، یوں اپنے عقل وضمیر کے خلاف چل کر بھی کوئی انسانیت باقی رہ سکتی ہے؟ کیا ”ایک اچھا شہری“ بننے کے لیے ضروری ہے کہ ہم اپنے دین سے ناتا توڑ لیں اور اپنی عقلوں پر پردے ڈال لیں؟“ (اے اللہ صرف تیرے لیے)

ایک اور جگہ آپؒ فرماتے ہیں:

”میں اللہ رب العزت کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جو شخص بھی بش اور اس کے منصوبے کے پیچھے پیچھے چلتا ہے اُس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو رد کر دیا۔ اور یہ حکم اللہ کی کتاب اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے واضح ترین احکامات میں سے ہے۔ اور میں یہ نصیحت کرتا ہوں، جیسا کہ اس سے قبل میں نے اور بہت سے علما نے بھی یہ نصیحت کی ہے اور میرے اس دعوے کا ثبوت اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے یہ الفاظ ہیں، جو اُس نے سچے مومنین کو خطاب کر کے فرمائے ہیں:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ لاَ تَتَّخِذُواْ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى أَوْلِيَاء بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاء بَعْضٍ وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ (سورۃ المائدۃ: ۵۱)

”اے ایمان والو! تم یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ یہ تو آپس میں ہی ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ تم میں سے جو بھی ان میں سے کسی سے دوستی کرے وہ بے شک انہی میں سے ہے۔“

علمائے حق نے فرمایا ہے کہ جو کوئی بھی کفار سے دوستی کرتا ہے، اُنہیں اپنا محافظ اور سردار بناتا ہے تو وہ کفر اختیار کرتا ہے۔ اور اُن کے ساتھ دوستی کی سب سے بڑی نشانی یہ ہے کہ اُن کی جدوجہد کی حمایت منہ سے کی جائے یا بحث ومباحثہ سے اور تحریروں سے کی جائے۔ پس جس کسی نے بھی مسلمانوں کے خلاف بش اور اُس کی مہم کا راستہ اختیار کیا تو اُس نے کفر کیا، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ اور اُس کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ۔ اور مندرجہ بالا آیت کے بعد اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان:

فَتَرَى الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ يُسَارِعُونَ فِيهِمْ يَقُولُونَ نَخْشَى أَن تُصِيبَنَا دَآئِرَةٌ فَعَسَى اللّهُ أَن يَأْتِيَ بِالْفَتْحِ أَوْ أَمْرٍ مِّنْ عِندِهِ فَيُصْبِحُواْ عَلَى مَا أَسَرُّواْ فِي أَنْفُسِهِمْ نَادِمِينَ○ وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُواْ أَهَؤُلاء الَّذِينَ أَقْسَمُواْ بِاللّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ إِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَأَصْبَحُواْ خَاسِرِينَ○ (سورۃ المائدۃ ۵۳،۵۲)

”آپ دیکھیں گے کہ جن کے دلوں میں بیماری ہے، وہ دوڑ دوڑ کر ان میں گھس رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں خطرہ ہے، ایسا نہ ہو کہ کوئی حادثہ ہم پر پڑ جائے، بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ فتح دے دے یا اپنے پاس سے کوئی اور چیز لائے پھر تو یہ اپنے دلوں میں چھپائی ہوئی باتوں پر (بے طرح) نادم ہونے لگیں گے اور ایماندار کہیں گے، کیا یہی وہ لوگ ہیں جو بڑے مبالغہ سے اللہ کی قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ ان کے اعمال غارت ہوئے اور یہ ناکام ہو گئے۔“

ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں کہا ہے کہ ”بہت سارے صحابہؓ کو معلوم نہ تھا کہ منافقین کا سردار عبداللہ بن اُبی کافر تھا۔ جب مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان بات بڑھتے بڑھتے بگڑ گئی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنہیں سزا دینے کا فیصلہ کیا تو عبداللہ بن اُبی منافقین کا سردار، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آگیا اور اُس نے یہودیوں کی حمایت کی۔ اس وجہ سے یہ آیات نازل ہوئیں“۔

یہ بات بالکل واضح ہے کہ کوئی مسلمان جب کفار کے ساتھ دوستی کرتا ہے اور مسلمانوں کے خلاف ان کی مدد کرتا ہے تو وہ اپنے اس عمل کی وجہ سے اسلام

سے خارج ہو کر کافر اور مرتد ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جس طرح وضو کے نواقض ہوتے ہیں اسی طرح ایمان کے بھی نواقض ہیں، جن کا مرتکب ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ اور کفار سے دوستی اور اہل اسلام کے خلاف ان کی مدد اسلام سے خارج کر دینے والے اعمال میں سے ایک ہے۔

لہٰذا جو لوگ کافروں کو اپنا سردار، دوست اور نجات دہندہ سمجھتے ہیں تو وہ بلاشک وشبہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کافر ہیں اور یہ آیت اس بات کی مضبوط دلیل ہے کہ جن لوگوں نے کفار کو اپنا امام بنایا وہ مرتد ہو گئے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَن يَرْتَدَّ مِنكُمْ عَن دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ○ (سورۃ المائدۃ: ۵۴)

”اے ایمان والو! تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ تعالیٰ بہت جلد ایسی قوم کو لائے گا جو اللہ کی محبوب ہو گی اور وہ بھی اللہ سے محبت رکھتی ہو گی وہ نرم دل ہوں گے مسلمانوں پر، سخت اور تیز ہوں گے کفار پر، اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا بھی نہ کریں گے یہ ہے اللہ تعالیٰ کا فضل جسے چاہے دے، اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا اور زبردست علم والا ہے۔“

لہٰذا میں مسلمانوں پر واضح کرتا ہوں کہ وہ یہودیوں اور عیسائیوں سے نفرت کریں اور اس بارے میں نہایت محتاط رہیں اور جو کوئی بھی محض ایک لفظ سے اُن کی حمایت کا ارتکاب کرے وہ اللہ سے سچی لگن ظاہر کرتے ہوئے توبہ کرے اور اپنی غلطیوں پر نادم ہوتے ہوئے اپنے ایمان کا از سر نو اقرار کرے۔“ (جدید صلیبی جنگیں)

### اسلامی خطوں میں شریعت اسلامیہ کے نفاذ کی دعوت:

شیخ اسامہ بن لادنؒ نے اپنی پرسوز دعوت کے ذریعے اس پیغام کو عام کیا کہ اسلامی ممالک میں رہنے والے مسلمان اپنے اپنے ملکوں اور خطوں میں دین کو بطور نظام نافذ کرنے کے لیے جہاد و قتال فی سبیل اللہ کے میدانوں کا رخ کریں۔ مرتدین کے خلاف قتال کی شرعی حیثیت کو مکمل شرح و بسط سے واضح فرمایا۔ مسلمانوں پر مرتد حاکم کے مسلط ہونے جیسی مصیبتِ کبریٰ کی صورت میں عملی راہوں پر نکلنے اور اُس حاکم کا تخت الٹ دینے جیسے احکامات سے آگاہ کیا۔ آپؒ نے اجتماعی طور پر اس فرض کو ادا کرنے پر ابھارا اور ہر فرد کو انفرادی خطاب کر کے بھی اُس کا فرض یاد دلایا۔ آپؒ نے فرمایا:

”اے اللہ کے بندے! اگر تم اللہ کے دین کے خلاف لڑنے والوں کی صف میں کھڑے پائے گئے تو کل کو اپنے رب کو کیا جواب دو گے؟ وہ تو طاغوت کی راہ میں قتال کر رہے ہیں اور تم اپنے ہتھیار اور زبان سے ان کی نصرت کر رہے ہو۔ آخر اس بات کا تمہارے پاس کیا جواب ہو گا کہ تم اللہ کے دشمنوں کو تو اچھا کہو اور مجاہدین پر الزام تراشی کرو؟ بالکل اسی طرح جیسے وائٹ ہاؤس میں بیٹھا اُس کا فرماں روا اُن پر دہشت گرد اور تخریب کار ہونے کا الزام لگاتا ہے۔ جب تم سے پوچھا جائے گا کہ تمہارا دین کیا ہے تو کیا تم اس وقت جھوٹ بولو گے؟ حالاں کہ اس وقت جھوٹ تمہارے کچھ کام نہ آئے گا۔ اگر آپ یہ کہیں گے کہ میرا دین اسلام ہے لیکن آپ اس کے جھنڈے کی جگہ اس کے خلاف برسرپیکار اوبامہ اور زرداری کے جھنڈے تلے کھڑے پائے جائیں تو کیا آپ کا دعویٰ تسلیم کیا جائے گا؟ لوگ تو اپنے جھنڈوں اور ان گروہوں کی نسبت سے پہچانے جاتے ہیں جن سے ان کی دوستی اور محبت ہو۔ اب آپ خود دیکھ لیجیے کہ آپ کس کے جھنڈے تلے کھڑے ہیں۔ مجاہدین، روس اور اس کی آلۂ کار افغان فوج کے ساتھ بیک وقت لڑتے تھے کیونکہ دونوں کا حکم ایک جیسا تھا۔ پاکستان اور دیگر ممالک کے علما نے ان کے خلاف قتال کے فتوے بھی دیے، چاہے وہ نماز پڑھتے رہیں، روزے رکھتے رہیں اور اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے رہیں۔ اہل بصیرت کے لیے اس میں عبرت کی بہت نشانیاں ہیں۔ آج پاکستانی فوج کا حال بالکل ویسا ہی ہے۔ یہ فوج اور امریکہ ایک ہی صف میں کھڑے اسلام کے خلاف جنگ میں مصروف ہیں۔ ایمان کے سچے دعوے داروں پر فرض ہے کہ وہ ان کے خلاف عَلَمِ قتال بلند کریں۔“ (پاکستانی قوم کے نام پیغام: ”شریعت یا شہادت“)

آپؒ نے مزید فرمایا:

””مفتی نظام الدین شامزئیؒ نے (گیارہ ستمبر کو) نیویارک پر ہونے والے مبارک حملوں کے بعد جاری کردہ اپنے مشہور فتوے میں لکھا:

’اگر ایک اسلامی ملک کا حاکم بلادِ اسلامیہ پر حملے میں کسی کافر کی مدد کرے تو شریعت کی رو سے مسلمانوں پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ اسے حکومت سے بزور ہٹائیں اور اسے شرعاً اسلام اور مسلمانوں کا غدار گردانیں۔‘

پس اے اسلامیانِ پاکستان! بلاشبہ مفتی نظام الدین شامزئیؒ نے اپنے کاندھے پر موجود بھاری ذمہ داری کا حق ادا کر دیا تھا۔ آپؒ نے ڈنکے کی چوٹ پر کلمۂ حق کہا اور مخلوق کی ناراضی کی کچھ پروانہ کی اور اپنی جان و مال کو خطرے میں ڈالتے ہوئے پرویز مشرف کے بارے میں اللہ کا حکم پوری وضاحت سے بیان کر ڈالا کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کا غدار ہے اور اسے ہٹانا واجب ہے۔ یہی وہ فتویٰ ہے جس نے پرویز اور اس کے امریکی آقاؤں کو غصہ دلایا اور میرے خیال میں مفتی صاحبؒ کا قاتل بھی ان کے سوا کوئی نہیں۔ مفتی نظام الدین شامزئیؒ اپنا فرض ادا کر کے چلے گئے اور بہت سے علمائے سُوء کے رویے کے برعکس حق بات کو باطل سے نہیں بدلا۔ لیکن ہمارے حصے کا فرض اب بھی ہم پر باقی ہے۔ اس فرض کی ادائیگی میں پہلے ہی ہم سے بہت تاخیر ہو چکی ہے کیونکہ یہ فتویٰ صادر ہوئے تو اب چھ سال گزر چکے ہیں (یہ بیان ۲۰۰۷ء کا ہے)۔ پس ہمیں چاہیے کہ اب ہم اس کمی کو پورا کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوں امید ہے کہ یوں اللہ میری اور آپ کی کوتاہی معاف فرمادیں گے۔" (لال مسجد کی شہادت کے بعد بیان)

شیخ کے چند نمایاں کارناموں کا یہ مختصر بیان ہے، وگرنہ شیخ کا شمار تاریخ انسانی کی اُن باوقار ہستیوں میں ہوتا ہے جنہوں نے اللہ کے کلمہ کی سربلندی کے لیے اپنا سب کچھ وقف کیا اور پھر چاروں اطراف کی مخالفتوں کے باوجود اپنے لشکر کو فتح و کامرانی کے دروازوں پر چھوڑ کر اپنے رب کے ہاں پہنچ گئے۔ اسلام کا یہ شیر، ربِ رحمن کی جنتوں میں پہنچ چکا ہے۔ اب وہاں اُس کی ضیافت کا انتظام خالق کائنات خود فرمائیں گے۔ اللہ کے اس غریب الوطن، غریب الدیار اور فی سبیل اللہ مہاجر کا ابدی ٹھکانہ کیسا ہو گا؟ ہماری محدود سوچ اور ناقص عقل اُس کا تصور اور احاطہ کرنے سے قطعی قاصر ہے! اور پھر اُس ٹھکانے پر پہنچنے سے بھی پہلے اُس کا استقبال کرنے کو کون کون موجود نہیں ہو گا۔ جسد خاکی سمندر میں بہا دیا گیا تو کیا غم ہے، اُس کی پاکیزہ روح کو وصول کرنے کے لیے کس مرتبے کے فرشتے حاضر ہوئے ہوں گے۔ پھر عرشِ الٰہی کے سائے تلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اس سچے محب کے اور دین کے لیے سب کچھ لُٹا دینے والے اسلام کے بیٹے کا استقبال صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے جلو میں کریں گے، ان شاءاللہ!

میرے اللہ نے چاہا تو عنقریب ہمارے شیخ جنت کے بالاخانوں سے اپنے لشکر کی فتوحات کا نظارہ کریں گے اور اللہ رب العزت اُن کی سعی و جہد کی حتمی کامیابی، مجاہدین اسلام کی فتح یابی اور کفار کی ذلت و شکست کے مناظر دکھا کر اُن کی آنکھیں مزید ٹھنڈی فرمائے گا، ان شاءاللہ۔

☆☆☆☆☆

## بقیہ: توحید اور شرک

إِن كُلُّ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا آتِي الرَّحْمَٰنِ عَبْداً○ لَقَدْ أَحْصَاهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدّاً○ وَكُلُّهُمْ آتِيهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَرْداً (سورۃ مریم: ۹۳۔۹۵)

"آسمان اور زمین جو کچھ بھی ہے وہ سب رحمن کے حضور غلام بن کر آئیں گے، رحمن نے ان سب چیزوں کا ریکارڈ رکھا ہے اور ان کی پوری گنتی کر رکھی ہے یہ سب قیامت کے دن اس کے حضور تن تنہا حاضر ہوں گے۔"

یعنی کوئی فرشتہ اور آدمی غلام سے زیادہ رتبہ نہیں رکھتا، اس کے قبضے میں عاجز ہے کچھ مقدور نہیں اس کے وہ ایک ایک میں آپ ہی تصرف کرتا ہے کسی کو کسی کے قابو میں نہیں دیتا ہر کوئی اپنے معاملے میں اس کے روبرو اکیلا حاضر ہونے والا ہے کوئی کسی کا وکیل اور حمایتی نہیں بننے والا۔

ان مضمونوں کی آیتیں قرآن میں اور بھی سیکڑوں ہیں جس نے ان دو چار آیتوں کے بھی معنی سمجھے لیے وہ بھی شرک و توحید کے مضمون سے خبردار ہو گیا۔

☆☆☆☆☆

## بقیہ: خیالات کا ماہنامچہ

دوستم ازبک ہے اور ازبکوں کا تعلق 'ترک' نسل سے ہے اور 'ترکِ ناداں'، مصطفیٰ کمال اتاترک، ترکی کے ترکوں کو وصیت کر گیا تھا کہ تمام دنیا کے ترکی النسل لوگوں سے رابطے استوار رکھنا۔

لہٰذا وارثِ اتاترک 'اردگان'، اتاترک کی نصیحت و وصیت کے پیشِ نظر دوستم سے دوستی رکھے ہوئے ہے۔

بس انہی چھوٹی چھوٹی باتوں کے سبب ہم حبِّ اردگان کا شکار ہیں۔

☆☆☆☆☆

# اسلام آباد کے دروازوں پر ”اسلام“ کی دستک

مولانا عبد الرشید غازی شہید رحمۃ اللہ علیہ

شہید امامِ برحق مولانا عبد الرشید غازی رحمۃ اللہ علیہ نے زیرِ نظر تحریر بے نظیر بھٹو کے ایک کالم کے جواب میں لکھی تھی۔ لیکن اگر اس تحریر میں جہاں جہاں بے نظیر اور ایک جگہ الطاف حسین کا ذکر ہے وہاں زرداری، نواز شریف، عمران خان، کیانی، پاشا، باجوہ، فیض حمید (الغرض اگلے پچھلے وردی و بے وردی حکمرانوں) کا نام لکھ کر اسے پڑھا جائے تو بھی اس کا اثر برقرار بلکہ زیادہ بڑھ جائے گا۔ غازی صاحب نے اس تحریر میں ایسا اسلوب اختیار کیا ہے جس سے ہر طبقہ (دین داروں سے لے کر لادین سیکولروں تک) نفاذِ اسلام و اقامتِ دین کی اہمیت، ضرورت اور اس کی برکتوں کو آسانی سے سمجھ سکے اور اسلام اور انتہا پسندی، دہشت گردی، شدت پسندی وغیرہ میں تمیز کر سکے۔ (ادارہ)

مختلف اخبارات میں بے نظیر بھٹو کا ایک کالم بعنوان ”اسلام آباد کے دروازوں پر عسکریت پسندوں کی دستک“ شائع ہو رہا ہے، جس میں غالباً امریکی خوشنودی کے پیشِ نظر ”طالبانائزیشن“ اور ”انتہا پسندی“ کو ہوّا بنا کر پیش کیا گیا ہے اور یہ احساس دلایا گیا ہے کہ چونکہ محترمہ کا اپنے دورِ حکومت میں ”انتہا پسندی“ سے بارہا پالا پڑا ہے، لہٰذا فوجی قیادت کو کالے برقعوں کا یہ خالصتاً نسوانی معاملہ، بی بی کے ہاتھوں میں تھما کر واپس بیرکوں میں جا کر محض تماشہ دیکھنے پر اکتفا کرنا چاہیے۔

محترمہ نے جابجا اس بات کو باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ پاکستان کے دارالحکومت اسلام آباد میں اسلام پسند عناصر ”انتہا پسندی“ کو فروغ دے رہے ہیں۔ ہم یہ بات سمجھنے سے قاصر ہیں کہ یہاں ”انتہا پسندی“ سے ان کی کیا مراد ہے؟ اگر انتہا پسندی سے محترمہ کی مراد معصوم عوام کو قتل کرانا یا لاپتہ کرانا یا سیاسی مقاصد کے لیے انہیں لُوٹنا، سرکاری املاک کو نقصان پہنچانا اور دیگر تخریبی سرگرمیاں ہیں تو دنیا کا کوئی قانون اور مذہب اس کی اجازت نہیں دے سکتا اور اگر اس سے مراد اس سسٹم کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنا ہے، جو متفق علیہ اقدارِ اسلامی مثلاً جہاد اور حجاب وغیرہ پر قدغن لگائے، جو ظلم کو تحفظ دے، شعائرِ اسلامی کا کھلم کھلا مذاق اڑائے اور جس میں عوام سسک سسک کر جینے پہ مجبور ہوں تو یہ ہرگز انتہا پسندی نہیں بلکہ اپنے جائز حقوق کا مطالبہ ہے۔

ایک مسلم معاشرے کا یہ جائز حق ہے کہ اس میں اوپر سے نیچے تک، ہر فرد میں حقیقی اسلام کی جھلک نظر آئے۔ اگر اسلامی معاشرے کا کوئی فرد، اپنی معاشرتی روایات سے غداری کرے تو وہ پورے معاشرے کا مجرم ہے، لہٰذا اسے قرار واقعی سزا ملنی چاہیے۔ آج جن اسلامی سزاؤں کو العیاذ باللہ وحشیانہ بتایا جاتا ہے اور جن کے نفاذ کی بات کرنے پر ہمیں انتہا پسند، دہشت گرد، قدامت پسند اور نجانے کن کن القابات سے نوازا جاتا ہے، درحقیقت یہی سزائیں ایک مثالی اسلامی معاشرے کی بنیاد ہیں۔ اسلام ایک دینِ فطرت ہے، انسانوں کے جذبات اور مزاج کے عین مطابق ہے۔ قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ اسلام جہاں جرائم کی بیخ کنی کرتا ہے وہیں ان جرائم کے اسباب کا قلع قمع بھی کرتا ہے۔ پس دہشت گردی اور حقیقی اسلام میں وہی فرق ہے جو ایک قاتل کے خنجر اور جرّاح کے نشتر میں ہوتا ہے۔ غور کیجیے کہ ایک انسانیت کی موت ہے مگر دوسرا انسانیت کے لیے سراپا زندگی۔ کوئی جنونی کسی بے گناہ کو ظلماً قتل کر دے تو بلا شبہ وہ دہشت گرد ہے، لیکن معاشرے کے کسی ناسور کے لیے کوئی جج اگر پھانسی کا حکم دے تو یہ عین انصاف ہے۔ اسلام میں عدل و انصاف کے پیمانے بہت سادہ، واضح اور دوٹوک ہیں اور ہونا بھی یہی چاہیے۔ بدعنوان، کرپٹ لٹیرے، عیّاش اور بدمعاش عناصر کے لیے اسلام میں کوئی رعایت نہیں۔ ”نفاذِ اسلام“ کا نعرہ سن کر اگر یہ عناصر چیخ و پکار شروع کر دیں تو یہ بالکل فطری سی بات ہے۔ قومی خزانے کو شیرِ مادر سمجھ کر گلچھرے اڑانے والوں کو ”نفاذِ شریعت“ سے بدکنا ہی چاہیے اور اس پر حیران ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ اگر اس ملک میں شرعی نظام قائم ہو گیا تو ان کے اللوں تللوں کی ایک ایک پائی کا حساب لیا جائے گا۔

اگر الطاف حسین اور بے نظیر بھٹو کا دامن صاف ہے، اگر ان کے ضمیر پر کوئی بوجھ نہیں ہے تو انہیں ”انتہا پسندوں“ سے ڈرنے یا گھبرانے کی قطعاً ضرورت نہیں۔ یہ نظام بے گناہ اور مظلوم لوگوں کے لیے سراپا رحمت و مودّت ہے۔ محترمہ نے لکھا ہے کہ ”میں مسلمانوں کی اکثریت کی طرح اپنے مذہب پر فخر کرتی ہوں“، اگر محترمہ مسلمانوں کی اکثریت کی پیروی میں فخر کر سکتی ہیں تو اب انہیں اکثریت ہی کی تقلید کرتے ہوئے نفاذِ اسلام کی حمایت بھی کرنی چاہیے۔

موصوفہ نے ”طالبانائزیشن“ کے خلاف جن جملوں سے رائے عامّہ کو ہموار کرنے کی کوشش کی ہے ان میں سے چند اس طرح ہیں۔ ”ڈنڈا بردار اہم عہدوں پر پہنچ جائیں گے، یہ عناصر از سرِ نو منظّم ہو رہے ہیں، اسلحے سے لیس ہو چکے ہیں، خودکش حملوں کا استعمال کر رہے ہیں جس سے اسلام کو نقصان پہنچ رہا ہے، یہ انتہا پسند عالمی مالیاتی مارکیٹوں کو دہشت گردی کا نشانہ بنا دیں گے“ وغیرہ وغیرہ۔ عالمی مالیاتی اداروں کے لیے خطرے کا الارم بجا کر محترمہ نے اس ظالم سرمایہ دارانہ نظام کی حمایت حاصل کرنے کی کوشش ہے، جو چند افراد کے کندھوں پر سوار ہو کر دنیا کی اکثریت پر مشتمل غریب طبقے پر حکمرانی کر رہا ہے۔ خودکش حملوں کا تذکرہ کرتے ہوئے شاید محترمہ اس حقیقت کو فراموش کر بیٹھیں کہ خودکش حملہ، تفریحِ طبع یا دل پشوری کے لیے کوئی نہیں کرتا، بلکہ اس کے پیچھے محرومیوں اور مایوسیوں کے طویل سلسلے ہوتے ہیں، یہ ناتمام آرزوئیں، ادھوری تمنائیں اور بے بسی کی انتہائیں ہاتھوں میں ڈنڈے بھی پکڑا سکتی ہیں اور سینے

پر بم بھی سجا سکتی ہیں[1]۔ ہمارا مسلم معاشرہ، جو کبھی علم و فضل کی آماجگاہ اور فنون و ثقافت کی جولانگاہ تھا، حقیقی اسلامی نظام نہ ہونے کی وجہ سے بحیثیت مجموعی احساسِ کمتری، مظلومیت اور بے بسی کی آخری حدوں کو چھو رہا ہے۔ اس کا اصل مسئلہ ''روشن خیالی'' ہے نہ لولی لنگڑی امپورٹڈ جمہوریت، بلکہ ہمیں دنیا کے دوسرے ممالک، ایران و اسرائیل کی طرح مذہب پر آئین کو مرتب کرنا چاہیے۔ ''اسلام'' جدید دور کے ہر چیلنج سے نمٹنے کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہے۔ اس کے عملی مظاہرے کے لیے کرۂ ارض پہ چھوٹا سا ٹکڑا تو ایسا ہونا چاہیے جہاں بادشاہ سے لے کر عام شہری تک، رسم و رواج سے لے کر نظامِ ریاست تک اور قانون سے لے کر سزا تک سب کچھ ہمارا اپنا ہو۔ اس میں کسی سے مانگی ہوئی بھیک شامل نہ ہو۔ اگر یہ مذہبی فریضہ جو تمام مسائل کا واحد حل ہے، امن و آشتی سے پورا ہو جائے تو یقین کریں ہمارے ہاتھوں میں ڈنڈے نہیں، آپ کے لیے پھولوں کے ہار ہوں گے وگرنہ ہمیں بھی ہر طریقے سے احتجاج کا حق حاصل ہو گا۔

موصوفہ نے اپنے کالم میں موقع بموقع جامعہ حفصہ کی طالبات کے خلاف حکومتی ایجنسیوں کے پھیلائے ہوئے پراپیگنڈے کی بعض جُزئیات کو بھی بڑی شدّ و مدّ سے بیان کیا ہے۔ نیز سابقہ حکومتوں کے ہاتھوں پی پی کے کارکنوں پر تشدد پر بھی دکھ کا اظہار کیا ہے۔ طالبات سے متعلق ان کا کہنا ہے کہ طالبات نے ویڈیو سینٹرز بند کرا دیے ہیں اور دھمکیاں دی ہیں۔ اسلام آباد کے گرلز سکولوں میں تالے لگا دیے ہیں۔ حکومت نے اسلحے سے بھرا ہوا ایک ٹرک لال مسجد تک پہنچا دیا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ ان جھوٹے الزامات کا جواب، آپ بذات خود اسلام آباد آکر بچشمِ خود دیکھ کر پا سکتی ہیں۔ یا پھر اسلام آباد کے رہائشی ہی آپ کو بتا کر ان الزامات کی قلعی کھول سکتے ہیں۔ لیکن جہاں تک آپ کے کارکنوں پر تشدد کی بات ہے۔ تو خاطر جمع رکھیے! آپ کی ''ہراساں توقعات'' کے عین مطابق، عنقریب پاکستان میں نفاذِ اسلام ہونے کو ہے، پھر کسی بدمعاش کو اتنی جرأت نہ ہو گی کہ وہ معصوم شہریوں بشمول پی پی کے کارکنوں کو خوف زدہ کرے یا ان پر ظلم کرے، کیونکہ اسلام ہر قسم کے ظلم کی جڑ پر وار کرتا ہے۔

محترمہ نے پرویز مشرف کی حکومت پر یہ الزام بھی لگایا ہے کہ وہ لال مسجد کی پشت پناہی کر رہی ہے اور ان کے خلاف کما حقّہ کارروائی نہیں ہو رہی۔ یہ لکھتے ہوئے بے نظیر بھٹو شاید وہ وقت بھول گئی ہیں، جب ان کے زمانۂ اقتدار میں اسی لال مسجد کے مولانا محمد عبد اللہ شہیدؒ کو بزورِ طاقت ہٹانے کی بھرپور کوششیں کی گئیں، تاہم حکومت کی یہ کوششیں بری طرح ناکام ہوئیں اور بالآخر بے نظیر صاحبہ کو عملی طور پر اپنی شکست کا اعتراف کرنا پڑا۔ وہ انگشت بدنداں ہیں کہ جامعہ حفصہ میں فوجی افسران کی بیٹیاں بھی ڈنڈے اٹھائے کھڑی ہیں، ان کے والدین انہیں منع کیوں نہیں کرتے؟[2] دراصل یہ ذرا ٹیکنیکل قسم کی باتیں ہیں جو ''حمیتِ دینی اور غیرتِ اسلامی'' سے تعلق رکھتی ہیں۔ شاید ان الفاظ کو سمجھنے کے لیے آپ کو اردو ڈکشنری کھولنے کی ضرورت پڑ جائے۔ لہٰذا ہمارا مخلصانہ مشورہ ہے کہ اپنے نازک شاہی ذہن پر ان قدیم الفاظ کا بوجھ مت سوار کریں۔ نیز یہ امر قابلِ تعجب ہے کہ محترمہ بے نظیر بھٹو ایک عرصے تک پاکستان کی واحد خاتون سربراہ رہ چکی ہیں، کیا وہ بھی یہ سمجھتی ہیں کہ مملکتِ خداداد کے شہری خصوصاً ایک خالصتاً نسوانی تعلیمی ادارے کی طالبات اگر حکومت سے کوئی جائز مطالبہ کریں تو اسے سختی سے کچل دینا چاہیے، کیا یہ رویہ ''تشدد پسندی'' نہیں ہے؟ اور کیا پی پی پی کی قیادت ایسے اقدامات کو جائز تصور کرتی ہے؟ البتہ جہاں تک ہم پر حکومت کی پشت پناہی کا الزام ہے، تو اے کاش ایسا ہوتا! اگر حکومت ہماری پشت پناہ بن کر نفاذِ اسلام کے لیے مخلص ہو جائے تو پھر ہمیں ڈنڈے اٹھانے کی کیا ضرورت ہے، یہی ہمارا اہم ترین مطالبہ ہے۔

محترمہ نے اس خدشے کا اظہار بھی کیا ہے کہ ''ہو سکتا ہے کہ وفاق اور پنجاب میں بھی نفاذِ اسلام کے حامی (ان کے الفاظ میں انتہا پسند) موجود ہوں''۔ جی ہاں، آپ کے اندازے سو فیصد درست ہیں، وفاق اور پنجاب ہی نہیں، الحمد للہ بلوچستان سرحد اور سندھ کی ہر گلی اور ہر گھر میں نفاذِ شریعت کے حامی موجود ہیں، غور کریں تو آج پاکستان کے ہر عالمِ دین، ہر دانش ور اور عوام کی زبان پر اس بے ہودہ اور فرسودہ نظام کی تبدیلی کی بات آچکی ہے اور عوام دلی طور پر ان کے ساتھ ہیں۔ بہت جلد آپ وہ منظر دیکھیں گی کہ اسلام آباد کے دروازوں پر، اس آمرانہ اور ظالمانہ نظام کے ڈسے ہوئے مسلمان کھڑے ہو کر ''انقلابِ اسلامی'' کی روح پرور اذانیں بلند کر رہے ہوں گے۔ اور ہاں، آخری بات! محترمہ اگر غور سے کان لگائیں تو اسلام آباد کے دروازوں پر ''عسکریت پسندی'' نہیں بلکہ ''اسلام'' کی دستک انہیں واضح طور پر سنائی دے گی۔

[غازی صاحب شہید کا یہ مضمون 'اشراف بن کشمیر' کے مرتب کردہ کتابچے 'غازی کے قلم سے'، سے لیا گیا ہے۔ (ادارہ)]



[1] مولانا عبد الرشید غازی شہید یہاں جب مایوسیوں کا ذکر کرتے ہیں تو اس سے وردی و بے وردی حکمران طبقے سے مایوسی مراد ہے۔ وہ حکمران طبقہ جس نے نفاذِ نظامِ کفری پر اصرار کیا۔ اگر اسلام قائم ہو اور شریعت کا عادلانہ قانون جاری ہو تو کہیں کوئی مایوسی اور محرومی نہیں بچے گی۔ 'ناتمام آرزوئیں' اور 'ادھوری تمنائیں'، لا الٰہ الا اللہ کے نام پر ملک حاصل کر کے وہاں انگریزی نظام نافذ کر دینے کے سبب ہیں۔ پھر جب ایک طرفِ نظامِ انگریزی نافذ ہو اور دوسری طرف اپنے اور پرائے سبھی اس پر 'کسی نہ کسی صورت' راضی نظر آتے ہوں تو بے بسی کی سی کیفیت ہوتی ہے۔ پھر یہ سب جذبات شریعت کے 'نفاذِ شریعت' کے حکم کی طرف رجوع کرتے ہیں اور جذباتیت نہیں حقیقت پر مبنی اقدامات اٹھواتے ہیں، جن کا نام دعوت و جہاد ہے۔ پھر یہی دعوت و جہاد کہیں ''ہاتھوں میں ڈنڈے بھی پکڑا سکتے ہیں اور سینے پر بم بھی سجا سکتے ہیں''۔ پھر غازی صاحب کے دیگر اقوال اور ان عملی افعال خاص کر 'شہادت' اس بات کی سب سے بڑی موئید ہے کہ غازی صاحب نے یہاں جو جملے تحریر کیے ہیں ان کا معنیٰ و مطلب اور تشریح و مفہوم کیا ہے۔ فدائی حملے (جنہیں عرف میں غلط طور پر خود کش کہا جاتا ہے اور یہاں یہی اصطلاح استعمال کی گئی ہے) یعنی فی اللہ شہادت تو فی سبیل اللہ امید و رجا اور عزم و ہمت کی اعلیٰ صورت ہیں۔ (ادارہ)

[2] یہاں ان 'فوجی افسران' کا ذکر ہے جو واقعی 'ایمان، تقویٰ اور جہاد فی سبیل اللہ' کی خاطر فوج کا حصہ بنے۔ ایسے اللہ کے آرڈر کو ماننے والے فوجی لال مسجد آپریشن (جو پاکستان میں تفریقِ حق و باطل کا ایک واضح نشان بنا) کے بعد فوج میں بظاہر نہیں رہے۔ (ادارہ)

# وانا آپریشن کے بارے میں پاکستان کے علما کا متفقہ فتویٰ

یہ وہ تاریخی فتویٰ ہے جو کئی فوجیوں کو ایمان کی طرف لانے کا باعث بنا اور یہ فتویٰ آج بھی پاک فوج، خفیہ اداروں اور پولیس و دیگر سیکیورٹی اداروں سے وابستہ اہلکاروں کے لیے 'ہدایت' اور 'ایمان' کا سامان رکھتا ہے۔ یہ فتویٰ راہِ فکر و عمل ہے ان کلمہ گو سکیورٹی اہلکاروں کے لیے جو دل سے اپنی زندگی کا مقصد 'ایمان، تقویٰ اور جہاد فی سبیل اللہ' کو سمجھتے ہیں۔ خصوصاً آج جب ایک بار پھر پاک فوج کے جرنیلوں نے اسلام اور مسلمانوں کا سودا کرتے ہوئے امریکہ کو سرزمینِ پاکستان میں فوجی اڈے بنانے کی اجازت دے دی ہے تو اس فتوے کی اہمیت مزید ہو گئی ہے اور یہ فتویٰ پاک فوج، فضائیہ اور بحریہ و انٹیلی جنس اداروں کے 'مسلمان' فوجیوں کے لیے 'اللہ' یا 'شیطان' کی بندگی اور 'جنت' یا 'جہنم' کا راستہ واضح کر رہا۔ ایک 'لا الٰہ الا اللہ' پڑھنے والے اور 'محمد رسول اللہ' کے عشق کا دم بھرنے والے سپاہی کے لیے پہلا آرڈر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا آرڈر ہے اور پہلا حلف نامہ 'شریعتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم' کا اقرار ہے۔ پس خوش نصیب ہیں وہ سکیورٹی اہلکار، اور دنیا و آخرت کی کامیابیاں ہیں ان افسروں اور جوانوں کے لیے جنھوں نے وطن کی حفاظت کی تو ایمان و اسلام کے لیے اور جنھوں نے سرحدوں پر پہرے دے کر اپنے آپ کو تھکایا تو ایمان و اسلام کے لیے! (ادارہ)

## سوال

''کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ امریکہ کے شدید دباؤ کی وجہ سے پاکستان کے فوجی وانا میں مجاہدین اور دیگر عوام کے خلاف دہشت گردی ختم کرنے کے نام پر آپریشن کر رہے ہیں اور مزاحمت کرنے والے معصوم مسلمانوں کو گرفتار اور قتل کر رہے ہیں۔ دریں حالات علمائے کرام درج ذیل سوالات کے جوابات قرآن وسنت کی روشنی میں عنایت فرمائیں:

سوال نمبر ۱: یہ کہ پاکستانی افواج کا اپنے مسلمان بھائیوں کے خلاف کارروائی کر کے ان کو گرفتار کرنا یا ان کو قتل کرنا یا کرانا جائز ہے یا نہیں؟

سوال نمبر ۲: کیا حاکمِ وقت اگر کسی بے گناہ کے قتل یا گرفتار کرنے کا حکم اپنی رعایا یا اپنی فوج کو دے تو کیا اس حکم کی تعمیل ضروری ہے یا نہیں؟ کیا ایسی صورت میں پاکستانی فوج کے لیے اس قسم کی کارروائیوں میں شریک ہونا جائز ہے یا نہیں؟

سوال نمبر ۳: مذکورہ صورت میں جو فوجی آپریشن میں شریک ہیں تو ان کی موت کیسی موت ہے؟ آیا شہید ہیں یا حرام موت مارے جائیں گے؟ ایسی موت کی صورت میں ان کی نمازِ جنازہ پڑھانا یا اس میں شریک ہونا جائز ہے یا نہیں؟

سوال نمبر ۴: ان مجاہدین اور دیگر معصوم مسلمانوں، جن پر جنگ زبردستی مسلط کی گئی ہے ان کے مارے جانے کا کیا حکم ہے؟''

کرنل (ریٹائرڈ) محمود الحسن

## جواب

الجواب باسم ملهم الصواب

جواب نمبر ۱:

موجودہ حالات میں پاکستانی فوج کا وانا (وزیرستان) میں مجاہدین اور ان کے حامی مسلمانوں کے خلاف دہشت گردی ختم کرنے کے نام پر کارروائی کر کے ان کو گرفتار کرنا یا ان کو قتل کرنا، کرانا قرآن و سنت کی صریح نصوص کے خلاف ہونے کی وجہ سے ناجائز و حرام اور سخت گناہ ہے، خواہ یہ کارروائی امریکہ کے شدید دباؤ کی وجہ سے ہو یا بغیر دباؤ کے ہو، دونوں صورتوں میں کافروں کو خوش کرنے کے لیے مسلمانوں کے خلاف کسی قسم کی کارروائی، خواہ وہ ان کو شہید کرنے کی صورت میں ہو یا ان کو گرفتار کر کے کسی کافر کے حوالے کرنے کی صورت میں، متعدد آیات و احادیثِ مبارکہ اور عباراتِ فقہا کی روشنی میں ناجائز اور حرام ہے۔ ان صریح آیات کی پیش نظر شریعت نے کسی مسلمان کے لیے کسی دوسرے مسلمان کے خلاف کارروائی کو ناجائز قرار دیا ہے۔ نیز اگر مسلمانوں کو یہ اندیشہ بھی ہو کہ اگر ہم نے غیر مسلموں کا یہ مطالبہ نہیں مانا تو غیر مسلم خود ہمیں قتل کر ڈالیں گے یا کسی شدید نقصان میں مبتلا کر دیں گے تب بھی ان کا یہ مطالبہ ماننا مسلمانوں کے لیے جائز نہیں۔

جواب نمبر ۲:

حاکمِ وقت کے کسی ایسے حکم کو ماننا اور اس کی اطاعت کرنا جو شریعت کے خلاف ہو، ہرگز جائز نہیں، حرام ہے۔ لہٰذا حاکمِ وقت اگر کسی بے گناہ کے قتل یا گرفتار کرنے کا اپنی رعایا یا اپنی فوج کو حکم دے تو اس حکم کی تعمیل ہرگز جائز نہیں۔ وانا میں مسلمانوں کے خلاف حکومتی کارروائی چونکہ شریعت کے خلاف ہے اس لیے فوج کے لیے اس کارروائی میں شریک ہونا جائز نہیں۔ لہٰذا مسلمان فوجیوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائیوں کے خلاف اس قسم کی کسی بھی

کارروائی میں شریک ہونے سے انکار کر دیں ورنہ وہ بھی اس جرم میں برابر کے شریک ہوں گے۔

جواب نمبر۳:

مذکورہ صورت میں حاکم وقت یا کمانڈر کے خلافِ شرع حکم پر عمل کرتے ہوئے جو فوجی اس کارروائی میں شریک ہو گا تو وہ کبیرہ گناہ کا مرتکب ہو گا اور اگر اس کی موت واقع ہو جائے تو وہ ہر گز شہید نہیں کہلائے گا۔ جہاں تک ایسے لوگوں کی موت واقع ہونے کی صورت میں نمازِ جنازہ پڑھانے اور اس میں لوگوں کے شریک ہونے کا تعلق ہے تو ایک مسلمان کی غیرت، حمیت اور دینی جذبے کا تقاضا یہ ہے کہ ایسے لوگوں کی نمازِ جنازہ میں بھی کوئی شریک نہ ہو اور نہ ان کی نمازِ جنازہ پڑھانے کے لیے کوئی آگے ہو۔

جواب نمبر۴:

ایسے تمام افراد جو ان ظالمانہ فوجی کارروائیوں میں مارے جائیں چونکہ شرعاً وہ معصوم اور بے گناہ ہیں لہٰذا شرعاً وہ شہید ہوں گے۔ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی:

اَ. وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا○ (سورۃ النساء:۹۳)

”رہا وہ شخص جو کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کی جزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہے اور اللہ نے اس کے لیے سخت عذاب مہیا کر رکھا ہے۔“

ب. يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ (سورۃ الممتحنۃ:۱)

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ، تم ان کے ساتھ دوستی کی طرح ڈالتے ہو، حالانکہ جو حق تمہارے پاس آیا ہے اس کو ماننے سے وہ انکار کر چکے ہیں۔“

ج. بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا○ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا○ (سورۃ النساء:۱۳۹،۱۳۸)

”اور جو منافق اہلِ ایمان کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا رفیق بناتے ہیں انہیں یہ مژدہ سنا دو کہ ان کے لیے دردناک سزا تیار ہے۔ کیا یہ لوگ عزت کی طلب میں ان کے پاس جاتے ہیں؟ حالانکہ عزت تو ساری کی ساری اللہ ہی کے لیے ہے۔“

د. وفی الحدیث عن البراء بن عازب ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: لزوال الدنیا وما فیھا اھون عند اللہ تعالیٰ من قتل مؤمن ولو ان اھل السمٰوٰت واھل الارض اشترکوا فی دم مؤمن لادخلھم اللہ تعالیٰ النار (روح المعانی، جلد:۳، ص:۱۱۶)

”حدیث میں حضرت براءؓ بن عازب سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: دنیا و مافیہا کا تباہ ہونا اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک مومن کے قتل کیے جانے سے زیادہ ہلکی بات ہے۔ اگر آسمانوں اور زمین والے ایک مومن کے قتل میں شریک ہوں تو اللہ تعالیٰ ان سب کو جہنم میں پھینک دے گا۔“

ہ. عن ابن عمرؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: المسلم اخو المسلم لا یظلمہ ولا یسلمہ (الی عدوہ)...... (متفق علیہ، ریاض الصالحین:۱۰۸)

”حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ وہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ وہ اسے اس کے دشمن کے حوالے کرتا ہے.....الخ“

و. وفی احکام القرآن للجصاص(۴۰۶/۲) وھذا یدل علی انہ غیر جائز للمومنین الاستنصار بالکفار علی غیرھم من الکفار اذ کانوا متی غلبوا کان حکم الکفر ھو الغالب

”احکام القرآن للجصاص میں درج ہے کہ: یہ بات دلالت کرتی ہے کہ مومنوں کے لیے کافر دشمنوں کے مقابلے میں دیگر کافروں کی مدد طلب کرنا ایسی حالت میں جائز نہیں جب (یہ معلوم ہو کہ) فتح یاب ہونے کی صورت میں کافروں کی حکومت غالب آجائے گی۔“

ز. عن ابن عمرؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: السمع والطاعۃ علی المرء المسلم فیما احب وکرہ حق مالم یؤمر بمعصیۃ فان امر بمعصیۃ فلا سمع و لا طاعۃ (بخاری، جلد:اص:۴۱۵)

”حضرت ابنِ عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان کے لیے امیر کی بات سننا اور ماننا ضروری ہے خواہ اس کی بات اسے پسند ہو یا ناپسند ہو، بشرطیکہ وہ کسی نافرمانی کا حکم نہ دے۔ پس اگر وہ معصیت کا حکم دے تو نہ بات سنی جائے، نہ مانی جائے۔“

ح. وفی شرح السیر جلد:۳، ص:۲۴۲: وان قالوا لھم قاتلوا معنا المسلمین والا قتلناکم لم یسعھم القتال مع المسلمین لان ذلک حرام لعینہ فلا یجوز الاقدام علیہ بسبب تحدید بالقتل کما لو قال لہ اقتل ھذا المسلم والاقتلتک۔

”شرح السیر میں عبارت اس طرح ہے: جب کفار کہیں کہ ’ہمارے ساتھ مل کر مسلمانوں سے لڑو ورنہ ہم تمہیں قتل کر دیں گے‘ تو مسلمانوں کے لیے جائز نہیں کہ کفار سے مل کر مسلمانوں کو قتل کریں اس لیے کہ یہ حرام لعینہٖ (بالذات حرام) ہے، چنانچہ قتل کی دھمکی کے باوجود اس قسم کا اقدام حرام ہے...... بالکل

اسی طرح جیسے یہ جائز نہیں کہ اگر کسی مسلمان فرد کو دھمکی دی جائے کہ 'فلاں مسلمان کو قتل کر دو ورنہ میں تمہیں قتل کر دوں گا' اور وہ عملاً ایسا کر گزرے۔"

ط. وکذٰلک من ...عدا علی قوم ظلما فقتلوہ لا یکون شھیدا لانہ ظلم نفسہ۔(بدائع،جلد:۲ ص:۶۶)

"اسی طرح.....وہ شخص جس نے کسی گروہ کے خلاف ظالمانہ طور پر چڑھائی کی اور ان لوگوں نے اس (حملہ آور) شخص کو قتل کر ڈالا تو وہ (مقتول) شہید نہیں کہلائے گا کیونکہ وہ اپنی جان پر ظلم کرتے ہوئے مرا۔"

ي. ومن قتل مدافعا عن نفسه او ماله او عن المسلمين او اهل الذمة بایّ آلة قتل، بحديد او حجر او خشب فهو شهيد، كذا في محيط السرخسی (ہندیہ، جلد:۱، ص: ۱۶۸)

"جو شخص اپنی جان، مال، مسلمانوں یا اہلِ ذمہ کا دفاع کرتے ہوئے قتل ہو جائے تو وہ شہید ہے، خواہ وہ کسی بھی آلۂ قتل......لوہے پتھر، لکڑی وغیرہ...سے قتل ہوا ہو۔"

واللہ اعلم بالصواب

عبد الدیان عفا اللہ عنہ

دارالافتاء، مرکزی جامع لال مسجد (اسلام آباد)

اس فتوے پر پاکستان بھر کے مختلف مکاتبِ فکر سے تعلق رکھنے والے ۵۰۰ سے زائد مفتیانِ عظّام، علمائے کرام اور شیوخ الحدیث کے دستخط ثبت ہیں۔ جگہ کی کمی کی وجہ سے صرف چند علما کے نام و دستخط ذیل میں درج کیے جا رہے ہیں:

(۱) مولانا مفتی نظام الدین شامزئی شہیدؒ، شیخ الحدیث جامعہ بنوریؒ ٹاون، کراچی۔

(۲) مولانا ظہور الحق صاحب، مدیر دارالعلوم معارف القرآن، مدنی مسجد، حسن ابدال۔

(۳) مولانا عبد السلام صاحب، شیخ الحدیث اشاعت القرآن، حضرو، اٹک۔

(۴) قاری چن محمد، مدرس اشاعت القرآن، حضرو۔

(۵) مفتی سیف اللہ حقانی صاحب، رئیس دارالافتاء، دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک، نوشہرہ۔

(۶) مولانا عبد الرحیم صاحب، خطیب جامع مسجد ۳۳، جنوبی سرگودھا۔

(۷) فتح محمد صاحب، مدیر جامعہ صدیقیہ، واہ کینٹ۔

(۸) مولانا ڈاکٹر عبد الرزاق اسکندر صاحبؒ، مہتمم جامعہ بنوریؒ ٹاون، کراچی۔

(۹) مفتی حمید اللہ جانؒ صاحب، جامعہ اشرفیہ، لاہور۔

(۱۰) مفتی شیر محمد صاحب۔

(۱۱) مفتی زکریا صاحب، دارالافتاء جامعہ اشرفیہ، لاہور۔

(۱۲) مولانا محمد اسحاق صاحب، مہتمم مدرسہ تدریس القرآن و خطیب مرکزی جامع لالہ رخ، واہ کینٹ۔

(۱۳) مولانا عبد القیوم حقانی صاحب، مہتمم جامعہ ابوہریرۃؓ زڑہ میانہ، نوشہرہ۔

(۱۴) مفتی حبیب اللہ صاحب۔ دارالافتاء والارشاد ناظم آباد، کراچی۔

(۱۵) مولانا محمد صدیق صاحب، مہتمم جامعہ تعلیم القرآن مدنی مسجد، لائق علی چوک، واہ کینٹ

(۱۶) مولانا عبد المعبود صاحب، جامع مسجد پھولوں والی، رحمن پورہ، راولپنڈی۔

(۱۷) قاری سعید الرحمٰن صاحب، مدیر جامعہ اسلامیہ صدر، راولپنڈی۔

(۱۸) قاضی عبد الرشید صاحب، مہتمم دارالعلوم جامعہ فاروقیہ، دھمیال کیمپ، راولپنڈی۔

(۱۹) مولانا محمد صدیق اخونزادہ صاحب۔

(۲۰) مفتی ریاض احمد صاحب، دارالافتاء دارالعلوم تعلیم القرآن، راجہ بازار، راولپنڈی

(۲۱) مولانا محمد عبد الکریم صاحب، مدیر جامعہ قاسمیہ، ایف سیون فور، اسلام آباد۔

(۲۲) مفتی محمد اسماعیل طورو صاحب، دارالافتاء جامعہ اسلامیہ، صدر، راولپنڈی۔

(۲۳) مولانا محمد شریف ہزاروی صاحب، خطیب جامع مسجد دارالاسلام، جی سکس ٹو، اسلام آباد

(۲۴) مولانا فیض الرحمٰن عثمانی صاحب، رئیس ادارۂ علوم اسلامیہ، سترہ میل، بہارہ کہو، اسلام آباد

(۲۵) مولانا عبد اللہ حقانی صاحب، شیخ الحدیث مدرسہ و جامعہ خدیجۃ الکبریٰؓ، اسلام آباد۔

(۲۶) مولانا محمود الحسن طیب صاحب، مفتی مدرسہ نصرۃ العلوم، گوجرانوالہ۔

(۲۷) مولانا محمد بشیر سیالکوٹیؒ صاحب، مدیر معھد اللغۃ العربیۃ و مدیر بیت العلم، اسلام آباد

(۲۸) مولانا وحید قاسمی صاحب، جنرل سیکرٹری عالمی مجلس ختم نبوت و مدیر مدرسہ فاروقیہ، اسلام آباد

(۲۹) مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ صاحبؒ، شیخ الحدیث دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک، نوشہرہ۔

(۳۰) مولانا مفتی پیر سیّد مختار الدین شاہ صاحب، کربوغہ شریف، خلیفۂ مجاز شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ۔

(۳۱) مولانا فضل محمد صاحب، استاد الحدیث جامعہ بنوریؒ ٹاون، کراچی۔

(۳۲) مولانا سعید اللہ شاہ صاحب۔ استاد الحدیث۔

(۳۳) مولانا سبحان اللہ صاحب، مفتی جامعہ امداد العلوم، صدر، پشاور۔

(۳۴) مولانا محمد قاسم ابن مولانا محمد امیر بجلی گھر، پشاور۔

(۳۵) مفتی غلام الرحمٰن صاحب، رئیس دارالافتاء جامعہ عثمانیہ، صدر، پشاور۔

(۳۶) مولانا مفتی سید قمر صاحب، دارالافتاء دارالعلوم سرحد، دارالعلوم آسیا گیٹ، پشاور۔

(۳۷) مولانا محمد امین اورکزئی شہیدؒ، شاہو وام، ہنگو۔

(۳۸) مولانا شیخ الحدیث محمد عبد اللہ صاحب۔

(۳۹) مفتی دین اظہر صاحب۔

(۴۰)مولانا مفتی عبد الحمید دین پوری۔

(۴۱)مفتی ابو بکر سعید الرحمن صاحب۔

(۴۲)مفتی محمد شفیق عارف صاحب۔

(۴۳)مفتی انعام الحق صاحب۔

(۴۴)مفتی عبد القادر، جامعہ بنوریؒ ٹاون، کراچی۔

(۴۵)مولانا سید سلیمان بنوری صاحب، نائب مہتمم جامعہ بنوریؒ ٹاون، کراچی۔

(۴۶)مفتی جمال احمد صاحب، دار العلوم فیصل آباد۔

(۴۷)مولانا محمد زاہد صاحب، جامعہ امدادیہ، فیصل آباد۔

(۴۸)پیر سیف اللہ خالد صاحب، مدیر جامعہ المنظور الاسلامیہ، لاہور۔

(۴۹)مولانا عزیز الرحمٰن صاحب، مفتی جامعہ المنظور الاسلامیہ، لاہور۔

(۵۰)مولانا احمد علی صاحب مدرسہ الحسنین، گرین ایریا، فیصل آباد۔

(۵۱)مفتی محمد عیسیٰ صاحب، دار العلوم اسلامیہ، کامران بلاک، لاہور۔

(۵۲)مولانا رشید احمد علوی صاحب، مدیر دار العلوم اسلامیہ۔

(۵۳) قاضی حمید اللہ صاحب، مرکزی جامع مسجد شیر اں والا باغ، گوجرانوالہ۔

(۵۴)مولانا فخر الدین صاحب، جامعہ اشرف العلوم، گوجرانوالہ۔

(۵۵)مفتی عبد الدیان صاحب، مفتی مرکزی جامع مسجد، اسلام آباد۔

(۵۶)مفتی محمد فاروق صاحب، رئیس دار الافتاء جامعہ فریدیہ، اسلام آباد۔

(۵۷)مولانا محمد عبد العزیز صاحب، خطیب مرکزی جامع مسجد، اسلام آباد۔

(۵۸)مفتی سیف الدین صاحب، جامعہ محمدیہ، ایف سکس فور، اسلام آباد۔

### مفتی نظام الدین شامزئی شہیدؒ کا فتویٰ:

اگر کسی فوجی کو ”ایک مسلمان کے قتل“ اور ”پھانسی یا کورٹ مارشل“ کے درمیان (کسی ایک چیز کے اختیار کرنے کا) فیصلہ کرنا پڑ جائے تو اللہ تعالیٰ کے قانون میں اس کے لیے اخروی لحاظ سے آسان، سہولت دہ اور جائز یہی ہے کہ وہ اپنے لیے ”کورٹ مارشل“ اور ”تختۂ دار“ کا راستہ اختیار کر لے۔

### کوہاٹ کے مفتیان کا فتویٰ:

”شریعت کی رو سے مسلمانوں کے خلاف لڑنے والے فوجی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے باغی ہیں اور ان کا مرنا حرام موت ہے اور ان کا حکم ”قطّاع الطریق“ یعنی راہزن اور ڈاکو کا ہے۔ نمازِ جنازہ کے لیے جو حکم راہزن اور ڈاکو کا ہے وہی ان کا ہے۔“

### دار العلوم اکوڑہ خٹک کے مفتیانِ کرام کا فتویٰ:

”فقہ کی معتبر اور مشہور کتب در مختار و رد مختار میں ہے کہ عصبی (جو وطن یا قوم کی عصبیت میں لڑتا ہوا مارا جائے) پر نمازِ جنازہ نہیں پڑھائی جائے گی۔“

☆☆☆☆☆

## بقیہ: افکارِ شاعرِ اسلام علامہ محمد اقبالؒ

آج کتنے ہی لوگ حیران و سرگردان ہیں کہ کیوں مسلمان ذلت و پستی کا شکار ہیں؟! کیوں آج حرم والے نظام سے دنیا خالی ہو گئی ہے۔ طواف و حج تو جاری ہے لیکن وہ حرمین کے عابد جنھوں نے اقصیٰ ہی نہیں بلکہ آج حرمِ مکی سے چند کلو میٹر دور بیٹھے یہودیوں اور عیسائیوں اور صلیبیوں اور صہیونیوں سے اپنے مقدسات اور اپنی اراضیاں پاک کروانا تھیں، کہاں گئے؟ راتوں کے وہ راہب، جنھوں نے سوزِ دعوت و اصلاح سے آباد خانقاہوں سے نکل کر رسمِ شبیریؓ ادا کرتے ہوئے، عالمگیرؒ کی تلوار تھام کر عالمگیر کے دادا بابر کی ایودھیا والی مسجد کی از سرِ نو تعمیر کرنا تھی، کہاں گئے؟ اے مسلمان! اس سوال کا جواب اپنے دل سے پوچھ۔ اپنے دل سے اس ویرانی کعبہ اور ویرانیٔ دنیا از نظامِ کعبہ کے بارے میں پوچھ۔ اگر تُو نے دل کو شکم پر ترجیح دے رکھی ہے تو تیرے دل کا جواب و فتویٰ یہی ہو گا کہ مسلمانوں کے دلوں پر حُب الدُنیا وَكَراهِيةُ المَوت (دنیا سے محبت اور موت سے نفرت) اور وطنیت و جمہوریت کے نظاموں کا زنگ چڑھ گیا اور تلواریں اگر زنگ آلود نہیں بھی ہوئیں، بلکہ کہنے کو اگر صیقل ہیں، تو بھی دل میں وہ عشق ہی نہیں جو بازوؤں کو تلوار و کلاشن کوف اٹھانے کی قوت عطا کرے! پس اے مردِ مومن......

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسمِ محمدؐ سے اجالا کر دے!

صلی اللہ علیہ وسلم

☆☆☆☆☆

# فتویٰ برائے وانا آپریشن کے بعد کیا ہوا؟

مولانا عبد الرشید غازی شہید رحمۃ اللہ علیہ

مجلہ ہٰذا کے پچھلے صفحات پر 'وانا آپریشن کے بارے میں پاکستان کے علما کا متفقہ فتویٰ' قارئینِ کرام یقیناً دیکھ چکے ہوں گے۔ اس فتوے کا مقصد اللہ کی اطاعت کرنا اور پاک فوج کو امریکہ کے بجائے اللہ ہی کی اطاعت کی طرف دعوت دینا تھا تاکہ پاک فوج کے افسروں اور جوانوں کی آخرت بچ سکے اور وہ نارِ جہنم میں امریکی آقاؤں کی طرح داخل نہ کیے جائیں۔ لیکن اس زمانے سے اب تک کی چار پانچ فوجی و غیر فوجی حکومتوں نے ہوش کے ناخن نہ لیے۔ غازی صاحب شہید کی ایک تحریر 'حقائق یہ ہیں' سے اس فتوے کے پس منظر اور اس فتوے کے جاری کرنے کے بعد حکومت و فوج نے کیا رویہ رکھا، کے حال بیان کرتے چند نثر پارے منتخب کر کے ذیل میں پیش کیے گئے ہیں۔
اس فتوے کے اجرا کے بعد سراپا امریکی غلامی اور اسلام کے بجائے امریکہ کی صف میں کھڑا ہونے کا ثبوت دیتے ہوئے 'لال مسجد آپریشن' کیا گیا جس میں ہزاروں طالباتِ جامعہ حفصہ اور دسیوں علمائے کرام و طلبائے عظام کے ساتھ مولانا عبد الرشید غازی کو بھی شہید کر دیا گیا۔

ذیل میں غازی صاحب شہید نے اپنی تحریر میں خود لکھا ہے کہ انہیں کہا گیا کہ اگر یہ فتویٰ واپس نہ لیا گیا 'تو یہ فتویٰ بہت مہنگا پڑے گا'۔ لیکن اسی 'مہنگا پڑنے' کا 'قولی' جواب غازی صاحب نے اپنی شہادت سے کچھ قبل یہ کہہ کر دیا کہ 'میں سمجھتا ہوں کہ اگر ہماری جانوں کے جانے سے اس ملک میں اسلامی نظام آ جاتا ہے تو یہ سودا مہنگا نہیں ہے!'۔ پھر اس کے بعد غازی صاحب نے 'عملی' جواب اپنی جان دے کر پیش کیا۔
پس اس سب میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو آنکھیں اور عقل رکھتے ہیں! (ادارہ)

سب جانتے ہیں کہ عرصۂ دراز سے لال مسجد میں ایک دار الافتاء قائم ہے جہاں لوگوں کو ان کے نجی، اجتماعی، معاشی اور معاشرتی مسائل کا حل قرآن و سنت کی روشنی میں بتایا جاتا ہے اور روزانہ اس دار الافتاء سے بیسیوں فتاویٰ جاری ہوتے ہیں۔

مفتیانِ کرام کے پینل کے سامنے جو بھی سوال آتا ہے وہ ہر قسم کے اغراض و مقاصد سے بالاتر ہو کر اور ہر قسم کے خوف و خطرے سے بے نیاز ہو کر محض قرآن و سنت کی روشنی میں اس سوال کا جواب تحریر کرتے ہیں اور فتویٰ جاری کرنے کے لیے وہ کسی سے اجازت یا ڈکٹیشن نہیں لیتے۔ ہوا یوں کہ معمول کے سوالات میں ایک شخص جو کہ ریٹائرڈ کرنل تھے نے وانا میں جاری پاک فوج اور مقامی قبائل کے درمیان جنگ کے بارے میں قرآن و سنت کی روشنی میں مفتیان سے سوال پوچھ لیا اور مفتیانِ کرام نے معمول کے مطابق سائل کو قرآن و سنت کی روشنی میں دلائل کے ساتھ جواب دیا۔ اس فتوے کے جاری ہوتے وقت کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ حکومت اس فتوے پر اتنی حساسیت کا مظاہرہ کرے گی۔ اس فتوے سے یہ بات وضاحت کے ساتھ سامنے آئی کہ وانا میں پاک فوج کا اپنے ہم وطنوں کا قتل کرنا ناجائز اور حرام ہے اور اس کا سلسلہ بند ہونا چاہیے۔

اس فتوے کے حکومتی پالیسی کے خلاف ہونے کی وجہ سے ہم پر دباؤ ڈالا جانے لگا کہ آپ اس فتوے کو منسوخ کر دیں۔ اس سلسلے میں اس وقت کے ڈپٹی کمشنر اسلام آباد نے مجھے کئی مرتبہ اپنے دفتر بلایا اور آئی ایس آئی کے افسران بھی لال مسجد آتے رہے۔ سب کا مطالبہ یہ تھا کہ آپ مذکورہ فتویٰ واپس لے لیں، میں نے بہت سمجھایا کہ فتویٰ، کوئی سرکاری نوٹیفکیشن نہیں ہوتا کہ جب جی چاہا منسوخ کر دیا اور یہ کہ ایک مرتبہ تصدیق کے بعد جب فتویٰ جاری ہو جائے تو وہ واپس نہیں ہو سکتا، میں نے فتوے کے طریقِ کار اور اس کی جزئیات سے بھی آگاہ کیا۔ ان کو بہت سمجھایا کہ فتوے کو withdraw کرنے (واپس لے لینے) کا مطلب یہ ہو گا کہ ہم قرآن و سنت سے withdraw (رجوع) کریں جو ممکن نہیں اور ہمارے اور آپ کے لیے جگ ہنسائی کا باعث بنے گا۔

الغرض ہمارے مسلسل انکار کے بعد ہمیں اشاروں کنایوں میں ان افسران کی جانب سے دھمکیاں ملنے لگیں کہ یہ بہت حسّاس نوعیت کا مسئلہ ہے، اگر بات نہ مانی تو یہ فتویٰ بہت مہنگا پڑے گا۔

☆☆☆☆☆

## بقیہ: جمہوریت ایک دینِ جدید

وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ وَإِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ إِلٰٓى أَوْلِيٰٓئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ وَإِنْ أَطَعْتُمُوْهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ (سورۃ الانعام: ۱۲۱)

''اور جس چیز پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا جائے اسے مت کھاؤ کہ اس کا کھانا گناہ ہے اور شیاطین اپنے رفیقوں کے دلوں میں یہ بات ڈالتے ہیں تاکہ وہ تم سے جھگڑا کریں اور اگر تم نے ان کی اطاعت کی تو یقیناً تم بھی مشرک ہو جاؤ گے۔''

اس کے برعکس جمہوریت کا مطالبہ ہے کہ پارلیمنٹ سے منظور شدہ قوانین کی بالادستی قبول کرو، ان کی اطاعت کرو اور انہیں مقدس و محترم جانو۔ اگر ایسا کرو گے تو تم پر کوئی ملامت یا مواخذہ نہیں بلکہ یہی عین مصلحت ہو گی۔ گویا پارلیمنٹ کی کامل اطاعت کریں گے تو دینِ جمہوریت کے مطابق آپ موحدین میں شمار ہو جائیں گے۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

☆☆☆☆☆

# برما: امتِ مسلمہ کا رِستا ہوا زخم

فضیلۃ الشیخ ایمن الظواہری (دامت برکاتہم العالیۃ)

بسمِ اللہ والحمدُ للہِ والصلاۃُ والسلامُ علی رسولِ اللہ وآلِہ وصحبِہ ومن والاہ

پوری دنیا نے برما میں روہنگیا مسلمانوں کا قتلِ عام دیکھا لیکن اس کے باوجود مذمت و ملامت کے چند الفاظ اور امداد کے چند روکھے ٹکڑوں کے علاوہ دنیا نے کسی قسم کے ردِ عمل کا اظہار نہیں کیا۔

جہاں تک برما کی جمہوری حکومت کا تعلق ہے تو مغرب نے ایک آنکھ سے کانی جمہوریت کو نافذ کرنے پر اس کو بہت سراہا۔ بہتے خون اور کٹے پھٹے جسمانی اعضا کے صوتی و بصری شواہد کے باوجود، مغرب نے برما (میں سوچی) کی اس حکومت پر کسی قسم کی کوئی پابندی عائد نہیں کی، اس کے خلاف کسی قسم کی کوئی مہم شروع نہیں کی گئی، اس کے خلاف کسی قسم کے اتحاد کو حرکت میں نہیں لایا گیا۔ اور اس سب منافقت کا فقط ایک ہی سبب ہے، اور وہ یہ کہ جن لوگوں کو مشقِ ستم بنایا جا رہا ہے 'وہ مسلمان ہیں'!

بد قسمتی سے مسلمان دنیا کی حکومتوں کا ردِ عمل، مغرب کے ردِ عمل سے زیادہ مختلف نہیں تھا، کیونکہ یہ اُنہی کی پیداوار، اُنہی کے حمایتی اور اُنہی کے مفادات کے محافظ ہیں۔

پس میں اپنے الفاظ برما کے خسیس مجرموں، مغرب کے بڑے مجرموں کو مخاطب کر کے ضائع نہیں کروں گا۔ نہ ہی میں مسلمان ممالک کی ان کٹھ پتلی حکومتوں کو مخاطب کر کے اپنے الفاظ ضائع کروں گا جن کی اپنے علاقوں میں بھی آج کچھ وقعت نہیں۔

بلکہ میں اپنے بھائیوں سے مخاطب ہوں، اپنے روہنگیا مسلمانوں سے اور باقی تمام مسلمانوں سے اور میں اُن سے کہتا ہوں: بھکاریوں کو اپنی پسند کے مطابق کچھ نہیں ملتا، بلکہ روٹی کے ٹکڑے ہی ملتے ہیں، انسانی تاریخ یہی ہے اور یہی قانون انسانوں میں چلتا آیا ہے۔ اسی لیے قرآنِ کریم نے ہمیں اسی حقیقت کے بارے میں تنبیہ کی جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَوْلاَ دَفْعُ اللّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الأَرْضُ وَلَـكِنَّ اللّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ○ (سورۃ البقرۃ: ۲۵۱)

”اگر اللہ لوگوں کا ایک دوسرے ذریعے دفع نہ کرے تو زمین میں فساد پھیل جائے، لیکن اللہ تمام جہانوں پر بڑا فضل فرمانے والا ہے۔“

اور اللہ پاک نے فرمایا:

وَمَا لَكُمْ لاَ تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاء وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَـذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ وَلِيّاً وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ نَصِيراً○ (سورۃ النساء: ۷۵)

”اور (اے مسلمانو) تمہارے پاس کیا جواز ہے کہ اللہ کے راستے میں اور ان بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو جو یہ دعا کر رہے ہیں کہ: اے ہمارے پروردگار! ہمیں اس بستی سے نکال لائیے جس کے باشندے ظلم توڑ رہے ہیں، اور ہمارے لیے اپنی طرف سے کوئی حامی پیدا کر دیجیے، اور ہمارے لیے اپنی طرف سے کوئی مددگار کھڑا کر دیجیے۔“

اور اللہ عزّ و جلّ نے فرمایا:

فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللّهِ لاَ تُكَلَّفُ إِلاَّ نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَسَى اللّهُ أَن يَكُفَّ بَأْسَ الَّذِينَ كَفَرُواْ وَاللّهُ أَشَدُّ بَأْساً وَأَشَدُّ تَنكِيلاً○ (سورۃ النساء: ۸۴)

”لہٰذا تم اللہ کے راستے میں جنگ کرو، تم پر اپنے سوا کسی اور کی ذمہ داری نہیں ہے۔ ہاں مومنوں کو ترغیب دیتے رہو، کچھ بعید نہیں کہ اللہ کافروں کی جنگ کا زور توڑ دے۔ اور اللہ کا زور سب سے زیادہ زبردست ہے اور اس کی سزا بڑی سخت۔“

اور ہمارے پاک رب نے فرمایا:

الشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمَاتُ قِصَاصٌ فَمَنِ اعْتَدَى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُواْ عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَى عَلَيْكُمْ وَاتَّقُواْ اللّهَ وَاعْلَمُواْ أَنَّ اللّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ○ (سورۃ البقرۃ: ۱۹۴)

”حرمت والے مہینے کا بدلہ حرمت والا مہینہ ہے، اور حرمتوں پر بھی بدلے کے احکام جاری ہوتے ہیں چنانچہ اگر کوئی شخص تم پر کوئی زیادہ کرے تو تم بھی ویسی ہی زیادتی اس پر کرو جیسی زیادتی اس نے تم پر کی ہو، اور اللہ سے ڈرتے رہو، اور اچھی طرح سمجھ لو کہ اللہ انہی کا ساتھی ہے جو اس کا خوف دل میں رکھتے ہیں۔“

پس اس مجرم بُدھ حکومت کا ہٹایا جانا فقط قوت کے ذریعے ممکن ہے اور ان بدھوں میانمار کے اندر اور میانمار کے باہر قوت ہی کے ذریعے مسلمانوں پر روا رکھے جانے والے ظلم و جارحیت کی قیمت وصول کی جا سکتی ہے اور یہ انتقام لینا پوری امتِ مسلمہ پر فرض ہے۔

روہنگیا مسلمانوں کا زخم پوری اُمت کا زخم ہے۔ ہمارے دشمن ہر طریقے سے ہمارے درمیان تفریق ڈالنا چاہتے ہیں۔ وہ مصریوں سے یہ کہتے ہیں 'تمہیں صرف مصر کی فکر کرنی چاہیے'۔ وہ مراکش کے لوگوں کو کہتے ہیں، 'تمہیں صرف مراکش کی فکر کرنی چاہیے'۔ اور یہی شامیوں، ہندوستانیوں، چیچنیوں، فلیپینیوں اور صومالیوں سے کہا جاتا۔ اور ان سے یہ کہتے ہیں کہ کہ 'اگر تم نے حدود کی وہ لکیریں پار کیں جو ہم نے تمہارے لیے کھینچی ہیں تو تم عالمی دہشت گرد ہو، ہم تمہیں دہشت گردوں کی فہرست میں شامل کر دیں گے، ہم تم پر پابندیاں لگا دیں گے اور تم پر بموں اور میزائلوں کی بارش کر دیں گے'۔

ہر حُریت پسند اور معزز مسلمان جو امت اور اُس کی مقدسات کے لیے غیرت رکھتا ہے، جو اللہ کو اپنا رب، اسلام کو اپنا دین اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اُس کا نبی اور رسول مانتا ہے اور اپنے رب کا جو حکم وپیام اس تک پہنچا ہے اُس پر عمل پیرا ہوتا ہے، وہ یہی چاہتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"سب مسلمانوں کا خون برابر ہے اور وہ غیروں کے مقابل گویا ایک ہاتھ ہیں اور اگر کوئی ادنیٰ بھی کسی کو امان دے دے تو اس کی امان کا لحاظ کیا جائے۔"(رواہ ابوداود)

میرے مسلمان بھائیو!میرے مجاہد بھائیو !اے مردانِ حر اور میرے معزز بھائیو!اے ہر ناانصافی کا رد کرنے والے میرے بھائیو! پس اصل راستہ یہ ہے کہ برما اور اُس کے مفادات کو اور اُس کے مجرموں کو جہاں تک ہماری رسائی ہو سکے، نشانہ بنائیں!!!

قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ ○ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوبِهِمْ وَيَتُوبُ اللَّهُ عَلَىٰ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ○(سورۃ التوبۃ:۱۴، ۱۵)

"ان سے جنگ کرو تاکہ اللہ تمہارے ہاتھوں سے ان کو سزا دلوائے، انہیں رسوا کرے، ان کے خلاف تمہاری مدد کرے، اور مومنوں کے دل ٹھنڈے کر دے۔ اور ان کے دل کی کڑھن دور کر دے، اور جس کی چاہے توبہ قبول کرلے اور اللہ کا علم بھی کامل ہے، حکمت بھی کامل۔"

وآخرُ دعوانا أنِ الحمدُ للّٰهِ ربِ العالمين، وصلى اللّهُ على سيدِنا محمدٍ وآلِه وصحبِه وسلم. والسلامُ عليكم ورحمةُ اللّهِ وبركاتُه.

## بقیہ: غزوۂ ہند ایک مظلوم غزوہ

آخری بات یہ کہ نبی آخر الزماں (فداہ ابی وامی وصلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم) کی بشارتوں کو رجال کی بحث میں ڈال کر مشکوک بنانے کا عمل بے فائدہ ثابت ہوگا۔ کیونکہ اس سے کفار ومشرکین راضی اور مطمئن ہونے والے نہیں ہیں جب تک کہ وہ آپ کو اپنی ملت میں واپس نہ لے لیں[1] اور آپ کو آپ کے دین سے نہ پھیر دیں۔

حَتَّىٰ يَرُدُّوكُمْ عَن دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا (سورۃ البقرہ:۲۱۷)

"یہاں تک کہ اگر ان کا بس چلے تو یہ تم کو تمہارا دین چھوڑنے پر آمادہ کر دیں۔"

وما علينا الا البلاغ!

☆☆☆☆☆

## بقیہ: امارتِ اسلامی کی کامیابی کا راز

اسلامی شریعت سے دور ہو کر ظلم کی چکی میں پستے ہوئے اپنے عروج کو کھو بیٹھے تھے، ایسے میں حالات کا مشاہدہ کرتے ہوئے اُمت مسلمہ کی کھوئی ہوئی عزت و عروج کو دوبارہ واپس لانے کے لیے تمام جہادی تحریکوں میں افغانستان کے طالبان کی اسلامی تحریک ایک نمایاں تحریک ہے۔

دنیا بھر کی جہادی تحریکیں ظلم کی چکی میں پسنے والی اپنی محبوب اُمت کو نجات دلانے کی خاطر امارت اسلامیہ افغانستان کے جہادی منہج ولائحہ پر عمل پیرا ہو کر جہاں ایک طرف اپنی جہادی تحریک کو دشمن کے اثر ورسوخ سے بچا سکتی ہیں، اپنے درمیان محبت واخوت کی فضا قائم کرکے مسلمانوں کو اپنی قیادت پر مجتمع کر سکتی ہیں، تو دوسری طرف جہاد و قتال پر صبر وثبات اختیار کر کے اپنی جہادی تحریک کی احسن اور بہترین انداز میں آخری منزل تک رہنمائی بھی کر سکتی ہیں۔

الحمد للہ، امارت اسلامیہ افغانستان اللہ رب العزت کی نصرت کے سہارے اور اپنے شرعی منہج و لائحہ پر کاربند ہو کر آئے روز جہادی میدانوں میں اللہ کے دشمنوں کے سامنے فاتح بن کر ابھر رہی ہے اور وہ دن دور نہیں جب پورے افغانستان پر شریعت کا پرچم لہرا رہا ہوگا، ان شاء اللہ!

☆☆☆☆☆

[1] انہی کی اصطلاح میں آپ کی 'گھر واپسی' نہ کروالیں۔

# اسلامیانِ افغانستان اور دنیا بھر کے مسلمانوں کے نام عید کا پیغام

امیر المومنین شیخ ہبۃ اللہ اخند زادہ (نصرہٗ اللہ)

بسم الله الرحمٰن الرحیم

إن الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلل فلا هادي له وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له وأشهد أن محمدا عبده ورسوله. صلى الله وسلم عليه وعلى آله و أصحابه أجمعين ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين. اما بعد:

قال اللہ تعالیٰ: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَنصُرُوا اللَّهَ يَنصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ (سورۃ محمد:۷)

"اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو، اگر تم اللہ (اور اس کے رسول کے دین) کی مدد کرو تو وہ (تمہیں تمہارے دشمن پر غلبہ دے کر) تمہاری مدد کرے گا اور (جنگ میں) تمہیں ثابت قدم رکھے گا۔"

افغانستان کے مومن و مجاہد عوام، محاذوں پر بر سرِ پیکار مجاہدین اور دنیا بھر کے مسلمانو!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

عید الفطر کی مناسبت سے آپ سب کو دل کی گہرائیوں سے عید کی مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے روزے، عبادات اور جملہ دعائیں قبول فرمائے، آمین۔

مجھے خوشی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خصوصی فضل سے ہم اس بار عید ایسے حالات میں منا رہے ہیں جب ہمارا ملک مکمل آزادی کی دہلیز پر کھڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ کی نصرت سے گزشتہ بیس سالہ جہاد، شہداء، یتیموں، بیواؤں، مہاجرین اور غم زدہ ہم وطنوں کی آرزوئیں پوری ہونے کو ہیں، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اللہ تعالیٰ سے دست بدعا ہوں کہ ہمارے عوام اور مجاہدین کا یہ طویل مجاہدہ، تکالیف، قربانیاں اور سرفروشی اپنے دربارِ عالیہ میں قبول فرمائے۔ اس کے بدلے ہمیں مکمل شرعی نظام کے سائے میں پر سکون، خوشحال اور آزاد زندگی نصیب فرمائے، تاکہ ہمارا ملک ترقی کرے۔ جنگوں کی تباہیاں پھر سے تعمیر میں بدل جائیں۔ اس قوم کے زخموں پر مرہم رکھا جائے اور یہ مقدس شریعت کی پر لطف اور پر سکون بہاریں دیکھ سکے۔

ضروری ہے کہ اس راہ میں اس آزردہ حال قوم کی ہمت اور برداشت، اور اپنے مجاہدین بھائیوں کی قربانیوں اور غیرت و حمیت کی قدر کریں۔ قیدیوں، زخمیوں، معذوروں، یتیموں اور پریشان حال لوگوں کی قربانیوں کی قدردانی کریں اور اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے دعا مانگیں۔

آزادی کے حصول کے بعد ہمارے ملک کو سب سے پہلے تعمیر نو اور معاشی و سیاسی مضبوطی کی شدید ضرورت ہوگی۔ آیئے ہم سب اپنے ملک کی تعمیر نو اور ترقی میں پورے خلوص سے حصہ لیں۔ تاکہ شرعی نظام کے سائے میں ایک رفاہی ریاست قائم کر سکیں۔ اس کی تعمیر و ترقی کے لیے اپنے ذاتی مفادات اور عہدوں کی لالچ سے بالاتر ہو جائیں۔ اسلامی اقدار اور قومی منافع کو اپنا معیار بنائیں۔ عفو، درگزر اور ایک دوسرے پر رحم کے جذبے سے ایک مضبوط اور متحد قوم بن کر رہیں۔

ہم اپنی قوم کو اطمینان دلاتے ہیں کہ جارحیت کے خاتمے کے بعد ایک ایسا نظام قائم ہوگا جس میں تمام طبقات اور اکائیوں کو اپنی اہلیت اور استعداد کے مطابق حصہ ملے گا۔ کسی کا جائز حق تلف نہیں ہوگا، ان شاء اللہ۔

مقابل صف میں کھڑے افغانوں کو ایک بار پھر دعوت دیتا ہوں کہ اب مزید جنگ کو تسلسل دینے کی کوشش چھوڑ دو۔ یہ ملک تمام افغانوں کا مشترکہ گھر ہے۔ ہم سب کو اسلام کے احکام پر متفق ہو جانا چاہیے۔ اختلافات اور ہر طرح کے تعصبات سے خود کو بچائیں۔ امارت اسلامیہ کا سینہ ان تمام افغانوں کے لیے کھلا ہے جو پہلے امارت اسلامیہ کے مخالف رہے۔ ہم ان کی جانب عفو اور دوستی کا ہاتھ بڑھاتے ہیں اور انہیں راہ حق کی حمایت اور تعاون کی دعوت دیتے ہیں۔ ہٹ دھرمی، کینہ پروری اور دشمنی کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ برداشت، تحمل اور حقائق کو تسلیم کر کے قومیں عزت اور فخر کے مقام تک پہنچ سکتی ہیں۔

امریکہ اور دیگر بیرونی قوتیں اپنی تمام افواج افغانستان سے نکال رہی ہیں اور اسے ہم ایک اچھا اقدام سمجھتے ہیں، اور ہمارا مطالبہ ہے کہ دوحہ معاہدے کی ہر شق پر عمل درآمد کیا جائے۔ مگر افسوس کہ اب تک امریکی فریق نے دستخط شدہ معاہدے سے بار بار انحراف کیا ہے اور عام لوگوں کو بھاری جانی و مالی نقصان پہنچایا ہے۔

معاہدے کے برخلاف بقیہ قیدیوں کی رہائی جو مذاکرات کے آغاز کے تین ماہ بعد ہو جانی چاہیے تھی اب تک نہیں ہوئی۔ بلیک لسٹ سے امارت اسلامیہ کے ذمہ داران کے نام اب تک نہیں نکالے گئے۔ اور حال ہی میں معاہدے کی ایک اور خلاف ورزی یہ کی گئی کہ بیرونی افواج کے انخلا کا سلسلہ مئی سے ستمبر تک پھیلا دیا گیا۔ حالانکہ امارت اسلامیہ نے اپنی جانب سے معاہدے میں کیے گئے تمام وعدے شریعت کے مطابق پورے کیے۔

ہم ایک بار پھر تاکید کرتے ہیں کہ تمام معاملات دوحہ معاہدے کے مطابق آگے بڑھائے جائیں۔ اب مزید اشتعال انگیز اقدامات اور انحرافات سے احتراز کیا جائے۔ اگر امریکہ پھر بھی

اپنے کیے ہوئے وعدے پورے نہیں کرتا تو دنیا گواہ رہے کہ اس کے نتائج کا ذمہ دار خود امریکہ ہو گا۔ امارت اسلامیہ ہر قیمت پر اپنے ملک اور اپنے وطن کی آزادی کا دفاع کرے گی اور یہ بات ہم نے گزشتہ بیس سالوں میں ثابت کر دی ہے۔

امارت اسلامیہ دنیا بھر کے ممالک، خطے اور پڑوسی ممالک سے اچھے اور مثبت تعلقات چاہتی ہے تاکہ ضرورت کے شعبوں میں ایک دوسرے سے عوامی اور سفارتی تعامل کے نتیجے میں اپنے عوام کی ترقی اور خوشحالی کے لیے تعاون کا تعلق قائم رہے۔ اور یہ تعلق دوطرفہ احترام اور بہتر سلوک کی بنیاد پر شرعی اصولوں کے دائرے میں ہو۔

امارت اسلامیہ سب کو اطمینان دلاتی ہے کہ افغانستان کی سرزمین سے کسی کو بھی نقصان نہیں پہنچے گا، اسی طرح سب سے یہ مطالبہ کرتی ہے کہ افغانستان کے داخلی معاملات میں مداخلت نہ کرے۔

اقوام متحدہ اور دیگر متعلقہ ممالک سے ہمارا مطالبہ ہے کہ افغانستان کے قضیے میں اپنی مکمل غیر جانب داری برقرار رکھیں۔ افغانستان کے عوام کی زندگی، مذہب، طرز زندگی اور فکر کے حوالے سے ایسی کوئی کوشش نہ کریں جس سے ہمارے عوام رد عمل کا شکار ہوں۔

یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ ہمارے گزشتہ تینتالیس سالہ تجربات نے یہ بات ثابت کر دی کہ ہماری قوم کسی بیرونی جانب سے مسلط شدہ نظریات اور اعتقادات برداشت نہیں کر سکتی۔ اس قوم کو حق ہے کہ اپنے دین، عقیدے، اقدار اور اپنی ثقافت کے اصولوں کے مطابق زندگی گزارے۔ اس لیے اقوام متحدہ کی تنظیم سمیت تمام عالمی قوتیں ہمارا یہ حق تسلیم کریں اور اس کا احترام کریں۔

ہمارے لیے مذاکرات اور دوطرفہ تفاہم مقدم ہے۔ اسی لیے ہم نے مذاکرات کے لیے ایک مضبوط ٹیم مقرر کی ہے۔ تاکہ وہ مقابل فریق کے ساتھ بین الافغان مذاکرات آگے بڑھائے۔ مگر اس کے مقابلے میں کابل انتظامیہ بار بار مختلف ذرائع سے کوشش کرتی ہے اور کر رہی ہے کہ رواں سیاسی تسلسل کو سبوتاژ کرے۔

امارت اسلامیہ اس قضیے کا سب سے اہم فریق ہے۔ ہمیں ان لوگوں پر قیاس نہ کیا جائے جن کے فیصلے کہیں اور طے کیے جاتے ہیں اور انہیں بھیجے جاتے ہیں۔ ہر سیاسی عمل جو افغانستان کے مسئلے کے حل کے متعلق ہو اور امارت اسلامیہ سے اس میں شرکت کی توقع کی جاسکتی ہو، اس کے متعلق پہلے سے امارت اسلامیہ کو تفصیلی طور پر آگاہ کیا جائے۔ تاکہ امارت اسلامیہ اپنے دینی اقدار اور قوم کے اعلیٰ مفادات کو مد نظر رکھتے ہوئے اس کا جائزہ لے کر اس کے متعلق اپنا فیصلہ دے سکے۔ یہ اس لیے کہ ہمارے لیے ہماری قوم کا مفاد سب سے مقدم ہے جس کے لیے ہم نے قربانیاں دی ہیں۔

علمائے کرام، ارباب علم و دانش اور سیاسی و قومی شخصیات اور معاشرے کے تمام ممتاز اور فعال لوگوں سے امید رکھتا ہوں کہ وہ اپنے ملک میں خالص اسلامی نظام کے قیام اور اس کی آبادکاری کے لیے ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر متفق و متحد ہو جائیں گے۔ قوم کے اتحاد، قوت اور استقلال کے لیے کام کریں۔ امارت اسلامیہ ان کی کوششوں کا اعتراف کرتی ہے۔ مستقبل کے نظام کے وجود، قوت اور مضبوطی میں ان کی صلاحیتوں سے استفادے کو اپنی ضرورت سمجھتی ہے اور ان کی قدر کرتی ہے۔

امارت اسلامیہ اپنی پوری قوم خصوصاً تاجروں اور سرمایہ کاروں کو اطمینان دلاتی ہے کہ سب کی جان، مال اور عزت و آبرو کو تحفظ ملے گا۔ نہ صرف یہ بلکہ انہیں اپنی کارکردگی دکھانے اور کام کرنے کے لیے مناسب مواقع اور حالات مہیا کیے جائیں گے۔

جو علاقے اس وقت امارت اسلامیہ کے زیر نگیں ہیں وہاں امن وامان کی صورت حال قابل اطمینان ہے۔ لوگوں کی حق تلفی نہیں ہوتی۔ کوئی کسی پر ظلم نہیں کر سکتا۔ چوروں، ڈاکوؤں اور فساد کرنے والوں کا خاتمہ کر دیا گیا ہے۔ ممکنہ حد تک تعلیم، صحت، دعوت، تعمیر نو اور ثقافتی و مطبوعاتی شعبہ جات میں بہت سے منصوبے پورے ہو چکے اور بہت سوں پر کام جاری ہے۔

امارت اسلامیہ تمام عوامی منفعت کے منصوبوں، تنصیبات اور مقامات کا تحفظ کرتی ہے اور اس کی حامی ہے۔ ان منصوبوں کی مزید مضبوطی، وسعت اور ترقی کے لیے کوشش کرتی ہے۔ امارت اسلامیہ تمام مجاہدین کو خصوصاً اور عام شہریوں کو عموماً یہ ہدایت دیتی ہے کہ عوامی منفعت کے جملہ مقامات کی سخت نگرانی، تحفظ اور بہتری پر توجہ دیں۔ کسی فرد کو یہ اجازت نہ دیں کہ وہ ایسے مقامات کو نقصان پہنچائے۔

آئندہ نسلوں اور ملک کی بہتری کے لیے تعلیم وتربیت اہم ضرورت ہے۔ ہر قوم تعلیم کے ذریعے ترقی کر سکتی ہے۔ امارت اسلامیہ باقاعدہ تعلیمی نظام کی حمایت کرتی ہے۔ اس کے لیے ایک خاص کمیشن (وزارت) قائم کیا گیا ہے جس کا کام مدارس، سکولوں اور اعلیٰ تعلیمی اداروں کی ترقی کے لیے کردار ادا کرنا ہے۔ اس لیے پوری قوم اپنے بچوں کی بہتر تعلیم وتربیت پر خاص توجہ دے۔ تعلیمی اداروں اور مراکز کا تحفظ کرے اور اس بارے میں اپنی ذمہ داری ادا کرے۔

جنگوں میں عام لوگوں کا نقصان اور جانوں کا ضیاع انتہائی قابل افسوس اور پریشان کن امر ہے۔ امارت اسلامیہ نے عام لوگوں کے نقصانات کی روک تھام کے لیے خصوصی اور بااختیار کمیشن تشکیل دیا ہے۔ مجاہدین اور عام شہریوں کو چاہیے اس کمیشن سے ہمہ پہلو تعاون کریں تاکہ جنگوں میں عام لوگ نقصان سے بچ سکیں۔ اگر کسی کو کوئی نقصان پہنچے تو اس کا ازالہ کیا جاسکے اور مستقبل میں ایسے نقصانات کی روک تھام کی جاسکے۔

(باقی صفحہ نمبر 37 پر)

# غزوۂ ہند، کیا اور کہاں؟

مولانا ڈاکٹر عصمت اللہ (زید مجدہٗ)
استاذ الحدیث، الجامعۃ الإسلامیۃ العالمیۃ اِسلام آباد

## غزوۂ ہند ایک مبارک الہامی پیش گوئی

غزوۂ ہند اسلامی تاریخ کا ایک درخشاں باب ہے۔ اس کا آغاز خلفائے راشدین کے عہد سے ہوا جو مختلف مراحل سے گزرتا ہوا آج بھی جاری ہے اور مستقبل میں اللہ بہتر جانتا ہے کب تک جاری رہے گا۔ دینی بنیادوں پر غور کریں تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ ایک لحاظ سے (یہ سلسلۂ) غزوۂ ہند، نبوی غزوات وسرایا میں شامل ہے۔

ہماری نظر میں نبوی غزوات کی...... بلحاظ زمانۂ وقوع...... دو بڑی قسمیں ہیں:

### (۱) غزواتِ ثابتہ یا واقعہ:

یعنی وہ جنگیں جو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں وقوع پذیر ہو چکیں۔ سیرت نگاروں اور محدثین کی اصطلاح میں ان غزوات کی دو قسمیں ہیں:

**(الف) غزوہ:**

وہ معرکہ جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بذاتِ خود شرکت فرمائی ہو اور جنگ میں مجاہدین صحابہ کی کمان اور قیادت کی۔ تعداد کے اعتبار سے یہ تقریباً ستائیس (۲۷) جنگیں ہیں جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بذاتِ خود شرکت فرمائی۔[1]

**(ب) سریہ:**

محدثین اور سیرت نگاروں کی اصطلاح میں وہ جہادی مہمات جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بذاتِ خود شرکت نہیں فرمائی بلکہ کسی صحابی کو قیادت کے لیے متعین فرمایا "سریہ" کہلاتی ہیں اور کتبِ حدیث وسیرت میں ان غزوات وسرایا نبویہ کے تفصیلی حالات کا تذکرہ موجود ہے۔ زمانے کے لحاظ سے یہ دونوں قسمیں "غزواتِ واقعہ" کے ذیل میں آتی ہیں۔

### (۲) غزواتِ موعودہ:

اس کی (ایک) مثال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ پیشین گوئی ہے جسے ترکوں سے جنگ کے سلسلے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔

"قال ابو ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تُقَاتِلُوا التُّرْكَ صِغَارَ الْأَعْيُنِ حُمْرَ الْوُجُوهِ ذُلْفَ الْأُنُوفِ، كَأَنَّ وُجُوهَهُمُ الْمَجَانُّ الْمُطْرَقَةُ، وَلَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تُقَاتِلُوا قَوْمًا نِعَالُهُمُ الشَّعَرُ."[2]

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: 'قیامت سے قبل تم چھوٹی آنکھوں، سرخ چہروں اور ہموار ناک والے ترکوں سے جنگ کروے، ان کے چہرے گویا چپٹی ڈھالیں ہیں اور اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہو گی جب تک تم ایسی قوم سے جنگ نہیں کر لوگے جن کی جوتیاں بالوں کی ہوں گی'۔"

غزواتِ موعودہ کی ایک اور مثال (فتحِ) قسطنطنیہ کی نبوی پیشین گوئی ہے جس کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نقل کیا ہے:

"عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَنْزِلَ الرُّومُ بِالْأَعْمَاقِ أَوْ بِدَابِقٍ فَيَخْرُجُ إِلَيْهِمْ جَيْشٌ مِنَ الْمَدِينَةِ مِنْ خِيَارِ أَهْلِ الْأَرْضِ يَوْمَئِذٍ فَإِذَا تَصَافُّوا قَالَتِ الرُّومُ خَلُّوا بَيْنَنَا وَبَيْنَ الَّذِينَ سَبَوْا مِنَّا نُقَاتِلْهُمْ فَيَقُولُ الْمُسْلِمُونَ لَا وَاللَّهِ لَا نُخَلِّي بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ إِخْوَانِنَا فَيُقَاتِلُونَهُمْ فَيَنْهَزِمُ ثُلُثٌ لَا يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ أَبَدًا وَيُقْتَلُ ثُلُثُهُمْ أَفْضَلُ الشُّهَدَاءِ عِنْدَ اللَّهِ وَيَفْتَتِحُ الثُّلُثُ لَا يُفْتَنُونَ أَبَدًا فَيَفْتَتِحُونَ قُسْطَنْطِينِيَّةَ."[3]

"سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم نے ارشاد فرمایا: 'قیامت سے قبل یہ واقعہ ضرور پیش آئے گا کہ اہلِ روم اعماق یا دابق[4] کے قریب اتریں گے تو ان سے جہاد کے لیے، رُوئے زمین پر اس

---

[1] غزواتِ نبوی کی تعداد مختلف کتب حدیث و تفسیر میں بیان ہوئی ہے، ہم نے یہ تعداد مشہور مالکی فقیہ امام ابن الجزی الغرناطی سے لی ہے، ان کی کتاب القوانین الفقہیۃ: ۲/ ۲۷۲، ۲۷۳۔

[2] صحيح بخاري، كتاب الجهاد والسير باب قتال الترك: ٢٧١١- صحيح مسلم، كتاب الفتن، باب لا تقوم الساعة حتى يمر الرجل بقبر الرجل فيتمنى: ٥١٨٧

[3] صحيح مسلم، كتاب الفتن، باب فتح قسطنطينية: ٥٦٥٨

[4] یہ حدیث محدثین کے ہاں 'حدیث الاعماق' کے نام سے معروف ہے، کیونکہ اس میں اعماق اور دابق، موجودہ ملک شام کے شہر حلب کے قریب واقع دو ایسی جگہوں کا تذکرہ آیا ہے جہاں 'ملحمۃ الاعماق' قربِ قیامت سے پہلے وقوع پذیر ہو گا جس میں صلیبی عیسائیوں اور مجاہدینِ اسلام کے درمیان خوں ریز معرکہ ہو گا۔ [باقی حاشیہ اگلے صفحے پر]

وقت کے بہترین لوگوں پر مشتمل ایک لشکر مدینہ منورہ سے نکلے گا۔ جنگ کے لیے صف بندی کے بعد رومی کہیں گے "ہمارے مقابلے کے لیے ان لوگوں کو ذرا آگے جانے دیجیے جو ہماری صفوں سے آپ کے ہاتھوں قیدی بنے (اور مسلمان ہو کر آپ سے جا ملے ہیں)، ہم ان سے خوب نمٹ لیں گے"۔ مسلمان جواباً ان سے کہیں گے۔ "بخدا! ہم اپنے بھائیوں کو آپ کے ساتھ لڑائی میں اکیلے نہیں چھوڑ سکتے"۔ اس کے بعد جنگ ہو گی جس میں اک تہائی مسلمان شکست خوردہ ہو کر پیچھے ہٹ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی توبہ ہر گز قبول نہیں فرمائے گا۔ ایک تہائی لڑ کر شہادت کا درجہ حاصل کریں گے، یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں افضل ترین شہدا کا مقام پائیں گے۔ باقی ایک تہائی مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ فتح سے ہم کنار فرمائے گا، ان کو آئندہ کسی آزمائش سے دوچار نہیں کیا جائے جائے گا، یہی لوگ قسطنطنیہ کو فتح کریں گے'۔"

کفار کے خلاف نبوی غزوات میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں شرکت کے لیے صحابۂ کرام نے بے پناہ شوق اور جذبہ رکھتے تھے۔ ایسا شوق سچے ایمان کا تقاضا اور حقیقی حبِّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی علامت تھی لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک عہد کے بعد، جب آپ کی قیادت میں جہاد کی سعادت حاصل کرنے کا موقع باقی نہ رہا تو سلفِ صالحین ایسے مواقع کی تلاش میں رہتے تھے کہ کم از کم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی والے معرکے میں شرکت کی سعادت ضرور حاصل کر سکیں۔

اس ضمن میں ایک دلچسپ واقعہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے عم زاد، برادرِ نسبتی اور مشہور تابعی حضرت مسلمہ بن عبد الملک بن مروان رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں کتبِ حدیث و تاریخ میں نقل ہوا ہے:

"حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ بِشْرٍ الْخَثْعَمِيُّ، عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: ' لَتُفْتَحَنَّ الْقُسْطَنْطِينِيَّةُ، فَلَنِعْمَ الْأَمِيرُ أَمِيرُهَا، وَلَنِعْمَ الْجَيْشُ ذَلِكَ الْجَيْشُ '. قَالَ: فَدَعَانِي مَسْلَمَةُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ فَسَأَلَنِي، فَحَدَّثْتُهُ، فَغَزَا الْقُسْطَنْطِينِيَّةَ."[1]

"حضرت عبد اللہ بن بشر رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد حضرت بشر رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث بیان کرتے تھے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے سنا: 'قسطنطنیہ ک شہر ضرور فتح ہو گا، اس فاتحانہ مہم کا امیر لشکر بہترین امیر اور لشکر مجاہدین میں بہترین لشکر ہو گا۔'

یہ حدیث حضرت مَسلمہ بن عبد الملک کے علم میں آئی تو انہوں نے اس کے راوی حضرت عبد اللہ بن بشر رحمۃ اللہ علیہ کو بلوا بھیجا۔ حضرت عبد اللہ فرماتے ہیں کہ جب میں ان سے ملا تو انہوں نے مجھ سے یہ حدیث سننے کے بعد قسطنطنیہ پر چڑھائی کا فیصلہ کیا۔"

احادیثِ غزوۂ ہند میں امام بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی جو روایت نقل کی ہے، اس میں حضرت امام ابو اسحٰق فزاری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ذکر کیا ہے کہ جب انہوں نے یہ حدیث سنی تو ابن داود سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا:

"وَدِدْتُ أَنِّي شَهِدْتُ بَارْبِدَ[2] بِكُلِّ غَزْوَةٍ غَزَوْتُهَا فِي بِلَادِ الرُّومِ."[3]

"کاش کہ مجھے رومیوں کے ساتھ جنگ و جہاد میں گزری ساری عمر کے بدلے میں ہندوستان کے خلاف نبوی پیشین گوئی کے مطابق، جہادی مہم میں حصہ لینے کا موقع مل جاتا۔"

امام ابو اسحٰق فزاری رحمۃ اللہ علیہ کی اس تمنا کے پیشِ نظر اس کی عظمت کا اندازہ ان کے مناقب میں حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کے اس خواب سے لگایا جا سکتا ہے جو امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے سیر أعلام النبلاء میں نقل کیا ہے۔ انہوں نے خواب میں دیکھا:

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس لگی ہوئی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں ایک نشست خالی ہے تو میں نے ایسے موقع کو نادر اور غنیمت سمجھتے ہوئے اس پر بیٹھنے کی کوشش کی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہتے ہوئے منع فرمایا کہ 'یہ نشست خالی نہیں بلکہ ابو اسحٰق فزاری کے لیے مخصوص ہے'۔"[4]

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

[حاشیہ پچھلے صفحے سے متصل]...... حضرت حذیفہؓ کی ایک حدیث کے مطابق اس معرکے میں کام آنے والے افضل ترین شہدائے امتِ محمدیہ میں سے ہوں گے، ملاحظہ ہو: السنن الواردة في الفتن وغوائلها والساعة وأشراطها ۸۔۱۹٦ لأبي عمر وعثمان بن سعيد المقرني الداني (۳۸۱- ۴۴۴) تحقيق: رضاء الله مباركفوريؒ۔ معجم البلدان للحموي ۲۔۲۲۲وسير اعلام النبلاء٦۔۳۵۸۔

[1] مسند احمد: ۴۔۳۳۵بحواله السلسلة الضعيفة: ۸۲۸۔

[2] مولانا ڈاکٹر عصمت اللہ صاحب نے اپنی تالیف میں اس روایتِ مذکور کے الفاظ میں مقام کا نام 'مَارِبَد' نقل کیا ہے اور السنن الکبری کا حوالہ درج کیا ہے، لیکن سرسری تلاش کے نتیجے میں السنن الکبری میں جو الفاظِ روایت ہمیں ملے ان میں 'مَارِبَد' کے بجائے 'بَارْبِدَ' درج ہے، بہر کیف مقصد دونوں سے ایک ہی ہے۔ (ادارہ)

[3] السنن الكبرىٰ: ۹۔۱۷٦۔

[4] مسندِ احمد، مسند بشر بن سحيم خثعى: ۱۸۱۸۹، المستدرک على الصحيحين ۴۔۴٦۸ حديث ۱۴۸۲۔ حاکم نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے، فضیل بن عیاض کا خواب ذہبی نے سیر أعلام النبلاء: ۸/۵۴۲-۵۴۳ میں نقل کیا ہے۔

# توحید اور شرک

حجۃ الاسلام حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ

## عوام کی بے خبری:

اول جاننا چاہیے کہ شرک لوگوں میں بہت پھیل رہا ہے اور اصل توحید نایاب ہے۔ لیکن اکثر لوگ شرک اور توحید کے معنی نہیں سمجھتے، ایمان کا دعویٰ رکھتے ہیں حالانکہ شرک میں گرفتار ہوتے ہیں۔ لہٰذا پہلے شرک اور توحید کے معنی کو سمجھنا چاہیے تاکہ ان کی بھلائی اور برائی قرآن اور حدیث سے معلوم ہو۔

## شرک کے کام:

اکثر لوگ پیروں کو، پیغمبروں کو، اماموں کو، شہیدوں کو، فرشتوں کو، پریوں کو مشکل کے وقت پکارتے ہیں، ان سے مرادیں مانگتے ہیں، ان کی منتیں مانتے ہیں، حاجت بر آنے کے لیے ان کی نذر نیاز کرتے ہیں، بلا کو ٹالنے کے لیے اپنے بیٹوں کو ان کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ کوئی اپنے بیٹے کا نام عبدالنبی رکھتا ہے، کوئی علی بخش، کوئی حسین بخش، کوئی پیر بخش، کوئی مدار بخش، کوئی سالار بخش، کوئی غلام محی الدین، کوئی غلام معین الدین، ان کے جینے کے لیے کوئی کسی کے نام کی چوٹی رکھتا ہے، کوئی کسی کے نام کے کپڑے کے پہنتا ہے، کوئی کسی کے نام کی بیڑی ڈالتا ہے، کوئی کسی کے نام ذبیحہ کرتا ہے، کوئی مشکل کے وقت دہائی دیتا ہے، کوئی اپنی باتوں میں کسی کے نام کی قسم کھاتا ہے، غرض جو کچھ ہندو اپنے بتوں سے کرتے ہیں وہ سب کچھ یہ آج کے مسلمان انبیا اور اولیا سے، اماموں اور شہیدوں سے، فرشتوں اور پریوں سے کر گزرتے ہیں اور دعویٰ مسلمانی کا کیے جاتے ہیں۔ سبحان اللہ! یہ منہ اور یہ دعوے، سچ فرمایا اللہ تعالیٰ نے سورۂ یوسف میں:

وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ إِلَّا وَهُم مُّشْرِكُونَ (سورۃ یوسف:۱۰۶)

”اور ان میں سے اکثر ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں، مگر (ساتھ ہی ساتھ) شرک بھی کرتے ہیں۔“

## دعویٰ ایمان کا، کام شرک کے:

یعنی اکثر لوگ جو ایمان کا دعویٰ رکھتے ہیں وہ شرک میں گرفتار ہیں۔ اگر کوئی سمجھانے والا ان کو کہے کہ تم دعویٰ ایمان کا رکھتے ہو اور افعال شرک کے کرتے ہو، یہ دونوں راہیں کیوں ملا دیتے ہو؟ اس کا جواب دیتے ہیں کہ:

”ہم تو شرک نہیں کرتے، بلکہ اپنا عقیدہ انبیا اور اولیا کی جناب میں ظاہر کرتے ہیں، شرک جب ہوتا ہے جب ان انبیا و اولیا کو، پیروں، شہیدوں کو اللہ کے برابر سمجھتے بلکہ ہم ان کو اللہ ہی کا بندہ مانتے ہیں اور اسی کی مخلوق، یہ تصرف کی قدرت اللہ نے ان کو بخشی ہے اور اس کی مرضی سے عالم میں تصرف کرتے ہیں، ان کو پکارنا عین اللہ ہی کو پکارنا ہے، ان سے مدد مانگنی عین اللہ ہی سے مدد مانگنی ہے، وہ لوگ اللہ کے پیارے ہیں جو چاہیں وہ کریں، اس کی جناب میں ہمارے سفارشی ہیں اور وکیل ان کے ملنے سے اللہ ملتا ہے اور ان کے پکارنے سے اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے، اور جتنا ہم ان کو مانتے ہیں اتنا اللہ سے ہم نزدیک ہوتے ہیں۔“ (نعوذ باللہ)

## قرآن کا فیصلہ:

ان سب باتوں کا سبب یہ ہے کہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو چھوڑ کر اپنی عقل کو دخل دیا۔ جھوٹی کہانیوں کے پیچھے پڑے اور غلط رسموں کی سند پکڑی، اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام جان لیتے تو سمجھ لیتے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کافر بھی ایسی ہی باتیں کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ایک نہ مانی، ان پر غصہ کیا اور ان کو جھوٹا بتایا، چنانچہ سورۂ یونس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هَؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِندَ اللّٰهِ قُلْ أَتُنَبِّئُونَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ○ (سورۃ یونس:۱۸)

”یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی پرستش کرتے ہیں جو ان کا نہ کچھ بگاڑ سکتی ہیں اور نہ انہیں کچھ فائدہ پہنچا سکتی ہیں۔ اور یہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہوں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے کہیے! کیا تم اللہ کو ایسی بات کی خبر دیتے ہو جس کا وجود نہ کہیں آسمان میں اسے معلوم ہوتا ہے اور نہ زمین میں، وہ ایسی باتوں سے پاک اور بالاتر ہے جو یہ شرک کرتے ہیں۔“

## اللہ کے سوا کوئی قادر نہیں:

یعنی جن کو لوگ پکارتے ہیں ان کو اللہ نے کچھ قدرت نہیں دی، نہ فائدہ پہنچانے کی نہ نقصان پہنچانے کی۔ اور جو کہتے ہیں یہ لوگ ہمارے سفارشی ہیں اللہ کے پاس تو یہ بات اللہ تعالیٰ نے تو نہیں بتائی، پھر کیا تم اللہ سے زیادہ خبر دار ہو؟ اور اس کو وہ بتاتے ہو جو وہ نہیں جانتا؟

اس آیت سے معلوم ہوا کہ تمام آسمان و زمین میں کوئی کسی کا ایسا سفارشی نہیں کہ اس کو مانے اور اس کو پکارے تو کچھ فائدہ پہنچے، بلکہ انبیا اور اولیا کی سفارش جو ہے وہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں

ہے ان کے پکارنے نہ پکارنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو کوئی کسی کو سفارشی بھی سمجھ کر پوجے وہ بھی مشرک ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے سورۂ زمر میں فرمایا:

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَى إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِي مَا هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ كَاذِبٌ كَفَّارٌ (سورۃ الزمر:۳)

”اور جن لوگوں نے اللہ کے علاوہ کارساز بنا رکھے ہیں (وہ کہتے ہیں کہ) ہم تو ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ سے قریب کر دیں۔ جن باتوں میں یہ اختلاف کر رہے ہیں، یقیناً اللہ ان کے درمیان فیصلہ کر دے گا اللہ ایسے شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو جھوٹا اور حق کا منکر ہو۔“

### اللہ کے سوا کوئی حمایتی نہیں:

یعنی جو بات سچی تھی کہ اللہ اپنے بندے کی طرف سب سے زیادہ نزدیک ہے۔ سو اس کو چھوڑ کر جھوٹی بات بنائی کہ اوروں کو حمایتی ٹھہرایا اور یہ جو اللہ کی نعمت تھی کہ وہ محض اپنے فضل سے بغیر واسطے کے سب کی مرادیں پوری کرتا ہے اور سب بلائیں ٹال دیتا ہے۔ سو اس کا حق نہ پہچانا اور اس کا شکر نہ ادا کیا بلکہ یہ بات اوروں سے چاہنے لگے پھر اس الٹی راہ میں اللہ کی نزدیکی ڈھونڈتے ہیں، سو اللہ ہر گز ان کو راہ نہ دے گا اور اس راہ سے ہر گز اس کی نزدیکی نہ پائیں گے بلکہ جوں جوں اس راہ میں چلیں گے وہ اس سے دور ہوتے جائیں گے۔

### اللہ کے سوا کوئی کارساز نہیں:

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو کوئی کسی کو اپنا حمایتی سمجھ کر پوجے گو یہی جان کر کہ اس کے سبب سے اللہ کی نزدیکی حاصل ہوتی ہے سو وہ بھی مشرک ہے اور جھوٹا اور اللہ کا ناشکرا ہے، اللہ تعالیٰ نے سورۂ مومنون میں فرمایا:

قُلْ مَن بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ○ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ فَأَنَّى تُسْحَرُونَ (سورۃ المومنون:۸۹،۸۸)

”ان سے پوچھیے اگر تم جانتے ہو تو بتاؤ ہر چیز پر حکومت کس کی ہے؟ اور وہ کون جو پناہ دیتا ہے مگر اس کے مقابلے میں کسی کو پناہ نہیں مل سکتی۔ وہ فوراً کہیں گے اللہ ہی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہیے پھر تم پر کہاں سے جادو چل جاتا ہے؟“

جب کافروں سے بھی پوچھیں گے کہ سارے عالم میں تصرف کس کا ہے؟ کہ اس کے مقابل کوئی حمایتی کھڑا نہ ہو سکے تو وہ بھی یہی کہیں گے کہ یہ اللہ ہی کی شان ہے، پھر اوروں کو ماننا محض خبط ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو عالم میں تصرف کرنے کی قدرت نہیں دی، اور کوئی کسی کی حمایت نہیں کر سکتا یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں بھی کافر اپنے بتوں کو اللہ کے برابر نہیں جانتے تھے بلکہ اسی کی مخلوق اور اسی کا بندہ سمجھتے تھے اور ان کو اس کے مقابل کی طاقت ثابت نہیں کرتے تھے۔ مگر یہی پکارنا، منتیں ماننی، نذر نیاز کرنی، ان کو اپنا وکیل اور سفارشی سمجھنا یہی ان کا کفر اور شرک تھا تو جو کوئی کسی سے یہ معاملہ کرلے اگرچہ اس کو اللہ کا بندہ و مخلوق ہی سمجھے وہ مشرک ہے۔

### شرک کی حقیقت:

شرک اسی پر موقوف نہیں کہ کسی کو اللہ کے برابر سمجھے اور اس کے مقابل جانے بلکہ شرک کے معنی یہ ہیں کہ جو چیزیں اللہ نے اپنے واسطے خاص کی ہیں اور اپنے بندوں کے ذمہ نشان بندگی کے ٹھہرائے ہیں۔ وہ چیزیں اور کسی کے واسطے کرنی جیسے سجدہ کرنا، اس کے نام کا جانور کرنا، اس کی منت ماننی، مشکل کے وقت پکارنا، ہر جگہ حاضر و ناظر سمجھنا، اور قدرت تصرف کو ثابت کرنا، ان باتوں سے شرک ثابت ہو جاتا ہے۔

گو کہ پھر اللہ سے چھوٹا ہی سمجھے اور اسی کی مخلوق اور اسی کا بندہ، اس بات میں اولیا اور انبیا، جن اور شیطان میں بھوت اور پری میں کچھ فرق نہیں۔ یعنی جو کوئی کسی سے یہ معاملہ کرے گا وہ مشرک ہو جائے گا خواہ انبیا و اولیا سے، خواہ پیروں اور شہیدوں سے، خواہ بھوت اور پری سے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جیسا بت پوجنے والوں پر غصہ کیا ہے ویسا ہی یہود و نصاریٰ پر، حالانکہ وہ اولیا اور انبیا سے یہ معاملہ کرتے تھے۔ چنانچہ سورۂ توبہ میں فرمایا:

اتَّخَذُواْ أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَاباً مِّن دُونِ اللّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُواْ إِلاَّ لِيَعْبُدُواْ إِلَهاً وَاحِداً لاَّ إِلَهَ إِلاَّ هُوَ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ○ (سورۃ التوبہ:۳۱)

”انہوں نے اپنے علما اور درویشوں کو اللہ کے سوا اپنا رب بنالیا اور مسیح ابن مریمؑ کو بھی، حالانکہ انہیں حکم دیا گیا تھا کہ ایک اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔ جس کے سوا کوئی الہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان چیزوں سے پاک ہے جو وہ شریک ٹھہراتے ہیں۔“

یعنی اللہ کو بڑا مالک سمجھتے ہیں اور اس سے چھوٹے اور مالک ٹھہراتے ہیں مولویوں اور درویشوں کو، سو اس بات کا ان کو حکم نہیں ہوا اور اس سے ان پر شرک ثابت ہوتا ہے، وہ نرالا ہے، اس کا شریک کوئی نہیں ہو سکتا، نہ چھوٹا، نہ بڑا، بلکہ چھوٹے بڑے سب اس کے بندے عاجز ہیں عجز میں برابر ہیں، چنانچہ سورۂ مریم میں فرمایا:

(باقی صفحہ نمبر 45 پر)

# آزمائش و ابتلاء نعمتِ الٰہی کیسے بن جاتی ہے؟

شیخِ مکرم، استاد اسامہ محمود حفظہ اللہ نے یہ سلسلۂ مضامین ’اصحاب الاخدود‘ والی حدیث کو سامنے رکھ کر تحریر کیا ہے۔ (ادارہ)

[پچھلے حلقے میں ذکر ہوا کہ راہ حق اور ایمان کے ساتھ آزمائش و ابتلاء جڑی ہوئی ہے اور اس پر بات ہوئی کہ تاریخِ ایمان کا سبق ہی یہی ہے کہ جو جتنا صاحبِ ایمان ہو، اُتنا اس کی آزمائش زیادہ ہوتی ہے اور یہ بھی ذکر ہوا کہ اس سے صفوں کی چھانٹی بھی اللہ کو مطلوب ہے اور اہل ایمان کے ایمان و درجات میں اضافہ بھی مقصود ہوتا ہے۔ آج کا حلقہ پچھلے حلقے کا تسلسل بھی ہے کہ اس میں راہِ حق کے مصائب کا سامنا کرنے کے ہتھیار پر بات ہوئی ہے اور ساتھ ہی آخر میں اُن امور کو بھی بیان کیا گیا ہے کہ اگر ان پر عمل ہو تو اللہ کے اذن سے آزمائش مصیبت نہیں رہتی بلکہ اللہ کی نعمت بن جاتی ہے۔ ہم انتہائی کمزور اور بہت گناہ گار ہیں، اللہ ہماری مغفرت کرے، کمزوری ہماری قوت میں بدل دے، ہدایت و نصرت سے ہمیں نوازے اور اپنی رحمت سے نصرتِ دین کا یہ سفر ہمارے لیے آسان کر دے، آمین یارب العالمین!]

## زادِ راہ جس کے بغیر رستہ نہیں کٹتا......!

وہ کیا توشہ ہے کہ جو راہِ حق پر سفر میں پاس ہو تو سفر رُکے گا نہیں اور اللہ کی جنتوں میں پہنچنے سے پہلے راستہ ان شاء اللہ تبدیل نہیں ہو گا؟ یہ زاد راہ صبر، تقویٰ اور یقین ہے! صبر وہ جو مشکلات اور مصائب پر ہو...... مگر کیا صرف سختیوں پر صبر کافی ہو جاتا ہے؟ نہیں! اس لیے کہ بعض لوگ ناگواریوں پر تو صبر کر لیتے ہیں کہ وہ طبعاً قوی ہوتے ہیں مگر کیا اللہ کو محبوب ہے اور کیا نہیں، کیا اللہ کے دین کا تقاضہ ہے اور کس چیز سے اس کی شریعت منع کرتی ہے...... اس متعلق وہ لاپرواہ ہوتے ہیں؛ مثلاً ڈاکو کچھ کم صابر نہیں ہوتے ہیں مگر وہ تقویٰ سے محروم ہوتے ہیں۔ ان کے برعکس بعض ضعیف الطبع ایسے بھی ہوتے ہیں جو جائز و ناجائز کا تو ایک دائرے میں خیال رکھتے ہیں مگر یہ احتیاط اُس حد تک ہوتی ہے جب آزمائش و ابتلاء کا سامنا نہ ہوا ہو، مشکل دیکھتے ہی شریعت کی اتباع چلی جاتی ہے۔ لہٰذا جو صبر تقویٰ کے بغیر ہو اور وہ تقویٰ جس کے ساتھ صبر نہ ہو، دونوں ناکافی ہیں۔ صبر وہ مطلوب ہے جو راہِ حق پر، اتباع شریعت کی کوشش پر ہو اور اللہ کو راضی کرنے کی اس سعی و عمل میں پھر مصائب کے پہاڑ بھی اگر بندے پر ٹوٹیں تو وہ چٹان بن کر کھڑا رہے اور اپنے لیے آسانی کا ایسا کوئی دروازہ نہ کھولے جو اللہ کو ناراض کرنے والا ہو۔ یہ انتہائی نقصان اور دکھ کی بات ہے کہ بندے کی آزمائش تو ختم ہو جائے مگر اللہ کی رضا اور اس کی تائید و محبت سے وہ محروم ہو جائے۔ اللہ کی نصرت و محبت تب ہی ملا کرتی ہے جب بندے میں تقویٰ اور صبر دونوں اہم صفات اکٹھی ہوں۔ ﴿إِنَّهُ مَن يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ﴾[1]۔ گویا بندے میں صبر کا ہونا ضروری ہے اور یہ اُن سب ناگواریوں اور ترغیبات پر ہو جو بندے کو بندگی ٔرب سے ہٹا کر غیر اللہ کے راستے پر ڈالنے والی ہوں۔ یعنی یہ صبر کئی امور پر ضروری ہے: صرف اللہ ہی کے سامنے جھکنے، اس کی مکمل اطاعت اور اسی سے ہی مانگتے رہنے پر، اپنے مبادی اور اصولوں پر ڈٹا رہنے پر، ہوائے نفس اور دنیا کی رنگینیوں کا مقابلہ کرنے پر، ساتھ دینے والوں کی کمی اور راستہ مشکل ہونے کے باوجود سفر جاری رکھنے پر، مخاطبین کی طرف سے آپ کی دعوت اور محنت کی ناقدری پر، ساتھ چھوڑنے، ملامت کرنے اور آپ پر طعن و تشنیع کے تیر برسانے والوں پر، اُن مصائب و آلام پر بھی کہ جن کا آپ نے کبھی سوچا تک نہ ہو، سفر کی طوالت اور نتائج نظر نہ آنے کے باوجود چلتے رہنے پر...... محبوب لوگوں کے فراق، بھوک و پیاس، مال و متاع کے نقصان اور قربانی در قربانی کے باوجود کھڑا رہنے پر، دوسروں کے ساتھ بہر صورت عدل کرتے رہنے پر چاہے وہ ظلم وزیادتی کرتے ہوں، خوف و حزن اور اپنی کمزوریوں و محرومیوں پر، وسائل کی کمی اور پسندیدہ میدان کے نہ ہونے کے باوجود فرض کی ادائیگی پر، اُمیدوں اور تمناؤں کے بر نہ آنے پر، دشمن کے سامنے نہ جھکنے اور لڑتے رہنے پر...... پس ہر اُس آزمائش پر صبر جو اللہ کی اطاعت، اس پر بھروسہ کرنے اور اس کے راستے میں جہاد کرنے اور کٹ مرنے کی راہ میں پیش آئے۔

صبر کی یہ اہمیت ہی ہے کہ نبوت کے بالکل آغاز میں جب جبرئیل علیہ السلام دوسری دفعہ وحی لے کر آئے اور يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ○ قُمْ فَأَنذِرْ ○ (اے کپڑے میں لپٹنے والے۔ اٹھو اور لوگوں کو خبر دار کرو۔) کہہ کر آپ ﷺ کو اٹھ کھڑے ہونے کا حکم ملا، تو اس میں ﴿وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ﴾ ”اور اپنے رب ہی کے لیے صبر کیجیے“ بھی ساتھ فرمایا گیا، کیوں؟ اس لیے کہ یہ راستہ بغیر صبر کے کٹتا نہیں! حضرت علی رضی اللہ کا قول ہے کہ ”صبر اور ایمان کے درمیان تعلق سر اور جسم کی مانند ہے کہ جب سر کٹ جاتا ہے تو جسم نہیں رہتا، (پھر آپؓ نے اونچی آواز میں کہا) جس شخص میں صبر نہ ہو اُس میں ایمان نہیں ہو سکتا“۔ کوئی بھی دینی عمل بغیر صبر کے، نفس کو قابو اور خواہش نفس کو قید کیے بغیر نہیں ہوتا۔ صبر و تقویٰ کی اہمیت ہی ہے کہ اللہ کی کتاب میں متقین اور صابرین بننے پر، ان کے اجر و ثواب اور دنیوی و اخروی انعامات پر بہت ساری آیات ہیں جو یہ تاکید کرتی ہیں کہ نصرتِ دین کا فرض وہی لوگ ہی نبھا سکتے ہیں جو صبر و تقویٰ کے ہتھیار سے لیس ہوں۔ مثلاً اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے جہاں دیگر نیک اعمال کے اجر کی حد بتائی ہے، وہاں صبر کرنے والوں کے بارے میں فرمایا کہ ان کے لیے بے حساب اجر ہے ﴿إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُم بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾[2]، اپنی نصرت و معیت کا اعلان کیا کہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ﴿إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾، اپنی محبت کے عطا ہونے کا فرمایا کہ اللہ صبر والوں سے

[1] ”جو شخص تقویٰ اور صبر سے کام لیتا ہے، تو اللہ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔“ (سورۃ یوسف: ۹۰)

[2] ”جو لوگ صبر سے کام لیتے ہیں، ان کا ثواب انہیں بے حساب دیا جائے گا۔“ (سورۃ الزمر: ۱۰)

محبت کرتے ہیں﴿ وَاللَّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ﴾۔ یہاں تک کہ جنت کے دروازے پر جنتی داخل ہوں گے تو اس کے دربان استقبال میں کہیں گے ! ﴿سَلَٰمٌ عَلَيْكُم بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى ٱلدَّارِ﴾ یہ بہترین انعام، آخرت کا یہ گھر، تمہیں تمہارے صبر کے بدلے ہی ملا۔

## یقین ہی ہے جو صبر پیدا کرتا ہے!

صبر اور تقویٰ کی نعمتیں قیمتی اور عظیم ہیں مگر یہ دونوں بھی کبھی نصیب نہیں ہو سکتیں جب تک کہ بندے کے دل میں یقین نہ ہو۔ یقین ہی وہ طاقت ہے جو انسان کو نفس کی کجی اور شیطان کے وساوس کے خلاف کھڑا رکھتی ہے اور اسی کے سبب ہی راہِ حق پر مصائب جھیلنا بھی آسان ہو جاتا ہے ۔ یہ یقین ہی ہے کہ جس کے سبب بندے کے لیے اللہ کو محبوب اعمال آسان ہو جاتے ہیں اور اُسے اللہ کی وہ محبت نصیب ہو جاتی ہے جو بالآخر اللہ کی دائمی رضا پر منتج ہوتی ہے۔ پر یہ یقین بھی کن باتوں پر ہو؟ وہ کیا امور ہیں کہ جن پر دل کے اندر کسی قسم کا شک و شبہ قبول نہ ہو اور جن پر یقین بڑھانے کی مستقل سعی ہو؟ یہ اللہ ہی کو اپنا رب ماننے اور صرف اللہ ہی کو اپنا الٰہ (معبود) ہونے پر یقین ہے۔ روزِ قیامت پر یقین کہ یہ زندگی عبث نہیں، بلکہ یہاں کے ہر قول اور ہر عمل پر جزا و سزا ملنی ہے، یہ یقین کہ مجھے کوئی انسان نہ زندگی دے سکتا ہے اور نہ موت، میرے لیے خیر و شر کا فیصلہ کسی مخلوق کے اختیار میں نہیں بلکہ یہ خالص اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، اللہ کی آیات اور اس کے وعدوں پر یقین، راہ حق میں صبر کے ایک ثانیے پر اجر و ثواب اور اللہ کی محبت ملتی ہے اور اللہ کی خاطر اس صبر و شکر پر موت آگئی تو اللہ کی دائمی جنتیں، رسول اللہ ﷺ کی شفاعت اور اللہ کا دیدار نصیب ہو گا...... کفر کی شان و شوکت جتنی بھی زیادہ ہو اس نے جلد یا بدیر تباہ ہونا ہے جبکہ اللہ کا اٹل فیصلہ ہے کہ انجام کار اس کے متقین بندے غالب ہو کر رہیں گے...... یہ وہ یقین ہے کہ جو گوشت پوست کے انسان کے عزم کو فولاد سے بھی زیادہ مضبوط بنا دیتا ہے۔ نہ اس کے دل میں دنیا کی محبت رہتی ہے اور نہ ہی وہ اللہ کے سوا کسی کا خوف پھر کھاتا ہے۔ اُسے پھر دنیا جہاں کے ساتھ چھوڑنے کی پرواہ ہوتی ہے اور نہ ہی ساتھ دینے والوں کے جمِ غفیر پر وہ کبھی بھروسہ کرتا ہے۔ اس کی نظر اور اس کا بھروسہ بس اللہ پر ہوتا ہے ، اسی کے ساتھ وہ محبت کرتا ہے اور اسی کی ذات اور اس کے وعدے اس کے قلب و نظر کا مرکز ہوتے ہیں۔ دشمن کی طاقت و سطوت اور اس کی دھمکیاں سب اس کی نظر میں انتہائی حقیر اور بے معنی بن جاتی ہیں۔ دشمن اس کو کاٹ تو سکتا ہے مگر جھکا نہیں سکتا۔ یوں اس کی زندگی اور اس کا وجود اندھیروں کے اندر مشعل بن جاتا ہے، وہ ایمان کی ایک دعوت بن کر جیتا ہے اور قدم قدم پر اللہ کی بندگی کا راستہ لوگوں کو دکھاتا ہے اور یہ وہ مرتبہ ہے جس کو امامت فی الدین کہتے ہیں، یہ امام المتقین ہونا ہے اور اس عظیم مرتبے کا سبب کیا بنتا ہے؟ اس کا سبب اللہ کی اطاعت پر صبر ہے۔ اور یہ صبر صرف تب ہی اُسے ملتا ہے جب اس کے دل میں اللہ کے وعدوں پر یقین ہو، ایمان بالغیب ہو ۔ اللہ رب العزت کا فرمان ہے:﴿وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يُوقِنُونَ﴾[1] یہ صبر اور یقین ہی وہ توشہ ہے کہ جس کے ذریعے جنتوں کا سفر تمام ہوتا ہے اور یہی وہ ہتھیار ہوتا ہے کہ جس کے ذریعے مومن دشمنانِ دین پر غلبہ پاتا ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان مبارک ہے:وَاعْلَمْ أَنَّ فِي الصَّبْرِ عَلَى مَا تَكْرَهُ خَيْرًا كَثِيرًا، وَأَنَّ النَّصْرَ مَعَ الصَّبْرِ، وَأَنَّ الْفَرَجَ مَعَ الْكَرْبِ، وَأَنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ”جان لو کہ ناگواری پر صبر کرنے میں خیر کثیر ہے اور (جان لو کہ) نصرت صبر کے ساتھ ہے، نجات تکلیف کے ساتھ ہے اور تنگی کے ساتھ وسعت ہے“۔

## یقین کیسے پیدا ہو؟

اللہ نے انسان کی فطرت ایسی بنائی ہے کہ وہ اپنے رب اور معبود کو تلاش کرتا ہے۔ وہ معبود کہ مشکلات و مصائب میں جس سے مانگے تو وہ اس کی سن لے اور اندر کی بے چینی و بے سکونی سے جب بندہ تنگ ہو اور اس کے سامنے جھکے تو وہ اس کو سکون و اطمینان بخش دے۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے مطابق معبود کی یہ ضرورت انسان کو کھانے پینے اور دیگر ساری ضروریات سے کہیں زیادہ محسوس ہوتی ہے۔ وہ اگر اس فطری تلاش اور بے چینی کو خود دباتا نہیں، جھوٹے سہاروں کا اسیر بن کر اپنے آپ کو دھوکہ نہیں دیتا تو اس کو اللہ کے اذن سے اپنا حقیقی معبود مل بھی جاتا ہے۔ جبکہ ایسے بدنصیبوں کی بھی کمی نہیں جو اپنی فطرت کے مطالبے پر اندھے بہرے بنتے ہیں اور اپنا آپ خواہش نفس اور شیطان کے حوالے کر کے ضلالت اور ذلالت پر مُصر رہتے ہیں۔ ایسے لوگ بھی پھر بندگی کرتے ہیں مگر یہ بندگی اللہ کی نہیں ہوتی ہے، بلکہ غیر اللہ کی، اللہ کی مخلوق کی بندگی ہوتی ہے۔ اللہ پر یقین کے لیے سب سے اول چیز انسان کے اندر اللہ کے عرفان کی تڑپ ہے۔ بندہ اگر حق تلاش کرتا ہے تو اللہ رحیم و کریم اپنا دروازہ کھولنے میں دیر نہیں کرتے مگر جو حق کے سامنے تکبر اور بے رُخی دکھاتا ہے اللہ بھی اس کو محروم رکھتا ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان مبارک ہے: واسئلوا الله اليقين والمعافاة، ”اللہ سے یقین اور عافیت مانگو“ فانه لم يؤت أحد بعد اليقين خيراً من المعافاة ”یقین کے بعد عافیت سے بڑھ کر کوئی خیر کسی کو نہیں ملی“[2]۔ گویا سب سے بڑی نعمت یقین ہے اور نبی کریم ﷺ نے نصیحت فرمائی ہے کہ اس کے لیے اللہ سے دعا مانگا کرو۔ جب اللہ کے سامنے اپنی عاجزی، فقر اور حاجت مندی کی دل کی گہرائیوں سے دعا ہوتی ہے تو اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ بھی اپنی معرفت عطا کرتا ہے اور بندے کے دل کو نورِ یقین سے بھر دیتا ہے۔ اس طرح اللہ کی کتاب کے ساتھ زندہ تعلق یقین کا انتہائی اہم ذریعہ ہے ،﴿وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَاناً﴾ آیاتِ کتاب

---

[1] ”اور ہم نے ان میں سے کچھ لوگوں کو، جب انہوں نے صبر کیا، ایسے پیشوا بنا دیا جو ہمارے حکم سے لوگوں کی رہنمائی کرتے تھے، اور وہ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے۔“(سورۃ السجدۃ: ۲۴)

[2] صحیح الجامع

میں فکر و تدبر کرتے رہنا، خوف کی جگہ پر ڈرنا اور اللہ کے عتاب سے پناہ مانگنا جبکہ رجا واُمید، جنتوں اور رحمت کے ذکر پر اللہ کی رحمت کا سوال کرنا۔ نیز کتاب اللہ اپنے پڑھنے والوں پر یقین کے نورانی چشمے تب ہی کھولتی ہے جب پڑھنے والے کے سینے میں تقویٰ موجود ہو، لہٰذا تلاوتِ کتاب کے ساتھ تقویٰ اپنانے کی سعی اور دعا کرنا بھی ضروری ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اللہ کے اسماء حسنیٰ اور صفات عالیہ سمجھنا اور ان پر غور کرتے رہنا بھی اللہ کے ساتھ تعلق کو مضبوط کرتا ہے۔ مزید یہ کہ قرآن میں اللہ رب العزت آیاتِ کتاب کے ساتھ ساتھ آیاتِ کونیہ، اپنے مفعولات میں بھی غور و خوض کی دعوت دیتے ہیں۔ مفعولات سے مراد آسمانوں و زمین اور دیگر سب مخلوقات کی تخلیق اور ان کا چلانا ہے۔ یہ تخلیق بھی اللہ کی ایک عظیم کتاب ہے، اس کا بھی ہر صفحہ رُشد و ہدایت سے بھرا ہوا ہے۔ جو فرد اسماءالحسنیٰ اور اللہ کی صفات کو پہلے سمجھے اور پھر اللہ کی اس تخلیق میں فکر و تدبر کرے تو اللہ کی اس عظیم بادشاہت میں اس کو اللہ کے اسماء و صفات ہی کا عملی مشاہدہ ہو جاتا ہے، اس کے دل میں یقین بڑھتا ہے اور وہ بے اختیار اللہ کی حمد و ثنا شروع کرتا ہے۔ یقین پیدا کرنے کے اور بھی ذرائع علماء نے بیان کیے ہیں، مگر ایک اہم ذریعہ اہل تقویٰ اور اہل علم کی صحبت ہے، جو کچھ خود تلاش کرنے سے بہت مشکل سے ملتا ہے وہ اللہ سے ڈرنے والوں کے ساتھ کچھ عرصہ گزارنے سے اللہ دے دیتا ہے۔ اللہ ہمیں یقین سے نوازیں اور ان سب قلبی و بدنی اعمال کی توفیق دیں جو یقین بڑھانے والے ہوں۔

## منزل سے پہلے، منزل نہ کر قبول!

اللہ کو راضی کرنے کا یہ سفر کسی خاص محاذ اور خاص ابتلاء میں صبر کا تقاضہ نہیں کرتا، اس میں زندگی کے ہر ہر موڑ اور آزمائش کی ہر ہر صورت پر صبر مطلوب ہے۔ یہاں نعمتوں سے محرومی اور تنگی بھی آزمائش ہے اور نعمتوں میں گھرنا اور وسعت و کشادگی بھی ابتلاء ہے۔ اللہ رب العزت کا فرمان ہے ﴿وَنَبْلُوكُم بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً﴾ ”ہم شر اور خیر دونوں کے ذریعہ انسان کی آزمائش کرتے ہیں“، ہر دو صورتوں میں غفلت اور یہ استحضار نہ رکھنا کہ یہ امتحان ہے، ہلاکت کا پیش خیمہ بنتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ آزمائش کی نہ تو کوئی خاص صورت متعین ہے اور نہ ہی اس کی مدت و دورانیہ کی کوئی تخصیص ہے۔ یوسف علیہ السلام کے واقعے میں ہم دیکھیں کہ کیسے ایک ابتلاء کے ختم ہونے پر دوسری شروع ہوئی، کیسے ایک آزمائش دوسری سے مختلف و خطرناک تھی اور کیسے کسی ایک آزمائش کے دورانیے کا بھی یوسف علیہ السلام کو علم نہیں تھا۔ اندھے کنوئیں میں پھینکا جانا کربناک تھا، وہ آزمائش ختم ہوئی اور عزیز مصر کے گھر پہنچے تو اُس وقت اگر کوئی یوسف علیہ السلام کے ساتھ ہوتا تو اُسے یہی لگتا کہ امتحان جیسے ختم ہوا، مگر ایسا نہیں ہوا بلکہ عزیز مصر کی بیوی کی طرف سے پھر زیادہ خطرناک آزمائش ان کی منتظر تھی۔ پھر عزیز مصر کے یہ کہنے پر کہ ﴿يُوسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هَٰذَا وَاسْتَغْفِرِي لِذَنبِكِ﴾ بھی ایسا محسوس ہوا ہوگا کہ بس پریشانی چلی گئی، مگر اس کے بعد پھر جیل کی آزمائش شروع ہوتی ہے اور سارے شاہی امتیازات سے آپؑ محروم ہو جاتے ہیں۔ جیل میں بھی رہا ہونے والے غلام کو جب کہا کہ اپنے مالک، بادشاہ کے سامنے میرے معاملے کا ذکر کرنا تو ایسا لگا کہ اب یہ مصیبت بھی جلدی ٹل جائے گی مگر اس کے بعد قرآن کہتا ہے ﴿فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِينَ﴾، غرض ایک کے بعد دوسرا امتحان اور ہر امتحان دوسرے سے مختلف۔ یہ تمام امتحانات آسان نہیں تھے، یہ کب ختم ہوں گے؟ اس کا بھی انہیں علم نہیں تھا مگر وہ کیا چیز تھی کہ جس نے آپ علیہ السلام کو تھاما تھا؟ وہ یہ یقین تھا کہ ﴿فَاصْبِرْ إِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِينَ﴾، پس ان تمام مصائب میں آپ سے تقویٰ اور صبر کا دامن نہیں چھوٹا اور یہاں تک کہ آپ نے اپنے بھائیوں کے سامنے بھی کہا کہ ﴿إِنَّهُ مَن يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ﴾ یہ جیسے آزمائش میں کامیابی کا نسخہ آپ نے فرمایا کہ ’امتحان اور اس کا دورانیہ جو بھی ہو بس تقویٰ و صبر کے ساتھ رہو اللہ کبھی ضائع نہیں کریں گے‘۔

یہاں کچھ لوگوں کے لیے قید و بند کی آزمائش ”بہت کچھ“ پر نظر ثانی کا سبب بنتی ہے جبکہ بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جو دعوت و جہاد کی سختیوں کا تو مقابلہ کر لیتے ہیں مگر دنیا کی فروانی ان کے لیے بڑا امتحان بن جاتی ہے اور اپنا دین بچانا تک ان کے لیے مشکل ہو جاتا ہے۔ کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جن کے سامنے دیگر سب مشاکل آسان ہو جاتی ہیں مگر اہل و عیال کی محبت راہِ خدا پر بڑھنے میں پاؤں کی زنجیر بن جاتی ہے۔ بعض بدنصیب شہرت و قیادت کے وقت تو اس راستے پر بہت تیز چلتے نظر آتے ہیں مگر جوں ہی گمنامی کے امتحان کا سامنا ہوتا ہے ان کا صبر جواب دے دیتا ہے۔ کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو بڑی گرم جوشی کے ساتھ آغاز سفر کرتے ہیں مگر جب سفر طویل ہو جاتا ہے تو ان کے دل سخت ہو جاتے ہیں اور آخرت کی دوڑ دنیا کی دوڑ میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اس راستے نے ایسے قابل افسوس افراد کو بھی دیکھا جنھوں نے جہاد کی بڑی سختیاں برداشت کیں اور دشمن کے سامنے بھی وہ بڑے سخت رہے مگر اپنوں کے ساتھ عدل پر قائم نہیں رہ سکے اور یوں گم کردہ رستوں پر چڑھ کر راہِ حق سے بہت دور ہٹ گئے۔ اللہ ہم سب پر رحم فرمائے، سب کو ہدایت پر استقامت دے اور ہم میں سے کسی کو بھی اپنے نفس کے حوالے نہ کرے، حقیقت یہ ہے کہ انسان کی آزمائش کبھی رکتی نہیں ہے، امتحان کسی نہ کسی صورت میں جاری ہی رہتا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ بہار ہو کہ خزاں، دُکھ و غم کی تنگی ہو یا خوشی و راحت کی وسعت، ہر صورت میں بس بندہ اللہ کا مطیع رہے، کب تک؟ ﴿وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ﴾، تب تک جب تک جسم میں جاں ہو، مادی طور پر چاہے ہم ہزیمت سے دوچار ہوں یا فتح و نصرت کی آزمائش کا ہمیں سامنا ہو، تنگی و تکلیف میں ہوں یا نعمتوں میں گھرے ہوئے ہوں، یہ سب ابتلاءات ہیں، ان میں سے کوئی ایک بھی منزل نہیں، کوئی ایک بھی اطمینان و بے غمی کا موقع نہیں، سب سفر کے پڑاؤ ہیں۔ منزل موت ہے، ایمان و عمل صالح پر موت، اللہ کے راستے میں کٹ کر شہید ہو جانا!! جب تک یہ منزل نہ ملی ہو سفر رکنا نہیں چاہیے، اللہ کی اطاعت کا غم کسی طور پر کم نہ ہو، اپنے نفس کی چالوں اور شیطان کی

سازشوں سے ہم بے غم نہ ہوں اور یہ درد دل میں زیادہ سے زیادہ ہو کہ آگے بڑھنا ہے، رکنا نہیں ہے!

ع لیلیٰ بھی ہم نشیں ہو تو محمل نہ کر قبول!

## جب ابتلاء نعمتِ الٰہی بن جاتی ہے......!

ابتلاء میں صبر و استقامت تو مطلوب ہی ہوتی ہے مگر درج ذیل چند امور ایسے ہیں کہ اگر ان پر عمل ہو تو یہ صبر آسان ہو جاتا ہے اور ابتلاء اللہ کی طرف سے الٹا نعمت اور تحفہ بن جاتی ہے۔

- اول: صبر کا منبع انسان اپنی جان، دل اور اپنا نفس نہ سمجھے۔ یعنی ایسا نہیں کہ انسان خود اپنے اندر کی کمزوری دیکھے اور کہے کہ میں صبر نہیں کر سکتا ہوں۔ نہیں، حقیقت یہ ہے کہ انسان جتنا بھی حوصلہ مند ہو، اگر اللہ کی نصرت اس کے ساتھ نہ ہو تو وہ صبر کبھی بھی نہیں کر سکتا ہے اور اگر اللہ کی توفیق ہو تو ایک انتہائی کمزور بندہ بھی صبر و ثبات کا پہاڑ بن جاتا ہے۔ اللہ رب العزت کا فرمان ہے، ﴿وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلاَّ بِاللّهِ﴾ ”صبر کرو!“ برداشت کرو! مگر کیا یہ صبر تم اپنی قوت و صلاحیت سے کرو گے؟ نہیں قطعاً نہیں۔ اس لیے آگے فرمایا!”اور تم صبر نہیں کر سکتے ہو مگر اللہ کی توفیق سے“۔ یہ اللہ نازل کرتا ہے، اللہ ہی بندے کو مضبوط کرتا ہے۔ بس بندہ اللہ سے مانگے کہ اللہ میں تیرے حکم پر، تیری رضا کے لیے ڈٹا ہوں، اب تو ہی مجھ پر صبر نازل فرما۔ قرآن نے ہمیں یہی سکھایا ہے کہ ہم اللہ سے مانگیں کہ اللہ ہم پر صبر انڈیل دیجیے ۔رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْراً وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا ......صبر دینے والا اللہ ہے، بس بندے کا کام اتنا ہی ہے کہ وہ خود کھڑا رہے، پیچھے نہ ہٹے اور اللہ سے کھڑا رہنے اور اس کی اطاعت پر ثابت قدم رہنے کی مسلسل دعا مانگے، ایسا ہو گا تو پھر اللہ بھی بندے کے دل اور قدموں کو مضبوط کر دیتا ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے ”ومن يتصبر يصبره الله“، ’جو صبر کرنا چاہتا ہے (اللہ سے مانگتا ہے) اللہ اُس کو صبر دے دیتا ہے‘۔ اس طرح یہ بھی نہیں سوچنا چاہیے کہ آزمائش بڑی ہو گئی تو میں صبر نہیں کر پاؤں گا! نہیں! صبر کون سا آپ خود کرتے ہیں......؟! آپ بس اتنا ہی کریں کہ اللہ سے مانگتے رہیں اور اللہ کے حکم پر ڈٹے رہیں، پیچھے نہ ہٹیں، پھر اللہ جو صبر نازل کرے گا وہ اُتنا ہی ہو گا جتنا آپ کو درکار ہو گا۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے:ان المعونة تأتي من الله على قدر المؤونة ”اللہ کی مدد تکلیف کے بقدر آتی ہے“ و ان الصبر يأتي من الله علىٰ قدرالمصيبة[1] ”اور اللہ کی طرف سے صبر اُتنا ہی آتا ہے جتنی مصیبت ہوتی ہے“۔

- دوسرا: اللہ رب العزت فرماتے ہیں! ﴿مَا أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ وَمَن يُؤْمِن بِاللَّهِ يَهْدِ قَلْبَهُ﴾ ”کوئی مصیبت اللہ کے حکم کے بغیر نہیں آتی، اور جو کوئی اللہ پر ایمان لاتا ہے وہ اس کے دل کو ہدایت بخشتا ہے“۔ جو اللہ پر ایمان لاتا ہے، رب کریم پر بھروسہ کرتا ہے تو اللہ اس کے دل کو نورِ ہدایت سے بھر دیتا ہے۔ گویا اُس کے لیے مصیبت پر صبر اور نعمت پر شکر پھر آسان ہو گا......اصل سوال ایمان کا ہے۔ اللہ کو اپنا رب ماننا، اپنا پالنے والا، چلانے والا اور مدد کرنے والا سمجھنا اور پھر اپنا معاملہ مکمل طور پر اللہ ہی کے سپرد کرنا ایمان کی حقیقت ہے۔ جن باتوں پر ایمان لانا لازم ہے ان میں سے ایک خاص بات اس آیت میں ذکر ہوئی ہے ﴿مَا أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ یہ یقین رکھنا ہے کہ میں جن مشکلات کا بھی سامنا کر رہا ہوں، یہ سب من جانب اللہ ہیں اور اس میں اللہ دیکھ رہا ہے کہ میں صبر کرتا ہوں، اللہ کی اطاعت و محبت پر ثابت قدم رہتا ہوں یا خدا نخواستہ پھسل جاتا ہوں!! جس طرح اللہ کی کتاب پر ہمارا ایمان ہے کہ اسے اللہ نے نازل کیا ہے، بالکل اسی طرح اس پر بھی ہمارا ایمان ہونا ضروری ہے کہ جن حالات و واقعات کا مجھے سامنا ہے، جس مصیبت سے میں گزر رہا ہوں، یہ اتفاقی نہیں ہے، ظاہری اسباب اس کے ضرور ہیں مگر یہ اسباب خود آزاد اور بااختیار نہیں، یہ سب تابع ہیں مسبب کے اور مسبب اللہ ہیں، یہ اللہ کی مشیت کے بغیر بالکل بے کار اور بے اثر ہیں، لہٰذا اصل اختیار اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ ولقدر خيره و شره من الله تعالى۔ مولانا محمد طیب دامت برکاتہ‘ فرماتے ہیں کہ جس طرح قرآن اللہ کے حاکمانہ اقوال پر مشتمل ہے، اس طرح ہمارے حالات و واقعات اللہ کے حاکمانہ افعال سے عبارت ہیں، گویا اللہ کی طرف سے دو شرائع ہیں۔ ایک تشریعی ہے اور دوسرا تکوینی، دونوں کا بنانے والا اوپر اللہ ہے، ﴿أَلاَ لَهُ الْخَلْقُ وَالأَمْرُ﴾ دونوں پر راضی ہونا ضروری ہے، ایک (کتاب) پر عمل ضروری ہے تو دوسرے پر (اس کتاب کی روشنی میں) صبر لازمی ہے۔ اسی کا امتحان ہے اور اسی پر اجر ہے۔ جنید بغدادی رحمہ اللہ اپنے مریدین سے تین چیزوں کی بیعت لیتے تھے کہ اللہ کے اوامر پر عمل کریں گے، نواہی سے منع ہوں گے اور اس راستے میں جو مشاکل و مصائب آئیں گے، اُن پر صبر کریں گے، کہ اللہ کی محبت اُسی کو ملتی ہے جو یہ تینوں کام کرے۔

- تیسری اہم بات۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں، ’لايقضى الله للمومن قضاء الا كان خيرا له‘ مومن کے بارے میں اللہ جو بھی فیصلہ کرتا ہے، یعنی جس حالت میں اس کو ڈالتا ہے اور جن واقعات سے بھی اس کو گزارتا ہے، اس میں اس کے لیے خیر ہوتی ہے بس شرط یہ ہے کہ بندہ اللہ کا مطیع رہے، صبر و شکر سے کام لے اور اپنے لیے اُس خیر کو شر میں تبدیل نہ کرے۔ ہمارے رب کا ایک نام الحکیم

---

[1] مسند البزار

ہے، وہ انتہائی حکمت والا ہے، بندے کے بارے میں اس کا کوئی فیصلہ بغیر حکمت اور بغیر فائدہ کے نہیں ہوتا ہے۔ اگر کسی فیصلے میں ہمیں فائدہ سمجھ نہیں آرہا تو یہ ہماری کم علمی و کم فہمی ہے،﴿ وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا ﴾ اس کا یہ مطلب قطعاً نہیں کہ نعوذ باللہ یہ فیصلہ حکمت سے خالی ہے۔ پس حالات چاہے جتنے بھی ناگوار ہوں یہ یقین کرنا چاہیے کہ اس میں میرے لیے شر نہیں، خیر ہے۔ اللہ کے بارے میں بہر صورت حسن ظن ہو کہ میرا رب مجھ پر شفیق ہے، رحیم ہے، کریم ہے، ودود ہے، وہ میرے ساتھ ستر ماؤں سے زیادہ محبت کرتا ہے اور اس کے فیصلوں میں خیر ہی خیر ہے بس میں اُس خیر کو سمیٹنے والا بنوں! آپ ﷺ کا فرمان ہے، 'أنا عند ظن عبدی بی'، میں اپنے بندے کے ساتھ اس کے گمان کے مطابق ہوتا ہوں، یعنی اگر میں اُس پر مصیبت ڈالوں اور وہ اس پر راضی ہو جاتا ہے اور خیر کی امید رکھے تو میں اس کو خیر سے نوازتا ہوں، لیکن اگر وہ ناراض ہو جائے اور شر کا گمان رکھے تو پھر اسے اس برے گمان کا بدلہ برا ہی ملے گا۔

- چوتھی بات یہ کہ: آپ ﷺ کا فرمان ہے، کہ جب اللہ کسی سے محبت کرتا ہے تو اُسے امتحان میں مبتلا کرتا ہے۔ إِذَا أَحَبَّ اللهُ قَوْمًا ابْتَلَاهُمْ! یہ یقین کرنا چاہیے کہ اللہ نے آزمائش اس لیے ڈالی ہے کہ اُس کی مجھ سے محبت ہے، وہ چاہتے ہیں کہ میرا ایمان مزید مضبوط ہو، اُس کے ساتھ میرا تعلق قوی تر ہو، میں اُس کی طرف پہلے سے زیادہ متوجہ رہوں! میرا بھروسہ اسباب پر نہیں بلکہ رب الاسباب (مسبب) پر ہو، میرے ہونٹوں پر اس کا ذکر اور میرے دل میں اُس کی محبت اور اس کی یاد ہو، وہ رب چاہتا ہے کہ میری سوچ، فکر، نظریے اور عقیدے کی جان اس عظیم ذات کی معرفت، اس کی محبت اور اس کا خوف ہو۔ اللہ چاہتا ہے کہ میں بس وہ اعمال کروں جو اُس کو محبوب ہوں، وہ چاہتا ہے کہ میں شاکر، صابر، محسن، عابد اور حقیقی مجاہد بنوں، یہ وہ حکمت ہے کہ جس کے لیے اُس نے مجھے امتحان میں ڈالا۔ اُس نے میرے لیے وہ دنیاوی اسباب بے معنی کر دیے جو میرے اور اللہ کے بیچ تعلق میں رکاوٹ بن رہے تھے۔ سچ یہ ہے کہ بعض اوقات ہمارا نعمتوں کے ساتھ اس قدر تعلق بن جاتا ہے اور اس قدر اُن پر اعتبار کرنے لگتے ہیں کہ مُنعِم (جس نے یہ نعمتیں دی ہوئی ہیں) کے ساتھ تعلق برائے نام اور رسمی ہو جاتا ہے، جبکہ اللہ جس بندے کے ساتھ محبت کرتا ہے، چاہتا ہے کہ وہ بندہ دل کی گہرائیوں سے اُس سے محبت کرے اور اس محبت کا اظہار اس کے ایک ایک عضو اور ایک ایک حرکت سے واضح ہو، یہ توجہ دلانے کے لیے پھر وہ بعض نعمتوں کو ذرا ہٹا دیتا ہے تاکہ بندہ دینے والے کا سوچے اور ایسا کرنا بعینہ اس کی محبت کی دلیل ہوتی ہے۔ لہٰذا ایک مومن جب اپنے اوپر آزمائش کو اللہ کی محبت ہی کی علامت سمجھ لیتا ہے اور جو حقیقت میں ہوتی بھی ہے، تو اس کے دل کی دنیا میں انقلاب آتا ہے۔

- پانچواں یہ کہ وہ کیا نشانی ہے جس سے یقین ہو کہ آزمائش میرے لیے خیر ہے، شر نہیں؟ یہ اس لیے سوچنا ضروری ہے کہ اس کا الٹ بھی تو ہو سکتا ہے؟ بالخصوص ان کے لیے جن پر اللہ غضبناک ہو۔ اگر آزمائش کے بعد بندے کی توجہ اللہ کی اطاعت کی طرف پہلے سے زیادہ ہو، اس کے دل میں اللہ کو راضی کرنے کی تڑپ میں اضافہ ہو اور اس کی کوشش ہو کہ وہ اپنا محاسبہ کرے اور گناہوں سے اپنا آپ پاک کرے جبکہ قلب و عمل کا مرکز اللہ کی محبت کو بنائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کو اس سے خیر مطلوب ہے اور یہ واقعی اللہ کی محبت ہی ہے کہ اس بندے کو آزمائش میں ڈالا ہے۔ لیکن اگر معاملہ اس کے برعکس ہو، تو یہ آزمائش اس بندے کے لیے شر ہے اور اس شر کی نسبت بھی بندے کی طرف ہو گی، اس لیے کہ وہ خود ہی اس کا ذمہ دار ہے۔ اللہ کے دروازے تو کھلے ہیں۔ آزمائش میں محض تکلیف سے گزر جانا باعث خیر نہیں۔ بلکہ اس تکلیف کے سبب چونکہ دل ٹوٹ جاتا ہے اور قلب و ذہن مکمل طور پر خالق کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے، اس لیے پھر بندہ اللہ سے مانگتا ہے اور اپنا دل اللہ کے ساتھ جوڑتا ہے، اُس پر بھروسہ کرتا ہے اور اسی سے محبت کرتا ہے، تلاوت، سجدہ و رکوع اور تسبیح و تحمید سمیت بہت سے دیگر کارِ خیر کی طرف پھر وہ بھرپور توجہ دیتا ہے، حق کی شہادت اور اس کی خاطر قربانی و عطا میں پہلے سے زیادہ زور لگاتا ہے اور تو یوں ان اعمال کے سبب وہ اللہ کے مزید قریب ہو جاتا ہے۔
- چھٹا امر: تکلیف و مصیبت میں سورۃ الضحیٰ کو جب بندہ پڑھتا ہے اور اس پر غور کرتا ہے تو اس کے دل کے بند دروازے اللہ کے انوار سے کھل جاتے ہیں! یہ سورت ایسے وقت میں نازل ہوئی کہ جبکہ آپ ﷺ بھی سخت تکلیف سے گزر رہے تھے۔ سورت اگرچہ رسول اللہ ﷺ کو مخاطب ہے مگر اس میں آپ ﷺ کے ہر امتی اور راہ حق کے ہر راہی کے لیے بھی بہت بڑی خیر و رہنمائی ہے، لہٰذا دوران آزمائش اس کی روشنی میں چند باتوں کی طرف متوجہ ہونا مفید ہو جاتا ہے۔ ایک بات یہ کہ اللہ آپ (بندۂ مومن) کے لیے خیر چاہتا ہے، شر نہیں اور اللہ آپ کو محروم نہیں کرنا چاہتا۔﴿مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَىٰ!﴾...... آزمائش میں یہی مومن کا یقین ہونا چاہیے۔ دوسرا یہ کہ دنیا و مافیہا، وہ سب کچھ جن کے لیے دنیا میں کسی انسان کا دل مچل سکتا ہے، ان سب سے آخرت کی نعمتیں بہت ہی زیادہ عظیم بھی ہیں اور ہمیشہ رہنے والی بھی ہیں، لہٰذا دنیا کے دکھ سکھ کی پروا نہ کرو کہ یہ فانی ہیں اور آخرت دائمی! تھانوی رحمہ اللہ کے مطابق دنیا کی ہر خوشی اور نعمت عیب دار ہوتی ہے، یہ دنیا تو محض اشتہار ہے جبکہ آخرت اصل ہے!﴿وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَىٰ!﴾، پھر یہ کہ﴿وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ﴾...... یعنی اللہ کے ساتھ اگر میں دل لگائے رکھوں اور صبر کروں تو میرے سب غم ختم ہو جائیں گے اور وہ کچھ اللہ عطا کر دیں گے کہ میں مکمل طور پر راضی ہو جاؤں گا! اس سورت میں اللہ جیسے بندے کو یہ احساس دلانے کے لیے کہ میں تیرے لیے خیر

چاہتا ہوں اور تجھ سے مجھے محبت ہے، دعوت دیتا ہے کہ ذرا تم اپنے ماضی پر نظر ڈالو کہ میں نے تیرے ساتھ کیا کیا بھلائیاں نہیں کی ہیں؟ تمہیں دنیاوی تنگیوں سے محفوظ کیا، نعمتوں کی بھرمار کر دی ہے اور بڑی بات یہ کہ میں نے تمہیں ہدایت کی عظیم ترین نعمت بھی عطا کی! یہ سب کچھ کیا اس کی علامت نہیں کہ میں تیرے بارے میں خیر چاہتا ہوں اور تجھ سے محبت کرتا ہوں؟! ﴿أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيماً فَآوَى○وَوَجَدَكَ ضَالّاً فَهَدَى○وَوَجَدَكَ عَائِلاً فَأَغْنَى!!﴾ یہ سب اللہ کی محبت کی نشانیاں نہیں ہیں کیا؟؟ کیا یہ اللہ تمہیں ایسے ہی چھوڑ دے گا؟ کیا تم اُس رب سے یہ توقع کرتے ہو جو حکیم ہے، لطیف اور رؤوف ہے اور جو اپنے بندے پر ایسا بوجھ کبھی نہیں ڈالتا جو وہ اٹھا نہیں سکتا ہو۔ جب ایسا ہے تو پھر کیا کرنا ہے، کرنا یہ ہے کہ خیر و صلاح کے کاموں کی طرف بڑھو! ﴿فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ○وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ﴾ فاستبقوا الخیرات! اللہ کو راضی کرنے کے لیے لپکو! تم تکلیف و تنگی محسوس کرتے ہو جبکہ اس حال میں بھی دیکھو کہ میں نے تم پر کتنی نعمتیں کی ہیں، ﴿وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ!﴾ ان نعمتوں کا استحضار کرو! ان کا ذکر کرو!! کہ نعمتوں کا استحضار دل میں مُنعم (اللہ) کی محبت کو بڑھاتا ہے۔ اس لیے کہ یہ نعمتیں مُنعم کی محبت کی نشانیاں اور اس کے تحفے ہیں۔ سمجھ دار آدمی بھجوائے ہوئے تحفے کی قیمت و کیفیت نہیں دیکھتا بلکہ بھجوانے والے کی محبت محسوس کرتا ہے اور دل سے اس کا شکر گزار بنتا ہے، جبکہ ہمارے رب کے تحفے بھی تو لاتعداد بھی ہیں اور بے مثال بھی!

آزمائش میں جب قلب و ذہن کا محور یہ امور بن جائیں اور بندہ اپنے رب کے سامنے بالکل آخری حد تک فقر محسوس کرے، اپنے ہاتھ میں ایک تنکے کے برابر طاقت اور خوبی خیال نہ کرے بلکہ جو کچھ ہے سب اللہ کی طرف سے ہے کا یقین کرے اور پھر اس ٹوٹے دل کے ساتھ اللہ کے ساتھ ہم کلام ہو جائے، قرآن کی تلاوت کرے، لمبے سجدے اور طویل قیام کرے، گناہوں سے استغفار کرے اور نیکیوں کی طرف لپکے، تو اللہ ہدایت و محبت کے چشمے اس کے دل میں کھول دیتے ہیں۔ قرآن کی آیات یہ پہلے بھی پڑھتا تھا مگر اب ایک ایک آیت میں اللہ کی محبت و معرفت کی ندیاں بہتی محسوس ہوں گی۔ بندے کی ہدایت کی رفتار تیز تر ہو جاتی ہے، آزمائش کی گرمی دل کا زنگ اتار دیتی ہے اور ساری آلائشیں اور رکاوٹیں بہہ جانے کے بعد اس کو وہ لذتِ ایمانی محسوس ہوتی ہے کہ جس کا پہلے کبھی بھی اس کو تجربہ نہیں ہوا تھا۔ یوں بندے کو آزمائش کی تکلیف باقاعدہ نعمت محسوس ہو جاتی ہے۔ اس کو اللہ کے ساتھ محبت نہ صرف محسوس ہو جاتی ہے، بلکہ یہ محبت تمام دوسری محبتوں پر غالب ہو جاتی ہے اور ایسے میں درد و تکلیف اور تنگی کے باوجود اندھیرا اندھیرا نہیں رہتا بلکہ اس کو دور دور تک نور ہی نور نظر آتا ہے۔ اس کا یقین بڑھتا ہے کہ اللہ کی نصرت قریب ہے، یہ آزمائش ہٹنے کی صورت میں بھی کہ اللہ کی مدد قریب ہے...... مگر اس کو اب رضا بالقضا کی نعمت اللہ نے دے دی ہے، یہ اپنا معاملہ اپنے حکیم رب کے سپرد کرتا ہے کہ وہ جب بھی اس آزمائش کو مجھ سے ہٹائیں گے، وہی اس کے ہٹنے کا بہترین وقت ہو گا۔ لہٰذا دنیاوی آزمائش کے متعلق فکر سے زیادہ وہ جسم کے اندر روح کے بند ہونے کی اس آزمائش کے ختم ہونے اور اللہ کے دیدار کا منظر کا سوچتا رہتا ہے اور اس کا جسم زمین پر ہوتا ہے، بیماری کی اذیت میں، قید میں، جہاد و رباط اور دربدری و اجنبیت میں وہ تکلیف سے گزرتا ہے مگر اس کی روح فرش سے عرش کی طرف اللہ سے جیسے مخاطب ہوتی ہے، اسے یقین ہوتا ہے کہ یہ عُسر ایک ایسا یُسر لائے گا جہاں پھر کوئی تنگی نہیں ہو گی۔ یوں اس کا دل ایک ایسے نور سے پھر بھر جاتا ہے کہ جس کے بعد پھر دنیا کے ساتھ اس کی محبت نہیں رہتی، وہ آخرت کا سچا طالب بن جاتا ہے، اسے دنیا کی کامیابی و ناکامی، اس کی خوشی و غمی اور اس کی تنگی و وسعت، لذت و اذیت، چین و بے چینی، امن و خوف میں کوئی زیادہ فرق محسوس نہیں ہوتا، اس کی دلچسپی کا واحد مرکز اللہ ہوتا ہے اللہ!!! وہ اللہ کہ جس کی طرف سب کو لوٹنا ہے! کسی کو اللہ اچانک دنیا سے اٹھائے گا جبکہ وہ دنیا سے اٹھنے کے لیے تیار نہیں ہو گا اور یہ مومن انتظار کرتا ہے کہ کب بلاوا آئے گا، اس نے اپنا رختِ سفر ہر لمحہ باندھا ہوتا ہے کہ کب مٹی سے بنا جسم مٹی ہو گا اور روح آزاد ہو گی تو رب کا دیدار ملے گا۔ فرق ہے دونوں کے انجام میں! اور یہ نعمت، یہ عرفان اور یہ معرفت کے انوار اور محبت و چاہت کی یہ حدت و شدت صرف اُس وقت اس بندے کو محسوس ہوئی جب وہ اللہ کے راستے میں ستایا گیا، آزمائش سے گزارا گیا! اس لیے جب وہ آزمائش سے پہلے اور بعد کا تقابل کرتا ہے تو بے اختیار اللہ کا شکر ادا کرتا ہے اور بھیگی آنکھوں اور قلب میں اٹھے گہرے درد کے ساتھ کہتا ہے کہ آزمائش میرے لیے مصیبت نہیں، عظیم نعمت ثابت ہوئی!

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

☆☆☆☆☆

## بقیہ: لا تصالح

پورے انصاف سے......ان کے سر بانٹ لیں

اس خوشی میں مگر

آؤ پہلے ذرا......

یہ فلسطین کا 'کیک' ہی کاٹ لیں!

اللہ سے دعا ہے کہ اللہ مسلمانوں کو عالمی کفری سازشوں اور نام نہاد اسلامی مملکتوں کی منافقتوں کو سمجھنے کی توفیق دے۔ وہ وقت آ گیا ہے کہ مسلمانوں کو حق و باطل میں سے کسی ایک کی طرف ہونا پڑے گا۔ بیچ کی کوئی راہ ان کے لیے نہیں بچتی۔ پس جو حق کے ساتھ مل گیا دین و دنیا کی فلاح و کامیابی اسی کے لیے ہے۔

☆☆☆☆☆

# غزوۂ ہند...... ایک مظلوم غزوہ

مفتی ابو ہُما مسعود قاسمی حفظہ اللہ

نہایت رنج و افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ کچھ عرصے سے ہندوستان میں بستے کچھ حضرات، زبانِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کی گئی 'آخر الزمان میں غزوۂ ہند کی مبارک الہامی پیشین گوئی' کو مشکوک و مجہول قرار دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان برحق اور مسلمانانِ برِّصغیر خاص کر ہندو توا مشرک سرکار کے ظلم میں پستے مظلوم مسلمان اہالیانِ ہندوستان کے دفاع میں، مولانا ابو ہُما مسعود قاسمی نے ایک مولانا محترم کے کالم 'غزوۃ الہند پیشن گوئی اور اس کا مصداق' کا علمی رد تالیف کیا ہے۔ چونکہ مذکورہ مولانا محترم نے 'غزوۂ ہند' کے متعلق گفتگو کی بنیاد فنِ حدیث کے علم پر رکھی ہے، لہٰذا زیرِ نظر 'رد' کو بھی فنِ حدیث کے اعتبار سے مولانا ابو ہُما مسعود قاسمی نے مرتب کیا ہے۔ (ادارہ)

جمعہ ۷/ اگست ۲۰۲۰ء کو 'مینارۂ نور' میں ہندوستان کے ایک معروف عالمِ دین کا ایک مضمون "غزوۃ الہند پیشن گوئی اور اس کا مصداق" کے عنوان سے شائع ہوا۔ اس مضمون کے پیشِ نظر جو بات تھی اس کی وضاحت مولانا محترم نے تمہید میں پیش کی کہ یہ مسلمانوں کے خلاف سنگھ پریوار کے پراپیگنڈوں میں سے ایک پراپیگنڈا ہے اور اس پراپیگنڈا کو مسلمانوں اور غیر مسلم بھائیوں کے درمیان نفرت پیدا کرنے کے لیے بہت ہی شدت کے ساتھ پھیلایا جا رہا ہے، لہٰذا اس کی حقیقت کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔

ایک نبوی پیشن گوئی کو موصوف نے بڑی جرأت کے ساتھ سنگھ پریوار کا پراپیگنڈا بتایا ہے یہ جرأت من حیث المجموع ذہنی، فکری اور نظریاتی غلامی کی ذہنیت کی عکاسی کرتی ہے اور بتاتی ہے کہ غلامی کا طوق نہ صرف ہم نے اپنی گردنوں میں ڈالا ہوا ہے بلکہ برضا و رغبت اور دل و جان سے اسے قبول بھی کر لیا ہے اور اب کسی ایسی بات کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں (اگرچہ کہ وہ نبوی پیشن گوئی ہی کیوں نہ ہو) جس سے حکمران طبقے کے ماتھوں پر شکن بھی پڑ جائے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن و احادیث کے بے شمار نصوص کی غلط تشریحات و بے جا تاویلات کا رجحان ایسے طبقہ میں عام ہوتا جا رہا ہے خصوصاً آیاتِ جہاد و قتال کو غلط معنی و مطلب پہنائے جا رہے ہیں اور احادیث جہاد و قتال کو ضعیف قرار دینے کی سعیٔ ناکام کی جا رہی ہے، اس طرح صریحاً جہاد کا انکار کیا جا رہا ہے۔ اسی سلسلہ کی ایک کڑی غزوات موعودہ کا انکار بھی ہے۔ موصوف نے اس سلسلہ کو جاری رکھتے ہوئے غزوۃ الہند کی نبوی پیشن گوئیوں کو غلط اور نامعتبر ثابت کرنے کی مذموم کوشش کی ہے۔ انہوں نے پورا زور لگایا ہے کہ احادیث کو ضعیف قرار دے کر نامعتبر کا ٹیگ لگا دیا جائے اور جس پر زور نہ چلے اس کے مفہوم کو توڑ مروڑ کر اس طرح بیان کیا جائے کہ ایک طرف تو حکمرانوں کی تسلی کرا دی جائے اور دوسری طرف عام مسلمانوں کو تذبذب میں ڈال دیا جائے اور انہیں اپنے دفاع سے غافل کر دیا جائے۔

مولانا محترم نے اس پراپیگنڈا کی حقیقت کو سمجھانے کے لیے تین نقاط پر غور کرنے کی دعوت دی ہے۔

"۱) اس سلسلہ میں جو حدیثیں منقول ہیں وہ فنی اعتبار سے معتبر ہیں یا نہیں ہیں۔ ان کا درجہ کیا ہے؟

۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں "ہند" سے کون سا علاقہ مراد تھا؟

۳) یہ واقعہ پیش آ چکا ہے یا پیش آنے والا ہے؟

ان تینوں نقاط پر غور کیا جائے تو مسئلہ اچھی طرح واضح ہو جائے گا اور اس اعتراض کی حقیقت معلوم ہو جائے گی۔"

ان تین نقاط میں سے ہم صرف پہلے نقطے کا جائزہ لیں گے تاکہ غلط فہمیوں کو دور کرنے کے نام پر احادیثِ مبارکہ کو ضعیف قرار دے کر انہیں مسترد کر دینے کا جو چلن عام ہو گیا ہے، اس کی حقیقت سے عام مسلمانوں کو واقف کرایا جائے۔ دوسرے اور تیسرے نقطے کے متعلق ہم صرف یہ کہیں گے کہ جب غزوۃ الہند کی حیثیت آپ کے نزدیک محض ایک پراپیگنڈا سے زیادہ کچھ نہیں تو یہ نقطہ اٹھانا ہی فضول ہے کہ "ہند سے کون سا علاقہ مراد ہے؟" کوئی بھی علاقہ ہند کہلائے اس سے کسی کو کیا فرق پڑ سکتا ہے اور تیسرا نقطہ کہ "یہ واقعہ پیش آ چکا ہے یا پیش آنے والا ہے؟" یہ بھی بے فائدہ ہے کیونکہ جب آپ کے نزدیک احادیث نامعتبر ہیں تو پھر یہ واقعہ نہ پیش آیا ہو گا اور نہ آئندہ پیش آنے کا امکان ہو سکتا ہے۔ پھر اس بات میں فکر کرنے کا تردد کیوں کیا جائے؟ لہٰذا ہماری بحث صرف پہلے نقطے تک محدود رہے گی۔

أ. مولانا محترم نے غزوۂ ہند سے متعلق منقول جن چار احادیث کا جائزہ لیا ہے ان میں سے پہلی حدیث کے متعلق موصوف کا کہنا ہے کہ "بعض راویوں پر کلام کے باوجود" جو روایت فی الجملہ معتبر تسلیم کی گئی ہے وہ حضرت ثوبانؓ کی ہے۔ اس روایت کے الفاظ اس طرح ہیں:

"حضرت ثوبانؓ سے مروی ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: میری اُمت کے دو گروہوں کو اللہ تعالیٰ دوزخ کی آگ سے محفوظ رکھے گا ایک وہ گروہ جو ہندوستان سے غزوے میں شریک رہے گا۔ دوسرے وہ جو (دجال کے مقابلہ میں) حضرت

عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے ساتھ ہو گا۔(مسند احمد ۵: ۲۷۸، حدیث نمبر:۲۲۴۴۹، نسائی، حدیث نمبر:۳۱۷۵)"

مولانا محترم نے اس حدیث کے بارے میں "بعض روایوں پر کلام کے باوجود" کے الفاظ کہہ کر یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ اسے بغیر کسی قاعدے قانون کے معتبر تسلیم کیا گیا ہے جبکہ اس حدیث کی تحقیق یہ ہے کہ اس حدیث کے تمام راوی ثقہ اور صدوق ہیں سوائے ایک راوی ابو بکر الزبیدی کے۔ اس کو امام ابن حجر عسقلانیؒ نے مجہول کہا ہے۔ لیکن اس کو ایک اور ثقہ راوی عبد اللہ بن سالم سے امام احمد نے اپنی مسند میں بیان کیا ہے لہٰذا عبد اللہ بن سالم کی متابعت کی وجہ سے یہ حدیث صحیح ہے۔ علامہ البانیؒ (جن کا حوالہ مولانا محترم نے دوسری روایتوں میں دیا ہے) نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھیے سلسلۃ الصحیحۃ، حدیث نمبر ۱۹۳، صحیح الجامع حدیث نمبر ۴۰۱۲۔

پھر اس صحیح حدیث کو ذکر کرنے کے بعد مولانا محترم نے کچھ سوالات اٹھائے ہیں جن کے جوابات اس حدیث مبارکہ میں انہیں نہیں مل پائے ہیں۔ گویا کہ حدیث تشفی بخش نہیں ہے۔ پھر ایک اعتراض یہ بھی اٹھایا ہے کہ "اس روایت میں حکم نہیں ہے کہ مسلمانوں کو حملہ کرنا چاہیے بلکہ صرف خبر ہے کہ ایسی صورت پیدا ہو جائے گی کہ مسلمان فوج کشی کریں گے اس وقت اس میں شرکت باعث ثواب ہو گی۔"

جب یہ حدیث معتبر تسلیم کر لی گئی ہے تو کسی کے اعتراضات سے اس حدیث کی صحت پر کوئی فرق پڑنے والا نہیں ہے، بلکہ آپ یہ سوچیں کہ اب سنگھ پریوار کو کیا جواب دیا جائے گا اور ان کی غلط فہمی کیسے دور کی جائے گی کہ "مسلمان آئیں گے، ہندوستان کے ہندوؤں کو قتل کریں گے۔"

میں بڑے ادب و احترام کے ساتھ مولانا محترم سے کہنا چاہوں گا کہ اس حدیث میں اصل درس نبوی بشارتوں سے اپنے دلوں کو مسرور کرتے ہوئے اللہ کے دین کی سربلندی اور شرک کے سب سے بڑے گڑھ کے قلع قمع کے لیے حتی الوسع تن من دھن لگا دینے کی ترغیب ہے۔ اس حدیث کے ضمن میں یہ سوال کہ "یہ فوج کشی کیوں ہو گی؟ اس کی کوئی وضاحت نہیں ہے؟؟" اس کے جواب میں یہ کہہ دینا کافی سمجھتا ہوں کہ "وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لاَ تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلهِ (سورۃ الانفال:۳۹)، لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ (سورۃ التوبۃ:۳۳، سورۃ الصف:۹) اور لتکون کلمۃ اللہ ھی العلیا، اس کے علاوہ بھی اسلامی فوج کشی (جس کی نبوی پیشن گوئی بھی موجود ہے) کا کوئی اور مقصد ہو سکتا ہے؟!! اس غزوۂ موعودہ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ بے شمار اکابر محدثین و علمائے اسلام اور مورخین نے اس حدیث کو تواتر کے ساتھ بیان کر کے اس امانت و بشارت کو ہر دور میں آئندہ آنے والی نسلوں تک منتقل کرنے کی کوشش کی ہے۔ امام بخاریؒ نے التاریخ الکبیر: (۱۷۴۳) میں، امام طبرانیؒ نے المعجم الاوسط (۶۹۳۰) میں امام ہیثمیؒ نے مجمع الزوائد باب غزوۃ الھند میں، امام نسائیؒ نے السنن المجتبیٰ اور السنن الکبری (۳۱۷۵) میں، امام بیہقیؒ نے السنن الکبری (۱۸۳۸) میں، امام جلال الدین سیوطیؒ نے جمع الجوامع (۱۱۵) میں، امام مناویؒ نے الجامع الکبیر کی شرح فیض القدیر (۵۴۳۶) میں، امام ابن عدیؒ نے الکامل (ج:۲/ص ۱۶۱) میں، امام دیلمیؒ نے مسند الفردوس میں، امام مزیؒ نے تہذیب الکمال میں اور ابن عساکرؒ نے تاریخ دمشق میں اس روایت کو نقل کیا ہے۔

ب. دوسری حدیث جو بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے:

"حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے غزوۂ ہند کا وعدہ فرمایا، تو اگر میں اس میں شہید ہو گیا تو بہترین شہدا میں ہوں گا اور اگر لوٹ آیا تو ابو ہریرہ دوزخ سے آزاد ہو گا۔ (مسند احمد: ۲/۲۲۹، نسائی ۳۱۷۳، ۳۱۷۴ باب غزوۃ الہند)"

مولانا محترم اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی یہ روایت سند کے اعتبار سے ضعیف ہے کیونکہ ایک راوی جبر بن عبیدہ آئے ہیں اور ان کے بارے میں اہل فن جیسے علامہ مزیؒ کا خیال ہے کہ وہ معتبر نہیں ہیں، علم رجال کے بڑے ماہر حافظ ذہبیؒ نے میزان الاعتدال میں بھی ان کی حدیث کو منکر یعنی ناقابل قبول قرار دیا ہے اسی کے ساتھ مولانا محترم نے موجودہ دور کے دو بڑے محدثین شیخ البانیؒ اور ارناؤطؒ کے حوالے بھی دیے ہیں جنہوں نے اس حدیث کو سند کے اعتبار سے ضعیف قرار دیا ہے۔

لیکن مولانا محترم نے قاضی احمد شاکرؒ کے قول کو بیان نہیں کیا جنہوں نے مسند احمد کی شرح و تحقیق میں اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ (۱۲/۷۹ حدیث نمبر ۷۱۲۸) اور نہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے قول کو بیان کیا ہے جنہوں نے اپنی کتاب التقریب میں اس حدیث کو مقبول تسلیم کیا ہے۔ ان کے علاوہ دیگر محدثین نے بھی درجے کے لحاظ سے اس حدیث کو مقبول یعنی صحیح یا حسن قرار دیا ہے۔

ج. حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک اور حدیث مسند احمد کے حوالے سے مولانا محترم نے ذکر کی ہے:

"حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ مجھ سے میرے خلیل صادق رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس امت میں ایک فوج سندھ اور ہند کی طرف جائے گی۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا تو اگر میں نے اس کو پا لیا (اور اس میں شہید ہو گیا) تو یہی

مقصود ہے، اور اگر میں واپس آ گیا تو میں وہ ابو ہریرہ ہوں گا، جس کو اللہ نے دوزخ سے آزاد کر دیا۔ (۲/۳۶۹)"

اس روایت میں محترم مولانا نے دو خامیاں بتاتے ہوئے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ "ایک تو اس میں ایک راوی ہیں براء بن عبداللہ غنوی، ان کو محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔ یحییٰ بن معینؒ نے کہا ہے کہ :لم یکن حدیثه بذاك، یعنی ان کی حدیث قابل قبول نہیں ہے اور ضعیف کا لفظ بھی ان کے لیے استعمال کیا ہے۔ امام نسائیؒ بڑے پائے کے محدث اور ناقدِ رجال ہیں انہوں نے بھی ان کو ضعیف کہا ہے اور حافظ ابن حجرؒ نے بھی تقریب التہذیب میں ان کا ضعیف ہونا نقل کیا ہے دوسرے اس روایت کو حسن بصریؒ حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کرتے ہیں لیکن ایک بڑے پائے کے محدث امام ابو حاتمؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے حسن بصریؒ کا سماع ثابت نہیں ہے۔ اسی بنیاد پر ڈاکٹر شعیب ارناؤوطؒ نے مسند امام احمد کی تعلیق میں کہا ہے کہ اس کی سند ضعیف ہے اور ضعیف کی وہی دو جہتیں بیان کی ہیں جن کا ابھی اوپر ذکر کیا گیا ہے"۔

یہاں پر بھی مولانا محترم نے قاضی احمد شاکرؒ کے اس قول کا ذکر نہیں کیا جنہوں نے مسند احمد کی شرح و تحقیق میں اس حدیث کو صحیح رحسن قرار دیا ہے (حدیث نمبر ۸۸۰۹)۔

اس حدیث کو مسند احمد کے حوالے سے ابن کثیرؒ نے بھی البدایۃ والنھایۃ میں نقل کیا ہے۔

امام نسائیؒ نے اسی حدیث کو اپنی کتاب السنن المجتبیٰ (۶۲۶) اور السنن الکبری (۲۸۳) دونوں میں مندرجہ ذیل الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے کہ "نبیؐ نے ہم سے غزوۂ ہند کا وعدہ فرمایا۔ اگر مجھے اس میں شرکت کا موقع مل گیا تو میں اپنی جان و مال اس میں خرچ کر دوں گا اگر قتل ہو گیا تو میں افضل ترین شہدا میں شمار ہوں گا اور اگر واپس لوٹ آیا تو ایک آزاد ابو ہریرہ ہوں گا"۔

امام حاکمؒ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے (المستدرک علی الصحیحین رقم الحدیث: ۶۲۳۴)۔ اس حدیث کو امام بیہقیؒ نے السنن الکبری ۹/۱۷۶) میں اور دلائل النبوۃ (۳۳۶۶) میں ذکر کیا ہے اور انہیں کے حوالے سے امام سیوطیؒ نے الخصائص الکبری (۱۹۰۲) میں ذکر کیا ہے۔

ابن کثیر نے النھایۃ فی الفتن والملاحم (ص: ۱۲) میں سعید بن منصور نے اپنی سنن (۷/۱۷۸) میں خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں بایں الفاظ: اتعبت فیھا النفس، میں اپنے آپ کو تھکا دوں گا۔ (۴/۳۷۷)

امام بخاری کے استاذ نعیم بن حمادؒ نے الفتن (۱/۴۰۹، حدیث نمبر ۱۲۳۷) میں، ابن ابی عاصمؒ نے اپنی کتاب الجھاد میں بایں الفاظ "وکنت کافضل الشھداء" اور اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے (الجھاد، فضل غزوۃ البحر ۲/۶۶۸، حدیث نمبر: ۲۹۱۰، ابن ابی حاتم نے اپنی کتاب العلل میں بایں الفاظ "فان اقتل اکون حیا مرزوقا وان ارجع فانا المحرر" اگر میں قتل ہو گیا تو رزق پانے والا (شہید کی حیثیت سے) زندہ رہوں گا اور واپس لوٹ آیا تو آزاد (۱/۳۴۴)۔ ابو نعیم اصفہانیؒ نے حلیۃ الاولیاء میں (۸/۳۱۶۔۳۱۷)، امام حاکم نے المستدرک علی الصحیحین میں (حدیث نمبر: ۷۱۷۶)، امام بخاریؒ نے التاریخ الکبیر میں (رقم الحدیث: ۲۳۳۳)، امام مزی نے تہذیب الکمال میں (۴/۴۹۴)، امام ذہبی نے تاریخ الاسلام (ج ۱: رص ۱۱۰) میں، امام ابن حجر عسقلانی نے تہذیب التہذیب میں (۲/۵۲) اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

اکثر علمائے محدثین کے نزدیک درجے کے لحاظ سے یہ حدیث مقبول یعنی صحیح یا حسن ہے۔

مولانا موصوف نے یہ کہہ کر بات ختم کی کہ "اگر حضرت ابو ہریرہؓ کی دونوں روایتوں کو دیکھا جائے تو اس میں ایک اشارہ یہ بھی ملتا ہے کہ یہ واقعہ حضورؐ کے بعد قریبی دور میں پیش آنے والا تھا......" مزید کہتے ہیں کہ "دوسرے اس میں ایک لفظ ہے بعث الی السند والہند ایک فوج سندھ اور ہند بھیجی جائے گی تو اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اس میں ہند سے ہند کا وہ علاقہ مراد ہے جو اس وقت مغربی پاکستان کا حصہ ہے، یعنی دریائے سندھ کے دونوں کنارے......"

مولانا محترم اپنی اس تشریح سے گویا یہ تسلی کروا رہے ہیں کہ اگر حدیث کو صحیح بھی سمجھا جائے تو یہ غزوہ ہمارے اس زمانے میں پیش آنے والا غزوہ نہیں ہے اور نہ اس سے موجودہ ہندوستان مراد ہے لہٰذا ڈرنے اور گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔

د. مولانا محترم نے صفوان بن عمرو کی روایت اس طرح نقل کی ہے۔

"صفوان ایک صاحب سے روایت کرتے ہیں جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: 'میری اُمت کا ایک گروہ ہند میں جہاد کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کو فتح عطا فرمائیں گے۔ یہاں تک کہ وہ ہند کے راجاؤں سے اس حال میں ملیں گے کہ وہ زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ان مجاہدین کے گناہوں کو معاف کر دیں گے، پھر وہ شام کی طرف لوٹیں گے تو شام میں حضرت عیسیٰ ابن مریمؑ کو پائیں گے'۔ (نعیم بن حماد فی الفتن حدیث نمبر ۱۱۸۲)"

اس حدیث کے ضمن میں مولانا محترم کہتے ہیں کہ ''بعض سندوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے اس کو تین ذریعوں سے نقل کیا گیا ہے۔''

مولانا نے دو ذریعوں میں ضعف کی وجہ تدلیس کو بتایا ہے اور تیسرے ذریعہ کے متعلق کہا کہ ''سند میں اتصال نہیں ہے'' اور حکم بیان کیا کہ اس لیے یہ تینوں ذریعے اہل فن کے نزدیک غیر معتبر ہیں'' جبکہ اس حدیث کو حکم کے لحاظ سے مرفوع کے درجہ میں رکھا گیا ہے۔ بعض اہل علم نے اس طریق (مسند بن راھویہ: ج۱۰، ص:۴۹۶) کی روشنی میں کہا ہے کہ ''ان صح الحدیث بذلک'' کہ اگر یہ حدیث صحیح ہو اور پھر یہ کہا کہ یہ پیشن گوئی پوری نہیں ہوئی بلکہ نزول مسیحؑ کے زمانے میں پوری ہو گی۔

ہ. مولانا محترم ایک اور حدیث ذکر کرتے ہیں:

''حکم بن نافع اس شخص سے نقل کرتے ہیں جس نے کعب احبار سے نقل کیا ہے کہ 'بیت المقدس کا ایک حکمران ہندوستان کو فوج بھیجے گا جو اس ملک کو فتح کرے گا وہ ہندوستان کو روند ڈالے گی۔ وہاں کے خزانے لے لے گی وہ بادشاہ بیت المقدس کو اس سے آراستہ کرے گا۔ یہ فوج ہندوستان کے حکمرانوں کو ہتھکڑیوں میں لے کر آئے گی اور مشرق و مغرب کے درمیان کے تمام علاقے اس کے لیے فتح کر لیے جائیں گے اور دجال کے نکلنے تک اس فوج کا ہندوستان میں ہی قیام رہے گا'۔ (اخرجہ نعیم بن حماد فی الفتن، حدیث نمبر:۱۲۱۴)''

مولانا محترم نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ ''یہ بھی غیر معتبر روایت ہے'' نیز یہ بھی کہا ہے کہ ''صرف اسی ایک روایت میں ہندوستان کے حکمرانوں کو ہتھکڑی پہنا کر لانے کا ذکر ہے''، جبکہ اس سے پہلے مذکور صفوان بن عمرو کی روایت میں بھی اس کا تذکرہ موجود ہے جسے خود مولانا نے بھی ذکر کیا ہے۔

مولانا نے ان احادیث کو ضعیف قرار دے کر نامعتبر ٹھہرانے کی کوشش کی ہے جبکہ علم حدیث اور فن حدیث سے واقف ہونے والے اہل علم بخوبی جانتے ہیں کہ جب ایک مضمون پر مشتمل کئی ضعیف احادیث موجود ہوں تو ان کا حکم حسن لغیرہ کا ہو جاتا ہے اور ان کا ضعف ختم ہو جاتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں کہ حدیث ضعیف کے حسن ہونے کی صورت کیا ہے۔

''ڈاکٹر محمد عجاج الخطیب نے اپنی کتاب ''اصول الحدیث'' میں لکھا ہے کہ:

''ہر وہ ضعیف حدیث جس میں مرسل یا مدلس ہونے یا بعض راوی کے مجہول ہونے کی وجہ سے ضعف پیدا ہوا ہے تو اگر یہی حدیث دوسری سند سے آ رہی ہے تو یہ ضعیف حدیث حسن ہو جائے گی اور اس کا ضعف ختم ہو جائے گا۔'' (اصول الحدیث، محمد عجاج الخطیب ص ۳۵۰ طبع چہارم ۱۹۸۱ء دار الفکر بحوالہ تدریب الراوی ص ۱۰۲ تا ۱۰۴، قواعد التحدیث ص ۱۰۹، ۱۱۰)

اس ساری بحث و تحقیق سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان احادیث کو جرح و تعدیل کے ماہرین نے تسلیم کیا ہے اور یہ احادیث اپنے راویوں کی کثرت کی بنا پر شہرت عام کے درجے پر پہنچی ہوئی ہیں اور اہل علم کے نزدیک ثابت شدہ ہیں اور علمائے امت نے اپنی کتب میں بشارت اور قیامت سے قبل واقع ہونے والی علامت کے طور پر انہیں نقل کیا ہے اور اسی کے ساتھ ساتھ اسلاف امت نے عملی طور پر ان بشارتوں کا مصداق بننے کی خواہش اور کوشش کی ہے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے کی۔ اور صحابۂ کرامؓ کے دور ہی سے یہ کوشش کی جاتی رہی ہے۔ کیونکہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک عہد کے بعد آپؐ کی قیادت میں جہاد کی سعادت حاصل کرنے کا موقع باقی نہ رہا تو سلف صالحین ایسے مواقع کی تلاش میں رہتے تھے کہ کم از کم آپ کی پیشن گوئی والے کسی ایک معرکہ میں شرکت کی سعادت ضرور حاصل کر سکیں، چنانچہ حارث بن مرہ اور مہلب بن صفرہ سے لے کر آج تک اہل اسلام ان بشارتوں اور سعادتوں کے حصول میں لگے ہوئے ہیں اور ان شاء اللہ اس کی تکمیل امام مہدیؒ کے دست مبارک پر ہو گی۔ ان بشارتوں کی اسلاف کے نزدیک کیا اہمیت تھی اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ والی حدیث جو امام بیہقیؒ نے نقل کی ہے اس میں حضرت امام ابو اسحق فزاری (ابراہیم بن محمد، محدث شام اور مجاہد عالم متوفی ۱۷۶ھ) کا قول ذکر کیا ہے کہ جب انہوں نے یہ حدیث سنی تو ابن داود سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا ''وددت انی شہدت باربد بکل غزوۃ غزوتھا فی بلاد الروم'' میری خواہش ہے کہ کاش ہر اس غزوہ کے بدلے میں جو میں نے بلاد روم میں کیا ہے باربد (عرب سے ہندوستان کی سمت مشرق میں کوئی علاقہ) میں ہونے والے غزوات میں شریک ہوتا۔ (السنن الکبری للبیہقیؒ ۱۷۶۹، کتاب السیر، باب ماجاء فی قتال الہند۔ ۱۸۵۹۹)

امام ابو اسحق فزاری کی اس تمنا کے پیش نظر ان کی عظمت کا اندازہ ان کے مناقب میں عابد الحرمین حضرت فضیل بن عیاض کے اس خواب سے لگایا جا سکتا ہے جو امام ذہبی نے ''سیر اعلام النبلاء'' ۸/ ۵۴۲۔ ۵۴۳) میں نقل کیا ہے انہوں نے خواب میں دیکھا کہ نبیؐ کی مجلس لگی ہوئی ہے اور آپ کے پہلو میں ایک نشست خالی ہے تو میں نے ایسے موقع کو نادر اور غنیمت سمجھتے ہوئے اس پر بیٹھنے کی کوشش کی تو نبیؐ نے یہ کہتے ہوئے منع فرمایا کہ یہ نشست خالی نہیں بلکہ ابو اسحق فزاری کے لیے مخصوص ہے۔

(باقی صفحہ نمبر 54)

# اپنا اپنا اسماعیل پیش کرو!

حافظ طیب نواز شہید عِلیہ الرحمۃ

اسوۂ ابراہیمی کا ہر ایک نقش رب العالمین کو اس قدر پسند آیا کہ اُسے رہتی دنیا کے لیے بطور نمونہ پیش کیا گیا، تمام مناسک حج ابراہیم علیہ السلام ہی کے نقوش ہیں۔ اللہ رب العالمین کی توحید کو تمام باطل ادیان پر غالب کرنے اور اپنے رب کی رضا کو پانے کے لیے ابراہیم علیہ السلام نے گھر چھوڑنے سے لے کر وقت کے طاغوتی حکمران کے ہاتھوں آگ میں جلنے تک اور بیوی بچے کو وادیٔ بے آب و گیاہ میں چھوڑنے سے لے کر تمام آزمائشوں میں سب سے بڑی آزمائش کہ اپنے اسماعیل کو اپنی چھری تلے رکھ دینے تک ایک ایک قدم کو ایسے سرانجام دیا کہ خود اُن کے مالک نے گواہی دی: وَإِبْرَاهِيمَ الَّذِي وَفَّىٰ ''اور ابراہیم جس نے وفا کی'' اور کبھی فرمایا: إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ''جب اُس کے رب نے اُسے کہا کہ سر تسلیم خم کر دو تو اس نے کہا میں نے رب العالمین کے لیے سر تسلیم خم کر دیا''۔ غرض یہ کہ توحید کے مسئلۂ حاکمیت سے لے کر الولاء والبراء کے عملی مسائل تک ہر معاملے میں ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کو ہمارے لیے بطور تقلید رکھا گیا کہ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ ''یقیناً تمہارے لیے ابراہیم اور ان کے اہل ایمان ساتھیوں کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے''۔

آج بھی عالمِ کفر اکٹھا ہو کر ایمان والوں کو مٹانا چاہ رہا ہے۔ اُسی آگ اور بارود کی بارش اور ڈرون حملوں کی بھرمار سے بھی پیروانِ نمرود، یہود و نصاریٰ اور ان کے حواریوں کا دل ٹھنڈا نہیں ہوتا تو پھر چھوٹے چھوٹے معصوم بچوں کو قطار میں کھڑا کر کے، تمسخر کرتے ہوئے کلمہ پڑھواتے ہیں اور اپنی گولیوں سے اُن کے قرآن کے نور سے منور سینے چھلنی کر ڈالتے ہیں۔ لیکن یہ سب کچھ اہل ایمان کو ایمان کی گواہی دینے سے باز نہیں رکھ سکتا۔ وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدوں کو سچ جانتے ہیں اور ان پر اپنا سب کچھ تج دینے کو سعادت جانتے ہیں۔

سعادتوں کے اسی سفر کے راہی آج ہمیں دنیا بھر میں جانب منزل رواں دواں نظر آتے ہیں۔ یہ اصحاب الاخدود کے کردار کو بھی زندہ کر رہے ہیں، اصحاب کہف کی سیرتوں میں بھی ڈھل رہے ہیں، کفار کے قلوب میں تیر قضا کی مانند اتر کر سنت یوسفی کی ادائیگی اور شعب ابی طالب کی رودادوں کو بھی دہرا رہے ہیں۔ اسی لیے اہل صلیب ایک ایک ایمان والے سے خائف ہیں، لرزاں و ترساں ہیں اور اہل ایمان کو نارِ نمرود میں جلا کر بھسم کر دینے کے خواہاں ہیں...... ڈاکٹر عافیہ صدیقی اور فیصل شہزاد تو محض استعارے ہیں...... استقامت و عزیمت کے استعارے...... یہود و نصاریٰ کی ازلی اسلام دشمنی کے اظہار کے استعارے...... اور عروج امت کی نوید دیتے اور جنتوں کے سفر کے راہیوں کو منزلوں کا پتا دیتے استعارے!!! صلیبیوں کی نظر میں امت کا ہر صاحب ایمان و یقین اور غیرت مند فرد ڈاکٹر عافیہ صدیقی اور فیصل شہزاد ہے اور وہ اپنی تمام تر دجالی ٹیکنالوجی اور ابلیسی مکر و فریب کے ساتھ اِن اہل ایمان کو مٹانے کے درپے ہیں۔

آگ ہے، اولادِ ابراہیم ہے، نمرود ہے
کیا کسی کو پھر کسی کا امتحان مقصود ہے

اس امتحان میں سرخروئی حاصل کرنے والے خوش بخت اللہ کی نصرت کے واضح آثار ملاحظہ کر رہے ہیں۔ مجاہدین تو اللہ کے کلمے کی سربلندی اور کفر کی مکمل مغلوبیت تک اپنے ہتھیار سینوں پر سجائے رکھیں گے اور يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ کے مبارک راستے پر کامل استقامت سے گامزن رہیں گے اور اپنے رب سے کیے ہوئے سودے کو چکاتے رہیں گے......

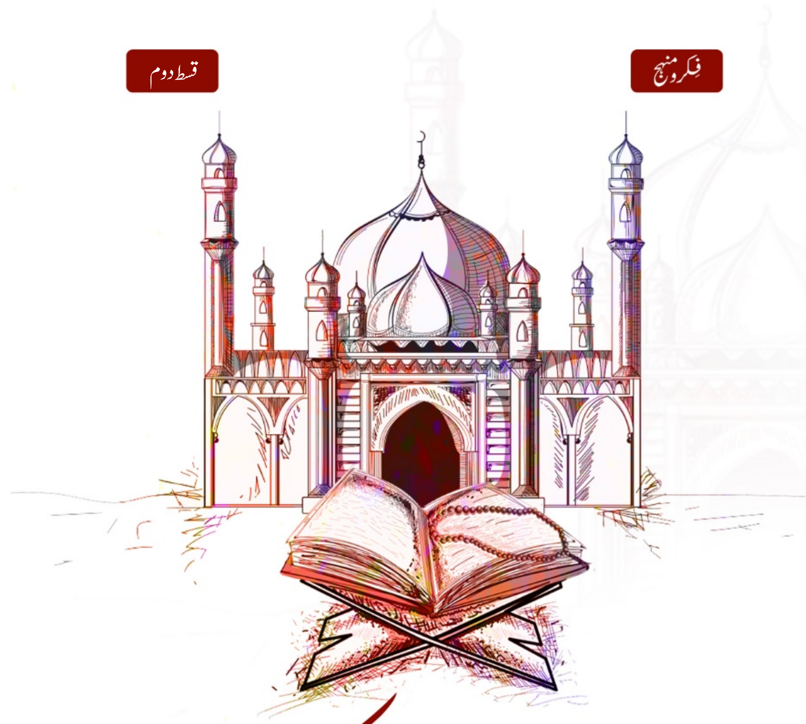
یہ مجاہدین تمام اہل ایمان کو جنتوں کے اس سفر میں ہمراہی کی دعوت دے رہے ہیں اور انہیں یاد دلا رہے ہیں کہ آج کے دور میں لا الہ الا اللہ کا اقرار کرنے والے ہر فرد کو اسوۂ ابراہیمی پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ اللہ کی راہ میں اپنی محبوب ترین چیز کو پیش کر دو تا کہ جنت کی ابدی زندگی میں وہ تمام نعمتیں جن کا وعدہ اللہ رب العزت نے خود فرمایا ہے، اُس کے حق دار بن سکو۔ گویا بزبان حال یہ منادی جاری ہے کہ اپنا اپنا اسماعیل پیش کرو!!!

## 'نوائے غزوۂ ہند' کے سوشل میڈیا اکاؤنٹس

تمام معزز قارئین کو مطلع کیا جاتا ہے کہ 'نوائے غزوۂ ہند' کے 'سوشل میڈیا اکاؤنٹس' توزیعی مقاصد (propagation) کے لیے ہیں۔ ان اکاؤنٹس کو 'نوائے غزوۂ ہند' کی مجلسِ ادارت یا مدیر سے رابطے کے لیے استعمال نہ کیا جائے۔ 'نوائے غزوۂ ہند' سے رابطے کے لیے مجلّے کے تازہ ترین شمارے میں درج مجلسِ ادارت یا مدیر کے 'ای میل ایڈریس' کو استعمال کیا جائے۔

شکریہ، جزاکم اللہ خیراً کثیراً

(مجلسِ ادارت 'نوائے غزوۂ ہند')



# مکاتب و مدارس کی تاریخ

مولانا ڈاکٹر عبید الرحمٰن المرابط حفظہ اللہ

زیرِ نظر مضمون سابقاً شائع ہونے والے 'تعلیم' سے متعلق مقالے سے مربوط ہے

## باب ۲: گھریلو تعلیم اور والدین کا فرض

قرآن کریم میں تعلیم کے حوالے سے آیات جاننے کے بعد ہم آتے ہیں اسلام میں تعلیم کے پہلے ادارے کی طرف۔ یعنی گھر! گھریلو تعلیم کی اہمیت اور والدین کی ذمہ داری کے بارے میں مولانا سیّد محمد میاںؒ اپنی کتاب طریقۂ تعلیم میں لکھتے ہیں کہ:

''اسلام نے بچوں کی مذہبی تعلیم اور دینی تربیت خود ماں باپ پر فرض کی ہے جس طرح نماز روزہ فرض ہے، جس طرح خود اپنے اخلاق کی اصلاح اور درستی فرض ہے، اسی طرح یہ بھی فرض ہے کہ وہ اپنے بچوں کو نماز کی تعلیم دیں، صوم و صلوٰۃ کا پابند بنائیں، ان کے عقیدے ٹھیک کریں، ان کے اخلاق درست کریں۔'' اور اس کے لیے قرآن و سنت سے مندرجہ ذیل دلائل ذکر کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ○ (سورۃ التحریم:۶)

''مومنو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو آتش (جہنم) سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں اور جس پر تند خو اور سخت مزاج فرشتے (مقرر ہیں) جو ارشاد خدا ان کو فرماتا ہے اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم ان کو ملتا ہے اسے بجالاتے ہیں۔''

وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۭ لَا نَسْـَٔــلُكَ رِزْقًا ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ○ (سورۃ طٰہٰ:۱۳۲)

''اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کرو اور اس پر قائم رہو، ہم تم سے روزی کے خواستگار نہیں بلکہ تمہیں ہم روزی دیتے ہیں اور (نیک) انجام (اہل تقویٰ) کا ہے۔''

نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''أَلاَ كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، فَالإِمَامُ الَّذِي عَلَى النَّاسِ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلَى أَهْلِ بَيْتِهِ، وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلَى أَهْلِ بَيْتِ زَوْجِهَا، وَوَلَدِهِ وَهِيَ مَسْئُولَةٌ عَنْهُمْ، وَعَبْدُ الرَّجُلِ رَاعٍ عَلَى مَالِ سَيِّدِهِ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْهُ، أَلاَ فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ۔''

''خبردار تم میں سے ہر شخص نگران ہے اور ہر شخص سے اس کی رعیت کے متعلق باز پرس ہوگی۔ لوگوں کا امام نگران ہے اور اس سے اس کی رعیت کے متعلق باز پرس ہوگی، آدمی اپنے اہل پر نگران ہے اور اس سے اس کی رعیت کے متعلق پوچھا جائے گا، عورت اپنے شوہر کے گھر میں نگران ہے، اس سے اس کی رعیت کے متعلق باز پرس ہوگی، خادم اپنے آقا کے مال کا محافظ ہے اور اس سے اس کے بارے میں پرسش ہوگی۔ گویا تم میں سے ہر شخص نگہبان ہے اور ہر شخص سے اس کی رعیت کے متعلق پوچھا جائے گا۔'' (بخاری)

مزید فرمایا:

''مُرُوا أَوْلَادَكُمْ بِالصَّلَاةِ وَهُمْ أَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِينَ، وَاضْرِبُوهُمْ عَلَيْهَا، وَهُمْ أَبْنَاءُ عَشْرٍ وَفَرِّقُوا بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ۔''

''اپنی اولاد کو نماز پڑھنے کا حکم دو جب وہ سات برس کے ہو جائیں اور جب دس برس کے ہو جائیں تو نماز نہ پڑھنے پر ان کو مارو۔ اور ان کے بستر بھی الگ کر دو۔'' (سنن ابو داود)

اور فرمایا:

''مَا نَحَلَ وَالِدٌ وَلَدًا مِنْ نَحْلٍ أَفْضَلَ مِنْ أَدَبٍ حَسَنٍ۔''

''کوئی والد اپنے بیٹے کو اچھے ادب سے بہتر انعام نہیں دیتا۔'' (ترمذی)

پھر مولانا محمد میاںؒ فرماتے ہیں:

”قرآن حکیم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاداتِ مبارکہ نے جو ہمارا فرض مقرر کیا ہے اس کے ادا کرنے کی سب سے اچھی صورت تو یہ ہے کہ اپنے بچوں کو خود پڑھائیں۔ اسلام کے احکام اور اس کے بتائے ہوئے آداب کے خود بھی پابند اور عادی ہوں اور بچوں کو بھی پابند اور عادی بنائیں۔ اگر ہم اپنی تفریح یا آرام کرنے کے وقت میں سے صبح یا شام کا صرف ایک گھنٹہ بچوں کی تعلیم وتربیت کے لیے مخصوص کر لیں اور کچھ آگے بڑھ کر اپنے بچوں کے ساتھ پڑوس کے بچوں کو بھی تعلیم و تربیت کے حلقہ میں شامل کر لیں، تو اس طرح ہر لکھے پڑھے مسلمان کا گھر تعلیم دین کا مکتب اور تربیت گاہ بن جائے گا۔ اور بغیر پیسہ خرچ کیے مفت میں وہ کام ہو جائے گا جس کے لیے کروڑوں اربوں روپیہ کی ضرورت ہے۔“ اور دیگر عملی تجاویز میں سے ایک یہ بھی لکھتے ہیں کہ: ”اپنی نگرانی میں گھریلو مکتب اور تربیت گاہ خود اپنے گھر کی عورتوں اور سمجھ دار لڑکیوں سے قائم کروائیں۔“

ڈاکٹر عباس محجوب جو جامعہ اسلامیہ مدینہ یونیورسٹی میں شعبۂ دعوت کے اسسٹنٹ پروفیسر ہیں اپنے مقالے (تربیت: اسلام سے قبل اور اسلام میں) میں حضرت عمرؓ کا ایک مشہور قول نقل کرتے ہیں کہ: ”اپنے بچوں کو تیر اکی اور گھڑ سواری سکھاؤ۔ اور انہیں ضرب الامثال اور بہترین اشعار یاد کراؤ۔“ (بحوالہ: البیان والتبیین از جاحظ) پھر آگے چل کر کہتے ہیں کہ: ”حضرت عمرؓ کے سابقہ قول سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے آغاز میں تعلیم کا کوئی باقاعدہ نظام نہ تھا۔ بلکہ والدین خود ہی تعلیم دیا کرتے تھے۔“ ایک اور جگہ لکھتے ہیں ”اسلام کے اولین دور میں مکاتب بہت عام نہ تھے کیوں کہ تعلیم کی بنیادی ذمے داری والدین اور خاص خاص معلمین پر ہوتی تھی۔ اسی لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وصیت میں الفاظ ”اپنے بچوں“ کے آئے ہیں۔“

اسلامی معاشرے میں گھریلو تعلیم کی ایک اور شکل ہمیں مؤدبین کی صورت میں نظر آتی ہے۔ یہ لفظ خاص ان معلمین کے لیے استعمال ہوتا تھا جنہیں خاص کر خلفائے اسلام اور دیگر امرا اور صاحب ثروت حضرات اپنے بچوں کی تعلیم وتربیت کے لیے اپنے گھروں پر بلاتے تھے۔ اور بسا اوقات بچوں کو انہی کے سپرد کر دیا کرتے تھے۔ جیسا کہ شیخ محمد شربنی (جو مدینہ منورہ کی جامعہ اسلامیہ کے ماہر تعلیم ہیں) نے اپنے مقالے (دور حاضر میں تعلیم اور اسلامی تربیت) میں اموی دور کے معلمین کے بارے میں لکھا ہے۔

اور چونکہ یورپ نے زندگی کے دیگر شعبوں کی طرح تعلیم کے اس مقدس عمل کو بھی محض ایک صنعت ”انڈسٹری“ بنا دیا ہے اور تعلیم کے ہدف کو مخصوص دنیاوی مفادات کا حصول ٹھہرا دیا ہے، جس کے سبب مغربی معاشروں میں دین تو کیا اخلاقیات اور آداب کی ادنیٰ حس بھی جاتی رہی۔ اور اس پورے عمل کا خمیازہ اب جا کر انہیں بھگتنا پڑ رہا ہے۔ اس لیے اِس گئے گزرے معاشرے میں جن والدین میں کچھ اخلاقی اقدار باقی ہیں، انہوں نے اپنے بچوں کو بے راہ روی سے بچانے کے لیے اب دوبارہ گھریلو تعلیم کا نسخہ اپنایا ہے۔ اپنے بچوں کو قبل از وقت بالغ ہونے، بلکہ قبل از بلوغت جماع کے عمل اور نو بالغ لڑکیوں کو ولادت سے بچانے کا انہیں بس یہی حل نظر آرہا ہے۔

مغرب کی اس جہنمی چنگاریوں سے تو اب مسلم معاشرے بھی سلگ رہے ہیں۔ اور اب پاکستان میں بھی بے شمار والدین نے یہی راہ اپنائی۔ میں ذاتی طور پہ ایسے متوسط اور امیر گھرانوں کو جانتا ہوں جہاں بچوں اور بچیوں کی تعلیم کا بندوبست گھروں پر ہی کیا جاتا ہے۔ اگر ہم نے یہاں اخلاقی انحطاط کی مثال صرف جنسی بے راہ روی کی دی ہے تو اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ دیگر مفاسد مفقود ہیں۔ والدین کی نافرمانی اور دین وملت کی دشمنی تو اظہر من الشمس ہیں۔ لیکن جب تنزلی کی یہ حالت عزت اور عفت تک پہنچ گئی، تب جا کر ایک محدود طبقے کے یہاں یہ احساس بیدار ہوا ہے۔ جدید دور کے طرز کے مقابلے میں اگر اسلامی احکام اور دورِ خلافت کے اسلامی معاشرے کو دیکھا جائے تو ہمیں گھریلو تعلیم اور تربیت ہی نمایاں نظر آتی ہے۔ ہاں جہاں کوئی مسلم گھرانہ تعلیم نہ دے سکے، تو اس کے لیے مسلمانوں نے اجتماعی کاوشیں بھی کی ہیں جیسا کہ مکاتب اور مدارس کی تاریخ میں آگے ذکر ملے گا۔

”نظام الحکومۃ النبویہ المسمی التراتیب الاداریہ“ کے مصنف شیخ سید محمد عبدالحیؒ کتانی لکھتے ہیں کہ: ”شیخ مختار کنتی نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا: ”حضرت عمرؓ کی خلافت سے قبل صحابہ رضوان اللہ علیہم میں سے ہر صحابی اپنی اولاد اور چھوٹے بہن بھائیوں کو پڑھاتے تھے۔ لیکن جب اسلامی فتوحات پھیل گئیں اور غیر عرب اور دیہاتی بھی مسلمان ہونے لگے اور بچے زیادہ ہو گئے تو حضرت عمرؓ نے مکاتب کے لیے خاص عمارت تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ اور بچوں کی تعلیم اور تربیت کے لیے لوگوں کو مقرر کیا۔“

## گھریلو تعلیم اور خواتین

گھریلو تعلیم کے ادارے کی اہمیت اس بات سے بھی ابھرتی ہے کہ اسلام میں خواتین کی تعلیم کا یہی بنیادی ادارہ ہے۔ قرآنِ کریم میں اہل بیت کی خواتین کے ذریعے تمام خواتین اسلام کو یہ ارشاد پاک ہے:

وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی وَاَقِمْنَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتِیْنَ الزَّکٰوۃَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَکُمْ تَطْهِیْرًا○ وَاذْکُرْنَ مَا یُتْلٰی فِیْ بُیُوْتِکُنَّ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ وَالْحِکْمَةِ اِنَّ اللّٰهَ کَانَ لَطِیْفًا خَبِیْرًا○ (سورۃ الاحزاب: ۳۳، ۳۴)

”اور اپنے گھروں میں قرار کے ساتھ رہو اور (غیر مردوں کو) بناؤ سنگھار دکھاتی نہ پھرو، جیسا کہ پہلی بار جاہلیت میں دکھایا جاتا تھا اور نماز قائم کرو، اور زکوٰۃ ادا کرو، اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو۔ اے نبی کے اہل بیت! (گھر والو) اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ تم سے گندگی کو دور رکھے، اور تمہیں ایسی

پاکیزگی عطا کرے جو ہر طرح مکمل ہو۔ اور تمہارے گھروں میں اللہ کی جو آیتیں اور حکمت کی جو باتیں سنائی جاتی ہیں ان کو یاد رکھو۔ یقین جانو اللہ بہت باریک بین اور ہر بات سے باخبر ہے۔"

صاحبِ روح المعانی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: "اللہ تعالی نے امہات المومنین کو حکم دیا کہ وہ گھروں میں رہا کریں اور یہ عمل تمام خواتین سے مطلوب ہے"۔ پھر سنن ترمذی کی روایت نقل کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "عورت پردے میں رہنے کی چیز ہے کیونکہ جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیطان اسے بہکانے کے لیے موقع تلاش کرتا رہتا ہے۔ وہ اپنے رب کی رحمت کے نزدیک ترین اپنے گھر کے عین بیچ میں ہوتی ہے"۔ پھر آگے علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں: "اور ہو سکتا ہے کہ ان کا نکلنا حرام ہو۔ بلکہ کبیرہ گناہوں میں شمار ہو۔" اور "جہاں ان کے نکلنے کی اجازت بھی ہے تو وہ ان شرائط سمیت ہے جس کا کتب میں تذکرہ ہوا ہے"۔ نیز آیت کے اس ٹکڑے (تمہارے گھروں میں جو خدا کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں) میں فاعل کو ذکر نہ کرنے کے فائدے میں لکھتے ہیں کہ: "تاکہ اس میں حضرت جبریل علیہ السلام، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، خود امہات المومنین کی اپنی تلاوت اور ان کے علاوہ دیگر افراد کی تلاوت بھی بغرض تعلیم اور تعلم شامل ہو جائے۔"

گھروں میں خواتین کو لکھنے پڑھنے کی تعلیم پر توجہ ہمیں سنن ابو داود کی اس روایت میں بھی ملتی ہے کہ حضرت شفابنتِ عبد اللہؓ فرماتی ہیں کہ: "جب میں حضرت حفصہؓ کے یہاں تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم داخل ہوئے اور مجھ سے فرمایا: "کیا تم اسے (یعنی حضرت حفصہ کو) نملہ (ایسی بیماری جس میں جسم پر دانے نکل آتے ہیں) کا دم نہیں سکھا تیں جیسا کہ تم نے اسے لکھنا سکھایا ہے۔" اس حدیث کے شارحین نے اس حدیث کو خواتین کو لکھنا پڑھنا سکھانے کی خصوصی دلیل گردانا ہے۔ نیز تاریخ دمشق میں محدث ابن عساکر ذکر کرتے ہیں کہ حضرت عبد ربہ بن سلیمان نے فرمایا کہ: "حضرت ام درداءؓ مجھے پڑھایا کرتی تھیں۔ چنانچہ انہوں نے میری تختی پر لکھا کہ: بچپن میں علم حاصل کرو تاکہ بڑے ہو کر اس پر عمل کرو، کیونکہ فصل کاٹنے والے کو وہی ملے گا جو اس نے بویا، بھلا ہو یا برا۔"

ڈاکٹر محمد منیر سعد الدین اپنے مقالے (مسلمانوں کے ہاں مکاتب اور مساجد کا کردار) میں لکھتے ہیں کہ: "قاضی عیسیٰ بن مسکین (۲۷۵ھ) کے بارے میں قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ: "وہ قضا سے فارغ ہوتے تو قرآن کا ایک حصہ تلاوت کرتے، پھر شاگردوں کو پڑھانے کے لیے عصر تک بیٹھے رہتے۔ عصر کے بعد وہ اپنی بیٹیوں اور بھتیجیوں کو قرآن اور دیگر علوم کے لیے بلاتے۔"(بحواله الرسالة المفصلة لاحوال المعلمين واحكام المعلمين والمتعلمين از القابسی)

## باب ۳: مکاتب

### تمہید: تعلیم کا پہلا زینہ

جب ہم یہ تسلیم کر لیتے ہیں کہ قرآنِ کریم اور احادیثِ نبویہ میں بنیادی طور پہ تعلیم سے مراد علمِ دین کی تعلیم ہی ہے تو ہمارے لیے اس تعلیم کے حصول کے ذرائع جاننے میں کوئی خاص دشواری نہیں ہونی چاہیے۔ اگر ہم سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطالعے کے دوران اس پہلو پر غور کریں تو بہت کچھ سمجھ میں آنا شروع ہو جاتا ہے۔ جبریل علیہ السلام نے جس انداز میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلی وحی مبارک کی تلقین کی اور جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پہلے الفاظ کی تلقی کی، بس یہی تعلیم کا اولین ذریعہ تھا۔ یعنی کہ تلقین و تلقی۔ البتہ اس درس و تدریس کے عمل کو مزید پکا کرنے کے لیے حفظ، کتابت، مذاکرہ، تشریح اور بیان ان سب وسائل سے استفادہ کیا گیا جس پر قرآن کی آیات اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت شاہد ہے۔ ان تمام وسائل کے حوالے سے بہت سی نصوصِ شرعیہ ہم پیش کر سکتے ہیں (جن میں سے کئی کا اوپر ذکر گزر چکا ہے) لیکن بحث کو مختصر کرنے کی خاطر ہم ان پہلوؤں کا زیادہ تذکرہ کریں گے جن سے ہمارا مقصد اور مدعا واضح ہو۔

سو ہم کہتے ہیں کہ یہ عمل معلم اول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے درمیان مکہ کے دار ارقم سے شروع ہوا اور مدینہ کی مسجد نبوی کے چبوترے صفہ تک جاری رہا۔ اور چونکہ اس تعلیم کے عمل میں طالب علم مساجد میں اپنے اپنے معلم کے گرد حلقوں کی شکل میں بیٹھتے تھے، اس لیے یہ عمل (علمی حلقوں) کے نام سے مشہور ہوا جو نبوی برکت سے آج تک جاری ہے۔ اور انہی حلقوں نے چوتھی اور پانچویں صدی میں جا کر مدارس کی شکل اختیار کی جیسا کہ آگے ذکر آئے گا۔

اکرم بن ضیاء عمری اپنی کتاب عصر الخلافہ الراشدہ میں لکھتے ہیں کہ: "مکہ میں جب مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی تب دار ارقمؓ بن ابی ارقم ان کے اجتماعات کا مرکز تھا۔ وہ قریش کے خوف سے اس گھر میں چھپ کر داخل ہوتے تھے اور وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا کرتے تھے اور ان سے دین کی تعلیم اور قرآن کریم سیکھا کرتے تھے۔ (بحوالہ "سیرۃ ابن ہشام، مستدرک حاکم" "عصر الخلافہ الراشدہ)

البتہ تعلیم سے متعلق ایک اور عمل جو دورِ جاہلیت میں سابقہ اقوام کی طرح عرب کے یہاں بھی رائج تھا وہ کتابت کی تعلیم اور کاتب بنانے کا عمل تھا، جس کے سبب اس جگہ کو جہاں یہ تعلیم دی جاتی تھی (کُتَّاب) کہا جاتا تھا۔ اس کے لیے اردو زبان میں (مکتب) کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ یہودی اور عیسائی روایات کے مطابق اس قسم کے مکاتب یہود و نصاریٰ کے یہاں بھی رائج تھے لیکن تاریخ گواہ ہے کہ لکھنے کا عمل عرب سمیت تمام اقوام میں معروف تھا۔ تاریخ دان دور جاہلیت کے ایسے نام گنواتے ہیں جو کہ عرب کے مکاتب میں معلم تھے۔ مثلاً بشر بن عبد الملک

سکونی، دومۃ الجندل کے سربراہ اکیدر کے بھائی، ابو قیس بن عبد مناف، عمرو بن زرارہ جنہیں کاتب بھی کہا جاتا تھا، اور غیلان بن سلمہ ثقفی۔[1]

شیخ محمد شربنی اپنے مقالے میں لکھتے ہیں:

"مکتب تعلیم کے زینوں میں سے پہلا زینہ ہے۔ عرب کے اشرافیہ کے یہاں بچوں کی تعلیم پر تو خاص توجہ تھی ہی، لیکن عوام الناس بھی اس سے غافل نہ تھے۔ مکاتبِ اطفال میں پڑھنا لکھنا سکھایا جاتا تھا۔ تعلیم دینے والے اشخاص خاص افراد ہوتے تھے۔ اور تعلیم دینے اور ادب سکھانے کے خاص طریقے اپنائے جاتے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے خلفائے راشدین کے زمانے میں باقاعدہ مکاتب قائم تھے جہاں مسلمانوں کے بچے تعلیم حاصل کرتے تھے۔ پھر جیسے جیسے اسلامی افواج کی فتوحات بڑھتی چلی گئیں، ویسے ہی قرآنی مکاتب کا تصور رائج ہوتا رہا۔"

اسی طرح ڈاکٹر عباس مجوب بھی اس کی تائید میں لکھتے ہیں:

"ابتدائی تعلیم مکاتب میں ہی شروع ہوئی جیسا کہ امام شافعی کہتے ہیں: 'میں اپنی ماں کی گود میں یتیم تھا۔ تو انہوں نے مجھے مکاتب کے حوالے کیا۔ لیکن ان کے پاس اتنا مال بھی نہ تھا کہ وہ استاذ کو دیتیں۔ اس لیے استاذ نے ان سے یہی قبول کر لیا کہ میں ان کے جانے کے بعد ان کا قائم مقام رہوں۔ پھر جب میں نے قرآن ختم کیا تو میں مسجد میں داخل ہوا اور علمائے کرام کی مجلسوں میں شریک ہوا'۔"[2]

آگے کہتے ہیں کہ

"اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان بچوں کو مساجد میں تعلیم نہیں دیا کرتے تھے، کیوں کہ بچے مسجد کے ادب اور احترام کا خیال نہیں رکھ سکتے۔ البتہ مساجد میں بڑوں کی تدریس کے حلقے جاری تھے۔"

گویا مسلمانوں کے یہاں بچوں کی تعلیم کے لیے یا تو گھریلو انتظام تھا یا مکاتب کا۔ لیکن یاد رہے کہ بڑوں کے لیے تعلیم مساجد اور مدارس میں ہو یا چھوٹوں کے لیے گھروں اور مکاتب میں، تعلیم کا اصل محور "قرآن و سنت" ہی رہا ہے۔ اور مکاتب میں اگرچہ کتابت کا ہنر بھی سکھایا جاتا تھا لیکن خیر القرون میں کتابت کے لیے بھی متن قرآن ہی تھا۔ پھر مکاتب میں صرف کتابت پر ہی انحصار نہیں کیا گیا بلکہ جیسا بڑوں کے لیے قرآن کی تعلیم تلقین کے ذریعے ہوتی تھی، اسی طرح بچوں کو بھی باقاعدہ تعلیم کے ذریعے قرآن سکھایا جاتا تھا۔ جیسے کہ آج تک مسلمانوں میں قرآن کریم ناظرہ اور حفظ کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

## فصل ۱: عہد رسالت و خلافت راشدہ میں مکاتب کا تذکرہ

### عہد رسالت میں مکاتب کا وجود

یہ بات تو مسلم ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں بھی مکاتب کا وجود تھا، جیسا کہ صحیح بخاری کی کتاب الدیات میں ایک روایت نقل ہے کہ:

"ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ نے مکتب کے معلم (معلم الکُتّاب) کو پیغام بھیجا کہ میرے پاس اون صاف کرنے کے لیے کچھ غلام بچے بھیجو آزاد نہ بھیجنا۔"

اسی طرح امام بخاریؒ ہی کی کتاب "الادب المفرد" میں بچوں کو سلام کرنے کے باب کے تحت صحیح حدیث ہے کہ حضرت عیسی بن یونس نے فرمایا کہ:

"انہوں نے حضرت ابنِ عمرؓ کو دیکھا کہ وہ مکتب میں موجود بچوں کو سلام کر رہے ہیں۔"

"مصنف ابنِ ابی شیبہ" کی ایک روایت میں ہے کہ:

"حضرت ابو ہریرہؓ کا جب مکاتب پر گزر ہوتا تو مکاتب کے اساتذہ سے فرماتے کہ اپنے لڑکوں کو میرے لیے جمع کرو۔ جب وہ انہیں جمع کر لیتے تو بچوں کو متوجہ کر کے فرماتے: اے میرے بھتیجو، میں جو تم سے کہہ رہا ہوں اسے سمجھو۔ جو بھی تم میں سے حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کو پائے، جو روشن اور سرخ چہرے والے جوان ہوں گے، تو انہیں میری طرف سے سلام کہے۔"

### نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کتابت کی تعلیم کا اہتمام اور صحابہ کا مکاتب میں پڑھنا

صرف یہی نہیں بلکہ کتابت کی تعلیم کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے از خود اہتمام کیا۔ چنانچہ امام مقریزی اپنی کتاب "امتاع الاسماع" میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بدر کے قیدیوں کے ساتھ سلوک کے عنوان کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ:

"اسیرانِ قریش میں چند ایسے قیدی بھی تھے جنہیں کتابت میں مہارت حاصل تھی جبکہ اس وقت انصار میں ماہر کاتب نہ تھے۔ پھر ان قیدیوں میں

[1] دیکھیے: المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام بحوالہ جمہرۃ ابن حزم

[2] بحوالہ جامع بیان العلم و فضلہ از قرطبی۔

ایسے بھی تھے جن کے پاس اپنی رہائی کے لیے پیسے نہ تھے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس بدلے رہائی دی کہ وہ دس لڑکوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں۔ تب حضرت زید بن ثابتؓ نے انصار کے بچوں کی ایک جماعت کے ہمراہ لکھنا سیکھا۔"

پس امام احمدؒ حضرت ابن عباسؓ کی روایت نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

"بدر کے موقع پر ایسے بھی قیدی تھے جن کے پاس رہائی کے لیے فدیہ نہ تھا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا یہ فدیہ مقرر کیا کہ وہ انصار کے بچوں کو لکھنا سکھائیں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ان میں سے ایک لڑکا اپنے والد کے پاس روتے ہوئے آیا۔ والد نے پوچھا کیا مسئلہ ہے؟ اس نے بتایا کہ میرے معلم (استاد) نے مجھے مارا ہے۔ تو ان کے والد نے فرمایا: "خبیث شخص!"، یہ بدر کے موقعے کا بدلہ تم سے لے رہا ہے۔ اللہ کی قسم تم اس کے پاس ہرگز نہ جاؤ گے۔"

اسی طرح عامر شعبی فرماتے ہیں کہ:

"بدر کے قیدیوں کا فدیہ چالیس اوقیہ مقرر ہوا۔ اور جس کے پاس یہ رقم نہ ہوتی تو وہ دس مسلمانوں کو پڑھاتا۔ پس حضرت زید بن ثابت ان میں سے تھے جنہیں پڑھایا گیا۔"

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی اس تعلیم کا ذکر مسند امام احمد میں حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی اس روایت میں بھی موجود ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ:

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست زبانی ستر سورتیں پڑھیں جبکہ اس وقت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ مکتب میں پڑھتا تھا اور اس کی بالوں کی چٹیا بنی ہوتی تھی۔"

خطیب بغدادی کی کتاب "الجامع" میں اس روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ: "جبکہ زید مکتب جایا کرتا تھا۔" مسند احمد کے محقق "شعیب بن ارووط" کہتے ہیں کہ یہ صحیح حدیث ہے۔

اسی طرح حضرت عبد اللہؓ بن سعید بن عاص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ وہ مدینہ میں کاتبین (محرر) کو لکھنا سکھائیں کیونکہ وہ زمانۂ جاہلیت سے ہی کتابت میں مشہور تھے۔[1]

نیز سنن أبي داود اور ابن ماجہ میں روایت ہے کہ: حضرت عبادہ بن صامتؓ نے فرمایا: "میں نے اہل صفہ کے کئی افراد کو قرآن اور لکھنا پڑھنا سکھایا۔" شیخ البانی نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔

## عہدِ خلافت راشدہ میں مکاتب

عہدِ خلافت میں بھی مکاتب کا سلسلہ جاری رہا، بلکہ آہستہ آہستہ اس کے مخصوص اصول و آداب بھی متعارف ہو گئے۔ چنانچہ علامہ ابن سحنون اپنی کتاب "آداب المعلمین" میں لکھتے ہیں:

"جب حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ (۹۳ھ) سے ائمۂ اسلام حضرت ابو بکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم کے زمانے میں تعلیم کی کیفیت کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: "معلم کی ایک صراحی ہوتی تھی جس میں ہر لڑکا روزانہ اپنی باری میں اپنے ساتھ لایا ہوا پاک پانی ڈالتا۔ اس پاک پانی سے لڑکے اپنی تختیاں مٹاتے تھے اور استعمال شدہ پانی کے لیے زمین میں گڑھا کھودتے تاکہ وہ اس میں جذب ہو کر سوکھ جائے"۔ اس سے بھی واضح ہوتا تھا کہ مکاتب میں تعلیم کا محور و مرکز قرآن تھا۔ اور قرآن کی لکھائی مٹانے کے لیے پاکیزگی کا اتنا خیال رکھا جاتا تھا۔

نیز کنز العمال اور تاریخ دمشق از ابن عساکر میں حضرت وضین بن عطاء کی روایت ہے کہ: "مدینہ میں بچوں کو پڑھانے والے تین اساتذہ ایسے تھے جنہیں حضرت عمر ابن الخطابؓ ماہانہ پندرہ درہم دیا کرتے تھے۔" اور جیسے کہ پہلے ذکر کر چکے ہیں "التراتیب الاداریہ" کے مصنف شیخ مختار کنتی سے نقل کرتے ہیں کہ:

"حضرت عمرؓ کی خلافت سے قبل صحابہ رضوان اللہ علیہم میں سے ہر ایک اپنی اولاد اور چھوٹے بہن بھائیوں کو پڑھاتا تھا۔ لیکن جب اسلامی فتوحات پھیل گئیں اور غیر عرب اور دیہاتی بھی مسلمان ہونے لگے اور بچے زیادہ ہو گئے تو حضرت عمرؓ نے مکاتب کے لیے خاص عمارت تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ اور بچوں کی تعلیم اور تربیت کے لیے لوگوں کو مقرر کیا۔"

## فصل ۲: مختلف اسلامی ادوار میں مکاتب کے خد و خال

شیخ محمد شربینی اپنے مقالے میں لکھتے ہیں:

[1] دیکھیے: الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب۔ اور الاصابہ فی تمییز الصحابہ

"اموی دور میں مکاتب کے اساتذہ چار قسم کے ہوتے تھے:

1. عوامی مکاتب کے اساتذہ جو کہ متوسط طبقہ کو تعلیم دیتے تھے۔
2. اشرافیہ کے اساتذہ جنہیں مؤدِب کہا جاتا تھا۔
3. کبار مؤدبین جو وسیع مطالعہ اور مختلف علوم میں مہارت کی وجہ سے اونچے درجوں کو پڑھاتے تھے۔ ان میں فقہ کے ائمہ اربعہ اور عربی زبان کے ائمہ سیبویہ، کسائی اور اصمعی جیسی شخصیات شامل ہیں۔
4. دیہاتی علمائے کرام جن کے پاس فصیح زبان اور عرب قبائل کی تاریخ کا علم ہوتا تھا۔ یہ حضرات معلمین، مؤدبین اور کبار علماے کرام سے ملتے جلتے تھے۔ بعد میں آنے والے ادوار میں مکاتب کے یہ خدوخال مزید واضح ہوتے گئے۔"

شربنی صاحب کے مؤخر الذکر دو اقسام کے اساتذہ کو مکاتب کے اساتذہ شمار کرنے میں مجھے تامل ہے البتہ انہیں علمی حلقوں کے معلمین میں شامل کیا جاسکتا ہے۔ مکاتب کے اصل اساتذہ تو اول قسم کے ہی ہیں جن کے لیے معلمین کا لفظ استعمال ہوتا تھا۔ دوسرے قسم کے اساتذہ تو وہ خصوصی معلمین ہیں جنہیں خلفا اور امرا اپنے بچوں کی تعلیم کے لیے اپنے گھروں میں طلب کرتے تھے۔ بہر حال اس سے پتا چلتا ہے کہ مکاتب کی تعلیم کا یہ سلسلہ زمانے کے ساتھ ساتھ وسعت اختیار کرتا گیا۔ اور چونکہ یہ مقالہ لکھنے کے اغراض میں مکاتب کی تاریخ کا بیان بھی شامل ہے، اس لیے ہم کچھ تفصیل کے ساتھ اس کے خدوخال بیان کرتے ہیں۔

## مکاتب کے مضامین

ڈاکٹر عباس محجوب لکھتے ہیں:

"ان ادوار میں تعلیم کا مرکز اور محور قرآنِ کریم اور اس کے بعد حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھا۔ اور پھر چند فقہی احکام اور چند اشعار۔
جیسا کہ ابن خلدون کہتے ہیں کہ "قرآن کے بارے میں اہتمام اس لیے تھا کہ وہی دین کا عنوان تھا۔ اسی لیے قرآن ہی تعلیم کی بنیاد ٹھہرا جس پر بعد میں حاصل ہونے والے دیگر علوم کا دار و مدار تھا۔"[1]

جبکہ ایک اور جگہ لکھتے ہیں: "مکاتب میں صرف لکھنا پڑھنا سکھایا جاتا تھا۔" نیز ایک اور مقام پر امام شافعیؒ کا قول نقل کرتے ہیں کہ: "میں اپنی ماں کی گود میں یتیم تھا تو انہوں نے مجھے مکاتب کے حوالے کیا۔ پھر جب میں نے قرآن ختم کیا تو میں مسجد میں داخل ہوا اور علماے کرام کی مجلسوں میں شریک ہوا"۔[2]

ڈاکٹر محمد منیر سعد الدین لکھتے ہیں کہ: "اکثر محققین یہ کہتے ہیں کہ اسلام کے آغاز میں ایک ہی قسم کے مکاتب ہوتے تھے جہاں لکھائی پڑھائی سکھائی جاتی، قرآن یاد کروایا جاتا اور علوم دین کی تدریس ہوتی تھی۔[3] پھر کہتے ہیں کہ: "اگر دیگر اقسام کے مکاتب کا وجود ہو بھی تب بھی جو مکاتب پھیلے وہ قرآن کریم اور دین کی تعلیم کے ہی تھے، کیونکہ مسلمانوں کا قرآن کریم سے شدید تعلق تھا۔" آگے پھر نقل کرتے ہیں: "جب بچہ قرآن مجید کے حفظ اور لکھائی پڑھائی سیکھنے سے فارغ ہو جاتا تو اسے استاذ دین کے بنیادی احکام اور زبان سکھاتا۔ سکھائے جانے والے مضامین میں احادیث نبویہ، آداب و اخلاق، اہلِ سنت کے عقائد، زبان کے قواعد، اور ادب اور شاعری شامل تھی۔"[4]

شیخ محمد شربنی اپنے مقالے میں لکھتے ہیں: "ان مکاتب میں عموماً تین قسم کے طریقہ ہائے تعلیم ہوتے تھے۔

أ. بیشتر اسلامی خطوں میں قرآن کریم کی تحفیظ رائج تھی۔ جس میں پہلے ناظرہ قرآن پڑھایا جاتا پھر یاد کروایا جاتا، چاہے مکمل قرآن کا حفظ ہو یا کچھ حصہ۔ معلم بعض آیات کے اعراب اور تفسیر بھی مختصر انداز میں بیان کرتا۔ پھر ان آیات کی ترتیل اور تجوید کرتا۔ اس کے بعد بچوں کو وہ علوم سکھاتا جس سے وہ قرآن کریم کا مطلب سمجھ سکیں۔ پھر تہجی، املا، خوشخطی اور تجوید سکھاتا۔ اسی طرح وضو اور نماز کا طریقہ بھی سکھاتا۔ ان کا منہج اس پر قائم تھا کہ قرآن کریم ہی اصل تعلیم ہے، جس کی بدولت دیگر علوم حاصل کیے جاسکتے ہیں۔

ب. مغربِ اسلامی میں تو صرف قرآنِ کریم کی تعلیم دی جاتی اور اس دوران دیگر علوم میں سے کسی کو نہ شامل کیا جاتا۔ نہ حدیث، نہ فقہ، نہ شعر و ادب یہاں تک کہ بچہ قرآن میں ماہر ہو جاتا۔

ج. اندلس کے لوگ بچوں کو پہلے عربی زبان اور شعر و ادب کی تعلیم دیتے اور جب بچہ ان میں ماہر ہو جاتا تو پھر قرآن مجید سکھاتے۔ اس بہانے کہ عربی سیکھنے سے قرآن اچھی طرح سمجھ میں آتا ہے لیکن یہ رائے صحیح نہیں! کیونکہ یہ بات مسلّم ہے کہ چھوٹی عمر میں قرآن مجید سیکھنا اور یاد کرنا آسان ہوتا ہے جو تمام علوم کی بنیاد ہے۔

---

[1] بحواله مقدمه ابن خلدون

[2] بحواله :جامع بيان العلم و فضله از قرطبی

[3] بحواله : التربيه الاسلاميه از احمد شلبی

[4] بحواله: دراسات وبحوث فی تاريخ التربيه الاسلاميه از مجابد توفيق جندی

عمومی رائے یہی تھی جس کے مطابق اکثر اسلامی خطوں میں تعلیم دی جاتی یعنی قرآن کریم کی تلاوت، تجوید اور حفظ کے ساتھ ساتھ عربی لغت و ادب اور صرف و نحو کی تعلیم دی جاتی۔ اور دیگر علوم کے بعض حصے جس سے بچے کو زندگی کے بارے میں آگاہی حاصل ہو۔"[1]

ڈاکٹر لیلیٰ بیومی اپنے مقالے (اسلامی تشخص کی حفاظت میں مکاتب کا کردار) میں لکھتی ہیں:

"مکاتب نے (جہاں قرآن کریم کی تحفیظ کا اہتمام ہوتا تھا) مسلمانوں کے ذہنوں میں قرآنی اور اسلامی تشخص بنانے میں بہت طویل عرصے تک خصوصی کردار ادا کیا۔ البتہ بہت سے گھناؤنے منصوبوں کے ذریعے ان مکاتب کے مثبت اثرات کو مٹانے کی کوشش کی گئی۔ یہاں تک کہ اب مکاتب کے نظام کا گرنے بلکہ یکسر ختم ہونے کا شدید خطرہ ہے۔ قرآن کریم اور عربی کے فصیح الفاظ کے بجائے چھوٹے بچوں کی عقلوں کے اچھے خاصے حصے میں گیت، گانے اور قصے کہانیاں محفوظ ہو گئی ہیں۔"۔ جیسا کہ آج کل چھوٹی جماعتوں میں باقاعدہ (انگریزی رائمز) کے نام پر بے مقصد گیت بچوں کو ازبر یاد کرائے جاتے ہیں چاہے انہیں ان کا مطلب نہ آتا ہو۔ لیکن یہی طرز قرآن کریم کے لیے غلط سمجھا جاتا ہے جو اعلیٰ معانی کا حامل ہے۔

## معاشرتی آداب کی تعلیم

ڈاکٹر محمد منیر سعد الدین لکھتے ہیں کہ: "معلم کو چاہیے کہ بچوں کو ادب آداب سکھائے، ان کی نیک تربیت کرے اور انہیں نیک کاموں کی عادت ڈالے۔ انہیں سکھائے کہ وہ کس طرح لوگوں کا احترام کریں، عرف زمانہ کے مطابق کیسے وہ تمیز اور ادب کا خیال رکھیں۔ جو شخص ان کے یہاں داخل ہو یا ان کے پاس سے گزرے تو اسے سلام کریں۔ انہیں حکم دے کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کریں۔ ان کی بات مانیں۔ انہیں سلام کریں۔ والدین ان کے پاس آئیں تو ان کے ہاتھ کا بوسہ لیں۔ اسے چاہیے کہ بدتمیزی اور فحش گوئی اور شریعت کے خلاف دیگر کاموں پر بچوں کو مارے۔[2]

آگے لکھتے ہیں کہ: "مکتب کے بچوں کا اپنے معاشرے سے زندہ تعلق تھا۔ چنانچہ ابن سحنونؒ فرماتے ہیں: "اگر قحط سالی ہو اور امام نمازِ استسقا کا حکم دے تو میں پسند کرتا ہوں کہ استاذ اپنے ان شاگردوں سمیت نماز کے لیے نکلے جنہیں نماز پڑھنی آتی ہے۔ تاکہ وہ بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کریں اور اسی کی طرف رجوع کریں۔ کیونکہ مجھ تک یہ روایت پہنچی ہے کہ یونس علیہ السلام کی قوم نے جب عذاب دیکھا تو وہ اپنے بچوں کو لے کر گھروں سے نکلے اور اللہ تعالیٰ سے ان کے واسطے سوال کیا۔[3]

صرف یہی نہیں بلکہ خود مکتب کے صحت مند اور خوشگوار ماحول کے بارے میں محمد منیر سعد الدین لکھتے ہیں کہ:

"اگر بچہ مکتب میں آنکھ یا جسم کے کسی حصہ میں درد کی شکایت کرتا اور استاذ جان لیتا کہ وہ سچا ہے تو وہ اسے گھر روانہ کر دیتا۔ مکتب میں نہ بٹھائے رکھتا۔ استاذ کے لیے لازم تھا کہ وہ مکتب کے سامنے چیزیں بیچنے والوں کو نہ چھوڑے، کیونکہ بچوں کو ان سے چیزیں خریدنے میں اخلاقی نقصان کا اندیشہ ہے۔" (بحوالہ: المدخل از ابن الحاج العبدری) ایک اور جگہ لکھتے ہیں کہ "مکتب میں ہر ماہ عطر لایا جاتا تھا"۔[4]

## معلم کی شرائط اور مکاتب کی نگرانی

شیخ محمد شربنی لکھتے ہیں: "مسلمان مکتب کے استاذ میں خاص شرائط دیکھتے تھے۔ مثلاً: وہ نہایت با اعتماد ہو، اسے بچوں کی تربیت کے طریقے آتے ہوں، ان کی نفسیات کو جانتا ہو۔ دیندار اور پرہیزگار ہو۔ شادی شدہ ہو۔ جوانوں کو یہ پیشہ نہیں اپنانے دیتے تھے۔"

ڈاکٹر محمد منیر سعد الدین لکھتے ہیں کہ: "خود مکتب کے استاذ میں بھی کئی خصوصیات ضروری سمجھتے تھے۔ صرف اس شخص کو منتخب کرتے تھے جس کے اخلاق کے بارے میں انہیں اطمینان حاصل ہوتا۔ وہ سمجھدار، کردار کا پکا، پاکدامن اور قابل اعتماد ہوتا۔ مزید یہ کہ اسے قرآن اور دیگر علوم پر دسترس ہوتی۔ امام قابسی فرماتے ہیں کہ: "معلم کو بارعب ہونا چاہیے لیکن سخت نہیں۔ نہ ہی اسے ایسا غصیلا ہونا چاہیے کہ ہر وقت تیور چڑھے رہیں اور نہ ہر وقت ہنسی مذاق کی عادت ہو۔ بچوں کے ساتھ نرمی برتے لیکن لاڈ نہ کرے۔ معلم کو چاہیے کہ بچوں کو ادب سکھائے"۔[5]

آگے لکھتے ہیں کہ: "مکتب پر نگرانی کی ذمہ داری محتسب پر عائد ہوتی تھی۔ محتسب کو چاہیے کہ وہ دیکھے آیا استاذ مندرجہ ذیل اوصاف سے متصف ہے یا نہیں۔ کہ وہ نیکوکار، پاکدامن، امانت دار، حافظِ قرآن، خوش خط اور ریاضی کا علم رکھنے والا ہو۔ بہتر ہے کہ شادی شدہ ہو۔ اگر شادی شدہ نہ ہو تو کم از کم بزرگ ہو ورنہ مکتب کھولنے کی اجازت نہ دے۔ معلم کی دینداری اور نیک نامی معروف و مشہور ہو۔ اور اس سب کے باوجود اسے اس وقت تک پڑھانے کی اجازت نہ دی جائے جب تک اس کے کردار کے بارے میں تسلی بخش گواہی نہ مل جائے اور یہ ثابت نہ ہو کہ وہ اس کام کے لیے لائق ہے"۔[6]

[1] شیخ محمد شربنی نے تعلیم کے جو طریقے بیان کیے ہیں ان کی بنیاد مقدمہ ابن خلدون ہے۔

[2] بحوالہ: معالم القربہ فی احکام الحسبہ، از ابن الاخوة القرشی

[3] بحوالہ : آداب المعلمین از ابن سحنون

[4] بحوالہ: التعليم فی مصر زمن الايوبيين والمماليك از عبد الغنی محمود عبد العاطی

[5] بحوالہ: مقدمہ کتاب آداب المعلمين لابن سحنون از حسن حسنی عبد الوہاب

[6] بحوالہ: معالم القربہ فی احکام الحسبہ از محمد بن محمد قرشی، ابن اخوة

## مکاتب کی تعداد، حجم، موقع محل اور اثاثہ جات

ڈاکٹر عباس محجوب فرماتے ہیں کہ: "اسلام کے اولین دور میں مکاتب بہت عام نہ تھے کیوں کہ تعلیم کی بنیادی ذمے داری والدین اور خاص خاص معلمین پر ہوتی تھی۔"

لیکن بعد کے ادوار کے بارے میں ڈاکٹر محمد منیر سعد الدین فرماتے ہیں: "مکاتب اپنے حجم اور تعداد کے اعتبار سے بڑے چھوٹے ہوتے تھے۔ پس ابو قاسم بلخی کے مکتب میں تین ہزار بچے تعلیم حاصل کرتے تھے۔ یاقوت کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مکتب مسجد سے علیحدہ قائم تھا اور اتنا کشادہ تھا کہ اس میں طلبا کی اتنی بڑی تعداد سما جاتی تھی۔ اسی لیے استاذ بلخی طلبا کے مختلف مجموعوں کی طرف گدھے پر بیٹھ کر جایا کرتے تھے۔"[1]

ڈاکٹر عباس محجوب لکھتے ہیں: "بچوں کو مساجد کے اندر تعلیم دینا مناسب نہ سمجھا جاتا تھا، (بلکہ مکاتب میں دی جاتی تھی) چاہے مکاتب مساجد کے قریب یا ان سے ملحق ہی کیوں نہ ہوں"۔

آگے امام شافعی کا قول نقل کرتے ہیں کہ: "میں اپنی ماں کی گود میں یتیم تھا تو انہوں نے مجھے مکاتب کے حوالے کیا۔ پھر جب میں نے قرآن ختم کیا تو میں مسجد میں داخل ہوا اور علمائے کرام کی مجلسوں میں شریک ہوا۔" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان بچوں کو مساجد میں تعلیم نہیں دیا کرتے تھے کیوں کہ بچے مسجد کا ادب اور احترام کا خیال نہیں رکھ سکتے۔ البتہ مساجد میں بڑوں کی تدریس کے حلقے جاری تھے۔"

ڈاکٹر محمد منیر سعد الدین مکتب کی اشیا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "مکاتب کی اکثریت میں چٹائیاں بچھی ہوتی تھیں، جن پر بچے اپنے استاذ کے گرد بیٹھتے تھے۔ پڑھنے لکھنے کے لیے قرآن کریم کا نسخہ، تختیاں، قلم اور دوات ہوتے تھے۔ بسا اوقات معلم کے بیٹھنے کے لیے تختہ، کرسی یا چبوترا بھی مختص ہوتا تھا۔[2]

## مکاتب میں تعلیم کی عمر

ڈاکٹر محمد منیر سعد الدین لکھتے ہیں کہ: "مکاتب میں تعلیم کی عمر کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ عام طور پہ چھوٹی عمر سے ہی بچوں کو بھیجا جاتا تھا۔ یعنی پانچ سے سات سال کی عمر میں۔ اور یہ تعلیم اس وقت تک جاری رہتی جب تک بچہ پورا قرآن نہ حفظ کر لیتا یا قرآن کی ایک خاص مقدار حفظ کرنے کے ساتھ ساتھ لکھنا پڑھنا، کچھ نحو و صرف اور کچھ ریاضی اور دیگر ایسی معلومات جنہیں اس زمانے کے لوگ دین سمجھنے کے لیے ضروری گردانتے تھے۔[3]

اور چونکہ بچے چھوٹی عمر میں مکتب جایا کرتے تھے، اس لیے گھر والوں پر ذمہ داری عائد ہوتی کہ وہ انہیں بحفاظت مکتب پہنچائیں اور پھر واپس لے جائیں۔ اس کے لیے وہ عموماً کسی بڑے شخص کو بچے کے ساتھ بھیجتے تھے، جسے اس زمانے میں سائق کہا جاتا تھا۔ آج کل آپ اسے بچوں کو سکول لے جانے والے ڈرائیور سے تشبیہ دے سکتے ہیں۔ اس سائق میں چند صفات کا ہونا لازمی گردانتے تھے مثلاً: وہ امانت دار اور ذمہ دار ہو۔ کیونکہ بچہ کم از کم دو وقت سائق کے سپرد ہوتا تھا، جس دوران ان کا گزر سنسان علاقوں سے بھی ممکن ہوتا۔ نیز ایسے شخص کا گھر کی عورتوں سے آمنا سامنا بھی عین ممکن ہوتا۔"[4]۔ خود سوچیے کہ صرف اساتذہ ہی نہیں مکتب سے متعلق دیگر عملے کے بارے میں بھی ان کے کام کے حوالے کتنی واضح ہدایات تھیں۔

التراتیب الاداریہ کے مصنف شیخ سید عبدالحی کتانی بچپن میں تعلیم کی عمر کے بارے میں سلف کی کافی روایات نقل کرتے ہیں اور ساتھ ہی ان روایات کے بارے میں علمائے کرام کے اقوال بھی نقل کرتے ہیں جو حسب ذیل ہیں:

- شیخ علی متقی ابن ہندی مکیؒ سے پوچھا گیا کہ یہاں کے اکثر خطوں میں یہ معمول ہے کہ جب بچہ چار سال، چار مہینے اور چار دن کا ہو جاتا ہے تب اسے قرآن کریم پڑھانا شروع کیا جاتا ہے۔ تو کیا اس کے بارے میں کوئی حدیث یا سلف سے روایت آپ کے علم میں ہے؟ انہوں نے جواب میں لکھا کہ: "اس کے بارے میں مجھے کوئی مستند روایت نہیں ملی۔ البتہ بعض حضرات سے سنا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ و سلم کا سینہ مبارک اس عمر میں چاک کیا گیا تھا اور انہیں اقرا کا حکم دیا گیا تھا۔ اگرچہ اس روایت میں اختلاف ہے لیکن بفرضِ صحت اس سے یہ مسئلہ اخذ کیا ہو گا۔[5] اور پھر امام زرکشیؒ کا اس بارے میں یہ قول نقل کرتے ہیں کہ: "یہ مشہور احادیث کے خلاف ہے۔"
- امام بخاریؒ نے کتاب الزکاۃ میں ایک باب باندھا ہے کہ "نبی اکرم صلی اللہ علیہ و سلم نے حضرت حسنؓ کے منہ سے صدقے کی کھجور نکالی۔" تو اس کے بارے میں امام دمامینیؒ کی شرح نقل کرتے ہیں کہ: "بچوں کو کسی چیز سے منع کرنے پر انہیں پتا چل جاتا ہے کہ انہیں کیوں منع کیا جا رہا ہے۔ یہ عمل بچپن میں اس لیے کیا جاتا ہے تاکہ جب وہ بالغ ہوں اور ذمے دار ہو جائیں تو انہیں شرعی احکام کا پہلے سے پتا ہو۔"
- پھر آگے امام دمامینیؒ امام مالکؒ کے بارے میں نقل کرتے ہیں کہ انہیں (یعنی امام مالکؒ کو) بچوں کو چھوٹی عمر سے ہی قرآن کی تعلیم دینا پسند نہ تھی۔ کیونکہ روایت میں آتا ہے کہ جب انہیں ایک ایسے بچہ کے بارے میں بتایا گیا جس نے تقریباً

---

[1] بحوالہ: التربیۃ الاسلامیہ از احمد شلبی

[2] بحوالہ: مقدمۃ کتاب آداب المعلمین لابن سحنون از حسن حسنی عبد الوہاب

[3] بحوالہ: التربیہ فی الاسلام از احمد فواد اہوانی

[4] بحوالہ: نہایۃ الرتبہ فی طلب الحسبہ از عبد الرحمن بن نصر الشیرزی

[5] بحوالہ : الجامع من مجمع بخار الانوار ،از شیخ محمد طاہر فتنی

سات سال کی عمر میں قرآن حفظ کر لیا تھا تو انہوں نے برا مانا۔[1] لیکن اس قول کی امام دمامینیؒ یہ توجیہ پیش کرتے ہیں کہ: "البتہ میری رائے ہے، واللہ اعلم، کہ امام مالکؒ کی ناپسندیدگی کی وجہ یہ خدشہ تھا کہ بچہ تلاوت میں غلطیاں کرے گا یا حروف کو ان کے صحیح مخارج سے نہ ادا کر سکے گا۔ نیز بچے کو چھوٹی عمر سے تعلیم دینے کا مطلب اسے اس کھیل کود سے منع کرنا ہے جو بچے کی جسمانی نشو و نما کے لیے ضروری اور اس کی طبیعت کے لیے باعثِ سرور ہوتا ہے۔ جبکہ امام بخاری کا یہ باب باندھنے کا مقصد یہ ہے کہ بچوں کی تادیب و تربیت میں میانہ روی اختیار کی جائے۔"

- "کشف الغمۃ" میں امام شعرانیؒ لکھتے ہیں کہ: "نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ممیز لڑکے کی امامت کی اجازت دی ہے خصوصاً اگر وہ تمام لوگوں سے زیادہ قرآن جانتا ہو۔" حضرت عمرو بن ابی سلمہؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اپنی قوم کی امامت کیا کرتے تھے حالانکہ وہ چھ، سات یا آٹھ سال کے تھے۔"

"التراتیب الاداریہ" کے مصنف لکھتے ہیں کہ: "حضرت عمرو بن ابی سلمہؓ کا جو واقعہ امام شعرانیؒ نے نقل کیا ہے اسی کی طرف امام حافظ ابن حجرؒ نے "الاصابہ" میں حضرت عمروؓ کے تذکرے میں اشارہ کیا ہے۔ وہاں عبارت یہ ہے کہ: "صحابہ نے حضرت عمرو بن ابی سلمہؓ کو کم عمری کے باوجود امام بنایا کیونکہ انہیں ان سب میں سے زیادہ قرآن کا علم تھا۔"[2] اور پھر خود اپنی رائے واضح کرتے ہیں کہ: "یہ سب اس بات کی واضح دلیل ہے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم کے دور میں بچپن سے ہی تعلیم دی جاتی تھی۔" یہ روایتیں کم عمری میں امامت کے فقہی جزیئے کے بیان کے لیے نہیں ذکر کیں بلکہ اس لیے کہ صحابہ کو چھوٹی عمر سے ہی تعلیم دی جاتی تھی۔

- امام مجاجیؒ نے "مختصر ابن ابی جمرہ" کی شرح میں "ابن الحاج" کی کتاب "المدخل" سے نقل کیا ہے کہ: "سلف اپنے بچوں کو سات سال کی عمر سے قرآن پڑھانا شروع کرتے تھے۔ بہت سے لوگ اپنی اولاد کو نہایت چھوٹی عمر سے قرآن سکھاتے ہیں لیکن یہ بے فائدہ بوجھ ہے۔" جبکہ امام قسطلانیؒ نے باب "تعلیم الصبیان القرآن" میں ذکر کیا ہے کہ: "حضرت سفیان بن عیینہؒ نے قرآن چار سال کی عمر میں یاد کیا۔" اور کتاب "فواتح الرحموت فی مسلم الثبوت" میں آیا ہے کہ: "امام شافعیؒ نے موطا پانچ سال کی عمر میں یاد کی۔" خود صاحب "التراتیب" اپنے مطالعے کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ: "میرے مطالعے سے گزرنے والی عجیب باتوں میں سے ایک وہ ہے جو میں نے (السلم) پر ملوی کی شرح پر صبان کے حاشیے میں پڑھی کہ "ابن مرزق" نے "خونجی" کے شعر چھ سال کی عمر میں مرتب کیے، جیسا کہ خود انہوں نے اس بات کی صراحت کی ہے۔ اور بعض نے "ابن حاجب" کے بارے میں یہی کہا ہے۔ لیکن جس نے "صحرائے شنقیط" (جو آج کل افریقہ کے ملک موریتانیہ میں واقع ہے جہاں کے علماء اپنے حفظ کے حوالے سے پوری دنیا میں مشہور ہیں) کے لوگوں کے ساتھ وقت گزارا ہو اسے قطعاً کوئی تعجب نہ ہو گا"۔

پھر خلاصے کے طور پہ صاحب التراتیب الاداریہ شیخ سید عبد الحی کتانی لکھتے ہیں کہ: "ہو سکتا ہے کہ اس بارے میں قول فیصل یہ ہو کہ عمر کا معاملہ قابلیت اور ذہانت کے اختلاف کے سبب مختلف ہو سکتا ہے۔ کشف الغمہ کی روایت میں یہ صریح دلالت نہیں ہے کہ تمام صحابہ اتنی چھوٹی عمر میں پورا کا پورا قرآن حفظ کر لیتے تھے۔ ہاں کچھ نہ کچھ حصہ تو ضرور یاد کرتے تھے۔ اور یہ وہ معاملہ بھی نہیں ہے جسے امام مالکؒ نے ناپسند کیا واللہ اعلم۔" آگے لکھتے ہیں کہ: "بہر حال اس باب کا خلاصہ جیسا کہ "عتبیہ" میں لکھا ہے، یہ ہے کہ امام مالکؒ سے ایک لڑکے کے بارے میں پوچھا گیا جس نے سات سال کی عمر میں پورا قرآن حفظ کیا تھا تو انہوں نے فرمایا: "میرا خیال ہے کہ ایسا نہیں کرنا چاہیے۔" ابنِ رشد نے "البیان والتحصیل" میں لکھا ہے کہ امام مالکؒ نے اس لیے کہا کیونکہ بچے پر سختی کیے بغیر اتنی مقدار یاد کروانا ممکن نہیں، جب کہ اس کی عمر بہت کم ہے۔ ہمارے خیال میں اس کے ساتھ نرمی برتنی چاہیے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ "اللہ نرم خو ہیں اور اللہ کو ہر معاملہ میں نرم خوئی پسند ہے۔"

## مکتب کے اوقات

ڈاکٹر محمد منیر سعد الدین لکھتے ہیں کہ: "مکتب کے اوقات، کائنات کے فطری نظام کے تابع تھے۔ سورج کے طلوع ہونے سے لے کر عصر کی نماز تک تعلیم جاری رہتی دن بڑا ہو یا چھوٹا۔[3] جبکہ "ابن الحاج العبدری" ہفتہ وار چھٹی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کے بنا پر مستحب ہے کہ آپ نے فرمایا:

"روحوا القلوب ساعة بعد ساعة۔"

"دلوں کو گھڑی کے بعد ایک گھڑی آرام دیا کرو۔"

پس اگر بچے ہفتے میں دو دن آرام کر لیں تو باقی ہفتہ چست رہیں گے۔[4]

یہ حدیث کنز العمال میں بھی نقل ہوئی ہے۔ جبکہ مصنف ابن ابی شیبہ کی عبارت ہے کہ:

[1] بحوالہ: تحفۃ الاکابر از ابن المنیر

[2] بروایت بخاری

[3] بحوالہ: التربیہ الاسلامیہ فی القرن الرابع الہجری از حسن عبد العال

[4] بحوالہ : المدخل از ابن الحاج العبدری

”روحوا القلوب تعي الذكر۔“

”دلوں کو آرام دو تا کہ اسے ذکر سمجھ آئے۔“

جبکہ صحیح مسلم اور سنن ترمذی میں ایک روایت ہے کہ: حضرت حنظلہ بن ربیع اسدیؓ۔جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبین میں سے تھے۔ایک دن حضرت ابو بکرؓ سے ملے تو حضرت ابو بکرؓ نے ان کا حال دریافت فرمایا۔ حضرت حنظلہؓ نے کہا”حنظلہ (یعنی میں) تو منافق ہو گیا۔“ اس پر حضرت ابو بکرؓ نے تعجب کرتے ہوئے کہا:”سبحان اللہ یہ کیا کہہ رہے ہو؟“ حضرت حنظلہؓ نے فرمایا کہ:”ہم جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں ہوتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے جنت اور دوزخ کے تذکرے کرتے ہیں۔ اور ہمیں ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں۔ پھر جب ہم ان کے یہاں سے نکلتے ہیں تو اپنے بچوں، بیویوں اور جائیدادوں میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ اور بہت کچھ بھول جاتے ہیں۔“ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا: ”یہ معاملہ تو ہمارا بھی ہے!“ اس پر یہ دونوں حضرات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا معاملہ بیان کیا۔ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:”اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے! اگر تم لوگ ہمیشہ اسی حالت میں رہو جس میں تم میرے یہاں ہوتے ہو، اور ہمیشہ ذکر میں مصروف رہو، تو فرشتے تمہارے بستروں اور تمہارے راستوں میں آ آکر تمہیں سلام کرتے۔ پھر تین مرتبہ فرمایا:

”ولكن يا حنظلة ساعة وساعة۔“

”لیکن اے حنظلہ! گھڑی اِس طرح اور گھڑی اُس طرح۔“[1]

خطیب بغدادی نے الجامع لاخلاق الروای میں حضرت علیؓ کا قول نقل کیا ہے:

”روحوا القلوب وابتغوا لها طرف الحكمة فإنها تمل كما تمل الأبدان ۔“

”دلوں کو آرام دیا کرو!(کیونکہ دل اسی طرح تھکتا ہے جیسے جسم تھکتا ہے)۔ اور دلوں کے لیے دانائی کی ہلکی پھلکی باتیں چنا کرو! کیوں کہ دل اسی طرح اچاٹ ہوتا ہے جیسے جسم۔“

اسی طرح وہ امام زہریؒ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص صحابہ کرامؓ کے ساتھ ان کی مجالس میں شریک ہوتا تھا اور ان کے ساتھ تعلیم و تعلم میں مشغول رہتا پھر جب اس پر اس قسم کی گفتگو گراں گزرتی [گراں گزرنے کے بجائے یہ کہہ سکتے ہیں کہ مشکل ہو جاتی] تو کہتا:

”إن الأذن مجاجة وإن للقلب حمضة, فهاتوا من أشعاركم وأحاديثكم۔“

”[میرا] کان بوجھل ہے اور دل [کچھ] ترش ہو گیا ہے۔ لاؤ اپنے شعر اور لاؤ یہاں وہاں کی باتیں۔ [(لاؤ اپنے شعر) سے آخر تک کے جملے کو یوں ادا کیا جا سکتا ہے کہ: چلو کچھ شعر و شاعری اور گفت و شنید ہو جائے]“

التراتیب الاداریہ کے مصنف لکھتے ہیں کہ:”شیخ مختار کنتی سے دریافت کیا گیا کہ بدھ جمعرات اور جمعے کے دن مکتب کا استاذ بچوں کو کیوں نہیں پڑھاتا؟ تو انہوں نے جواب دیا:”بچے ہفتے کے تمام دن قرآن کریم پڑھا کرتے تھے۔ پھر جب حضرت عمرؓ شام فتح کرنے کے بعد واپس مدینہ تشریف لائے تو اہلِ مدینہ اپنے بچوں سمیت ان کے استقبال کے لیے نکلے۔ اور یہ بدھ کا دن تھا۔ پھر مدینہ والوں نے بچوں سمیت جمعے کی صبح تک کا وقت حضرت عمرؓ کے ساتھ گزارا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے یہی وقت مکاتب کے بچوں کے آرام کے لیے مقرر کر دیا۔ اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ سلف نے ہمارے یہاں آج تک کی ہونے والی تمام چھٹیوں کا اہتمام کیا۔“

## مکاتب کے فقہی احکامات

مکاتب کا مسلمانوں کے یہاں اتنا رواج ہوا کہ ہمیں فقہ کی کتابوں میں کئی مقامات پر مکاتب سے متعلق خاص ابواب ملتے ہیں جن کی چند مثالیں ہم یہاں پیش کرتے ہیں۔

1. معلم پر جرمانہ۔ یعنی استاذ کی سختی کے سبب بچے کو نقصان پہنچنے کی صورت میں اس پر جرمانہ۔ چنانچہ ”المنتقی شرح الموطا“ میں (معلم کا بچوں کو مارنا) کے عنوان کے تحت لکھا ہے:”مکتب اور کسی بھی پیشے کا معلم اگر لڑکے کو تادیبا معروف طریقے سے مارے تو اس پر کوئی ضمانت نہیں۔ کیونکہ اسے ایسا کرنے کا حکم اور اجازت ملی ہوئی ہے۔ البتہ اگر مار اس حد سے بڑھ جائے، یا تادیب کی خاطر نہ مارے (بلکہ اپنا غصہ اتارے)، یا تادیب میں مارتے ہوئے حد سے گزر جائے تو امام مالکؒ نے فرمایا کہ یہ قتل خطا کے زمرے میں سے ہے۔ اس لیے اگر نقصان کی مقدار ایک تہائی دیت سے کم ہو تو معلم خود ادا کرے اور اگر ایک تہائی سے زیادہ ہو تو اس کے عاقلہ [یعنی ددھیال کے نرینہ رشتہ دار] ادا کریں۔ چاہے وہ تعلیم اجرت پر دے رہا ہو یا بغیر کسی اجرت کے۔“

جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ کی کتب میں سے ایک پوری کتاب ”جنایہ معلم الکتاب“ کے نام سے ہے یعنی مکتب کے استاذ کے جرائم (یعنی اس کا کس نوعیت کا طرزِ عمل اور سزائیں قابلِ گرفت جرم کے زمرے میں آتی ہیں)۔[2]

2. تعلیم کی اجرت۔ یہ مسئلہ خصوصاً قرآن کی تعلیم کے حوالے سے تو نہایت مشہور ہے۔ اس مسئلے کا تذکرہ سابقہ مسئلے میں بھی ملتا ہے۔ جبکہ ڈاکٹر عباس مجوب امام شافعیؒ کا قول نقل کرتے ہیں کہ:” میں اپنی ماں کی گود میں یتیم تھا تو انہوں نے مجھے مکاتب کے حوالے کیا۔ لیکن ان کے پاس اتنا نہ تھا کہ وہ استاذ کو دیتیں اس لیے استاذ نے ان سے یہی قبول کر لیا کہ میں ان کے جانے کے بعد ان کا قائم مقام رہوں“۔ (بحوالہ: جامع بیان العلم و فضلہ از قرطبی)

(باقی صفحہ نمبر 93 پر)

[1] دیکھیے: جامع الاصول فی احادیث الرسول از ابن الاثیر

[2] دیکھیے: معجم الادباء

# تصورِ جہاد میں تحریف

مجاہد فی سبیل اللہ، لیفٹیننٹ جنرل شاہد عزیز شہید رحمہ اللہ[1]

ذیل میں مجاہد فی سبیل اللہ، لیفٹیننٹ جنرل شاہد عزیز شہید رحمۃ اللہ علیہ کی زیرِ طبع کتاب 'War against Terrorism and the concept of *Jihad*' کے دوسرے حصے کے باب ششم کا ترجمہ پیش ہے۔

اِسلام کو ایک نئی تعبیر عطا کر کے اس کی حقیقی قوت کو دبانا اور اس کے مواقف کو نرم کرنا مستشرقین کی قدیم تحریک ہے، اور اس تحریک کی حمایت میں بہت سے 'مسلمان' محققین بھی دنیا کے منظر نامے پر ابھرے۔ جہاد کے موضوع پر لکھنے والے عصرِ حاضر کے بعض لکھاریوں نے دین کے ناکافی علم کے باوجود، فقہائے متقدمین کی کاوشوں کو نظر انداز کرتے ہوئے براہ راست قرآن وحدیث کو استعمال کر کے اپنی خواہشات کے مطابق دلیلیں تراشنے کی کوشش کی ہے۔ دیگر حضرات نے مادی فوائد کے حصول کے لیے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت اسلامی تصورات کو مغربی نظریات سے ہم آہنگ کرنے کی خاطر ان میں تحریف کی ہے۔ ان کی آرا، دنیا کے بارے میں ان کے نقطۂ نظر اور عقائد واعمال کے ان طریقوں پر مبنی ہیں جنہیں وہ بزعمِ خود درست سمجھتے ہیں۔ بڑی حد تک ان کی آرا کی بنیاد مغرب زدہ نظامِ اقدار کے قوانینِ نظم وضبط اور معیارِ حق و باطل پر ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ پیغامِ اسلام کو 'مُلّا' نے مسخ کیا ہے اور یہ کہ اہلِ کتاب کے ساتھ ہمارا تعلق امن اور مذاکرات کا ہونا چاہیے، تشدد و جارحیت ہمارے حالیہ مسائل کا حل نہیں ہے، غلطی ہماری ہے اور مغرب کو موردِ الزام نہیں ٹھہرانا چاہیے، وغیرہ۔ وہ اپنی دنیوی ضروریات کے مطابق دین کی نئی تشریح کرتے ہیں۔

اسی طرح کے ایک ہندوستانی شہریت رکھنے والے محقق، مولانا وحید الدین خان نے اسلام کے مبنی بر حق پیغام کے خلاف کثرت سے لکھا ہے۔ وحید الدین خان نے 'الرسالہ' کے جون ۲۰۰۷ء کے شمارے میں لکھا کہ زمینی حقائق کی بنا پر عن قریب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ بعض معاملات میں حسبِ سابق کارآمد نہیں رہے گا اور اس کی بجائے ہمیں عیسیٰ (علیہ السلام) کا اسوہ اپنانے کی ضرورت ہے۔ اپنی بات کی وضاحت کی خاطر وہ مزید لکھتا ہے، "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے منہج کے لحاظ سے 'حتمی نمونہ' نہیں تھے" بلکہ انہیں صرف دین کے لحاظ سے 'آخری رسول' سمجھا جانا چاہیے۔ وہ مزید لکھتا ہے کہ وہ عظیم الشان آیت (الاحزاب:۲۱) جس میں اللہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ کردار کی تعریف آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو "اسوۂ حسنہ" کا مالک بتا کر فرماتا ہے، دراصل ثبوت ہے کہ یہ نمونہ مکمل اور کامل نہیں ہے، جو کوئی ایسا سمجھتا ہے وہ "بلاشک وشبہ غلط عقیدے پر ہے"۔ وہ کہتا ہے کہ اگر قرآن نے "اسوۂ کامل" کی اصطلاح استعمال کی ہوتی تو لوگ اس شک میں مبتلا ہو سکتے تھے، مگر قرآن نے اسے واضح رکھا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال، ہر دور اور زمانے میں اتباع کے لیے حتمی مثال نہیں ہے۔ وہ کہتا ہے کہ "حتمی" اسوے کے حامل نبی کا ہونا، جس کا ہر دور اور ہر زمانے میں اتباع کیا جائے، تو ممکن ہی نہیں ہے[2]۔

وہ ایک اور دلچسپ نکتہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے حوالے سے اٹھاتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ 'عیسیٰ (علیہ السلام) کی واپسی' کے بارے میں بیان کی گئی علامات کا درست فہم یہ ہے کہ "یہ ان کی حقیقی 'واپسی' کے حوالے سے نہیں، بلکہ محض مسلمانوں کے عیسیٰ علیہ السلام کے منہج کی اتباع کی طرف پلٹنے کے بارے میں ہیں"۔ وہ کہتا ہے کہ اس میں اصل پیغام یہ ہے کہ ایک وقت آئے گا جب عیسیٰ (علیہ السلام) کا منہج، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہج سے زیادہ قابلِ عمل اور متبعین کی ضروریات کا زیادہ ضامن ہو گا اور یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم کے منہج کو 'حتمی منہج' نہیں بنایا گیا۔

اگست ۲۰۰۷ء کے شمارے میں وحید الدین دجال اور امام مہدی کے بارے میں لکھتا ہے۔ وہ دجال کو ایک فرد کی بجائے ایک نظریہ قرار دیتا ہے اور کہتا ہے کہ، "حدیث کے مطابق جب وہ وقت آئے گا تو ایک 'رجلِ مومن' ظاہر ہو گا جو دجال کو قتل کرے گا، یہ قتل جسمانی معنی میں نہیں ہو گا بلکہ یہ قتل معنوی اعتبار سے ہو گا یعنی فتنۂ دجال کو پھیلانے والے 'افکار کا قتل'۔ دجالی فتنہ ایک علمی فتنہ ہو گا (......) جس میں 'شہادت' کا اطلاق 'گواہی دینے' پر ہوتا ہے نہ کہ زندگی قربان کرنے پر۔ یہ 'دینِ حق کے لیے عظیم گواہی دینا ہے' جسے حدیث میں 'دجال کا قتل کیے جانا' کہا گیا ہے۔ اس رجلِ مومن کو، جو دجال کا سامنا کرے گا، حدیث میں مہدی کہا گیا ہے۔ ممکن ہے کہ مہدی اور مسیح ایک ہی فرد ہو"۔ اسی نہج پر اس نے 'عقیدہ'، 'اجتہاد'، 'جہاد'، 'تنسیخ' اور کئی دیگر معاملات سے متعلق موضوعات پر بکثرت لکھا ہے۔

دورِ حاضر کا ایک مؤرخ، تمیم انصاری لکھتا ہے، "یہی وجہ ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اعلان کیا کہ وہ پیغمبروں میں سے آخری ہیں۔ ان کا یہ مطلب نہیں تھا کہ انہوں نے اپنے دور میں مکہ اور مدینہ میں پیش آنے والے معاملات میں جو احکام جاری کیے وہ آنے والے ادوار میں

[1] مؤلف کا تعارف تحریرِ ہٰذا کے آخر میں ملاحظہ کیجیے۔ (ادارہ)

[2] سبحان اللہ علی ما تصفون! وحید الدین خان اور جاوید احمد غامدی جیسوں نے اپنی مغرب سے وفاداری اور ردِ جہاد میں بیانِ 'کفریات' میں مرزا قادیانی کو بھی مات دے دی ہے، نقل کفر کفر نہ باشد! مرزا قادیانی نے بلاشبہ ایک بہت بڑی افترا گھڑی یعنی جھوٹی نبوت کا دعویٰ کیا، لیکن مرزے ملعون کا اصل ہدف 'ردِ جہاد' تھا۔ پس آج جو بھی جہاد کو حرام قرار دینے اور ردِ جہاد کی کوشش کرے تو وہ دراصل مرزا قادیانی کے مشن ہی کو پورا کر رہا ہے، اب اس کا نام قادیانی و غامدی ہو یا کچھ بھی اور! (ادارہ)

انسانی روش پر حرفِ آخر ہوں گے۔ ان کا مطلب تھا کہ وہ ان انتہائی اسباب و وسائل کے ساتھ آئے ہیں جن کی ایک مہذب معاشرے میں لوگوں کو پیش آمدہ مسائل میں اللہ کی طرف سے واضح احکام کے بغیر ضرورت تھی۔ اسلام نازل کردہ ادیان میں آخری تھا کیونکہ وہ منطقی ادیان کے دور کا آغاز تھا۔ اصحابِ عقل و رائے، ٹھوس اساسی اصولوں کو بنیاد بناتے ہوئے اخلاقی معراج حاصل کرسکتے ہیں۔ یہ (اساسی اصول) ویسے ہی ہیں جیسے کہ عیسائیت اور دیگر تمام نازل شدہ عظیم مذاہب میں پائے جاتے ہیں، البتہ ان میں ایک فقط ایک فرق ہے کہ اسلام معقولیت کی بھی تاکید کرتا ہے۔ اگر مسلمانوں نے وحیٔ قرآنی کی غلط تعبیر نہ کی ہوتی اور (سیدھی) راہ سے نہ ہٹے ہوتے تو اس نے انسانیت کو توہمات اور عقائد کی اندھی اتباع سے آزادی دلا دی ہوتی۔"

حکومتِ برطانیہ نے برِّصغیر میں ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے دوران سر سیّد احمد خان اور غلام احمد قادیانی کو جہاد کے درست احکام کے بارے میں غلط تصورات پھیلانے کے لیے استعمال کیا۔ حکومت کی جانب سے جہاد کی روک تھام کے لیے اختیار کیے جانے والے متعدد دیگر حربوں کے علاوہ یہ فتویٰ بھی گھڑا گیا کہ جہاد حرام ہے، الّا یہ کہ حکمران کے ماتحت کیا جائے۔

بعض مسلمان محققین کی کوشش ہے کہ جہاد کے پہلوئے قتال کی اہمیت کو کم کیا جائے اور اسے جدوجہد کا عمومی معنی پہنا دیا جائے۔ تاہم مشہور مستشرق، برنارڈ لوئیس کہتا ہے کہ روایتی طور پر علمائے اسلام جہاد کی اصطلاح قتال کے معنی میں استعمال کرتے ہیں، اور دونوں میں کوئی فرق نہیں کرتے، مگر دورِ حاضر کے علما اس کا انکار کر رہے ہیں۔

گیارہ ستمبر کے بعد تصورِ دین، بالخصوص تصورِ جہاد کے خلاف شدت میں اضافہ ہوگیا ہے۔ فرید زکریا نے مجلّہ 'نیوز ویک' کے ایک مضمون میں لکھا کہ "آج کی اسلامی دہشت گردی کا محرک کوئی خاص حکمت عملی نہیں بلکہ جدید دنیا کے خلاف ایک غیر حقیقی انتقام ہے"۔ تھامس فریڈمین، جو 'نیویارک ٹائمز' کا ایک ایڈیٹر ہے، کی رائے میں "مغرب کو، اس نظریے کی بیخ کنی کے لیے یکجا ہونے اور اپنے وسائل کھپانے کی ضرورت ہے جو فدائی حملوں کی اجازت دیتا ہے، بصورتِ دیگر ہماری کُل مغربی تہذیب خطرے میں ہے"۔ جہاد کے موضوع پر موجود لامحدود تحریری مواد اور اس کے خلاف پرزور ابلاغی نشر و اشاعت ظاہر کرتی ہے کہ اس معاملے میں مسلمانوں کی رائے مغربی سلامتی کے لیے کس قدر اہم ہے، اور اسے کس قدر سنجیدگی سے لیا جاتا ہے۔

اسلام کی قوت کو کمزور کرنے کے لیے جتنے وسائل کھپائے جا رہے ہیں، وہ غیر معمولی ہیں۔ اسلامی ممالک کی حکومتیں، میڈیا اور درباری علما کے ذریعے پیغامِ اسلام کو کمزور کرنے میں مغرب کی مدد کر رہی ہیں۔ یہ حکومتیں ان اکائیوں کے لیے بڑی بڑی رقمیں مختص کرتی ہیں جن کا کام مغرب نواز حکومتوں کو برحق ہونے کا جواز فراہم کرنا ہوتا ہے۔ 'CIA at War' کتاب کے مصنف رانلڈ کیسلر نے سی آئی اے کی نچلی صفوں کے عہدے داروں سے لے کر اس کے تب ڈائریکٹر جارج ٹینیٹ تک کے انٹرویو کیے۔ مصنف نے جارج ٹینیٹ کی بات نقل کرتے ہوئے کہا کہ وہ کہتا ہے کہ عراق اور افغانستان میں جنگ کا ایک رخ یہ ہے کہ ہم نے پوری اسلامی دنیا سے اعلیٰ پائے کی علمی استعداد رکھنے والے علما کی خدمات حاصل کیں، تاکہ وہ امریکہ کی حمایت میں ایسے فتاویٰ دیں جو زیادہ مقبول بھی ہوں اور معتدل بھی، اور ہم ان بلند پایہ علما کو اس کام کے لیے تنخواہ بھی ادا کر رہے ہیں۔ لہٰذا اب اسلام کی از سر نو تعریف کرنے کے لیے ہمارے پاس مرتکز و منظم وسائل موجود ہیں۔ اور ایک اہم معاملہ یہ ہوگا کہ آپ فدائی حملوں کے مسئلے پر کہاں کھڑے ہیں؟ یہ مسلمانوں کو مجرم ظاہر کرنے میں فیصلہ کن عنصر ثابت ہوگا۔

اللہ رب العزت نے یقیناً قرآنِ پاک میں درست فرمایا ہے 'اور تم پر قتال فرض کیا گیا ہے اور وہ تمہیں ناگوار ہے'، پس لوگ جہاد سے جان چھڑانے کے بہانے ڈھونڈنا چاہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ جہاد کے لیے تربیت کی ضرورت ہے، بعض کہتے ہیں کہ ہماری تیاری پوری نہیں ہے اور بعض کا کہنا ہے کہ دشمن بہت قوی ہے۔ صلاح الدین ایوبی کے دور میں، جب برطانیہ، فرانس اور جرمنی کی ایک بڑی فوج کی القدس کی جانب پیش قدمی کی خبر آئی تو بعض علما نے کہا کہ ہمیں واپس پلٹ جانا چاہیے، انہوں نے اپنا ارادہ تبدیل کر لیا اور واپس چلے گئے، جبکہ وہ علمائے دین تھے۔ اللہ رب العزت ایسے علماء بارے سورۃ الاعراف میں کلام فرماتے ہیں، اللہ فرماتے ہیں کہ ایسے عالم کی مثال کتے کی مانند ہے، کیونکہ اس کے پاس اللہ کی نشانیاں تھیں اور اس نے انہیں چھوڑ دیا، کیونکہ وہ دنیا سے چمٹا ہوا تھا اور اپنی خواہشات کی پیروی کر رہا تھا۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِي آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا فَانسَلَخَ مِنْهَا فَأَتْبَعَهُ الشَّيْطَانُ فَكَانَ مِنَ الْغَاوِينَ○ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلَٰكِنَّهُ أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ إِن تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ أَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَث ذَّٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ○ سَاءَ مَثَلًا الْقَوْمُ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَأَنفُسَهُمْ كَانُوا يَظْلِمُونَ○ مَن يَهْدِ اللَّهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِي وَمَن يُضْلِلْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ○ (سورۃ الاعراف: ۱۷۵تا۱۷۸)

"اور (اے رسول) ان کو اس شخص کا واقعہ پڑھ کر سناؤ جس کو ہم نے اپنی آیتیں عطا فرمائیں مگر وہ ان کو بالکل چھوڑ نکلا، پھر شیطان اس کے پیچھے لگا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ گمراہ لوگوں میں شامل ہوگیا۔ اور اگر ہم چاہتے تو ان آیتوں سے اس (کے درجے) کو بلند کر دیتے مگر وہ تو پستی کی طرف مائل ہوگیا اور اپنی خواہش کے پیچھے چل پڑا تو اس کی مثال کتے کی سی ہوگئی کہ اگر سختی کرو تو زبان نکالے رہے اور یونہی چھوڑ دو تو بھی زبان نکالے رہے۔ یہی مثال ان لوگوں کی ہے جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔ تو (ان سے) یہ قصہ بیان کر دو تاکہ وہ فکر کریں۔ جن لوگوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی ان کی مثال بری ہے اور

انہوں نے نقصان (کیا تو) اپنا ہی کیا۔ جس کو خدا ہدایت دے وہی راہ یاب ہے۔ اور جس کو گمراہ کرے تو ایسے ہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔“

بعض علماء کہتے ہیں کہ مسلمان فی الحال بہت کمزور ہیں اور یہ کہ ہمیں ابھی سیرت سے اسباق لینے چاہیے ہیں۔ ہم ابھی 'مکی دور' میں ہیں، ہمیں 'مدنی دور' کے مقام تک پہنچنے سے پہلے 'تربیت' کی ضرورت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب تک مسلمانوں کی تربیت مکمل نہیں ہو جاتی وہ جہاد کا بیڑا نہیں اٹھا سکتے۔ یہ غور طلب بات ہے کہ جہاد اور روزے کے احکام ایک سے الفاظ میں نازل ہوئے ہیں، ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ اور كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ﴾ اور دونوں ہی سورۃ البقرۃ میں ہیں: ”تم پر روزے فرض کر دیے گئے“ اور ”تم پر جہاد فرض کر دیا گیا“۔ دراصل روزے تو جہاد کے فرض ہونے کے دو سال بعد فرض کیے گئے (یعنی نبوت کے پندرہویں سال میں)۔ پس یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک کے لیے تو کسی تربیت کی ضرورت نہ ہو اور دوسرے کے لیے ہو؟

عادل دُیان لکھتے ہیں، ”پوری دنیا ایک دینی رسم و روایت، اسلام میں ایک عبادت کے خلاف کھڑی ہے، اور وہ ہے جہاد۔ دنیا بھر کی سیاست و سفارت کاری، اسلامی دہشت گردی کے خلاف جنگ کے مرکزی خیال کے گرد گھوم رہی ہے۔ دنیا کی ہر حکومت اسلامی دہشت گردی کے خلاف صف آرا ہے...... وہ اسے دہشت گردی اور مجرمانہ فعل قرار دے رہے ہیں، اور وہ اس راستے پر چلنے والوں پر دہشت گرد، انتہاپسند اور انقلابی کا ٹھپہ لگا رہے ہیں۔ ساتھ ساتھ منافق لوگ جہاد کا معنی تبدیل کرنے کی کوشش کر کے ان کی مدد کر رہے ہیں...... وہ کہتے ہیں کہ جہاد (اگر اس کا اطلاق قتال پر ہو)، امیر کی اجازت اور ہدایات کے تحت ہونا چاہیے، جو خود ہی یہودیوں اور صلیبیوں کا ایجنٹ اور دلّال ہے...... اور یہ (منافقین) کہتے ہیں کہ جہاد ہمارے موجودہ زمانے کے لیے موزوں نہیں ہے کہ آج کا زمانہ عالمی امن کا ہے...... لوگوں کو دھوکہ دینے اور جہاد کی تعریف تبدیل کرنے کے لیے جو بھی حجتیں پیش کر لی جائیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے آج تک یہ امت بخوبی جانتی ہے کہ جہاد کا کیا معنی ہے! پس آج ہمیں کسی کی بھی ضرورت نہیں ہے کہ وہ آئے اور ہمیں نئے سرے سے بتائے کہ جہاد کا کیا معنی ہے اور اس کی نئی تشریحات کرے۔“

مجاہدین کو 'خارجی' اور 'تکفیری' بھی کہا جاتا ہے۔ ”مسلم دنیا کو بہت سے مسائل کا سامنا ہے۔ ان میں سے ایک نمایاں مسئلہ دوسرے مسلمانوں کی تکفیر (یعنی انہیں کافر قرار دینا) ہے...... تاہم وہ لوگ جو (شرعاً عادلانہ طور پر) تکفیر کا حکم لگانے میں علمائے سلف سکے طے کردہ معیار پر پورے نہیں اترتے 'خوارج' ہی کے طریقے کی پیروی کرتے ہیں۔ خوارجی وہ لوگ ہیں جو اس زمانے میں ظاہر ہوئے جب اسلامی خلافت حضرت علی کرم اللہ وجہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین تقسیم ہو گئی تھی، جب یہ دونوں بزرگ حضرات ایک دوسرے کے مدِ مقابل تھے۔ خوارج نے حضرات علی و معاویہ رضی اللہ عنہم دونوں کو کافر (نعوذ باللہ) قرار دیا اور دونوں کے قتل کا فتویٰ جاری کیا۔ خارجیوں نے تمام بے عمل مسلمانوں اور قابل سزا گناہوں کا ارتکاب کرنے والوں کی تکفیر کی اور پھر ان کے خلاف اعلان جنگ کیا...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی اس گمراہ فرقے کی نشاندہی فرما دی تھی اور تنبیہ فرمائی تھی کہ یہ ہر مسلمان کے خلاف لڑیں گے جبکہ بت پرستوں پر کوئی اعتراض نہ کریں گے۔

(باقی صفحہ نمبر 91 پر)

## حضرت جنید بغدادیؒ کی وفات

ابو محمد حریری کہتے ہیں کہ حضرت جنید بغدادیؒ (متوفی ۲۹۸ھ) کی وفات کے وقت میں ان کے پاس تھا، یہ جمعے کا دن تھا اور وہ قرآنِ کریم کی تلاوت کر رہے تے۔ میں نے کہا ”ابو القاسم! کچھ اپنی جان کے ساتھ نرمی کا معاملہ کیجیے“۔ حضرت جنیدؒ نے جواب دیا:

”ابو محمد! کیا اس وقت آپ کو کوئی ایسا شخص نظر آتا ہے جو اس عبادت کا مجھ سے زیادہ ضرورت مند ہو؟ وہ دیکھو میرا نامۂ اعمال لپٹ رہا ہے۔“

وفات سے قبل حضرت جنید نے وصیت فرمائی کہ میری طرف جتنی علم کی باتیں منسوب ہیں اور لوگوں نے انہیں لکھ لیا ہے وہ سب دفن کر دی جائیں۔ لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی تو جواب دیا کہ ”جب لوگوں کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا علم (حدیث) موجود ہے تو میری خواہش یہ ہے کہ اللہ سے میری ملاقات اس حالت میں ہو کہ میں نے اپنی طرف منسوب کوئی چیز نہ چھوڑی ہو“۔

وفات کے بعد جعفر خلدیؒ نے انہیں خواب میں دیکھا اور پوچھا:

”اللہ نے آپ کے ساتھ کیسا معاملہ کیا؟“

حضرت جنیدؒ نے جواب دیا:

”ظاحت تلك الإشارات وغابت تلك العبارات وفنيت تلك العلوم ونفدت تلك الرسوم،وما نفعنا إلا ركعات كنا نركعها في الأسحار!“

”وہ اشارے ختم ہوئے، وہ عبارتیں غائب ہو گئیں، وہ علوم فنا ہو گئے، وہ نقوش مٹ گئے اور ہمیں نفع پہنچایا تو چند رکعتوں نے جو ہم سحری کے وقت پڑھ لیا کرتے تھے!“

(تاریخ بغداد للخطیب، ص ۲۴۸، ج:۷)

# جہاد کی فرضیت اور دینِ فطرت

مفتی محمد متین مغل

مصنوعی روشنیوں کی چکا چوند سے معمور ''عروس البلاد'' کراچی میں زندگی کا معتدبہ حصہ گزرا، سورج کا تو پتہ تھا کہ مشرق سے نکلتا ہے اور مغرب میں ڈوبتا ہے، لیکن چاند دیکھنے کی نوبت رمضان اور عید کے موقع پر ہی آتی تھی اور ابتدائی چاند کا ظہور چونکہ مغربی افق پر ہوتا ہے اور نسبتاً جلد غروب ہو جاتا ہے، سو بیشتر شہری 'چوزوں' کی طرح ہمارا 'ماہرانہ' تجزیہ اور اینکرانہ (اینکر پرسنز جیسی) رائے یہ تھی کہ چاند مغرب سے نکلتا ہے۔ لیکن بحمد اللہ چونکہ ایک دینی مدرسے میں زیرِ تعلیم تھے، لہٰذا درسِ نظامی کے چھٹے سال میں 'فہم الفلکیات' کے چند صفحے سرسری پڑھ لینے سے یہ غلط فہمی دور ہو گئی۔ (سرسری اس لیے کہ تعلیمی سال کے آخری مہینے میں کتاب شروع کرنے کی نوبت آئی)۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ عصری (مغربی) اداروں میں زیرِ تربیت ہماری نوجوان نسل کو علمائے اہلِ سنت کی جوتیاں سیدھی کرنے کی توفیق دے تاکہ دین کی بابت ان کی غلط فہمیاں اور الجھنیں دور ہوں۔

خیر! مغرب سے چاند نکلنے کی ''فوادچودھریانہ'' غلط فہمی تو دور ہو گئی، البتہ ایک الجھن باقی رہ گئی کہ چاند مہینے کے شروع میں نامکمل اور ادھورا ہوتا ہے۔ پھر چودہ کو مکمل ہو کر گھٹنا شروع ہو جاتا ہے، لہٰذا ہم شدید 'فوجی' الجھن کا شکار تھے کہ کیسے پتا چلے گا کہ یہ سات تاریخ کا چاند ہے یا اکیس کا، کیونکہ شروع میں بڑھتے بڑھتے سات تاریخ کو چاند کا جو حجم ہوتا ہے، آخر میں گھٹتے گھٹتے اکیس کو کم و بیش وہی حجم ہو جاتا ہے، 'فہم الفلکیات' چونکہ چند صفحات کے علاوہ سرسری پڑھی تھی اس لیے یہ الجھن دور نہیں ہوئی، پھر اللہ رب العزت نے ارضِ غیرت و ہجرت، جہاد و استشہاد آنے کی توفیق دی، تو یہاں شہروں کے مصنوعی و مشینی ماحول کے بجائے فطری ماحول میسر آیا، چونکہ شہروں سے تازہ تازہ وارد ہوئے تھے، اس لیے کھلی فضا میں دور جا کر[1] کسی آڑ میں قضائے حاجت کی عادت نہیں تھی اور یہاں اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا، لہٰذا اپنی آسانی کے لیے یہ حل نکالا کہ ہر وقت جُگالی کرنے، چرنے چگنے کی شہری عادت کو خیرباد کہا تاکہ کم سے کم باہر جانے کی نوبت آئے، اس ہمہ وقت جگالی کے علاوہ شہروں میں تین وقت ڈٹ کر کھانے کا بھی رواج ہے، اگرچہ محاورہ 'دو وقت کی روٹی' ہے، سو ہم نے اس کا یہ 'حامد میرانہ تجزیہ' کر رکھا تھا کہ جس طرح ایڈیٹر کا کالم نگار کی رائے سے اتفاق ضروری نہیں ہوتا، اسی طرح محاورے کی حقیقت سے مطابقت ضروری نہیں، اس تجزیے پر ایک دلیل ہم نے یہ بھی قائم کر رکھی تھی کہ ''یہ منہ اور مسور کی دال'' کا محاورہ حقیقت کے بالکل الٹ ہے، اس کو یوں ہونا چاہیے 'یہ منہ اور مٹن کڑاہی' بھلا مسور کی دال کھانے کو بھی کوئی 'منہ' چاہیے، اس کو کھانے کے بعد تو خلال کی بھی ضرورت نہیں پڑتی، ہمیں تو اس محاورے سے 'بنی اسرائیلی' مزاج کی بو آتی ہے، وَفُومِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا (سورۃ البقرہ: ٦١)'(اے موسیٰ! ہماری خاطر اپنے رب سے فرمائش کیجیے کہ ہمیں زمین کی پیداوار دے......) اس کی گندم اور اس کی دالیں اور اس کی پیاز'۔

غیر متعلقہ بات طویل ہو گئی لیکن کیا کیجیے کہ جب اینکرز اور افغان امور کے 'ماہرین' کا تصور آتا ہے تو اپنے بچپن کے بچگانہ تصورات کی یاد تازہ ہو جاتی ہے، چاند والی بات تو آپ کو بتا دی، اب کچھ اور بتاتے ہیں، روحِ اقبال مرحوم سے معذرت کے ساتھ

اس راز کو اک مردِ 'مغل' کر رہا ہے فاش
ہر چند کہ دانا اسے کھولا نہیں کرتے

بیس برس کا سن تھا، امنگوں بھری جوانی تھی، اُبلتا خون اور دھڑکتا دل تھا، جب ہم القاعدہ میں شامل ہوئے۔ اس سے پہلے شرارتوں بھرا معصوم بچپن بھی ہم نے گزارا تھا۔[2]

---

[1] قضائے حاجت کے لیے دور جانا سنت ہے، سننِ ابی داود کی سب سے پہلی حدیث یہ ہے ''كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا ذهب المذهب ابعد''، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب قضائے حاجت کے لیے تشریف لے جاتے تو دور جاتے۔

[2] کشمیر سے آبائی تعلق ہونے کے باوجود ایسا نہیں تھا کہ بچپن سے ہی مارنے کاٹنے کی ذہنیت بنی ہو، جہادِ کشمیر سے جذباتی لگاؤ اور وابستگی ضرور تھی، البتہ تصور جہاد اسکول و مدرسے کی سزاؤں جیسا تھا۔ اتنا پتا تھا کہ اس میں مرنا مارنا ہوتا ہے، لیکن خود موت کا تصور واضح نہیں تھا، سانحۂ لال مسجد اور سوات آپریشن کے بعد خوابِ غفلت سے بیدار ہوئے (اور صرف ہم ہی نہیں بلکہ نوجوانانِ امت کی ایک بڑی تعداد بیدار ہوئی اور جو نہیں ہوئے وہ بھی ان شاءاللہ ضرور بیدار ہوں گے، خوف ان کے بیدار نہ ہونے کا نہیں، بلکہ شوق و تمنا یہ ہے کہ ہم انکی بیداری کا سبب بن جائیں، (وماذالك على الله بعزيز) ورنہ اقبال تو بہت پہلے کہہ چکے ہیں:

ع مسلماں کو مسلماں کر دیا طوفانِ مغرب نے۔

کفار کے مظالم، شانِ رسالت میں ان کی دریدہ دہنی اور مقابل میں حکمرانوں کی بے غیرتی 'نوجوانوں کو کھڑا کرنے کے لیے کافی ہیں۔ تو پتہ چلا کہ ملایا سے مراکش اور شیشان سے صومالیہ واریٹیریا تک پورا عالمِ اسلام ہی کشمیر کی تصویر ہے؛ جلتا، سلگتا، لٹتا اجڑتا، لاشوں سے پٹا، خون سے اٹا، پامال و نڈھال۔

ع تن ہمہ داغ داغ شد، پنبہ کجا کجا نہم

دورِ خلافتِ عمری کے معروف مرثیہ گو شاعر متمم بن نویرہ کو لوگوں نے کہا کہ مرتے تو سبھی کے بھائی بیٹے ہیں، لیکن یہ کیا کہ تمہارا بھائی مالک مارا گیا اور تم اس کا مرثیہ کہتے اکتاتے نہیں، اس پر متمم نے اشعار میں جواب دیا:

لقد لامني عندالقبور على البكاء
رفيقى لتذراف الدموع السوافك

ہر قبر پر آنسو بہانے پر، مجھے میرے دوست نے ملامت کیا رونے رُلانے پر

(باقی حاشیہ اگلے صفحے پر)

بچپن میں برصغیر کی روایت کے مطابق 'نورانی قاعدہ' پڑھنے مدرسہ جایا کرتے تھے[1]۔ یاد ہے اور اچھی طرح یاد ہے کہ پہلی تختی 'مفردات'، دوسری 'مرکبات' اور تیسری 'حروفِ مقطعات' کے بعد جب چوتھی تختی 'حرکات' شروع ہوئی تو قاری صاحب نے پڑھایا 'ہمزہ زبر اَ'، لیکن ہم چونکہ لکیر کے فقیر تھے اور یہ سیدھی لکیر 'ا' جسے قاری صاحب ہمزہ کہہ رہے تھے بالکل اُس لکیر جیسی تھی جسے ہم نے پہلی تختی میں الف پڑھا تھا اور جسے ہمزہ پڑھایا تھا اس کی شکل لکیر جیسی 'ا' نہیں تھی بلکہ عین کے سر (ء) جیسی تھی، سو ہم مصر رہے کہ یہ ہمزہ زبر اَ نہیں بلکہ الف زبر اَ ہے۔ بچے تھے، ناسمجھ تھے، سو پتہ نہ تھا اور سمجھانے سے بھی سمجھ نہ آتا کہ الف وہی ہوتا ہے جو ساکن بغیر جھٹکے کے ہو، جس پر کوئی حرکت زبر، زیر، پیش یا جھٹکا (جزم) ہو اسے الف نہیں ہمزہ کہتے ہیں۔ قاری صاحب چونکہ سمجھدار تھے، اس لیے انہوں نے فضول مغز ماری نہیں کی اور کھڑا کر دیا، پیر دکھے تو عقل ٹھکانے آئی کہ مجھے تو روٹی بھی امی کھلاتی ہیں، روٹی کھانی نہیں آتی اور چلا ہوں قاری صاحب کو سکھانے۔ اللہ تعالیٰ استادِ محترم کو جزائے خیر دیں اور اُن دینی سکالرز کو ان سے سیکھنے کی توفیق دیں جو سکہ بند سیکولرز کے ساتھ ایسا تعامل کرتے ہیں جو شبہات میں مبتلا نوجوانوں کا حق ہے، نہ کہ الحاد کے داعیان کفر کے زرخرید سیکولروں کا۔ ان کا علاج وہی ہے جو شکیل اوج، انیقہ ناز (پاکستان) اور واشق الرحمٰن بابو، شفیع الاسلام (بنگلہ دیش) کا کیا گیا۔ اس سلسلے میں نمونۂ عمل حضرت عمرؓ ہیں جنہوں نے قرآنی متشابہات کی بابت کثرت سے سوال کرکے فتنہ پھیلانے والے 'صبیغ بن عسل' نامی شخص کے سر پر کوڑے لگوائے، یہاں تک کہ اس نے کہا کہ میرے دماغ میں جو خناس تھا وہ ختم ہو گیا۔ بسا اوقات علما کی جانب سے ان کے ساتھ برتی جانے والی نرمی عامۃ المسلمین کے لیے فتنے کا باعث بن جاتی ہے۔ منکرینِ حدیث کے جواب میں حضرت مولانا سرفراز خان صفدر صاحبؒ نے جب کتابِ لاجواب 'صرف ایک اسلام' تالیف کی تو اس پر متعدد علما نے تقاریظ لکھیں، مجھے یاد پڑتا ہے کہ حضرت علامہ شمس الحق افغانیؒ نے اپنی تقریظ میں کتاب کو سراہنے کے بعد یہ لکھا کہ ''کتاب کا لب ولہجہ نرم ہے، جس کے یہ کمینے (منکرین حدیث) مستحق نہیں''۔

جملۂ معترضہ طویل ہو گیا، عرض کر رہا تھا کہ سات اور اکیس کے چاند کی بابت 'فوجیانہ الجھن' ہنوز باقی تھی، ارضِ جہاد آنا ہوا تو الجھن ساتھ تھی، یہاں بھائیوں نے بتایا کہ ابتدائی چاند (ہلال) کی نوکیں جنوب کی طرف ہوتی ہیں اور یہ بڑھتا ہے اور جب گھٹنے لگتا ہے تو اس کی نوکیں شمال کی طرف ہوتی ہیں جیسے پاکستان کے جھنڈے میں بنے چاند تارے میں چاند کی نوکیں دائیں طرف ہیں، اور بھائیوں نے اس سے یہ نیک فال بھی نکالی کہ پاکستان پر چھائے نظام کفر کی رات کا زوال پذیر چاند بھی جلدی ختم ہو گا اور شریعت کا اجالا نمودار ہو گا۔

شب گریزاں ہو گی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہو گا نغمۂ توحید سے

نیک فال لینا سنت ہے، مسندِ احمد میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کان رسول الله صلى الله عليه وسلم يحب الفأل الحسن ويكره الطيرة۔ رسول اللہ ﷺ نیک فال کو پسند فرماتے تھے اور بدشگونی کو ناپسند۔

نیز مجاہدین کی جنگی اور امنیاتی حکمتِ عملی کا چاندنی راتوں اور تاریک راتوں سے گہرا تعلق ہے اس لیے ہم پر یہ 'انکشاف' بھی ہوا کہ مہینے کو پہلے نصف کا چاند سورج غروب ہونے سے پہلے نکل آیا ہے اور آخری نصف میں بتدریج تاخیر سے نکلتا رہتا ہے، اور اکیس تاریخ تک یہ تاخیر اندازاً نصف شب پر محیط ہوتی ہے، سو الجھن 'فوجی' ٹائپ ہو یا سِول (civil) دور ہو جاتی ہے، لیکن ضروری ہے کہ دینِ فطرت کو ہم فطرت پر رہ کر سمجھنے کی کوشش کریں، بغاوتِ فطرت (مخالفتِ دین) پر مبنی نظاموں کے اندر رہ کر دین کے تقاضوں کو پورا کرنا ہمارا منتہائے نظر نہیں ہونا چاہیے، دین کی بقا کی سعی ضرور کرنی ہے، اگر نظام گرانے کی قوت نہیں تو بھی دین کو بچانا ضروری ہے، یہ نہیں کہ نظام نہیں گرا سکتے تو مدرسے بھی نہ بنائیں، حاشا و کلا! کوئی صحیح الدماغ مسلمان ایسی بات نہیں کر سکتا، مدارس تو اسلام کے قلعے ہیں، اگر دین کا مفہوم ہی مسخ ہو گیا تو اقتدار ملنے کا بھی کیا فائدہ! لیکن صرف دفاع پر اکتفا نہیں کرنا، اگر طاغوت کے خلاف اقدام کی فکر نہ کی تو یہ طاغوت بتدریج ہمیں پسپائی پر مجبور کرکے تصورِ دین کو مسخ کرے گا، پھر ہو گا یہ کہ دفاع بھی نہ رہے گا، بلکہ دفاع کا نام رہ جائے گا، اور یہ کوئی ہماری طالبِ علمانہ رائے نہیں،

---

فقلت له ان الشجايبعث الشجا
فدعني فهذا اكله قبر مالك

میں نے کہا نئے غم سے پرانا غم ہوتا ہے تازہ، مجھے اپنے حال چھوڑ دے، مجھے تو ہر قبر ہے مالک کا مقبرہ!

سو جب اپنا کشمیر بھی کُل عالمِ اسلام ٹھہرا تو ہم بھی اللہ کی توفیق سے امت کے جہادی تسلسل کے نئے سنگِ میل 'القاعدہ' میں شامل ہو گئے۔ وماكنا لنهتدي لولا ان هدانا الله!

[1] نورانی قاعدہ اور القاعدہ میں باہمی ربط یہ ہے کہ ہر نورانی قاعدہ پر قرآن پڑھنے والا گو باضابطہ القاعدہ میں شامل نہ ہو، لیکن ہوتا القاعدہ ہی کے نظریے پر گامزن ہے، وطنِ عزیز کے طول و عرض میں پھیلی امریکہ دشمنی اور گو امریکہ گو کے نعرے شیخ اسامہ کے نظریے کی مقبولیت کا منہ بولتا ثبوت ہیں، سو جیسے اقبال مرحوم کے مطابق 'افغان کی غیرت دینی کا علاج ملا کو ان کے کوہ و دمن سے نکالنا تھا'، اسی طرح القاعدہ (یا عالمی جہاد کا نظریہ کہہ لیجیے) کا توڑ یہی ہے کہ 'نورانی قاعدے' اور قرآنی تعلیمات پر پابندی عائد کر دی جائے، سو جب تک 'نورانی قاعدے' اور قرآن کی بہاریں باقی ہیں (اور ان شاءاللہ تاابد رہیں گی) تحریکِ جہاد کو نہ کسی 'بیانیے' سے خوف ہے، نہ کسی 'پیغام' کا خطر

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

اور

فانوس بن کے جس کی حفاظت ہوا کرے
وہ شمع کیا بجھے! جسے روشن خدا کرے

دارالعلوم دیوبند کے اولین طالب علم شیخ الہند رحمہ اللہ دارالعلوم دیوبند کا مقصدِ تاسیس بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"مدرسہ میرے سامنے قائم ہوا، جہاں تک میں جانتا ہوں ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کی ناکامی کے بعد یہ ارادہ کیا گیا کہ کوئی ایسا مرکز قائم کیا جائے، جس کے زیرِ اثر لوگوں کو تیار کیا جائے تا کہ ۱۸۵۷ء کی ناکامی کی تلافی کی جا سکے!"

یعنی محض دفاع ہی مقصود نہ تھا، بلکہ اقدام کی تیاری بھی پیشِ نظر تھی۔

اور شیخ الہند رحمہ اللہ کے جانشین شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی اپنے ایک مکتوب میں کچھ یوں لکھتے ہیں کہ 'جمہوری طریقہ ایک وقتی تدبیر تو ہو سکتی ہے، لیکن اٹل ترجیح اور منتہائے نظر نہیں'۔

سرزمینِ ہجرت میں آکر ہم شہری لوگ (امتِ مسلمہ کے حقیقی اہلِ حل وعقد: اکابر علما، دینی رہنما، اسلام پسند مفکرین، اساتذہ وطلبہ کی معتدبہ تعداد شہری ہے) فطرت سے قریب ہوتے ہیں تو دینِ فطرت کے اسرار ورموز بھی کھلنا شروع ہوتے ہیں، گو اس کا عمومی وعدہ تو سبھی اسلام کی خاطر کوشاں افراد کے لیے ہے۔ وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (سورۃ العنکبوت: ۶۹)، 'اور جن لوگوں نے ہماری خاطر کوشش کی ہے، ہم انہیں ضرور بالضرور اپنے راستوں پر پہنچائیں گے'۔

لیکن ظاہر ہے کہ جس کی کوشش جس قدر سنت سے ہم آہنگ ہو گی اتنا ہی اس پر دین کا فہم کھلے گا۔

چاند والا نکتہ تو بہت طویل ہو گیا، لیکن پھر بھی فرضیتِ جہاد کے نکتے پر آنے سے پہلے ایک حکم شرعی کے سرزمینِ ہجرت کے ساتھ ربط کو بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ وہی اس مضمون کا اصل محرک بنا۔

۱۴۴۱ھ کا ماہِ رمضان خراسان کے ایک تقریباً بے آباد علاقے میں گزارنے کا اتفاق ہوا، گھر کی ایک جانب اندازاً ایک کلو میٹر کی مسافت پر ایک مقامی انصار کا گھر تھا اور دوسری جانب تقریباً اس سے کچھ زیادہ فاصلے پر مہاجر بھائیوں کا مرکز تھا، مئی کا گرم مہینہ تھا، لہٰذا ساڑھے بارہ، ایک بجے باہر چشمے پر جا کر ٹھنڈے پانی سے غسل کا معمول تھا، بعض دفعہ تاخیر ہو جاتی تھی، ڈیڑھ دو بج جاتے تھے تو پھر باہر نہانا مشکل ہو جاتا تھا، ٹھنڈ لگتی تھی، لہٰذا تاخیر کی صورت میں یا تو گھر پر ہی نہالیتا تھا یا اس دن غسل کا ناغہ کر لیتا تھا۔ انہی دنوں بیٹھے بیٹھے خیال آیا کہ بھئی یہ تو ایک الجھن حل ہو گئی۔ البتہ یہ الجھن ایک 'طالب علمانہ' الجھن تھی۔ تفصیل کچھ یوں ہے: صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ وعبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اذا اشتدالحر فابر دواعن الصلٰوة فان شدة الحر من فيح جهنم."

"جب گرمی تیز ہو تو (ظہر) کی نماز کو (ذرا) تاخیر سے ٹھنڈے وقت میں پڑھو، کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کی بنا پر ہوتی ہے۔" (كتاب مواقيت الصلوٰة، باب الابراد بالظہر فی شدة الحر)

اس کی تشریح میں اساتذہ نے یہی بتایا تھا کہ جب نصف النہار (استواء) کا مکروہ وقت ختم ہو جاتا ہے اور سورج ڈھل جاتا ہے تو کچھ وقت گزرنے کے بعد گرمی کی شدت میں نمایاں کمی آجاتی ہے، تب گرمی کے موسم میں نمازِ ظہر کا افضل وقت ہے، یہ دورانیہ مختلف اوقات میں پون گھنٹے سے سوا گھنٹے تک کا ہوتا ہے۔ لہٰذا پاکستان میں احناف کی مساجد میں بالعموم اس پر عمل ہوتا ہے، لیکن ہمیں الجھن یہ تھی کہ ہمارے یہاں تو گرمی تین بجے تک اپنے جوبن پر ہوتی ہے، تو کیا ہم تین بجے تک تاخیر کریں، لیکن اس پر تو عمل ہوتے نہیں دیکھا، شاید مفتی زرولی خان صاحب رحمہ اللہ کے یہاں جامعہ احسن العلوم میں اڑھائی بجے نماز تھی، گو کہ یقینی بات یہ بھی نہیں، لیکن عمومی رواج تو بہر حال نہیں، اس اشکال کا طالب علمانہ حل ہم نے یہ نکالا کہ عرب و عجم (ہند) کے موسم کے فرق کی وجہ سے یہ اشکال پیش آرہا ہے، لیکن اس حل پر ایک قوی اشکال تھا کہ عرب کا موسم تو زیادہ گرم ہے، اگر وہاں پون گھنٹے سوا گھنٹے بعد شدت کم ہو جاتی ہے تو یہاں بطریقِ اولیٰ کم ہونی چاہیے، خیر! یہ ذہنی جمناسٹک ہمارے دماغ میں ہی رہی، کسی سے ذکر نہیں، اور شاید یادداشتوں میں کہیں تحریر بھی نہیں کیا، اب تک ذکر نہ کرنے کی وجہ کچھ طبعی جھجک تھی کہ مذاق نہ اُڑے اور ایک وجہ مناقشے کی علمی روایت کا فقدان تھا، حالانکہ شیخ سعدی اپنی سدا بہار 'گلستان' فرماتے ہیں 'مال بغیر تجارت، ملک بغیر سیاست اور علم بغیر مناقشے کے بیکار ہے'۔

خیر! اب جا کر کھلا کہ شہروں میں آبادی گنجان ہوتی ہے، گھر سے گھر ملا ہوتا ہے، کچرے کے ڈھیر ہوتے ہیں، موجیں مارتے گندے نالے ہوتے ہیں (جن کی طغیانی دریائے راوی سے زیادہ ہوتی ہے) گاڑیوں اور کارخانوں کی چمنیوں سے اٹھتا دھواں اور کیمیائی فضلہ سب مل کر حرارت اور آلودگی میں اضافہ کرتے ہیں، جس سے گرمی کی حدت کا دورانیہ غیر فطری طور پر بڑھ جاتا ہے۔

یہ بالکل ایسا ہے کہ اللہ رب العزت قرآن میں فرماتے ہیں وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ (سورۃ الملک: ۵)، 'بے شک ہم نے قریبی آسمان کو چراغوں (ستاروں) سے مزین کیا ہے'۔ لیکن آلودگی سے بھرپور فضا کے حامل اور مصنوعی روشنیوں سے معمور شہروں میں اس زینت کا ادراک ناممکن ہے، کسی دور دراز کے مضافاتی علاقے میں چلے جائیں، اگر دلِ فطرت شناس رکھتے ہیں تو پکار اُٹھیں گے

ع خدا نے زینت بخشی ہے افلاک کو روشن تاروں سے

معروف حدیث ہے کہ ’جب تم مرغے کی آواز سنو (اور بعض روایات میں ’رات کے وقت‘ کا اضافہ ہے) تو اللہ سے اس کا فضل مانگو، اس لیے اُس مرغ نے فرشتے کو دیکھا ہوتا ہے‘۔

حضرت مولانا فضل محمد یوسُف زئی حفظہ اللہ نے اس کی تشریح میں فرمایا کہ انسان جیسے خود فطرت سے ہٹ گیا ہے، اس نے پالتو جانوروں کو بھی فطرت سے ہٹا دیا ہے، فارمی مرغے کی اذان کا کوئی وقت و سبب متعین نہیں۔

شاید اقبال نے نظامِ تعلیم کے تیز ابی فارم کے تیار شدہ ایسے ہی فارمی انسانوں کے بارے میں کہا

؏ یہ ناداں گر گئے سجدے میں، جب وقتِ قیام آیا

آمدم بر سرِ مطلب! جہاد کی فرضیت کے اثبات کے لیے شرعی دلائل کے بیان اور ان کی عملی (واقعاتی مشاہداتی) تطبیق کے بعد اصولاً مزید کسی دلیل کی حاجت باقی نہیں رہتی (کیونکہ انسان فرد، خاندان، معاشرہ اور ریاست ہر سطح پر احکامِ شرع کا مکلف ہے اور اسلام نام ہے تسلیم و رضا کا، دوٹوک فیصلہ آجانے کے بعد کسی چوں چرا اں کی گنجائش باقی نہیں رہتی، پھر ’عقل کو لبِ بام محوِ تماشا کر کے آتشِ نمرود میں بھی کودنا ہوتا ہے‘ اور اسمٰعیل علیہ السلام جیسے دُلارے فرزند کے حلقوم پر چھری بھی رکھنی ہوتی ہے)۔ اٹل حکمِ الٰہی جان لینے کے بعد بھی عمل کی خاطر فرد کو کسی عقلی، سائنسی یا منطقی دلیل و سہارے کی ضرورت باقی رہے تو پھر اس میں اا ور اُس نام نہاد اسلامی (درحقیقت سیکولر) ریاست میں کوئی فرق نہیں جو احکامِ شرع پر عمل (ان کو آئین و قانون بنانے) کے لیے دو تہائی نمائندوں کی رضامندی کی شرط لگاتی ہے[1]۔ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَن يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ (سورۃ الاحزاب: ۳۶)، اور جب اللہ اور اس کا رسول کسی بات کا حتمی فیصلہ کر دیں تو نہ کسی مومن مرد کے لیے یہ گنجائش ہے اور نہ کسی مومن عورت کے لیے کہ ان کو ’اپنے معاملے‘ کا کوئی اختیار باقی رہے۔

سو نفسِ فرضیت پر تو مزید روشنی ڈالنے کی ضرورت نہیں، سادہ ترجمے کے ساتھ انفال و توبہ اور احزاب و ممتحنہ پڑھ لینا کافی ہے، البتہ عملی تطبیق میں اشکالات و شبہات پیش آتے ہیں، ان کا ازالہ اور دفعیہ بہر حال ضروری ہے۔

ایک قدیم و جدید اشکال عدمِ استطاعت کا ہے، حضرت شیخ محمد تھانویؒ کو بھی یہی اشکال پیش آیا اور حضرت نانوتویؒ نے اس کا جواب دیا کہ کیا ہم اصحابِ بدر سے بھی زیادہ بے سر و سامان ہیں؟

فرد اور اجتماعیت ہر دو سطح پر شبہ پیدا ہوتا ہے، فرد یہ سمجھتا ہے کہ جہاد میری استطاعت سے باہر ہے یا یہ کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں کے پاس اتنی قوت نہیں۔

ہمارے ایک مرابط و مہاجر ہندی بھائی بتاتے ہیں کہ قبل از ہجرت ہند میں جب دعوتِ جہاد میں مصروف تھے تو اپنے انگریزی کے استاد سے بطورِ ترغیب کہا ’میرا افغانستان جانے کا ارادہ ہے‘۔ انہوں نے میرے بازو ٹٹول کر کہا کہ ان ڈھیلے عضلات (loose muscles) کے ساتھ تم افغانستان جا کر جہاد نہیں کر سکتے۔

اور وہ ہندی بھائی آج آٹھ سال ہونے کو ہیں رباط و جہاد میں مصروف ہیں اور تن سازی (body building) کے اداروں مین ’تن پروری‘ کرنے والا نوجوان بس آئینے میں خود کو دیکھ کر خوش ہوتا، اتراتا رہتا ہے، اپنے ’six pack abs‘ پر نازاں ہے اور چھ بر اعظموں میں لاوارث اسلام سے غافل ہے، اناللہ وانا الیہ راجعون!

کمزور جسم ہو یا ارادہ و ایمان؛ جہاد ہی سے اسے قوت ملتی ہے، جسم، ارادے اور ایمان کو مضبوط کرنے تک جو جہاد کو موقوف رکھے، اس کی مثال یوں ہے کہ کوئی کہے: ’میں پانی تو پیوں گا مگر پیاس بجھانے کے بعد‘ بھلا پیاس بجھانے کا طریقہ پانی پینے کے سوا اور ہے کیا؟ لہٰذا یہ کمزور جسم و ضعیف ایمان کی دلیل محض تلبیسِ ابلیس ہے۔ کسی نے لطیفہ گھڑا کہ ”سورج کے فوائد تو بہت زیادہ ہیں لیکن اسے رات کو طلوع ہونا چاہیے، کیونکہ دن میں ویسے ہی بہت روشنی ہوتی ہے“۔

ایک اور مجاہد بھائی نے بتایا کہ ہم نے ایک محترم کو جہاد کی دعوت دی، عمر یہی کوئی چالیس کے اریب قریب تھی، البتہ صحت اچھی تھی، سب سننے کے بعد فرمانے لگے کہ بھائی! آپ کی بات درست ہے، جہاد فرض ہے، ”لیکن میں انیس کلو کی کلاشنکوف اٹھا کر پہاڑ پر نہیں چڑھ سکتا“ وہ بھائی کہتے ہیں میں نے انہیں بتایا کہ ”کلاشنکوف چار پانچ کلو وزن کی حامل ہوتی ہے، یہ انیس کلو آپ کی غلط فہمی ہے“، تب وہ شرمندہ بھی ہوئے اور مطمئن بھی کہ میں بھی جہاد کر سکتا ہوں۔

جہاد کو یار لوگوں نے ایسا ہَوا بنایا ہوا ہے کہ بس ٹارزن اور ہر کولیس ٹائپ بندہ ہی جہاد کر سکتا ہے یا پھر کم از کم بھی کلازوٹ کی وطنی افواج والے کوائف (وزن، قد، صحت) تو پورے ہونے ہی چاہئیں۔

ارضِ جہاد میں مشاہدہ اس کے برعکس ہے، یہاں متعدد ایسے بھائی ہیں جو کسی نہ کسی جسمانی نقص و کمزوری کے حامل ہیں، مثلاً کمزور نگاہ ایک عام بات ہے۔ کئی بھائیوں کو عینک لگی ہے، خود راقم الحروف منفی چھ نمبر کی عینک لگاتا ہے۔ کئی بھائی پیروں سے معذور ہیں، بعض پیدائشی اور بعض جہاد میں آکر، کسی کا ہاتھ خراب ہے تو کسی کی آنکھیں راہِ خدا میں قربان، لیکن پھر بھی ہجرت و جہاد کی راہوں پر استقامت سے گامزن ہیں۔ ثبتہم اللہ وایانا علی الحق!

---

[1] حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ’اصل مدار ثبوتِ احکامِ شرعیہ کا نصوصِ شرعیہ ہیں، جن کے بعد کسی مصلحت و حکمت کے معلوم ہونے کا انتظار کرنا بالیقین حضرت سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ بغاوت ہے‘۔ (احکامِ اسلام عقل کی نظر میں)

ان کی صبحیں سدا باسعادت رہیں
ان کی شامیں رہیں عبادت رہیں

والله الذي لااله الا هو لفاظی اور جوشِ خطابت نہیں، بلکہ آنکھوں دیکھا مشاہدہ ہے کہ جہاد میں ایسے بھائی بھی دیکھے ہیں کہ جنہیں نرم بستر کے باوجود (عادت نہ ہونے کی وجہ سے) زمین پر نیند نہیں آتی تھی، رات کے اندھیرے سے خوف آتا تھا، لیکن ایمان کی پکار کے آگے کوئی عذر اور عادت آڑے نہ آئی، ہجرت کی اور مذکورہ بالا پریشانیاں، مسائل بھی رفتہ رفتہ دور ہوگئے۔

سو یہ کم مائیگی اور کمزوری کا احساس ہجرت میں رکاوٹ نہ بننے پائے، البتہ ہجرت و جہاد میں آکر یہ احساس باقی رکھنے کی ضرورت ہے تاکہ انکسار و تواضع پیدا ہو۔

یقیناً جہاد میں مشکلات پیش آتی ہیں، لیکن ان مشکلات سے دوبدو ہونے کے لیے صرف اللہ کی نصرت درکار ہے، نہ کوئی صلاحیت کام آتی ہے نہ قوت و مہارت، اور اللہ انہیں کی نصرت کرتا ہے جو اس کے دین کی نصرت کریں، وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ (سورۃ الحج: ۴۰)۔

سو جہاد کریں اور اس یقین کے ساتھ کریں کہ اللہ آپ سے مشکلات کو دور کریں گے، شیطانی تخویفات سے خائف نہ ہوں، إِنَّمَا ذَٰلِكُمُ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءَهُ (سورۃ آل عمران: ۱۷۵)، 'درحقیقت یہ تو شیطان ہے جو اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے'۔

یہ تو فرد کا معاملہ رہا، شبہ اتنی وضاحت سے دور ہو جاتا ہے، پھر بھی الجھن باقی رہے، تو اپنے دل کو ٹٹولیں اور اس سے فتویٰ مانگیں، حضرت وابصہ بن معبد اسدیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ 'تم نیکی اور گناہ کے بارے میں سوال کرنے آئے ہو؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں، آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک کی انگلیاں ملا کر (مٹھی بنا کر) میرے سینے پر ہلکی سی ضرب لگائی (جو کہ بے تکلفی اور توجہ طلبی کی علامت تھی) اور تین بار ارشاد فرمایا: اے وابصہ! اپنے نفس و دل سے فتویٰ پوچھ، پھر فرمایا: نیکی وہ ہے جس پر نفس و دل مطمئن ہوں اور گناہ وہ ہے جو نفس کو کھٹکے اور دل کو اس میں تردد ہو، گو تو لوگوں کو اور لوگ تجھے (اس کے جواز کا) فتویٰ دیں'۔ (سنن دارمی، کتاب البیوع، باب دع مايريبك الى مالا يريبك)

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ اجتماعی طور پر مسلمانوں میں قوت نہیں، تو روس کے بعد امریکہ کے بھی شکست کھانے کے بعد تو یہ بات اچھا خاصا لطیفہ معلوم ہوتی ہے، بھلا جس امت کے بے سروسامان لوگوں کا ایک چھوٹا سا گروہ (امارت اسلامیہ افغانستان) پورے عالم کفر (امریکہ بمع نیٹو اور نان نیٹو اتحادی) کو ناکوں چنے چبوا سکتا ہے، اس امت پر ضعف و بے بسی کی تہمت کیونکر لگائی جا سکتی ہے! ایسا پراپیگنڈا کرنے والے لوگ یا تو دشمن کے آلۂ کار ہیں جو (ہالی ووڈ کی نمائندگی و نقالی میں) مسلمانوں پر امریکی قوت کا جھوٹا رعب جمانا چاہتے ہیں، یا پھر خود نفسیاتی طور پر شکست خوردہ و ہزیمت زدہ ہیں، پہلے روس کی شکست کے پیچھے امریکی امداد و اسلحے کا ڈھنڈورا پیٹا، اب امریکی شکست کے پیچھے کوئی اور طاقت انہیں نظر آنے لگے گی، حالانکہ اللہ گواہ ہے کہ مجاہدین کے پاس سوائے اللہ کی نصرت اور اپنی مدد آپ کے تحت فراہم کردہ ٹوٹے پھوٹے وسائل کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

یہ قدامت پسندی کی معراج ہیں
ولولے ان کے سینوں میں جو آج ہیں
ان کی ٹھوکر میں افرنگ کے تاج ہیں
میری امت کی یہ نوجواں لاج ہیں

یہ اٹل اور فطری حقیقت اس مشینی دور میں بھی باقی ہے، جنگیں اسلحے سے نہیں، عزم و ارادے سے لڑی جاتی ہیں، جب حوصلہ نہ ہو تو اسلحہ کام نہیں آتا، مسلمانوں کے ہمراہ تو خیر اللہ کی مدد ہوتی ہے، لیکن جب نہتے کافر بھی اسلحہ بردار (حوصلے سے دست بردار) کفار سے لڑنے کا ارادہ کر لیں تو جیت حوصلہ مندوں کی ہی ہوتی ہے، کیا ویت نام میں امریکی شکست اور ملعون خمینی کے ہاتھوں شاہِ ایران کا تختہ الٹا جانا لوحِ تاریخ پر ثبت نہیں؟

سو اس میں عبرتیں ہیں ان اصحاب کے لیے جو ہر قائم و موجود نظام کو تقدیر کا جبر قرار دے کر ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہتے ہیں۔

مجاہدین نے کوئی نیند سے اُٹھ کر امریکہ کے خلاف جہاد کا اعلان نہیں کیا، بلکہ اللہ کے وعدوں پر یقین کے بعد روس کو شکست دینے کا تجربہ اور اس سے حاصل شدہ اسباق بھی ان کے لیے مشعل راہ تھے۔

شہید امت شیخ اسامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> ''سوویت اتحاد کی شکست مجاہدین کے لیے اچھوتا تجربہ ثابت ہوئی، اس تاریخ ساز واقعے نے ہمارے سامنے سوچنے کے نئے زاویے کھولے، ہمارے ذہنی افق کو وسعت بخشی اور ہمارا یہ یقین مزید راسخ کر دیا کہ بظاہر بہت قوی نظر آنے والی یہ وسیع و عریض کافر سلطنتیں نہایت بودی اور بے اصل ہیں، اور اگر ہم اللہ پر توکل کرتے ہوئے، اسی کے سہارے کو ساتھ لیے، شرعی احکامات کے مطابق ان عالمی طاقتوں کے خلاف جہاد کریں تو ان شاء اللہ انہیں نہایت سہولت سے جڑوں سے اکھاڑ پھینکیں گے اور سرسری نگاہ میں ناممکن نظر آنے والا یہ کام بھی آرام سے ممکن ہو جائے گا، سوویت اتحاد کی شکست نے ہمیں امتِ مسلمہ کی مجموعی صورتحال پر ٹھنڈے دل سے غور و فکر کرنے کا موقع دیا اور ہم سوچنے اور منصوبہ بندی کرنے لگے کہ کیسے اپنی محبوب امت کو

ظلم وجبر کے شکنجے سے نجات دلائی جائے، پس روس کے خلاف جہاد کے تجربے
نے ہمارے لیے پورے عالمِ اسلام میں تبدیلی لانے کی کنجی کا کام دیا۔"

میں نے بذاتِ خود اس کا مشاہدہ کیا کہ افغان مجاہدین کے پاس افرادی قوت اور مادی وسائل دونوں کی ہی شدید قلت ہے اور انہیں جنگ کے لیے درکار بنیادی ضروریات بھی میسر نہیں۔

امت مسلمہ کے حالات پر غور و فکر کرنے کے بعد ہم جس نتیجے تک پہنچے اسے اختصار سے دو نقاط میں بیان کیا جاسکتا ہے۔

ایک یہ کہ عالمِ اسلام کی موجودہ ناگفتہ بہ صورتحال کو اس وقت تک نہیں بدلا جاسکتا، نہ ہی فلسطین کو یہودی قبضے سے اس وقت تک آزاد کرایا جاسکتا ہے جب تک مسلم خطوں میں امریکی مداخلت کا خاتمہ نہ کر دیا جائے، کیونکہ عالمِ اسلام آزاد نہیں بلکہ جدید عالمی نظام کے شکنجے میں بری طرح جکڑا ہوا ہے، اور اس نظام کی سربراہی یہود کا سب سے بڑا پشت پناہ امریکہ کر رہا ہے۔

پھر یہ کہ چونکہ امریکہ روس سے یکسر مختلف دشمن ہے، اس لیے اسے روایتی طرزِ جنگ سے شکست دینا ممکن نہیں، اس کے خلاف غیر روایتی اور غیر متوازی (Asymmetric) طریقۂ جنگ اختیار کرنا ہوگا۔ (وہ شیر پھر ہوشیار ہوگا، ادارہ حطین، شمارہ ۸، شعبان ۱۴۳۳ھ)

چونکہ امریکہ سات سمندر پار بیٹھا ہے اور اسکی سرزمین میں گھس کر اس پر حملے کرنے سہل نہیں، اس لیے امریکہ کی قوت توڑنے کے لیے ضروری ہے کہ اسے کھینچ کر کسی مسلم خطے میں اتارا جائے، یوں اسے ایک طویل جنگ میں پھنسا کر اس کی کمر توڑی جاسکتی ہے۔ (نوے کی دہائی کے آخر میں صحافی عبد الباری عطوان کو شیخ اسامہ رحمہ اللہ کا دیا گیا انٹرویو)

شہیدِ اسلام حضرت شاہ اسماعیل دہلوی رحمہ اللہ کے ایک قیمتی مکتوب پر اپنی تحریر کا اختتام کرتا ہوں:

> "بندہ ضعیف محمد اسماعیل کی طرف سے میر شاہ علی سلمہ اللہ کے نام
> آپ کا وہ گرامی نامہ پہنچا جس میں چند مخلصین اور بعض منافقین کے ایک مباحثے کا تذکرہ ہے، منافقین سے جو آپ جہاد باللسان کر رہے ہیں اور راہ ایمان کی طرف طالبین کو جو آپ دعوت دے رہے ہیں، اس پر اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔
> آپ نے تحریر فرمایا کہ (مخلصین و منافقین کے) اس سوال و جواب کی تنقیح و وضاحت کرکے آپ کو بھجوادوں، تو اس طرح کے مسائل کی تحریر و تقریر بھی جہاد کی ایک قسم ہے لیکن ضعیف۔ جو شخص مجاہدین کا حال دیکھے اسے یقین ہو جائے کہ قیل و قال اور بحث مباحثے کا مسلک 'خواہ حق ہو یا باطل' دوسرا ہے اور ان لوگوں کا مسلک دوسرا، پہلا مسلک علما کا ہے اور دوسرا مجاہدین کا۔

آپ نے یہ جو ذکر کیا کہ اہل قوت کے مقابلے کیلیے انہی جیسی قوت چاہیے تو یہ بات ہمیں تسلیم نہیں، قوی دشمن کے مقابلے میں مقدور بھر قوت جمع کرلینا کافی ہے، خواہ وہ دشمن کی قوت سے کم ہو، اللہ نے قرآن میں دشمن کے مقابلے میں مقدور بھر قوت جمع کرنے کا حکم دیا ہے (وَأَعِدُّواْ لَهُم مَّا اسۡتَطَعۡتُم مِّن قُوَّةٍ (سورۃ الانفال ۶۰)، یہ حکم نہیں دیا کہ ان کے برابر تیاری کرو۔

قوموں اور سلطنتوں کے انقلاب میں اللہ کی یہ سنت جاری ہے کہ معمولی لوگوں میں سے کوئی کمزور فرد مثلاً نادر شاہ وغیرہ سر اٹھاتا ہے اور بتدریج اپنے گروہ کو مضبوط کرتا جاتا ہے، یہاں تک بڑی بڑی سلطنتوں پر قابض ہو جاتا ہے، کس قدر بے انصافی ہے کہ جو شخص اقتدار کا بھوکا ہوتا ہے اس کے حق میں فتح کا گمان کرلیا جاتا ہے! اور اسی گمان و امید پر اس کا ساتھ دیا جاتا ہے، لیکن جو شخص اللہ کی رضا اور دین کی مدد کے جذبے سے کھڑا ہوتا ہے اس کے لیے فتح کا حصول ناممکن سمجھا جاتا ہے، طرح طرح کے اعتراضات کیے جاتے ہیں، کوئی ساتھ نہیں دیتا اور عام مسلمانوں کو بھی ساتھ دینے سے روکا جاتا ہے، أَلاَ لَعۡنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظَّالِمِينَ الَّذِينَ يَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللّٰهِ وَيَبۡغُونَهَا عِوَجاً (سورۃ ہود: ۱۸-۱۹)

کیا شوکت اس طرح حاصل ہوتی ہے کہ کوئی شخص ماں کے پیٹ سے فوج اور سامانِ جنگ کے ساتھ پیدا ہو یا جب جہاد کا ارادہ کرتا ہے تو غیب سے افواج اور سامان جنگ مہیا ہو جاتا ہے!؟ ایسا نہ کبھی ہوا ہے نہ ہو سکتا ہے۔ اس کا طریقہ یہی ہے کہ جس طرح امام کا مقرر کرنا تمام مسلمانوں کا فرض ہے اسی طرح امام کو قوت فراہم کرنا بھی سب پر فرض ہے، سب کا فرض ہے کہ اس کے گرد جمع ہو جائیں اور اپنی اپنی استطاعت کے مطابق اسباب جنگ لاکر اس کے سامنے پیش کردیں۔ پس جو شخص بھی یہ کہے کہ جہاد کے لیے امام کی قوت شرط ہے اور یہ قوت ہمیں حاصل نہیں تو اس پر لازم ہے کہ پہلے خود آئے اور بقدر استطاعت سامان جنگ ساتھ لائے، اور لازم ہے کہ ہر شخص خواہ تنہا، کمزور، قلیل الاستطاعت ہو، امام کے حکم پر گھر سے نکل آئے اور جس قدر سامان میسر آسکے، اس کے ہمراہ مسلمانوں کی جماعت میں پہنچ جائے تاکہ جہاد قائم ہو جانے کی صورت پیدا ہو، نہ یہ کہ اپنے کو 'اللہ کے بندوں' کے زمرے سے نکال کر 'ڈرپوک' بندوں میں شامل کرے اور دینِ متین کے اس رکن رکین کو

ہاتھ سے جانے دے، سرکش دولتمندوں کی کاسہ لیسی اور ناقصات العقل عورتوں کی کنگھی چوٹی میں مصروف رہے، سبحان اللہ! اسلام کا حق یہی ہے کہ اسکے رکنِ اعظم (جہاد) کی جڑ کھود کر پھینک دی جائے اور اس شخص کو جس کے سینے میں ناتوانی کے باوجود اسلامی حمیت جوش مار رہی ہے، طعن وتشنیع کا ہدف بنالیا جائے؟ یہ لوگ نصاریٰ ویہود و مجوس وہنود کی طرح ہیں کہ ملتِ محمدیہ کے ساتھ دشمنی کرتے ہیں، "محمدیت" کا تقاضا تو یہ تھا کہ اگر کوئی شخص مذاق میں بھی جہاد کا نام لے لے تو مسلمانوں کے دل سنتے ہی پھول کی طرح کھل جائیں اور سنبل کی طرح لہلہانے لگیں اور اگر دور دراز کے مقامات سے بھی جہاد کا آوازہ اہلِ غیرت کے کانوں تک پہنچ جائے تو دیوانہ وار دشت وکوہسار میں دوڑنے اور شہباز کی طرح اڑنے لگیں، نہ یہ کہ جہاد کا مسئلہ اس عظمت کے باوجود 'کتاب الحیض والنفاس' کی تعلیم وتعلم کے درجے سے بھی کم سمجھا جائے۔

مناسب ہے کہ ان ہواجسِ نفسانی اور وساوسِ شیطانی کو دل سے دور کریں اور ایمانی غیرت اور اسلامی حمیت کو جوش میں لائیں اور مردانہ وار مجاہدین کے لشکر میں شامل ہو جائیں اور زمانے کے نشیب وفراز پر صبر کریں اور دور دراز کے خیالات کو چھوڑ دیں اور دنیاوی تعلقات کو جو اس مشغولیت سے مانع ہوں، خیر باد کہیں۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ 'جو اپنے دل کو وادیوں میں ڈال دے (دنیاوی دھندوں میں الجھادے) اور ڈانواں ڈول رکھے تو اللہ کو پروا نہیں ہوتی کہ کس وادی میں وہ مرتا ہے، اور جو اللہ پر بھروسہ کرے، اللہ ان تمام راہوں کا انتظام فرماتا ہے'۔"

(مجموعہ خطوطِ قلمی، تاریخِ دعوت وعزیمت، ج۶، ح۱، ص۵۴۸ تا ۵۵۶) بتصرف

☆☆☆☆☆

## بقیہ: تصورِ جہاد میں تحریف از جنرل شاہد عزیزؒ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اگر یہ فرقہ ان کے دور میں ظاہر ہوا تو وہ ان کو ویسے ہی مٹا دیں گے جیسے قوم عاد کو مٹا دیا گیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابیؓ نے بعد میں تاکیداً کہا کہ یہ فرقہ کفار کے بارے میں نازل شدہ قرآنی آیات کو سچے مسلمانوں پر لاگو کرے گا۔ پس آج ایک طرف ہمارے یہاں خارجیوں جیسے گروہ ہیں جو تکفیریت کو اٹھائے ہوئے ہیں اور دوسری طرف ہمیں ان لادین سیکولروں کا مقابلہ ہے جو سرے سے تکفیر اور خروج (یعنی گمراہ مسلمان حکومتوں کے خلاف جنگ) کے نظریات کا انکار کرتے ہیں اور اسلام اور مسلمانوں کا مذاق اڑاتے ہیں۔"

اللہ ربّ العزت قرآن میں فرماتا ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا **شُهَدَآءَ** عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (سورۃ البقرۃ:۱۴۳)

"اور (مسلمانو) اسی طرح تو ہم نے تم کو ایک معتدل امت بنایا ہے تاکہ تم دوسرے لوگوں پر **گواہ** بنو، اور رسول تم پر گواہ بنے۔"

☆☆☆☆☆

## خادمِ ملٹی نیشنل

رہن رکھوا چلا
اپنی کُل زندگی
رُومیوں کے یہاں!
عمر بیتی مگر___ تجربہ مل گیا!
سر میں ہی سفیدی نہیں آگئی!
دِیدہ ریزی ہی تھی جو۔۔۔انہیں بھا گئی
نور آنکھوں کا گرچہ کے چھنتا رہا
دو جمع دو___ میں کر کر کے گنتا رہا!
چار جب ہو گئیں پھر جمع ___روٹیاں!
کام میرے ذمے جو تھا پورا ہوا
یوں دمِ واپسیں میں اَدھورا ہوا!
ہاں مگر___
تیل کے کھد گئے کچھ کنویں
چند سڑکیں بنیں!
اتصالات و تعمیر و تحقیق کے
کچھ ادارے مِرے نام سے معتبر ہو گئے!
عالی شاں کتنے منصوبے سر ہو گئے!
یوں ترقی کے زینے میں چڑھتا گیا!
(گرچہ لشکر بنی اصفر روم کا
سرزمینوں پہ میری ہی بڑھتا گیا!)

(شیخ احسن عزیز شہید رحمہ اللہ)

# غزوۂ ہند کو سمجھیے

معین الدین شامی

زبان و ادب، ثقافت و معاشرہ اور ان سے بڑھ کر تعلیم اور اس سے بھی بڑھ کر ذرائع ابلاغ کی اثر پذیری ثابت ہے۔ کرگسوں کی معیت شاہینوں کو رہ و رسم شاہ بازی سے عاری رکھتی ہے اور صحبتِ زاغ شاہین بچوں کو خراب کر دیتی ہے۔ اس ضمن میں اسی لیے شریعت نے اقامتِ دین و نفاذ شریعت کے ذریعے ایک اسلامی معاشرے کے قیام کا حکم دیا اور کفار کی حمایت اور کفار کے درمیان بود و باش کو ممنوع قرار دیا۔ وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ[1]، الْمَرْءُ عَلَى دِينِ خَلِيلِهِ[2] اور لاَ تَسْتَضِيئُوا بِنَارِ الْمُشْرِكِينَ[3] جیسے فرامین کی روشنی میں بھی اس بات کو سمجھا جا سکتا ہے۔

ہر 'فتنے' کے زمانے میں 'مباحث' فتنے اور اس کی فکر کی نسبت سے ہی ہوتے ہیں۔ عقل پرستی کے زمانے میں عقل کی نسبت سے، فلسفے کے غلغلے میں بنسبتِ فلسفہ، سائنس کے زمانے میں سائنسی طور سے۔

دنیا میں بستے موجودہ انسانوں کی اکثریت نے 'نیشن سٹیٹس' کے زمانے میں آنکھ کھولی ہے اور اگر آنکھ اس زمانے میں نہیں بھی کھولی تو کم از کم پانچ دہائیوں سے ایک صدی کے درمیانی عرصے میں اسی نظام کو غالب اور نافذ دیکھا ہے۔ سو دیکھنے سمجھنے کے سبھی زاویے اور جہتیں عموماً اسی 'فکری ڈبے' میں محبوس و محدود ہیں۔

ہم بھی 'جوئے بنگلہ'، 'جیوے پاکستان' اور 'سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا' کے وقت میں پیدا ہوئے ہیں اور ہر چیز کو حتیٰ کہ دین و احکام دین کو بھی اسی مذہب، دین یا نظام میں رہتے ہوئے سمجھتے ہیں۔ نیشن سٹیٹس سے وفاداری یا وطنیت (بقول اقبالؒ وطن بحیثیت ایک سیاسی تصور کے) ہمارے خمیر میں 'گندھی' ہوئی ہے اور ہمارا دینی و مذہبی پیکج بھی حبِّ وطن کے (سیاسی تصور کے) بغیر پورا نہیں ہوتا اور اسی غرض سے شاید حُبّ الْوَطَنِ مِنَ الْإِيمَانِ[4] جیسی حدیثیں گھڑی گئی ہیں۔

غزوۂ ہند، رسولِ مبارک صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک الہامی پیشین گوئی ہے اور اس غزوۂ موعودہ کو بھی ہمارے یہاں نیشن سٹیٹس کے تصور میں ہی رہتے ہوئے سمجھا جاتا ہے۔

بنیادی دو گروہ یا قومیں ہیں جو 'غزوۂ ہند' سے براہ راست وابستہ ہیں یا ہو سکتی ہیں اور جنہوں نے غزوۂ ہند کو اپنے اپنے سانچے میں ڈھال رکھا ہے۔

تاریخی طور پر 'ہند' کا جغرافیہ معلوم ہے اور کوئی نئی تحقیق اس جغرافیے کو شاید تبدیل نہیں کر سکتی۔ بالفرض اگر آج کوئی مسلمان تحقیق کے نام پر جان بچانے کے لیے 'ہند' کے جغرافیے کو بدلنا چاہے تو بھی 'شیو' کا 'ترِشول' اس کو آج نہیں تو کل ضرور 'اکھنڈ بھارت' کا مطلب سمجھا دے گا[5]۔ موجودہ بنگلہ دیش، بھارت (ہندوستان) اور پاکستان کا قابلِ ذکر حصہ وہ ہند ہے جس کا ذکر مخبر صادق علیہ الصلاۃ والسلام کے فرامینِ مبارکہ میں آیا ہے (کشمیر بھی گلگت و آزاد جموں و کشمیر اور لداخ و بھارتی مقبوضہ جموں و کشمیر کی صورت میں قریباً قریباً آدھا ہندوستان اور آدھا پاکستان کے پاس ہے، باقی اکسائی چین کا فی الحال ذکر نہیں کرتے)۔

آج کی نیشن سٹیٹ پاکستان کے ساتھ جب غزوۂ ہند کو عام طور پر جوڑا جاتا ہے تو درج ذیل نقاط عموماً سامنے آتے ہیں:

- پاکستان میں چونکہ عوام کی اکثریت مسلمان ہے، اور یہ پہلے ہی 'اسلام کا قلعہ' ہے، سو یہاں نہ اس آخر الزمان کے اس غزوے کا ظہور ہو سکتا ہے نہ ہی پاکستان میں کسی جوہری اصلاح و تبدیلی کی ضرورت ہے۔ چونکہ یہ ایک ایسی عمارت ہے جس کے باہر 'مسجد' کی تختی لگی ہوئی ہے سو یہ متبرک ہے (درونِ عمارت جو مرضی ہو رہا ہو)۔
- ہندوستان میں چونکہ ہندو رکافروں کی اکثریت بستی ہے تو پاکستان اور پاکستان کی فوج وہ 'قوت' ہے جو ہندوستان کے خلاف غزوۂ ہند لڑے گی۔
- چونکہ حدیث میں مذکورہ لفظ ہند ہے سو آج تو ہند بس انڈیا ہے جس میں نہ پاکستان (کے قدیم طور پر ہند کہلانے والے علاقے) شامل ہیں نہ بنگلہ دیش۔
- پاک فوج کے بعض سپاہی اور زید حامد (''یہ ریڈیو پاکستان 'دہلی' ہے'' والا) قسم کے، اسلام آباد کی کسی سڑک پر جڑے اس سنگ میل کے پاس کھڑے تصویریں کھنچواتے پائے جاتے ہیں جس پر مری اتنے کلومیٹر، مظفر آباد اتنے کلومیٹر، سری

---

[1] ''اور تم میں سے جو شخص ان (کفار) کی دوستی کا دم بھرے گا تو پھر وہ انہی میں سے ہو گا۔'' (سورۃ المائدۃ: ۵۱)

[2] ''آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے۔'' (مسند احمد)

[3] ''مشرکین کی آگ سے روشنی مت لینا'' (ان سے مشورہ و استعانت، بلکہ ان کو مشورہ و استعانت تو دور کی بات ہے)۔ (سنن النسائی)

[4] ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے 'مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح' میں لکھا ہے کہ یہ 'موضوع' حدیث ہے۔

[5] عجیب بات ہے کہ کفار عالمی حکومت اقوام متحدہ کے نام پر قائم کریں تو سب کو قبول اور خلافت کے عنوان تلے عالمی حکومت کا ذکر آئے تو یہ مردود (نعوذ باللہ)۔ اکھنڈ بھارت جس میں آج کا پاکستان، بنگلہ دیش، انڈیا، بھوٹان، سری لنکا، نیپال اور برما آئے تو ہضم، لیکن برِّ صغیر کی عظیم مسلم سلطنت کا نام آئے تو سب حیرت سے اچھلتے ہیں؟!

نگر اتنے اور پھر نئی دہلی اتنے کلو میٹر لکھا ہوا ہے۔ گویا یہ جنگجو غزوۂ ہند لڑنے کو سڑک ماپ رہے ہوں۔

آج کی نیشن سٹیٹ بھارت کے ساتھ کچھ اس قسم کی باتیں وابستہ ہوتی ہیں:

- اہلِ بھارت بھی محض آج کے انڈیا ہی کو ہند جانتے ہیں جو حدیث میں مذکور ہوا، لہٰذا یہی سمجھتے ہیں کہ غزوۂ ہند شاید پاکستان کی کوئی سازش ہے اور پاک فوج شاید جو جنگ لڑتی ہے وہ غزوۂ ہند ہے اور مستقبل میں یہ انڈیا کو فتح کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔
- اب تو بھارت میں 'غزوۂ ہند' سے متعلق ایک نیا 'بیانیہ' بھی تشکیل پا رہا ہے کہ یہ سنگھ پریوار کا پراپیگنڈا ہے۔

غزوۂ ہند کی احادیث اور ان احادیث کی صحت و سند، اس غزوۂ موعودہ کے جائے وقوع وغیرہ کے متعلق ذی قدر حضراتِ علمائے کرام نے بہت کچھ لکھا ہے اور اسی حوالے سے مجلّہ 'نوائے غزوۂ ہند' میں بھی بہت کچھ شائع ہوتا رہتا ہے۔

ہمیں بس ایک عرض کرنی ہے اور وہ یہ کہ غزوۂ ہند کو دین و شریعت کے علاوہ تمام مفادات، ذاتی، وطنی، قومی، سیاسی، کاروباری وغیرہ سے بالا ہو کر سمجھا جائے۔ غزوۂ ہند کو سمجھنے کے لیے اپنی بھارتی، پاکستانی یا بنگلہ دیشی شناخت کا سینے پر سجا 'دور نگا' یا 'ترنگا' بیج اتاریے اور:

- غزوۂ ہند کی پیشین گوئی کو سمجھیے: یہ رسولِ مبارک صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی زبان سے ادا ہونے والا ارشاد ہے۔ اُن کا ارشاد ہے کہ

  ع جن کا "ہاں"، "نہیں" کہنا بھی ہے قرآن کے جیسا

  یہ وہ غزوہ ہے جس کو لڑنے کی تمنا حضرتِ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جیسے عالمِ ذی شان و جلیل القدر صحابی فرمایا کرتے تھے۔
- غزوۂ ہند کا مقصد سمجھیے: جو کہ اعلائے کلمۃ اللہ اور مسلمانانِ برِّ صغیر (سمیت تمام انسانیت) کو ہر طوقِ غیر اللہ اور ظلم سے آزادی دلانا ہے۔
- غزوۂ ہند جن کے خلاف لڑا جائے گا ان کو سمجھیے: سندھ و ہند کے وہ حکمران جنھوں نے غیر اللہ کا نظام نافذ کر رکھا ہے چاہے وہ جمہوریت ہو، امریکی غلامی ہو، ہندوتوا کی حکمرانی ہو یا بنگلہ دیش میں ہندوتوا کی غلامی۔
- غزوۂ ہند لڑنے والوں کو سمجھیے: امریکہ و بھارت سے ٹکرانا اس دنیا میں صرف مجاہدین کا کام ہے۔ اس غزوے کو وہی مجاہدینِ صادقین لڑیں گے جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اتاری گئی شریعت کو اپنی جانوں اور گھروں سے لے کر (سندھ و ہند) برِّ صغیر سمیت پوری دنیا پر اللہ ہی کے فرمان کے مطابق غالب و نافذ کر دینا چاہتے ہیں: هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ[1]! یہ غزوہ لڑنے والوں کا آخری گروہ جب حکمرانانِ ہند کو اغلباً امام محمد بن عبد اللہ المہدی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں زنجیروں میں کَس کر شام کے جہاد میں حصہ ڈالنے جائے گا تو وہاں عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کو پائے گا، جو اللہ کی رضا سے اس دنیا سے کفر کا خاتمہ کر دیں گے۔

اگر ہم اللہ کا کلمہ سربلند دیکھنا چاہتے ہیں، کفر و کفار سے نفرت رکھتے ہیں اور ایمان و اہلِ ایمان سے تعلقِ الفت رکھتے ہیں تو ہم سب غزوۂ ہند کے سپاہی ہیں اور ہم اگر کلاشن کوف اٹھانے کی قوت نہیں رکھتے، تو اللہ نے ہمیں دعوت و بیان کی قوت سے نوازا ہے اور اگر یہ بھی نہیں ہے تو ہم اللہ کے یہاں اخلاص کے ساتھ اپنا عذر پیش کرتے ہوئے غزوۂ ہند کے تمام متعلقات کے لیے دعا تو کر ہی سکتے ہیں۔

غزوۂ ہند، امتِ مسلمہ کی جنگ ہے جو مختلف محاذوں پر، مختلف جہتوں میں لنڈی کوتل تا رنگون برپا ہے۔ آیئے اس کا حصہ بنتے ہیں!

☆☆☆☆☆

## بقیہ: مکاتب و مدارس کی تاریخ

3. طلاق کی صورت میں بچے کی تربیت کی ذمہ داری۔ امام نوویؒ اپنی کتاب "المجموع شرح المہذب" میں لکھتے ہیں کہ: "اگر میاں بیوی کے درمیان علیحدگی ہو گئی اور بچہ سات آٹھ سال کا ہے اور وہ اپنی ماں کے یہاں رہتا ہے تو والد کو چاہیے کہ وہ اسے دن کے وقت ماں کے گھر سے لے اور کسی مکتب یا صنعت کے حوالے کرے اور پھر شام کو واپس پہنچائے۔ کیونکہ مقصد تو بچے کا فائدہ ملحوظ رکھنا ہے۔ اور بچے کا اسی میں فائدہ ہے۔" [فقہ حنفی کی رو سے لڑکا جب سمجھ دار ہو جائے تو پرورش باپ کا حق ہے، اور لڑکی جب بالغ ہو تو پرورش باپ کا حق ہے، سمجھ دار کا مطلب ہے کہ اپنے ہاتھ سے کھائے، پیے اور وضو، استنجا کرے۔ لڑکے کی سمجھ داری اور لڑکی کی بلوغت سے پہلے پرورش کا حق ان کی ماں کا ہے (بدائع الصنائع؛ کتاب الحضانۃ، فصل: پرورش کس کا حق ہے؟)]

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

[1] "وہ اللہ ہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا ہے، تاکہ اسے ہر دوسرے دین پر غالب کر دے، چاہے مشرک لوگوں کو یہ بات کتنی ناپسند ہو۔" (سورۃ التوبۃ: ۳۳ و سورۃ الصف: ۹)

# نظریاتی جنگیں

مولانا محمد اسماعیل ریحان

مولانا محمد اسماعیل ریحان صاحب (زید مجدہٗ) کی تالیف ’أصول الغزو الفكري‘یعنی ’نظریاتی جنگ کے اصول‘، نذرِ قارئین ہے۔ اس وقت مسلمانوں کو اہل باطل کی جانب سے ایک ہمہ گیر اور نہایت تند و تیز فکری و نظریاتی یلغار کا سامنا ہے۔ اس یلغار کے مقابلے کے لیے ’الغزو الفکری‘ کو دینی و عصری درس گاہوں کے نصاب میں شامل کرنا از حد ضروری ہو چکا ہے۔ دینی و عصری درس گاہوں میں اس مضمون کو شامل کرنے کے ساتھ ساتھ ’الغزو الفکری‘ یعنی نظریاتی جنگ کے مضمون و عنوان کو معاشرے کے فعال طبقات خصوصاً اہلِ قلم، اسلامی ادیبوں اور شاعروں، اہلِ دانش، صحافیوں، پیشہ ور (پروفیشنل) حضرات نیز معاشرے کہ ہر مؤثر طبقے میں بھی عام کرنا از حد ضروری ہے۔ اس مقصد کے لیے ’اصول الغزو الفکری‘ کے عنوان سے اس علم کے اہم مباحث کو مختصر طور پر مولانا موصوف نے پیش کیا ہے۔ مولانا موصوف ہی کے الفاظ میں ’در حقیقت یہ اس موضوع پر تحریر کردہ درجنوں تصانیف کا خلاصہ ہے جس میں پاک وہند کے پس منظر کا نسبتاً زیادہ خیال رکھا گیا ہے‘۔ یہ تحریر اصلاً نصابی انداز میں لکھی گئی ہے، لیکن اس کے باوجود خشکی سے پاک ہے اور متوسط درجۂ فہم والے کے لیے بھی سمجھنا آسان ہے۔ اللہ پاک سے دعا ہے کہ ہم مسلمانوں کو نظریاتی و عسکری محاذوں کو سمجھنے، ان محاذوں کے لیے اعداد و تیاری کرنے اور پھر ہر محاذ پر اہلِ باطل کے خلاف ڈٹنے کی توفیق ملے۔ اللہ پاک مولانا محمد اسماعیل ریحان صاحب کو جزائے خیر سے نوازیں کہ انہوں نے ایسے اہم موضوع کے متعلق قلم اٹھایا، اللہ پاک انہیں اور ہم سب اہلِ ایمان کو حق پر ثبات اور دین کا صحیح فہم عطا فرمائیں، آمین یاربّ العالمین! (ادارہ)

## حصۂ دوم - مذاہب و نظریات

### ہندومت

ہندومت کا قدیم نام ”برہمیہ“ ہے جو ہندوؤں کے معبود برہمان کی طرف منسوب ہے۔ قدیم ادب میں ”ہندو“ سے مراد کسی خاص مذہب کے پیروکار نہیں بلکہ خاص وطن کے لوگ ہیں۔ اُس دور میں مسلمان ان لوگوں کو ”ہندو“ کہا کرتے تھے جو دریائے سندھ کے مشرق میں آباد تھے۔ چونکہ ہندوستان کی اکثریت اسی برہمیہ مذہب کی پیروکار تھی اس لیے رفتہ رفتہ مذہب کا نام ہی ہندومت پڑ گیا۔

### ہندو مذہب

ہندو مذہب کی اصطلاحی تعریف کرنا بہت مشکل ہے کیونکہ اس کے بنیادی عقائد تک متفقہ اور طے شدہ نہیں ہیں۔ اس کی کوئی الہامی کتاب ہے نہ کوئی پیغمبر یا مؤسس۔ اس کے معتقدات متضاد ہیں، اور ان کے ثبوت کے لیے صرف کچھ افسانوی داستانیں ہی ہیں۔

ہندو ذہن در حقیقت ایک غیر متفکرانہ مزاج رکھتا ہے جس میں وہم اور عدم تحفظ کا احساس غالب ہے۔ وہ محسوسات کو فکر و نظر پر اور توہمات کو محسوس تجربات پر ترجیح دیتا ہے۔ اسی لیے اس میں ہر ایسی شے کو معبود قرار دے دیا جاتا ہے جس سے خوف یا امید وابستہ ہو جائے۔ زمین، آسمان، دریا، پودے، گائے، سانپ، اور بندر تک کی پوجا کی جاتی ہے۔ ہندوؤں کے عقائد بھی کسی ایک جگہ مرتب شکل میں نہیں ملتے۔ جواہر لعل نہرو جیسا آدمی بھی ہندومت کے عقیدے کو مبہم اور غیر مرتب تسلیم کرتا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

> ”ہندومت ایک مذہب اور عقیدے کی حیثیت سے مبہم و غیر مرتب اور بہت سے پہلو رکھنے والا ہے۔“

بھارت کے سابق صدر ڈاکٹر رادھا کرشن لکھتے ہیں:

> ”ہندو دھرم میں مختلف خیالات اور دھرموں کا جذب و انجذاب اس درجہ پر پیچ، دقیق اور پر اسرار اور مسلسل رہا ہے کہ اس کے نتیجے میں مخصوص تہذیب ابھری۔ وہ نہ آرین تہذیب ہے نہ دراوڑ تہذیب اور نہ قدیم تہذیب۔“

### خدا کا تصور

ہندو دھرم ایک طرف تو وہ توحید کا قائل نظر آتا ہے جیسا کہ تھر وید میں ہے ”ایشور جو تمام دنیا پر محیط ہے بالیقین سب جگہ حاضر و ناظر ہے۔ وہ ایشور ایک ہی ہے“۔ اسی طرح ”یجر وید“ میں اوم کے متعلق لکھا ہے:

> ”وہ سب کا پیدا کرنے والا ہے اور وہ خود کسی سے پیدا نہیں ہوا۔ وہ خود اپنی قدرت سے قائم ہے۔ ان صفات سے موصوف ہستی مطلق، عین العلم اور عین راحت ہے۔“

مگر اس کے ساتھ ساتھ جس قدر شرک ہندو مذہب میں ہے کسی اور مذہب میں اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ اس شرک کا ہندوؤں کے نظریے ”ہمہ اوست“ سے گہرا تعلق ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ تمام دیوی، دیوتا، اور سارے مظاہر قدرت جیسے ہوا، آگ، دریا در اصل ایک ہی عظیم قوت کے مختلف روپ ہیں۔ اس لیے ان اشیا کی عبادت خدا ہی کی عبادت ہے۔ اسی نظریے نے آگے چل کر حلول کا تصور بھی اپنا لیا جس کا مطلب ہے کہ خدا مختلف جسموں اور صورتوں میں داخل ہو کر سامنے آیا کرتا ہے۔

### عقائد

ہندومت کے معتقدات کے بنیادی اصول تین ہیں:

(۱)خدا پر ایمان (۲)ویدوں پر ایمان (۳) آواگون یعنی عقیدۂ تناسخ پر ایمان۔

خدا پر ایمان رکھنے یا نہ رکھنے کے بارے میں ہندوؤں میں دو گروہ ہیں۔ ایک آستک (خدا پرست) اور دوسرا ناستک (خدا کا منکر)۔ گاندھی جی کے بقول ''خدا پر ایمان نہ رکھتے ہوئے بھی ایک شخص خود کو ہندو کہہ سکتا ہے''۔

**(۱)خدا پر ایمان:**

ہندوؤں میں ''معبود'' کا تصور محسوس خدا کا ہے، جس چیز کو انسانی حواس نہ پا سکیں وہ اس قابل نہیں کہ اس کی پرستش کی جا سکے۔ اس تصور کے تحت ہندو دیومالائی ادب میں کم از کم ۴ کروڑ ۳۵ لاکھ ایسی شخصیات اور اشیا ہیں جنہیں ہندو اپنے عقائد کے مطابق دیوی، دیوتا مانتے ہیں۔ یہ دیوتا زمین و آسمان کی تمام قوتوں کے مالک ہیں لیکن بارہا انسان سے شکست بھی کھا جاتے ہیں۔ ہندو لٹریچر میں اس کی متعدد مثالیں ہیں مثلاً رام چندر جی کے بھائی لکشمن کہتے ہیں:

''یہ بالکل محال ہے کہ میرے بھائی کو تمام دیوتا مل کر بھی شکست دے سکیں۔''

ہندوؤں کے بڑے دیوتا تین ہیں۔ برہما، وشنو اور شیو۔ ان تینوں پر ہندو تثلیث قائم ہے، اس نظریے کو ''تری مورتی'' کہا جاتا ہے۔ اس تثلیث میں برہما سب سے اعلیٰ ہے، وہ خالق کائنات ہے۔ اس نے دنیا کو عدم سے پیدا کیا مگر کائنات کے پیدا کرنے کے بعد اس کا نظام کائنات سے کوئی تعلق نہیں رہا۔ چونکہ ہندو مادہ پرست ذہنیت کے مالک ہیں وہ برہما کو نہیں پوجتے کیونکہ وہ تو صرف روح ہے۔

وشنو موجودات کی حفاظت اور بقا کا ذمہ دار ہے، اس کی زوجہ لکشمی دولت و ثروت کی علامت ہے۔ وشنو صرف ضرورت کے وقت انسان میں حلول کر جاتا ہے اور جانوروں حتیٰ کہ پودوں کی شکل بھی اختیار کر لیتا ہے۔

شیو، یا شیو اوشنو کی عین ضد ہے، وہ فطرت کی ساری کارروائیوں کا نگران ہے۔ تعمیر و تخریب کی ساری قوتوں کا مالک ہے۔ ہندوؤں کے اکثر سنیاسی، سادھو اور سیاسی رہنما اِسی دیوتا کے پجاری ہیں۔ شیو کے ہر نام کے شروع میں 'اوم' آتا ہے۔ شیو کا خاص ہتھیار ترشول ہے جس کے نام پر بھارت نے ترشول میزائل بنایا ہے۔

**(۲)ویدوں پر ایمان:**

ہندوؤں کی مذہبی کتابیں درج ذیل ہیں:

(۱)وید (۲) پُران (۳) اُپنشد (۴) مہابھارت (۵) بھگوت گیتا (۶) رامائن۔

وید چار ہیں: رِگ وید، اتھر واوید، سام وید، یجر وید۔ ماہرین کے مطابق وید تین سے چار ہزار سال قبل لکھے گئے۔ یہ آریاؤں کی پرانی زبان سنسکرت میں ہیں۔ پران پہلے ایک تھا۔ اب اٹھارہ ہیں۔ ان میں پران اور اُپ پران زیادہ مشہور ہیں۔ مہابھارت تاریخ ہند کا سب سے بڑا ماخذ ہے جو رزمیہ نظموں پر مشتمل ہے۔ اس کا موضوع بعض آریہ قبائل کی جنگ ہے، ضمناً کئی قصے کہانیاں بھی موجود ہیں۔ بھگوت گیتا دراصل مہا بھارت ہی کا ایک حصہ ہے جسے غیر معمولی اہمیت دی جاتی ہے۔ اس میں ان طویل نصیحتوں کا ذکر ہے جو سری کرشن نے ارجن کو کی تھیں۔ رامائن رام چندر نامی ایک شخص کے کارناموں کی داستان ہے، جو ہندوؤں کے دعوے کے مطابق چار ہزار سال قبل گزرا ہے۔ رامائن مغربی بنگال اور بہار کی مذہبی روایات کی آئینہ دار ہے۔

ہندوؤں کی ان مذہبی کتب کی ثقاہت کس حد تک ہے۔ اس بارے میں مشہور ہندو دانشور سوامی دیانند نے لکھا ہے:

''مہارشیوں کے نام سے من گھڑت غیر ممکن افسانوں سے پُر کتابیں بنائیں، ان کا نام 'پُران' رکھ کر کتھا بھی سنانے لگے۔''(ص:۴۰۲۔۱۱/۳۹)

''سب تنتر گرنتھ، پران، اُپ پران بھاشا، رامائن تلسی داس، کمنی منگل وغیرہ اور دیگر سب بھاشا گرنتھ یہ سب طبع زاد اور باطل کتابیں ہیں۔''

پنڈت جواہر لعل نہرو کہتا ہے:

''رامائن اور مہابھارت الف لیلوی داستانیں ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں۔''(جاگو ہندو وجاگو)

**(۳) آواگون، پورم جنم، تناسخ**

ہندوؤں کے نزدیک زندگی لامتناہی ہے۔ آدمی نے ایک جنم میں اگر اچھے کام کیے تو اگلے جنم میں اچھی صورت میں جنم لے گا اور یہی اس کے لیے سورگ (جنت) ہے اگر برے اعمال کیے تو اگلے جنم میں ایک ذلیل جانور کی شکل میں آئے گا اور یہی اس کے لیے نرگ (دوزخ) ہے۔ اس طرح ہر شخص سات جنم لیتا ہے۔

**رسومات، تہوار**

ہندومت رسومات اور تہواروں کے بل پر چلتا ہے۔ درجنوں تہوار اور سیکڑوں رسومات ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:

دیوالی (لکشمی کا تہوار): یہ ہندوؤں کا سب سے مشہور تہوار ہے، دیوالی کی رات ہر ہندو چراغ جلا کر لکشمی دیوی کی آمد کی امید رکھتا ہے۔ آتش بازی کی جاتی ہے، قمقمے لگائے جاتے ہیں، گائیں بھی سجائی جاتی ہیں کیونکہ جنوبی ہندو گائے کو لکشمی دیوی کا اَوتار سمجھتے ہیں۔

ہولی: اصل میں یہ موسمِ بہار کا تہوار ہے مگر اسے مذہبی رنگ دے دیا جاتا ہے، اس میں ایک دوسرے پر رنگ پھینکے جاتے ہیں۔

بسنت: یہ بھی موسمِ بہار کا تہوار ہے۔ ہندو یہ تہوار ایک گستاخِ رسول کی یاد میں مناتے ہیں جسے لاہور کے مسلمان گورنر نے قتل کروادیا تھا۔

ستی: ہندو بیواؤں کو اپنے شوہر کی چِتا (لاش) کے ساتھ جل کر مرنے کی ترغیب دی جاتی ہے۔ اسے ستی کہتے ہیں۔ اس طرح جل کر مرنے والی عورت ستی دیوی کہلاتی ہے۔ بھارت میں ستی پر پابندی ہے۔

بھینٹ (قربانی): ہندو مذہب کے مطابق دیوی دیوتاؤں کو کاروبارِ دنیا چلانے کے لیے جسمانی طاقت کی ضرورت ہوتی ہے، بھینٹ چڑھانے سے ان کی طاقت بحال ہوتی ہے، نیز ان کی خوشنودی ملتی ہے اور دلی مرادیں بر آتی ہیں۔ بھینٹ جانوروں سے لے کر انسانوں تک کی دی جاتی ہے۔

## ہندو مذہب کی تاریخ

ہندو مذہب کم از کم چار ہزار سال قدیم ہے۔ اس کے اصل بانی آریہ تھے جو دو ہزار سال قبل از مسیح وسط ایشیا کے میدانوں میں مویشیوں کے لیے چارے کی کمی کی وجہ سے نقل مکانی پر مجبور ہوئے۔ یہ قبائل ایران اور افغانستان سے ہو کر ہندوستان میں داخل ہوئے۔ اور یہاں کے مقامی افراد کو جنہیں 'دراوڑ' کہا جاتا تھا شکست دے کر یہاں آباد ہوئے۔ دراوڑوں اور آریاؤں میں میل جول بڑھا تو عقائد اور رسموں کا تبادلہ ہوا اور یوں ہندو مذہب وجود میں آیا۔

**ذات پات:**

ہندو ازم میں ذات پات کے نظام کے بانی برہمن ہیں۔ برہمنوں نے یہ مشہور کر رکھا ہے کہ وہ برہما کے منہ سے پیدا ہوئے ہیں، اور دھرم رکھشا یعنی مذہب کی حفاظت انہیں کا کام ہے۔ انہوں نے خود کو خدا کا نائب اور ہر قسم کے محاسبے سے بالاتر قرار دیا۔ نجات کے لیے اپنی پیروی کو لازم ٹھہرایا اور دیوتاؤں کی بھینٹ کے نام پر مندروں کو اپنے لیے مستقل آمدن کا ذریعہ بنالیا۔

اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے حکومتی ذمہ داریوں کا جھنجھٹ آریہ قبائل کے سرداروں کے سپرد کر دیا۔ یہ طبقہ کھشتری کہلانے لگا۔ سیاست اور عسکری امور انہیں کے سپرد ہیں۔ پیداوار اور دنیاوی کاروبار ان مقامی باشندوں کے ذمے رہنے دیا گیا جو پہلے سے کاشتکار، صنعت کار، ہنر مند، تجارت پیشہ یا دولت مند تھے۔ انہیں 'ویش' کا نام دے دیا گیا۔

خدمت کے کام محکوم اقوام کے غریبوں فقیروں کے سپرد کر دیے گئے اور انہیں 'شودر' کا نام دے دیا گیا۔ یہ لوگ نسل در نسل نوکر چاکر قسم کے لوگ بن کر رہ گئے جو کسی زیادتی پر احتجاج بھی نہیں کر سکتے۔ یہ تقسیم نسلی تھی یعنی برہمن کی اولاد برہمن اور کھشتری کی اولاد کھشتری ہو گی۔ ویش کی نسل ویش اور شودر کی نسل شودر ہی رہے گی۔

**منوشاستر:**

منو نامی ایک برہمن نے 'منوشاستر' لکھ کر ذات پات کے اس نظام کو باقاعدہ ضابطوں میں ڈھال دیا۔ منوشاستر برہمن کے مطابق:

> ''جو کچھ اس دنیا میں ہے برہمن کا مال ہے کیونکہ وہ خلقت میں سب سے بڑا ہے، سب چیزیں اسی کی ہیں۔'' (بابِ اول)
>
> ''برہمن کو ضرورت ہو تو وہ اپنے بے خطا شودر غلام کا مال جبراً بھی لے سکتا ہے، اس غصب سے اس پر کوئی جرم عائد نہیں ہوتا کیونکہ غلام صاحبِ جائیداد نہیں ہو سکتا اس کی کل املاک اس کے مالک کا مال ہے۔'' (بابِ ہشتم)
>
> ''جرم کے عوض دوسری ذات والوں کو موت کی سزا دی جائے گی، اس جرم میں برہمن کا صرف سر مونڈا جائے گا۔''

**ہندوؤں کے مذہبی نشانات:**

تلک: یہ سفید رنگ کے ذریعے ماتھے پر لگایا جانے والا عمودی نشان ہوتا ہے۔

قشقہ: یہ سرخ رنگ کے ذریعے ماتھے پر لگایا جانے والا افقی نشان ہے۔

تلک اور قشقہ بھگوان سے خاص رابطہ کی علامت ہیں۔ ہندو عورتوں کے ماتھے پر بھی سرخ رنگ کی لکیر کھینچی جاتی ہے، جو اُن کے سہاگن ہونے کی نشانی سمجھی جاتی ہے۔

## ہندو مذہب کے فکری اثرات:

ہندو ازم نے اپنی تمام تر کمزوریوں اور بودے پن کے باوجود کم علم ہندوستانی مسلمانوں کو شدید متاثر کیا ہے۔ شادی، غمی، میلوں، تہواروں اور وضع قطع میں بھی مسلمان ہندو ازم سے متاثر ہیں۔ تہذیب کے ساتھ ساتھ معتقدات پر بھی ہندو ازم کا اثر پڑا ہے۔ قبر پرستی، غیر اللہ سے امدادِ غیبی طلب کرنا، عرس منانا بڑی حد تک ہندو ازم کی مشابہت ظاہر کرتا ہے۔

**ہندو میڈیا کی یلغار:**

مذکورہ اثرات اُس دور کے تھے جب ہنود نے فکری یلغار کی کوئی منصوبہ بندی نہیں کی تھی۔ مگر دورِ حاضر میں وہ میڈیا کے لاؤ لشکر کے ساتھ مسلمانوں کی تہذیب اور فکر و نظریات پر حملہ آور ہیں۔ نہ صرف پاک و ہند بلکہ عرب اور یورپ کے مسلمان بھی اس مہم سے متاثر ہو رہے ہیں۔

بھارتی میڈیا، بالی ووڈ کی فلمیں اور ٹی وی چینل پاکستان کے اکثر گھروں میں دیکھے جاتے ہیں جن سے اسلامی اقدار کی دھجیاں اڑ رہی ہیں، اور لوگ غیر شعوری طور پر اسلامی عقائد سے منحرف ہو رہے ہیں۔

**فتنۂ ارتداد:**

میڈیا کی یلغار کے ساتھ متعصب ہندو تنظیمیں بھارت میں مسلمانوں کی جہالت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انہیں ہندو مذہب قبول کرنے کی ترغیب دے رہی ہیں، اس مہم کو عرفِ عام میں 'شدھی' کہتے ہیں۔ اس کے کارکن مسلمانوں کو یہ سمجھاتے ہیں کہ تم پہلے ہندو تھے، مسلمان بادشاہوں نے تمہارے آبا و اجداد کو زبردستی مسلمان بنایا تھا مگر اب تم آزاد ہو۔ مسلمان رہو گے تو تمہاری کوئی مدد ہو گی اور نہ جان و مال کی حفاظت، نہ تم کو نوکریاں ملیں گی نہ تعلیم، اس طرح ان گنت مسلمان ہندو بنائے جا چکے ہیں۔[1]

**بدھ مت**

بدھ مت کے بانی گوتم بدھ کا اصل نام سدھارتھ تھا، اس کا تعلق چھٹی صدی قبل از مسیح کے دور سے ہے۔ وہ کپیلا کے راجا کا بیٹا اور ولی عہدِ سلطنت تھا، وہ ایک مدت تک غور و فکر مراقبے اور ریاضتوں کے ذریعے نجات کے طریقے کی تلاش میں رہا۔ اور پھر ایک نیا مذہب پیش کیا۔ گوتم بدھ کا پیغام یہ تھا کہ دنیا کی زندگی کوئی چیز نہیں، لہٰذا اس سے دل نہیں لگانا چاہیے، بدھ کی تعلیم میں خدا کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اس نے خود بھی کبھی خدائی کا ہرگز دعویٰ نہیں کیا تھا۔ اس نے خود کو صرف ایک اخلاقی رہنما کے طور پر پیش کیا تھا۔

ہندوستان میں بدھ مت کا عروج آٹھ نو صدیوں تک رہا۔ پھر رفتہ رفتہ ہندو مت اور بدھ مت اپنے اصولی اختلافات کے باوجود ایک دوسرے کے قریب آتے گئے حتیٰ کہ بدھ مت ہندوستان میں ختم ہو گیا۔ بدھ مت کے دو بڑے فرقے ہیں۔ ہنایانا اور مہایانا۔

**ہنایانا فرقہ:**

اس فرقے نے بدھ مت کے اخلاقی اصولوں کو ایک باقاعدہ مذہب بنانے کی کوشش کی اور اس میں الٰہیات کا اضافہ اس طرح کیا کہ گوتم بدھ ہی کو الوہیت کا درجہ دے دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ ہندوؤں کو متاثر کرنے کے لیے ان کے بہت سے دیوی دیوتاؤں کو مذہب میں جگہ دے دی مگر سب سے بلند رتبہ گوتم بدھ ہی کو دیا گیا۔ یہ سری لنکا اور برما تک پھیل گیا مگر اپنے اصلی وطن ہندوستان میں برہمنوں کے اثرات قبول کرتے کرتے رفتہ رفتہ بالکل ختم ہو گیا۔

**مہایانا بدھ مت:**

اس کے پیروکار چین، جاپان، تبت، منگولیا، جاوا اور سماٹرا میں آباد ہیں۔ اس فرقے نے ایک ذات کو کائنات کا خالق مانا اور گوتم بدھ کو اس کا عارضی مظہر قرار دے کر اس کی الوہیت کا عقیدہ برقرار رکھا۔ عام لوگوں کے لیے اخلاقیات پر عمل کافی قرار دیا گیا۔ اس فرقے نے تصاویر اور مجسموں کی ثقافت کو عام کیا۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

## بقیہ: گلدستۂ شہدا کا ایک پھول (محمد عسکریؒ)

میزائل مرکز پر لگتے ہیں جس کے نتیجہ میں گلدستۂ شہداء میں آٹھ نئے پھولوں کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ انہی میں سے ایک پھول میرا پیارا بھائی محمد عسکری بھی ہے۔ محمد عسکری کی شہادت کی تمنا پوری ہوئی، وہ کامران ہوا، رب کی جنتوں کا مستحق ٹھہرا (ان شاء اللہ)۔

ساتھیوں نے بتایا کہ ایک میزائل محمد عسکری بھائی کے قریب لگا جس سے محمد بھائی کا جسم سلامت نہ رہا۔ لوگ چُن چُن کر اُن کا جسدِ خاکی پورا نہ کر سکے۔ یقیناً اللہ رب العزت گمان کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں۔ (نحسبه كذلک والله حسيبه)

کوئی تلاش کرنا چاہے تو تلاش کر سکے نہ
چن چن کے میرے ٹکڑے پوری لاش کر سکے نہ
میں کٹوں کچھ اس ادا سے کہ ہر جزو میرا بکھر جائے
نہ کفن مجھے کوئی دے، نہ جنازہ کوئی پڑھائے

یا اللہ! تو میرے پیارے بھائی محمد عسکری سمیت تمام شہدا کی شہادت قبول فرما۔ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرما۔ یا اللہ! تو ہمیں بھی قبول فرما۔ یا اللہ! آپ نے خود ہی تو قرآن عظیم الشان میں فرمایا:

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ○ (سورۃ الاحزاب: ۲۳)

"ایمان لانے والوں میں ایسے لوگ موجود ہیں جنہوں نے اللہ سے کیے ہوئے عہد کو سچا کر دکھایا ہے۔ ان میں سے کوئی اپنی نذر پوری کر چکا اور کوئی وقت آنے کا منتظر ہے۔ اور انہوں نے اپنے رویے میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔"

یا اللہ! میں بھی اپنی باری کا منتظر ہوں۔ یا اللہ! تو مجھے بھی قبول فرما لے، آمین!

☆☆☆☆☆

[1] آج کل یہی سب 'گھر واپسی' کے نام سے ہو رہا ہے اور مسلمان بادشاہوں اور ان مسلمانوں کو جو ہندوستان سے باہر سے آئے تھے 'گھس بیٹھیے' کہا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

# نام نہاد بین الاقوامی عدالتِ انصاف کو مسلمانوں کا قتلِ عام "ہیومن رائٹس" کی خلاف ورزی نظر نہیں آتی؟!

مولانا قاری عبد العزیز شہید رحمۃ اللہ علیہ

خطوط کا انسانی زندگی، زبان و ادب اور تاریخ پر گہرا اثر ہے۔ یہ سلسلہ ہائے خطوط اپنے انداز میں جدا اور نرالا ہے۔ اس کو لکھنے والے القاعدہ برِّ صغیر کی لجنۃ مالیہ کے ایک رکن، عالم و مجاہد بزرگ مولانا قاری ابو حفصہ عبد الحلیم ہیں، جنہیں میادین جہاد 'قاری عبد العزیز' کے نام سے جانتے ہیں۔ قاری صاحب سفید داڑھی کے ساتھ کبر سنی میں مصروفِ جہاد رہے اور سنہ ۲۰۱۵ء میں ایک صلیبی امریکی چھاپے کے نتیجے میں، قندھار میں مقامِ شہادت پر فائز ہو گئے، رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃ۔ قاری صاحب نے میدانِ جہاد سے وقتاً فوقتاً اپنے بہت سے محبین و متعلقین (بشمول اولاد و خاندان) کو خطوط لکھے اور آپ رحمہ اللہ نے خود ہی ان کو مرتب بھی فرمایا۔ ادارہ 'نوائے غزوۂ ہند' ان خطوط کو شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ اللہ پاک ان خطوط کو لکھنے والے، پڑھنے والوں اور شائع کرنے والوں کے لیے توشۂ آخرت بنائے، آمین۔ (ادارہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علی من لا بنی بعدہ

پیارے بھائی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

بعد از سلام! امید ہے کہ آپ بفضل اللہ تعالیٰ مع ایمان وصحت کے خیر وعافیت سے ہوں گے۔ ہم بھی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور آپ بھائیوں کی نیک دعاؤں سے خیر و عافیت سے ہیں۔

پیارے بھائی! دنیا امید پر قائم ہے مگر اسباب اختیار کرنا بھی بہت ضروری ہے۔ بغیر اسباب اختیار کیے عزت و عروج اور عافیت خام خیالی ہی ہوگی۔ نبیٔ محترم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عزت و عروج اور عافیت ایک عرصۂ دراز تک جان گسل جد وجہد اور بالآخر ہجرت و جہاد کے بعد حاصل کی ہے۔ بعینہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی طرح آج اگر امتِ مرحومہ قربانی دے گی اور ہجرت و جہاد کی راہ اپنائے گی تو پھر سے امتِ مسلمہ عروج و عافیت کی نعمت سے ان شاء اللہ مالا مال ہوگی۔ ورنہ ان کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر ہونا مشکل ہی ہے۔

آپ کا بہت بہت شکریہ! آپ وہ شخص ہیں جس نے نہ صرف مجھ غریب کو یاد کیا بلکہ ساتھ یادداشت بھی بھیجی۔ یہ آپ کی کرم نوازی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو سدا خوش رکھے، دنیا و آخرت کی تمام بھلائیاں عطا کرے اور ہم سے دنیا میں وہ کام لے لے جس سے وہ راضی ہو آمین! میں تو آپ کے بارے میں ساتھیوں سے پوچھتا رہتا تھا کہ وہ پیارے بھائی کہاں چلے گئے؟ یہاں کی عمومی فضا یہی ہے کہ ساتھی چند دن پیار و محبت دے کر بچھڑ جاتے ہیں۔ کتنے ہی پیارے بھائی ایسے تھے جو "اَلْحُبُّ لِلّٰہِ وَالْبُغْضُ لِلّٰہِ" کا نعرۂ فلک شگاف بلند کر کے ہمیں داغِ مفارقت (بصورتِ شہادت) دے کر چلے گئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کی نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق دے، آمین!

پیارے بھائی! آپ نے ہمارے سابق مشرقی بازو کا تذکرہ کیا اور افسوس کیا۔ آپ کا افسوس کرنا بجا ہے۔ واقعی اتنی کثیر تعداد میں لوگوں کی جان کا ضیاع قابلِ افسوس ہے۔ یہ دنیا ایسی ہی ہے۔ دنیا دار لوگ دنیا کے پیچھے مست ہیں۔ معمولی پیسے کی خاطر اپنی بھی اور دوسروں کی بھی جان لے لیتے ہیں۔ سرمایہ دار پیسے کمانے کے لیے حیلے بہانے سے غریبوں کی جان کو خطرے میں ڈال دیتے ہیں۔ وہ ناقص تعمیرات میں اپنے کارخانے لگالیتے ہیں اور اس طرح لوگوں کی جان کو آئے دن خطرے میں ڈالتے رہتے ہیں۔ یہ سب باتیں قابلِ افسوس ہیں۔ ڈھاکہ کا یہ واقعہ اسی نوعیت کا تھا۔

میں آپ کو اس سے بھی زیادہ افسوس ناک بات بتاتا ہوں کہ ہمارے مشرقی بازو پر لادینیت افسوس ناک حد تک امنڈ آئی ہے اور سیکولرازم کے کرتا دھرتا انہی دنوں میں اسلامی جماعتوں کے سرکردہ رہنماؤں کو پکڑ پکڑ کر جیلوں میں ڈال رہے ہیں اور نام نہاد عدالتِ انصاف کے ذریعے آناً فاناً عمر قید یا پھانسی کی سزائیں سنا کر انہیں قابلِ عمل بنایا جا رہا ہے[1]۔ یہ نام نہاد عدالتِ انصاف جن پر مقدمہ چلا رہی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ان لوگوں نے اکتالیس سال پہلے مشرقی و مغربی پاکستان کے مابین جھگڑوں میں انسانی حقوق کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ماورائے عدالت قتل کا ارتکاب کیا تھا۔ حالانکہ اِن نام نہاد عدالتوں کی ناک کے نیچے ہزاروں لاکھوں مسلمان عورتوں بچوں اور بوڑھوں کا قتلِ عام کیا جا رہا ہے۔ مگر ان نام نہاد عدالتوں کو مسلمانوں کا قتلِ عام "ہیومن رائٹس" کی خلاف ورزی نظر نہیں آ رہی ہے۔

اس سے بھی زیادہ افسوس کی بات یہ ہے کہ جن پر یہ جھوٹا مقدمہ چلایا جا رہا ہے اور عمر قید یا پھانسی کی سزا سنائی جا رہی ہے۔ ان کے حامی سب کے سب نہتے ہیں۔ وہ حکمرانوں کے ہتھکنڈوں کے آگے بے بس تماشائی بنے بیٹھے ہیں۔ حالانکہ دنیا آج کہاں سے کہاں پہنچ چکی ہے۔ 'قاعدۃ الجہاد' نے باوجود قلتِ تعداد و قلتِ وسائل کے اللہ کے فضل سے دنیا کی متکبر

[1] یہ لادینیت و سیکولرازم اب ہندو غلامی کی صورت اختیار کرتے جا رہے ہیں۔ (ادارہ)

قوتوں کے غرور کا سر نیچا کر دیا جس کے نتیجے میں مسلم دنیا کے کئی علاقوں میں فتح کا سورج طلوع ہونے کو ہے۔ مگر کیا کہا جائے ان کے خوابِ غفلت کا ان پر مرثیہ پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔ پھر اپنے آپ پر غصہ آنے لگتا ہے کہ کاش کہ جوانی لوٹ آتی اور یہاں کے تمام میدانوں کی تربیت حاصل کر کے وہاں جاتا اور وہاں کے دین دشمن حکمران اور سیکولر طبقوں کو سبق سکھاتا۔

لادینیت اور سیکولرازم کا جو طوفان مسلم دنیا پر آیا ہوا ہے وہ دیکھنے سننے میں تو ایسا لگتا ہے کہ پہاڑ ہل جائے مگر یہ طوفان حقیقت میں پانی کے بُلبُلے سے زیادہ کچھ نہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ امت بحیثیتِ 'امتِ وسط' کے دنیا سے اپنا لگاؤ کچھ کم کرے، ہجرت و جہاد کی طرف رجوع کرے اور تھوڑی دیر کے لیے میدان میں صبر و ثبات کے ساتھ ڈٹی رہے۔ ان شاء اللہ دنیا و آخرت دونوں ہی اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے مطابق امتِ مسلمہ ہی کی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (سورۃ آلِ عمران ۱۳۹)

”دل شکستہ نہ ہو، اور نہ غم کرو، تم ہی غالب (برتر) ہو کر رہو گے اگر تم مومن ہو۔“

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (سورۃ النور:۵۵)

”اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں وہ ان کو اسی طرح زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو بنا چکا ہے، ان کے لئے ان کے اس دین کو ضرور مضبوط بنیادوں پر قائم کر دے گا جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں پسند کیا ہے، اور ان کی (موجودہ) حالتِ خوف کو امن سے بدل دے گا۔“

در اصل جہاں تک دینِ اسلام کو کفار و مرتدین کی طرف سے دبانے کی بات ہے تو یہ ان کے بس میں نہیں۔ وہ جتنا زیادہ دبانا چاہیں گے وہ اتنا ہی زیادہ اُبھرے گا کیونکہ دین روشنی کی مانند ہے بلکہ یہ حقیقی روشنی ہے۔ اگر کوئی یہ تصور کرے کہ وہ سورج کی روشنی کو زمین پر نہ پڑنے دے گا تو یہ اس کی خام خیالی ہے۔ اسی طرح دین کو کوئی دبا نہیں سکتا کیونکہ اس کو ”نور“ سے تعبیر کیا گیا ہے اور 'نور' سورج کی روشنی سے بھی آگے کی چیز ہے۔ تو اس کو کوئی کفار و مرتدین دبا نہیں سکتے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ (سورۃ الصف:۸)

”یہ چاہتے ہیں کہ اللہ (کے چراغ) کی روشنی کو منہ سے (پھونک مار کر) بجھا دیں حالانکہ اللہ اپنی روشنی کو پورا کر کے رہے گا خواہ کافر ناخوش ہی ہوں۔“

اس کام کے لیے کفار و مرتدین جتنے بھی وسائل خرچ کر ڈالیں اُتنا ہی ان کے لیے حسرت کا باعث ہوگا، ان شاء اللہ! یہ رب تعالیٰ اعلان ہے:

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ فَسَيُنْفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ وَالَّذِينَ كَفَرُوا إِلَى جَهَنَّمَ يُحْشَرُونَ (سورۃ الانفال:۳۶)

”جو لوگ کافر ہیں اپنا مال خرچ کرتے ہیں کہ (لوگوں) کو اللہ کے رستے سے روکیں سو ابھی اور خرچ کریں گے مگر آخر وہ (خرچ کرنا) اُن کی لیے (موجب حسرت) افسوس ہو گا اور وہ مغلوب ہو جائیں گے اور کافر لوگ دوزخ کی طرف ہانکے جائیں گے۔“

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں صحیح علم یعنی علمِ نافع سے نوازے اور اس کے مطابق عمل کرنے کی توفیق دے، آمین! وہ ہم سے اپنی پسند کا کام لے اور ہمیں جنت کا مستحق بنائے، آمین! سب بھائیوں کو میرا سلام عرض ہو۔

والسلام، دعاؤں کا طلبگار

آپ کا بھائی

قاری

عبدُ العزیز

یکم جون ۲۰۱۳ء

## جمہوری سیاست سے اسلام نہیں آنے والا!

”علما نے ۴۸ سال انتخابی اور جمہوری سیاست میں ضائع کر دیے۔ میں دعوے سے کہتا ہوں کہ اس طرح ۴۸ ہزار سال میں اسلام نہیں آسکتا!“

مولانا مفتی نظام الدین شامزئی شہید رحمہ اللہ

(خطباتِ شامزئی، ص ۲۰۳)

# مع الأُستاذ فاروق

معین الدین شامی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمام تعریفیں، بلاشبہ اللہ ہی کے لیے ہیں۔ وہ اللہ جو ہمارا ربّ ہے، ہمارا ہے، ہمارا اللہ ہے! اسی نے ہمیں پیدا کیا اور وہی ہمیں موت دیتا ہے اور بلاشبہ اس نے موت و حیات کو اس لیے پیدا کیا کہ وہ دیکھے کہ ہم میں سے کون ہے جو بہترین عمل کرتا ہے۔

مع الأستاذ فاروق، استاد احمد فاروق کے ساتھ چند ملاقاتیں، ان کی چند یادیں، ان کی قیمتی باتیں، ان کی بعض ایسی باتیں جو مجھے خاص طور پر اچھی لگیں۔ حضرتِ استاذ سے آج تک جتنی ملاقاتیں رہیں، سب کا احوال اور سب کی سب تو یاد نہیں، لیکن جتنی ذہن میں تازہ ہیں سب ہی لکھنے کا ارادہ ہے کہ یہ ان شاء اللہ توشۂ آخرت ہوں گی، مجھ سمیت حضرتِ استاذ کے محبّین کے لیے دنیا و آخرت میں فائدہ مند ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ صحیح بات، صحیح نیت اور صحیح طریقے سے کہنے والوں میں شامل فرمالے۔ نوٹ: اس سلسلہ ہائے مضامین میں جہاں بھی 'استاذ' کا لفظ آئے گا تو اس سے مراد شہید عالمِ ربّانی استاد احمد فاروق (رحمہ اللہ) ہوں گے۔

## إذَا أَرَادَ اللَّهُ أَمْرًا هَيَّأَ أَسْبَابَهُ

الحمد لله وكفى والصلاة والسلام على أشرف الأنبياء.

اللّٰهم وفقني كما تحب وترضى والطف بنا في تيسير كل عسير فإن تيسير كل عسير عليك يسير، آمين!

ہمارا کہف ابھی خام حالت میں تھا، یعنی صرف کھدا ہوا تھا اور ابھی مستقل رہائش کے قابل نہ تھا۔ بہر کیف ہم کہف ہی میں تھے اور اس موجوگی کا بنیادی سبب ڈرون کی گردش تھا، گو کہ مستقبل کا مستقل ٹھکانہ یہی کہف قرار پایا۔

ایک رات میں استاذ کے پاس بیٹھا تھا اور وہیں قریب میں مجلہ 'طلائع خراسان' کا ایک شمارہ رکھا ہوا تھا۔ یہ مجلہ مرکزی القاعدہ کے مرکزی قائدین فضیلۃ الشیخ عطیۃ اللہ اللیبی اور فضیلۃ الشیخ ابو یحییٰ اللیبی کی زیرِ پرستی نکلتا تھا اور شیخ حسام عبد الرؤف اس کے مدیر تھے۔ میں نے سامنے رکھا مجلہ اٹھایا، ایک لحظے کو اس کا سرورق دیکھا اور پھر الٹا کر پس ورق دیکھنے لگا۔ پس ورق پر ایک ڈرون طیارے کی تصویر تھی اور اس پر سورۃ الحج کی یہ آیت درج تھی:

إِنَّ اللهَ يُدَافِعُ عَنِ الَّذِينَ آمَنُوا (سورۃ الحج: ۳۸)

"بے شک اللہ ان لوگوں کا دفاع کرتا ہے جو ایمان لائے ہیں۔"

میں ابھی یہ دیکھ ہی رہا تھا کہ استاذ نے طلائع خراسان کے اس شمارے کی طرف اشارہ کیا اور بولے 'یہ شمارہ اس وقت شائع ہوا جب کچھ ہی عرصے پہلے شیخ سعید (مصطفیٰ ابو الیزید) شہید ہوئے تھے۔ ان دنوں عجیب سی کیفیت ہوا کرتی تھی۔ ایک خوف سا تھا (اور خوف اپنی جانوں کا نہیں تھا بلکہ مشائخِ جہاد کی جانوں کی حفاظت کے لیے تھا اور وہ بھی حفاظتِ منہجِ جہاد کی خاطر)۔ ایسے میں یہ شمارہ شائع ہوا اور جب میں نے اس پر یہ آیت چھپی دیکھی تو دل کی عجیب حالت ہو گئی۔ ایک سکون اور طمانیت والی حالت کہ اللہ تعالیٰ حفاظت کرنے والا ہے، وہی حفاظت کرے گا اور وہی اس بیڑے کو پار لگائے گا'۔

دعوتی و جہادی زندگی میں ایسے مراحل اکثر ہی آتے ہیں۔ انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی زندگیاں تو غموم و ہموم ہی سے عبارت ہیں۔ خود ہمارے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی ایسی ہی ہے۔ اسی لیے قرآن پاک میں کتنے ہی مقامات پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جا رہی ہے کہ آپ غم نہ کریں، یہ دین غالب ہو کر رہے گا اور اللہ اہلِ ایمان کو اس دعوتِ حق کے ساتھ باقی رکھے گا اور ہر کونۂ کائنات تک یہ دین پہنچ کر رہے گا۔ جیسا کہ ہم نے بڑوں سے سنا ہے یہ قرآن داعی و مجاہد کا نصاب ہے۔ پھر محض نصاب نہیں ہے، غم گسار، یارِ تنہائی، مونس، چارا ساز، پیرِ طریقت اور رہبرِ شریعت بھی ہے (اس بات کا مطلب اہلِ علم و خشیت سے استغنا نہیں ہے)۔ اس کی کسی کسی آیت پر جب بے بضاعت لوگ بھی گزرتے ہیں تو پھڑک اٹھتے ہیں، اللہ کے اولیائے خاص کی تو کیا ہی بات ہے!

دعوت و جہاد کی راہ پر کتنے مقامات، کتنے سنگِ میل، کتنے موڑ اور کتنے حادثات ایسے پیش آتے ہیں کہ بندہ بالکل اکیلا ہوتا ہے۔ کبھی کبھی اکیلا تو نہیں ہوتا، روش پر ہجوم ہوتا ہے، لیکن مقامِ راہ، موڑ یا حادثہ اس نوعیت کا ہوتا ہے کہ آپ پھر بھی تنہا ہوتے ہیں، کوئی حدیبیہ جیسا مرحلہ ہوتا ہے، لوگ چاہنے کے باوجود آپ کی مدد کو نہیں آسکتے، الغرض آپ اکیلے ہی ہوتے ہیں۔ ایسے میں کون سا رہنما کتابچہ، کون سا مینوئل کھول کر troubleshooting کی جائے۔ کون سا نقشہ بتائے گا کہ "سبیل اللہ" کا کتنا فاصلہ طے ہو گیا ہے اور کتنا رہ گیا ہے۔

بعض دفعہ اس راہ میں اجتماعی مشکلوں کا سامنا ہوتا ہے اور بعض دفعہ قافلہ تو خوب چل رہا ہوتا ہے، لیکن آپ کی سواری میں کچھ مشکل پیش آ جاتی ہے یا پھر دل بوجوہ بوجھل ہوتا ہے اور قلب و قدم میل نہیں کھا رہے ہوتے۔ جیسی بھی مشکل ہو کشاف و گرہ کشا، یہی کتاب ہے۔

استاذ علیہ الرحمۃ نے جب اس رات اس آیت کی طرف اشارہ کیا تو ہم ذات و اجتماع میں مشکلات کا شکار تھے۔ زیادہ مشکل یہ تھی کہ دشمن کی کوششوں کے سبب ہم کام نہیں کر پا رہے تھے۔ دشمن کا طرح طرح کا محاصرہ جاری تھا اور ایسے محاصروں میں راہیانِ راہِ وفا گھرتے رہتے ہیں اور

ان گھیروں کو توڑ توڑ کر بعون اللہ نکلتے رہتے ہیں، اللہ کی عبادت میں جُتے رہتے ہیں۔ ایسے میں استاذ نے نشاندہی کی کہ غم نہ کرو، اللہ حافظ وحفیظ بھی ہے اور کارساز بھی۔

یہاں تک ذکر کے بعد میں استاذ کی شہادت کے بعد کے ایک واقعے کی طرف آتا ہوں۔ حسبِ راستہ اور حسبِ روایت ہم مشکلات میں گھرے تھے۔ میں پریشان تھا اور اپنے مرشد انجنیئر اسامہ ابراہیم غوری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تھا۔ مرشد نے مجھے تسلی دیتے ہوئے ایک واقعہ سنایا، جس کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ اس میں مرکزی کردار استاذ ہی تھے۔

حضرت تھانوی نوّر اللہ مرقدہ کا ایک قول میرے استاد مولوی حافظ تائب صاحب سناتے ہیں کہ 'حسی یا عملی مثالوں سے افہام و تفہیم میں آسانی ہوتی ہے'۔ سو اس واقعے کو بیان کرنے کی ایک غرض تو یہ ہے اور دوسری اور اصلی، تاریخی واقعے کا بیان۔ اس واقعے کا کچھ حصہ غالباً مع الأستاذ کی پہلے کی قسطوں میں گزر چکا ہے۔

۲۰۰۱ء میں امارت اسلامیہ افغانستان کا سقوط ہو چکا تھا۔ عرب مہاجر مجاہدین، خاص کر القاعدہ سے وابستہ حضرات بہت سی مشکلات طے کر کے پاکستان کے مختلف علاقوں میں پناہ گزین تھے۔ ان مہاجرین کی مدد و نصرت کرنے والوں میں ایک کلیدی نام شیخ احسن عزیز کا تھا۔ مرشد کہنے لگے کہ جس منہجِ جہاد کے ساتھ آج ہم وابستہ ہیں، اس کی دعوت پاکستان میں کہیں بھی نہیں تھی۔ بقول استاذ کے کہ 'اس منہج کو سمجھنے کے لیے پورے پاکستان میں گنتی کے دو چار افراد تھے'[1]۔ سو سمجھانے والے جب دو چار تھے تو اس دعوت سے متعلق مواد و لٹریچر کا تو وجود ہی نہیں تھا (ہمارے خطے کی زبانوں میں)۔

شیخ احسن عزیز اس زمانے میں جہاں مہاجرین کے لیے جگہوں کی ادارت و انتظام کی خدمت کر رہے تھے تو ساتھ ہی خود اپنے گھر میں بھی عرب ساتھیوں کو ٹھہراتے رہے۔

مرشد بیان کر رہے تھے کہ پاکستان میں (جسے ہم کم از کم آج برِّصغیر کی سطح پر کہہ سکتے ہیں) اس اعلام و مطبوعات (media and publications) کی بنیاد کیسے پڑی۔

شیخ احسن عزیز کا گھر میرپور آزاد کشمیر میں تھا۔ میرپور کی مرکزی شاہراہ علامہ اقبال روڈ پر، البدر میڈیکوز کے بالمقابل جو سڑک پہاڑی پر چڑھ رہی ہے اس پر بائیں ہاتھ پر۔ شیخ احسن عزیز نے اس گھر میں مرکزی القاعدہ کے اعلام کے ذمہ دار شیخ مختار المغربی (دامت برکاتہم العالیۃ) کو ٹھہرایا۔

مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب فرماتے ہیں کہ اللہ والوں کے دل میں ایک تڑپ ہوتی ہے کہ 'جو اللہ کی محبت میرے دل میں ہے اس محبت کی آگ اوروں کے دلوں میں بھی بھڑک اٹھے، اس لیے یہ اللہ والے اس محبت کو پھیلانے کے لیے لگے رہتے ہیں'۔ یقیناً یہی آتشِ محبت شیخ مختار کے دل میں بھی تھی (نحسبہ کذلک)۔ بس شیخ مختار نے اسی سوز کے ایندھن کو شیخ احسن عزیز کے دل میں انڈیلنا شروع کیا، آگ وہاں پہلے ہی تھی وہ دو آتشہ ہو گئی۔ ایک دل سے دوسرے دل میں تو یہ اتر گئی لیکن اس کو پھیلایا کیسے جائے؟ اس دنیا کو مالکِ دنیا نے دار الاسباب بنایا ہے، ہاں جب کوئی مقدور بھر سبب استعمال کر لے تو پھر مالک چار جہازوں، جن پر پیپر کٹر سے قبضہ کیا گیا ہو، سے دنیا کی سپر پاور کو خاک چٹوا دیتا ہے اور پھر چند لوگوں کے عزم سے دنیا قبل و بعد از نائن الیون کی تاریخ میں منقسم ہو جاتی ہے۔

شیخ مختار کو شیخ احسن عزیز ملے تھے سو انہوں نے انہیں دنیائے اسباب میں پہلی چنگاری کے طور پر، عملی دنیا میں آڈیشن (Audition) نامی سافٹ ویئر سکھایا جو آڈیو ایڈیٹنگ کے کام آتا ہے۔

شیخ احسن عزیز کو اللہ نے راجہ محمد سلمان سے ملوایا جو استاذ احمد فاروق بنے۔ استاذ جب اس راہ سے جڑے تو انہوں نے کچھ سوالات (غالباً مرشد ہی کے مکان پر) اسلام آباد میں شیخ احسن عزیز سے پوچھے۔ کچھ کے جوابات شیخ نے دیے اور باقی کے بارے میں کہا کہ اگر آپ واقعی مخلص ہیں تو میرپور میں یہ میرے مکان کا پتہ ہے وہاں آجایئے۔

پھر بقولِ استاذ میں چند دن بعد وہاں پہنچ گیا تو بقول شیخ احسن عزیز انہیں (شیخ احسن عزیز کو) استاذ کو وہاں دیکھ کر حیرت ہوئی کہ سوال پوچھنے والے تو پہلے بھی بہت تھے لیکن سچا سالک کوئی نہ تھا جو جواب کی تلاش میں آتا۔ جس کمرے میں شیخ مختار رہتے تھے اسی میں استاذ کو ٹھہرایا، پھر وہی اللہ کے دین کی دعوت پھیلانے، جہاد کو کھڑا کرنے اور اقامتِ شریعت کی تڑپ کی آگ استاذ کے دل میں اتر گئی، یہاں بھی آگ پہلے سے موجود تھی، بس راہ اور صحیح ایندھن کی متلاشی تھی۔ اسی کمرے میں شیخ احسن عزیز نے استاذ کو کچھ کتب و بیانات عربی سے اردو میں ترجمہ کرنے کو دیے، جن میں سرِ فہرست شیخ عبد اللہ عزام کی 'ایمان کے بعد اہم ترین فرضِ عین'، شیخ اسامہ بن لادن کے خطبات جو 'اے اللہ صرف تیرے لیے'، شیخ ایمن الظواہری کے خطبات 'صلیبی صہیونی فساد اور عالمی تحریکِ جہاد' کے نام سے طبع ہوئے، شامل ہیں۔

مرشد نے یہیں تک سنا کر توقف کیا۔

میں نے یہی واقعہ ریحان بھائی (چودھری عفان غنی شہیدؒ) کو سنایا، تو وہ کہنے لگے کہ 'اگلی بات ظہیر بھائی (یعنی مرشد اسامہ ابراہیم غوری شہید) نے نہیں کہی اور وہ یہ کہ استاذ کو ظہیر بھائی مل گئے جنہوں نے عملاً جہادی اعلام کو پاکستان میں کھڑا کیا اور یہ سلسلہ ابھی جاری ہے کہ ان کے بہت سے براہ راست شاگرد اس محنت پر لگے ہیں'۔

میرا مشاہدہ یہ ہے کہ آج برِّصغیر و افغانستان میں جس قدر جہادی اعلام ہے تو اس کی ہر شاخ کا ایک رابطہ ضرور مرشد سے جڑے گا۔ بلکہ آج اردو زبان میں جو سوشل میڈیا ٹرینڈز ہیں

[1] بحوالہ جہادی یادیں، منشورہ ادارہ السحاب برِّصغیر

(خصوصاً دینی) ان کا ربط بھی مرشد سے یا مرشد کو 'پہلی بار مرشد سے ملقّب کرنے والے 'مرشد کے مرید اور ہمارے ایک فاضل ساتھی (حفظہ اللہ من کل شر و سوء) سے جڑے گا۔ یہ ہمارے مرشد شہید ہی تھے جنہوں نے، اس اعلامی فکر کو عمل میں بدلا اور خیالات کو تکنیک کا عملی جامہ پہنایا، پھر مرشد کی مزید صفتِ خاص یہ بھی تھی کہ وہ محض تکنیکی آدمی نہ تھے بلکہ مفکر، مدبر، ایڈمنسٹریٹر، داعی اور مربی بھی تھے۔ صرف مالکِ ذہانت نہ تھے، بلند درجے کے صاحبِ قلب بھی تھے۔

خیر، مرشد اور استاذ ہم عمر بھی تھے اور ساتھی بھی اور خود بقولِ مرشد 'دوست' بھی۔ سویوں کہا جاسکتا ہے کہ مرشد استاذ اور شیخ احسن عزیز دونوں کو مل گئے، یہ سب شیخ مختار کو مل گئے اور سب کا مقصود تو اللہ ہے!

خیر مرشد کہہ رہے تھے کہ غم نہ کرو۔ جب اللہ کو کوئی کام کروانا منظور ہوتا ہے تو وہ اس کے اسباب خود ہی بہم کر دیتا ہے، إِذَا أَرَادَ اللَّهُ أَمْرًا هَيَّأَ أَسْبَابَهُ!

پھر جس رات میں استاذ کے ساتھ بیٹھا تھا اور انہوں نے طلائع خراسان کے شمارے کے پس ورق کی طرف اشارہ کیا تو بس انہی دو چار دنوں میں اور بہت سے کام شروع ہو گئے۔ پہلا مرحلہ کہف کو اس قابل بنانا تھا کہ یہاں اس قدر سامانِ ضرورت و راحت کر لیا جائے جس کے ساتھ آئندہ کاموں کی بجا آوری میں آسانی ہو۔ پھر اس کہف میں کتنے کام ہوئے، شاید گننا مشکل ہے۔ جاء الحق و زہق الباطل، بتاؤ تم کس کا ساتھ دو گے اور بزمِ شہادت سے شریعت یا جمہوریت تک موقر دستاویزی فلمیں، جہادی یادیں، سفر نامے، ویڈیو ترانے، خود حضرت الاستاذ کے صوتی و بصری بیانات، دروسِ قرآن و حدیث، شیخ ابو یحییٰ کے بیانات، ادارہ حطین کی مطبوعات و مجلہ، کتنے مشائخ کے ساتھ استاذ کی نشستیں، جہادی مشاورتیں اور قتالی منصوبہ بندیاں وغیرہ وغیرہ، اسی کہف میں سرانجام پائیں، الحمد للہ اولہ وآخرہ۔

خیر اس رات سے اب تک، خصوصیت کے ساتھ، ہر روز کا مشاہدہ ہے کہ إِنَّ اللهَ يُدَافِعُ عَنِ الَّذِينَ آمَنُوا۔ مالک کی عطا اور غلام کی طلب یعنی 'شہادت' اسی راہ کی ایک اور صورت ہے۔ یہ دفاع کے مانع و مخالف نہیں۔ یہ تو راہِ سلوک کی انتہا یعنی ولایتِ الٰہی کی عظیم منزل ہے۔ ہر سالک، راہ میں دفاع و حفاظت کا خواہش مند ہوتا ہے، منزل سے گریزاں نہیں۔

کہف کی ہیئت و انتظام پر لکھنے کا وعدہ چند ماہ قبل کیا تھا، تو حال عرض ہے۔ کہف تین کمروں پر مشتمل تھا۔ اس کا مرکزی کمرہ آخری تھا، یہی سب سے بڑا بھی تھا اور یہی مہینوں استاذ کا دفتر رہا جس میں تین ماہ مع الأستاذ گزارنے کا موقع مجھے بھی میسر رہا۔ اس کمرے میں چھت پر ایک بڑا سا پتھر تھا کہ یہ کہف زیرِ زمین کھودی گئی تھی، اسے سرنگ بھی کہہ سکتے ہیں۔ اس پتھر پر داود بھائی نے کئی دفعہ ضرب لگائی کہ یہ ٹوٹ جائے یا نیچے آرہے، کہ اندیشہ تھا کہ کہیں بعد میں گر نہ جائے، لیکن یہ چٹان نما اپنی جگہ پر قائم رہا۔ سو داود بھائی اور میری یہی رائے بنی کہ اس کو یونہی چھوڑ دیا جائے، یہ بہت مضبوط ہے نہیں گرتا۔ پھر استاذ معائنے کو آئے تو کہنے لگے کہ اس چٹان کو نکالیں۔ اب پھر کوشش کی تو چند ضربوں سے ہی یہ چٹان نیچے آگئی اور اس کا وزن کم از کم دو ڈھائی من ہو گا۔ داود بھائی کہنے لگے کہ یہ استاذ کی برکت ہے، پہلے ہم نے کتنی کوشش کی لیکن یہ چٹان ٹس سے مس نہ ہوئی، اب چند ہی بار میں نیچے آگئی اور واقعی اگر یہ بعد میں کسی پر گرتی تو اس کا کچومر نکال دیتی۔ اس کو اٹھانا تو ناممکن تھا، لہٰذا گھسیٹ گھساٹ کے اس کو کمرے سے باہر راہ داری میں ڈال دیا کہ پھر کبھی خندق رکہف سے نکالیں گے، لیکن اس کے وزن و حجم کے سبب یہ چٹان اسی جگہ اگلے کئی سال پڑی رہی یہاں تک کہ ہم نے یہ جگہ چھوڑ دی۔

کہف کی گہرائی تقریباً اٹھارہ فٹ تھی، داخلے کے مقام پر کچی سیڑھیاں تھیں اور کہف کا آخری سِرا کنواں نما تھا۔ کہف کی راہداری کی چوڑائی ڈیڑھ سے دو فٹ تھی اور اس کی اونچائی ساڑھے پانچ سے چھ فٹ۔ راہداری کی کل لمبائی تقریباً ایک سو دس فٹ تھی جس میں تین موڑ تھے۔ کہف کے کمروں کی شکل اگلو (igloo) جیسی تھی، پہلے دو کمروں کا سائز ساڑھے پانچ فٹ چوڑائی اور ساڑھے چھ فٹ لمبائی تھا، اور ان کی اونچائی چھ فٹ تھی۔ جبکہ جسے میں نے اولاً بڑا کمرہ لکھا ہے وہ ساڑھے چھ فٹ چوڑا اور سات فٹ لمبا تھا، اس کی اونچائی کمرے کے درمیان سے ساڑھے چھ فٹ تھی۔ استاذ کے لیے یہی 'بڑا' کمرہ موزوں تھا کہ ان کا قد میرے اندازے کے مطابق چھ فٹ دو یا تین انچ تھا، اور استاذ جب نماز یہاں پڑھتے تو عموماً وسطِ کمرہ میں کھڑے ہوتے۔

کہف کو قابلِ رہائش بنانے کے لیے ہم نے درج ذیل اہتمامات کیے:

- کمروں کی چھتوں اور دیواروں پر زیرِ زمین نمی روکنے کے لیے پلاسٹک شیٹ کیلوں سے لگائی، پھر اس کے اوپر کپڑا لگایا، لگانے والے ساتھیوں نے باہتمام موجود کپڑوں میں سب سے اچھے معیار اور سب سے اچھے نقوش (پرنٹ) والا کپڑا استاذ کے کمرے میں لگایا، کپڑا بھی کیلوں کی مدد سے لگایا گیا۔ تقریباً ہر ایک فٹ کے بعد طول و عرض میں ڈیڑھ ڈیڑھ انچ کے کیل ٹھونکے گئے اور بعض جگہوں اور گولائیوں پر چھ انچ یا دو دو، تین تین انچ کے فاصلے پر بھی۔
- فرش سے نمی روکنے کے لیے پہلے پلاسٹک شیٹ بچھائی گئی پھر اس پر آدھے انچ موٹائی کا پلاسٹکی فوم بچھایا کہ فرش ناہموار تھا اور کئی جگہوں پر نوکیں نکلی ہوئیں تھیں اور اس کے اوپر پلاسٹکی ستر نگی بچھائی۔
- کہف کی راہ داری میں تین یا چار مقامات پر راستہ روشن رکھنے کے لیے لائٹیں لگائی گئیں اور ہر ہر کمرے میں ایک ایک لائٹ لگائی گئی۔

کہف کی زندگی کچھ آسان نہ تھی۔ سردیوں میں اس کے کمروں کو گرم کرنے کے لیے گیس ہیٹر (بذریعہ سلینڈر) جلاتے، جس سے دم گھٹتا، نہ جلائیں تو ساری سردی کا موسم ٹانگیں اور ہاتھ یخ

رہتے۔ لہٰذا ٹانگوں پر ہر وقت لحاف ڈالے رکھتے تھے، البتہ ہم جیسوں کے ہاتھ تو ہر وقت یخ ہی رہتے تھے اور کام کمپیوٹروں پر تھا سو گرم دستانے پہن کر ہوتا نہیں تھا۔ پھر عموماً بھی زیرِ زمین ہونے اور کم روشنی وغیرہ کے سبب جی گھبراتا تھا۔ ٹھنڈ، نمی اور کم روشنی کے سبب بیماریاں الگ تھیں، خود راقم کو بعد میں جلد کی ٹی بی ہو گئی۔ ساتھیوں نے بتایا کہ یہاں ایک بار کچھ روز کے لیے شیخ ابو یحییٰ اللیبی تشریف لائے تو وہ بھی کہف میں بیٹھنے سے گریزاں ہوتے کہ ان کی طبیعت بھی گھبراتی اور جی متلاتا تھا۔ الغرض اگر احتیاط کرنا، اللہ کا حکم نہ ہوتا اور امرائے جہاد اس کہف میں رہنے کا حکم نہ دیتے تو کوئی بھی اس کہف میں نہ رہتا۔

حکمِ امیر سے یاد آیا کہ ابھی کہف کا انتظام و اہتمام پورا نہیں ہوا تھا اور استاذ کے ساتھ فی الحال راقم ہی تھا، تو انہی دنوں استاذ کی اہلیہ نے اپنے والدین سے ملنے کے لیے اپنے شہر جانا تھا۔ اب صبح حضرت کی اہلیہ نے جانا ہے اور اس سے متصل شب حضرت کہف کے کمرے میں ہیں۔ ڈرون بھی گھوم رہا تھا۔ ایسے میں، مَیں نے حضرت سے کہا کہ آپ اوپر اپنے رہائشی کمرے میں چلے جائیے۔ تو حضرت کہنے لگے کہ 'میں بھی یہی چاہتا ہوں، لیکن ڈرون گھوم رہا ہے، اوپر گیا اور بالفرض ڈرون نے مار دیا تو میں اللہ کو کیا جواب دوں گا کہ امیر کا حکم ڈرون کے گھومنے کی صورت میں خندق میں رہنے کا تھا اور میں گھر والی کے ساتھ بیٹھا تھا کہ اس نے صبح جانا ہے اور میں یوں (بے اطاعتی) میں مارا گیا'۔ میں نے یہ سن کر کہا کہ میں دوسرے کمرے میں چلا جاتا ہوں، آپ اہلیہ کو یہاں بلا لیجیے۔ اس پر حضرت نے اپنے مخصوص انداز میں سر ہلایا جس کی منظر کشی سے میرا کوتاہ قلم عاری ہے۔ یقیناً حضرت نے اس حال میں دعا کی ہو گی جو مقبول ہوئی یا بِدونِ دعا ہی اللہ کو اپنے اس ولیٔ خاص پر خصوصی پیار آیا ہو گا کہ کچھ دیر بعد ڈرون چلا گیا اور پھر کئی روز وہاں سے گزرا بھی نہیں۔ ورنہ حضرت نے جس کیفیتِ قلبی اور استحضار و احسان میں اوپر رہائشی کمرے میں جانے سے اپنے آپ کو روکا تھا تو اسی آزمائش کے بدل میں اللہ نے انہیں اس دنیا میں بھی سرخرو کیا اور عافیت کی نعمت عطا کر دی۔

اس بار کی محفل استاذ یہیں روکتے ہیں۔ اللہ پاک ہمارے استاذ کے درجات بلند فرمائیں، ان کی شہادت قبول فرمائیں اور جنت کے وسط میں انہیں مکانِ راحت عطا فرمائیں اور ہم گنہگاروں کو اس راہِ جہاد پر چلائے رکھیں جس پر ہم استاذ کی زندگی میں چلتے تھے، یہاں تک کہ جامِ شہادت عرشِ بریں سے ہمیں پلائے جانے کا امر ہو جائے، آمین یاربّ العالمین!

وما توفيقي إلّا بالله. وآخر دعوانا أن الحمد لله ربّ العالمين.
وصلى الله على نبينا وقرة أعيننا محمد وعلى آله وصحبه ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين.

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

## بقیہ: یہ جہاد کرتے رہنا!

ایک دن میں ہندوستان سے جنگ کے لیے تیار ہو گئے اور جب کشمیر میں ہماری کسی ماں کے جگر پر زخم لگتے رہیں، جب ہمارے بہنوں کی روح پر زخم لگتے رہیں، جب ہمارے بھائیوں کے جسموں پر زخم لگتے رہیں تب یہ حکومت ہندوستان سے دوستی اور وفاداری کی باتیں کرتی ہے۔ ایسی کیا بات ہے کہ انہوں نے تب اپنے جہاز نہیں اُڑائے جب آسیہ اور نیلوفر کا خون اس زمین پر گراتھا، جب شوپیاں اور پہلگام میں مجاہدین کی جلی لاشیں وارثین کو ملی، جب ۲۰۰۸ء، ۲۰۱۰ء اور ۲۰۱۶ء میں ہمارے بچوں کے سینے ہندوستانی گولیوں سے بھر دیے گیے۔ یاد رکھیے ان کو آپ سے کوئی محبت نہیں ہے۔ جیسے کہ میرے عزیز ساتھی ریحانؒ نے فرمایا تھا کہ ان ملکوں کا کوئی ایمان نہیں ہوتا ہے ان ملکوں کا صرف مفاد ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں پاکستانی حکومت اور ہندوستان کے کافروں کی سازشوں سے محفوظ رکھیں۔

سرزمینِ ہندوستان میں رہنے والی میری مسلمان ماؤں!

مجھے آپ کے دل کا درد اور غم معلوم ہے اور مجھے یہ بھی خبر ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں سے کیا دھوکے ہوئے ہیں، کیسے آپ کو تنہا چھوڑا گیا، کیسے آپ کو کسی قوت کے بغیر رکھا گیا۔ آپ یقین مانیے کہ آپ پہ کیے گئے ہر ظلم کی نجات صرف اس بات میں ہے کہ آپ اپنے بیٹوں کو صرف جہاد کے لیے تیار کریں۔ صرف جہاد ہی ہے جس نے آپ کے آباواجداد کو عزت بخشی اور صرف جہاد ہی ہے جو آپ کو اور آپ کے بچوں کو سلامتی دے گا۔ وقت بہت کم رہ چکا ہے اور محنت بہت زیادہ ہے۔ اس سے پہلے کہ آپ کی ہر مسجد کو شہید کر دیا جائے، آپ کے گھروں میں ہر کسی کا حال پہلو خان کی طرح ہو جائے، اپنے بیٹوں کو جہاد کے میدانوں کی طرف بھیجیے۔ اسی میں آپ کی آپ کے گھر اور آپ کے دین کی حفاظت ہے۔ آخر میں ایک شہید مجاہد کی دعا کو دہرانے کی کوشش کروں گا:

''جب ربّ العالمین نے لوح محفوظ کو بند کیا اور جب یہ کائنات بنائی تو لکھ دیا کہ میری رحمت میرے غضب کے اوپر غالب ہے، قیامت کے دن میں تمہیں اسی حال میں ملوں گا کہ میری رحمت میرے غضب کے اوپر غالب ہو گی۔ ابنِ آدم اگر تیرے گناہوں نے زمین اور آسمان کے تمام احاطے کو بھر رکھا ہو بشرط یہ کہ تم نے میرے ساتھ شرک نہ کیا ہو اور تو مجھ سے مغفرت طلب کرے تو میں تجھے مغفرت عطا کروں گا میں تجھے بخش دوں گا۔ یاربّ العالمین اے آسمانوں اور زمینوں کے مالک ہمارے سینوں کو کھول دے، ہمارے دلوں کو کھول دے، ہمیں قرآن کو صحیح معنوں میں سمجھنے کی اور پھر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمادے، آمین۔''

وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العالمین

☆☆☆☆☆

# جمہوریت......ایک دینِ جدید

فضیلۃ الشیخ حسن محمد قائد شہید (ابو یحییٰ اللیبی) رحمہ اللہ

اے جمہوری اسلام کی دعوت دینے والو! اللہ تعالیٰ ہم سے صرف یہ نہیں چاہتا کہ ہم شراب نوشی سے احتراز کریں، فواحش سے بچیں اور سود سے دور رہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ ہم ان منکرات سے پرہیز کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے احکاماتِ تحریمی کو اللہ کا حکم سمجھ کر انہیں تسلیم کریں اور برضا و رغبت ان کے سامنے خود کو جھکالیں۔ بصورتِ دیگر میں اللہ کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں کہ اگر کسی ملک میں اسلام کے تمام ظاہری احکامات اس بنیاد پر نافذ کر دیے جائیں کہ پارلیمنٹ نے انہیں منظور کیا ہے اور انہیں محترم قانون کا درجہ دیا ہے نہ کہ اس لیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں تو ان شرعی احکام کا درجہ بھی باقی دنیاوی قوانین جیسا ہی کہلائے گا۔ کیونکہ شریعت تو لوگوں سے پوچھ کر نافذ نہیں کی جاتی اور جو چیز لوگوں سے پوچھ کر نافذ کی جائے وہ شریعت نہیں ہوتی۔ یہ تو پارلیمنٹ نامی ایک بولنے والے بت اور معبود کی طرف سے نازل کردہ احکام ہیں۔ تباہی اور ہلاکت ہو اس بت کے لیے بھی اور اس کے نافذ کردہ قانون کے لیے بھی۔

اسلامی جمہوریت کے دعویداروں کو یہاں رک کر جائزہ لینا چاہیے کہ وہ خود کو کن تباہ کن گھاٹیوں میں گرا چکے ہیں؟ اور اپنے اپنے علاقوں کے مسلمانوں کو کس طرح کی پر فتن کفری راہوں کی طرف دھکیل کر انہیں گمراہ کرتے اور ان کے جذبات سے کھیلتے ہیں؟

انہیں جان لینا چاہیے کہ وہ دوراہے پر کھڑے ہیں، جہاں حق و باطل کے مابین تطبیق و موافقت اور آمیزش کی گنجائش نہیں ہے۔ ایک طرف تو واضح اور روشن اسلام ہے جس میں قلب و نظر اور اعضاو جوارح اللہ تعالیٰ کے لیے مطیع ہوتے ہیں۔ اور دوسری طرف دینِ جمہوریت ہے جس میں انسانوں کی حاکمیت اور شیطان کی عبادت ہے۔ لوگوں کی مرضی ہے کہ جس راہ کو پسند کریں سو اختیار کرلیں، البتہ قیامت کے دن ہونے والے اس سوال کے جواب کے لیے تیار رہیں:

اَلَمۡ اَعۡهَدۡ اِلَيۡكُمۡ يٰبَنِيۡۤ اٰدَمَ اَنۡ لَّا تَعۡبُدُوا الشَّيۡطٰنَ‌ۚ اِنَّهٗ لَـكُمۡ عَدُوٌّ مُّبِيۡنٌ ۝ وَّاَنِ اعۡبُدُوۡنِىۡ‌ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسۡتَقِيۡمٌ ۝ (سورۃ یٰس: ۶۰-۶۱)

”اے بنی آدم! کیا میں نے تم سے عہد نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی عبادت مت کرنا، وہ تمہارا کھلا دشمن ہے، اور یہ کہ میری ہی عبادت کرنا یہی سیدھا راستہ ہے۔“

ثانیاً: ہر مسلمان کو یہ حقیقت معلوم ہے کہ ایمان کا پہلا اور عظیم ترین رکن، اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا ہے اور اس ایمان میں توحیدِ الوہیت، توحیدِ ربوبیت اور اللہ کے اسماء و صفات پر ایمان لانا شامل ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہر مسلمان پر ضروری ہے کہ وہ قطعی طور پر ایمان رکھے کہ حلال و حرام قرار دینے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کا ہے۔ اس حق میں کسی کو کسی قسم کے مناقشے اور بحث کا اختیار حاصل نہیں کہ کسی چھوٹی سے چھوٹی چیز کو بھی حلال یا حرام قرار دے۔ یہ اختیار صرف اللہ کا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَلَا تَقُوۡلُوۡا لِمَا تَصِفُ اَلۡسِنَتُكُمُ الۡكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفۡتَرُوۡا عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ‌ؕ اِنَّ الَّذِيۡنَ يَفۡتَرُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ لَا يُفۡلِحُوۡنَ ۝ (سورۃ النحل: ۱۱۶)

”اور یونہی جھوٹ جو تمہاری زبانوں پر آتا ہے نہ کہہ دیا کرو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے لگو، یقیناً جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ کامیاب نہ ہوں گے۔“

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

قُلۡ اَرَءَيۡتُمۡ مَّاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ لَـكُمۡ مِّنۡ رِّزۡقٍ فَجَعَلۡتُمۡ مِّنۡهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ؕ قُلۡ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَـكُمۡ‌ اَمۡ عَلَى اللّٰهِ تَفۡتَرُوۡنَ ۝ (سورۃ یونس: ۵۹)

”آپ کہہ دیجیے کہ بھلا دیکھو تو اللہ تعالیٰ نے جو تمہارے لیے رزق نازل فرمایا تو تم نے اس میں سے (بعض کو) حرام اور (بعض کو) حلال ٹھہرایا، (ان سے) پوچھو کیا اللہ نے تمہیں اس کا حکم دیا ہے یا تم اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھتے ہو۔“

لہٰذا اللہ تعالیٰ کا یہ حق (حقِ تشریع) کسی غیر اللہ کو دینا کفرِ اکبر ہے جو ملت سے خارج کر دیتا ہے۔ جو شخص اللہ کے ماسوا کی تشریع (قانون سازی) کو مانتے ہوئے اس کے ٹھہرائے ہوئے حلال و حرام کی پیروی کرے اور اسے حلال اور حرام جانے تو وہ مشرک ہے، جس کا فرض مقبول ہے اور نہ نفل، یہاں تک کہ وہ توبہ کرلے اور توحیدِ خالص کی طرف رجوع کرلے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ یہ حقِ تشریع کسی فرد کو دیا جارہا ہو یا کسی پارٹی، قبیلے، پارلیمان یا عوام کو۔ اسلام نے اس حقیقت کو انتہائی دوٹوک اور واضح انداز میں ثابت کیا ہے اور اس میں کسی قسم کی تشکیک یا تذبذب کی گنجائش نہیں چھوڑی۔ یہ تمام کائنات اللہ کی مخلوق و ملکیت ہے اور وہی ربّ العالمین ہے۔ لہٰذا کسی کو حق نہیں کہ اس کی ملکیت میں اپنا حکم چلائے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اَلَا لَـهُ الۡخَـلۡقُ وَالۡاَمۡرُ‌ ؕ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۝ (سورۃ الاعراف: ۵۴)

”سن لو کہ تمام مخلوق بھی اسی کی ہے اور حکم بھی اسی کے ساتھ خالص ہے، اللہ ربّ العالمین بہت برکت والا ہے۔“

یہ تو دین اسلام کی ایک مسلمہ حقیقت ہے، جبکہ اس کے مقابلے میں جمہوریت کی بنیادی اساس ہی اسلام سے متصادم ہے، کیونکہ جمہوریت میں قانون سازی کا حق اللہ تعالیٰ کی بجائے انتہائی احترام و تقدیس کے ساتھ عوام اور عوامی نمائندگان کو سونپ دیا گیا ہے۔ لہٰذا دینِ جمہوریت میں حلال وہی ہے جسے عوامی نمائندگان حلال قرار دیں اور حرام وہی ہے جسے عوامی نمائندگان حرام ٹھہرائیں۔ اچھا وہ ہے جسے یہ اچھا کہیں اور برا وہ ہے جسے یہ برا کہیں۔ قانون وہی ہو گا جسے یہ پسند کریں اور شریعت وہی کہلائے گی جو اِن کی منظور کردہ ہو۔ کسی دین، شریعت یا قانون کی اس وقت تک کوئی حیثیت نہ ہو گی جب تک پارلیمنٹ اس کی توثیق نہ کرے۔ یہ ایسا واضح ارتداد ہے جس پر تمام علما کا اتفاق ہے۔

”جب کوئی انسان کسی ایسے حرام کو حلال ٹھہرائے یا کسی ایسے حلال کو حرام قرار دے یا کسی ایسے شرعی امر کو تبدیل کر دے، جن پر اجماع ہو تو وہ باتفاقِ فقہا کافر و مرتد قرار پائے گا۔“

لہٰذا میں سمجھتا ہوں کہ پارلیمنٹ کا صحیح اور درست نام مجلسِ ارباب ہو گا۔ کیونکہ ایسی مجالس سے تشابہ کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے یہی الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ اللہ کا فرمان ہے:

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ○ (سورۃ التوبہ: ۳۱)

”انہوں نے اپنے علما درویش اور مسیح بن مریم علیہ السلام کو اللہ کے سوا رب بنالیا، حالانکہ انہیں تو اسی بات کا حکم تھا کہ معبود واحد کی عبادت کریں، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ ان کے شریک مقرر کرنے سے پاک ہے۔“

ہائے عجب! کہ گمراہی اپنے ماننے والوں کو کیا کیا رنگ دکھاتی ہے۔ احبار و رہبان کو اس لیے ارباب من دون اللہ کہا گیا کہ اہلِ کتاب ان کی اتباع کرتے تھے باوجود اس کے کہ وہ اللہ کے حلال کردہ کو حرام اور اللہ کے حرام کردہ کو حلال بتلاتے تھے۔ حالانکہ احبار تو ان کے علما تھے اور رہبان تو ان کے عابد و زاہد لوگ تھے اور وہ یہ سب کچھ اللہ کے نام پر کرتے تھے، دین کا سہارا لے کر احکام شریعت کو بدلتے تھے اور سمجھتے تھے کہ یہ اللہ کے پسند کردہ احکام ہیں۔ جب اُن کا حکم یہ ہے تو عصرِ حاضر کے اربابِ پارلیمنٹ جن کی غالب اکثریت سیکولر، بے دین ملحدین اور فاسق و فاجر لوگوں پر مشتمل ہے، ان پر کیا حکم لگے گا؟ وہ علما اور درویش تو دین کی محبت جتلاتے تھے جبکہ یہ لوگ تو صراحت کے ساتھ دین سے دشمنی و بیزاری کا اظہار بھی کرتے ہیں۔ عمل کے اعتبار سے احبار و رہبان اور ارکانِ پارلیمنٹ کا حال ایک سا ہے۔ وہ بھی اپنی مرضی سے حلال و حرام کا فیصلہ کیا کرتے تھے اور یہ بھی اپنی خواہشات اور آرا سے ایسا کرتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ وہ دین کا نام استعمال کرتے تھے اور یہ صرف رائے، خواہش، جہلِ مرکب سے، بلکہ قصداً دین کی مخالفت اور اس سے تصادم کی بنیاد پر قانون سازی کرتے ہیں۔

اگر آپ عقل و شعور رکھتے ہیں تو بھلا بتلایئے کہ کون سا گروہ زیادہ بڑا مجرم اور قابلِ مذمت ہے؟

عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سورۃ التوبہ کی تلاوت فرمارہے تھے، یہاں تک کہ اس آیت پر پہنچے اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ...... ”انہوں نے اپنے علما اور درویشوں کو اللہ تعالیٰ کے سوا رب بنالیا“۔

سیدنا عدی بن حاتمؓ کہتے ہیں میں نے کہا: ”یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے ان کو رب تو نہیں بنایا تھا“۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”کیوں نہیں؟...... کیا جب وہ کسی حرام چیز کو تمہارے لیے حلال قرار دیتے تو تم اسے حلال نہ جانتے تھے؟ اور جب وہ اللہ کی حلال کردہ کسی چیز کو تمہارے لیے حرام ٹھہراتے تو تم اسے حرام نہ سمجھتے تھے؟“

میں نے کہا: ”جی ہاں“

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”یہی تو ان کی عبادت ہے۔“

اور ممکن ہے کہ وہ علما اور درویش خود کو حلال و حرام کا فیصلہ کرنے والا نہ سمجھتے ہوں البتہ چند چیزوں میں عملاً انہوں نے ایسا کیا ہو۔ لیکن آج کل اہلیانِ پارلیمان تو پوری صراحت و جرأت کے ساتھ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ انہیں ہر قسم کی قانون سازی کا حق حاصل ہے۔ بلکہ یہ ان کی اولین ذمہ داری ہے۔ جب کوئی شخص منتخب ہو کر ایوان میں داخل ہو گیا تو گویا اسے ربّ کی صفات حاصل ہو گئیں، اس کی رائے مقدّم ٹھہری، فکر کو تقدّس حاصل ہوا۔ اب اسے مکمل آزادی اور تحفظ حاصل ہے کہ اپنی خواہش اور رائے کے مطابق فیصلہ دے اور اپنی مرضی سے کوئی قانون تجویز کرے۔ جب تک وہ پارلیمنٹ کی چھت تلے موجود ہے تب تک اس کا محاسبہ نہیں ہو سکتا۔ یہ واضح کفر اور صریح شرک ہے، خواہ وہ عملاً کوئی قانون سازی کرے یا نہ کرے۔ جس طرح عملاً خود ساختہ قانون سازی کرنا شرک ہے، اسی طرح اس کا حق اللہ کے سوا کسی دوسرے کو دینا بھی شرک ہے۔ یہ ربوبیت میں شرک کہلائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ (سورۃ الشوریٰ: ۲۱)

”کیا ان کے کوئی شریک ہیں جنہوں نے ان کے لیے ایسا دین مقرر کیا ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں دیا۔“

ایک دوسرے مقام پر فرمایا:

وَلَا تَأْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ(سورۃ الانعام:۱۲۱)

"اور جس چیز پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا جائے اسے مت کھاؤ کہ اس کا کھانا گناہ ہے اور شیطان اپنے رفیقوں کے دلوں میں یہ بات ڈالتے ہیں تاکہ وہ تم سے جھگڑا کریں، اور اگر تم نے ان کی اطاعت کی تو یقیناً تم بھی مشرک ہو جاؤ گے۔"

تو اے اسلامی جمہوریت کی دعوت دینے والو! تمہیں کس نے اس باطل کی طرف دعوت دینے کا حق دیا ہے؟ جس چیز کی دعوت تم دیتے ہو وہ دینِ اسلام کے ساتھ کیوں کر مجتمع ہو سکتی ہے؟ دینِ اسلام تو یہ کہتا ہے کہ حلال وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہے اور حرام وہ ہے جسے اللہ رب العزت حرام ٹھہرائے نہ کہ پارلیمان۔ اور دین وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے نازل کیا نہ کہ پارلیمان نے۔ اور سزا کا حقدار وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف ورزی کرے نہ کہ وہ جو پارلیمان کی حکم عدولی کرے۔ حقیقتاً آپ لوگ یہ دعویٰ تو رکھتے ہیں کہ آپ کی دعوت اسلام کی دعوت ہے اور آپ کا راستہ سیدھا...... نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ ہے۔ مگر پھر آپ اپنے اس دعوے کو ملیامیٹ کرتے ہوئے لوگوں کو جمہوریت کی طرف بلاتے اور پارلیمنٹ کی طرف لے جاتے ہیں اور پارلیمنٹ کی بالادستی اور تقدس کے گن گا کر لوگوں کے دلوں میں اس جدید بت کی محبت اور عقیدت راسخ کرتے ہیں۔ آپ کی مثال تو اس عورت کی طرح ہے جو سوت کاتنے کے بعد خود ہی اسے ریزہ ریزہ کر دے۔

آپ ایک طرف توحید کی دعوت دیتے ہیں جبکہ دوسری جانب اسی توحید کو منہدم کر رہے ہیں؟ رحمن کی شریعت کو نافذ کرنے کی یہ کیسی جدوجہد ہے کہ جس میں عملی طور پر شیطان کی شریعت کو بالادست اور مقدس بنانے کے لیے کوشش کی جاتی ہو؟ پارلیمنٹ کے خود ساختہ قوانین کے سامنے سر تسلیم خم کرنے والے اولین خدمت گارانِ جمہوریت بھلا کیوں کر لوگوں کو اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کا حکم دیتے ہیں؟

عصر حاضر کے صنم اکبر کو تعمیر کر کے اور اپنی جماعتوں کے افراد کو اس جمہوری بت کدے میں بٹھا کر آپ اپنے اسلاف کی مانند بت شکنی کس طرح کر سکتے ہیں؟ اور کس طرح آپ دعوت الی القرآن کا دعویٰ کرتے ہیں جو طاغوت سے کفر اور ایک اللہ پر ایمان کا حکم دیتا ہے جبکہ آپ اسی طاغوت پر ایمان لانے اور اس کے علمبرداروں کی تعظیم کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ○ كَبُرَ مَقْتاً عِندَ اللَّهِ أَن تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ○(سورۃ الصف:۳-۲)

"اے ایمان والو! تم ایسی بات کیوں کرتے ہو جس پر عمل نہیں کرتے۔ کتنا ناپسندیدہ ہے اللہ کے نزدیک کہ تم ایسی بات کہو جس پر تم عمل نہیں کرتے۔"

اسی طرح فرمایا:

أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنسَوْنَ أَنفُسَكُمْ وَأَنتُمْ تَتْلُونَ الْكِتَابَ أَفَلاَ تَعْقِلُونَ(سورۃ البقرۃ:۴۴)

"بھلا تم لوگوں کو تو بھلائی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو، سو تم عقل کیوں نہیں کرتے۔"

اور فرمایا:

مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَن يُؤْتِيَهُ اللّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُواْ عِبَاداً لِّي مِن دُونِ اللّهِ وَلَـكِن كُونُواْ رَبَّانِيِّينَ بِمَا كُنتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنتُمْ تَدْرُسُونَ○وَلاَ يَأْمُرَكُمْ أَن تَتَّخِذُواْ الْمَلاَئِكَةَ وَالنِّبِيِّيْنَ أَرْبَاباً أَيَأْمُرُكُم بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنتُم مُّسْلِمُونَ(سورۃ آل عمران:۸۰-۷۹)

"کسی آدمی کو شایاں نہیں کہ اللہ تو اُسے کتاب اور حکومت اور نبوت عطا فرمائے اور وہ لوگوں سے کہے کہ اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے ہو جاؤ بلکہ یہ کہ تم ربانی ہو جاؤ کیونکہ تم کتاب پڑھتے پڑھاتے رہتے ہو۔ اور اس کو یہ بھی نہیں کہنا چاہیے کہ تم فرشتوں اور پیغمبروں کو رب بنالو۔ بھلا جب تم مسلمان ہو چکے تو کیا اُسے زیبا ہے کہ تمہیں کافر ہونے کو کہے۔"

اس سارے معاملے کو سمجھنا کوئی مشکل کام نہیں، اور نہ ہی اس میں کسی قسم کی تلبیس اور دھوکہ دہی کی کوئی گنجائش ہے۔ اگر جمہوریت جیسی فضول چیزوں کے ذریعے اور فقط نعرے لگانے سے اسلام کا قیام ممکن ہوتا تو پھر انبیاورسل علیہم السلام کو اپنی جان جوکھوں میں نہ ڈالنی پڑتی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰٓى اَتٰهُمْ نَصْرُنَا وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِى الْمُرْسَلِيْنَ(سورۃ الانعام:۳۴)

"اور تم سے پہلے بھی پیغمبر جھٹلائے جاتے رہے، تو وہ تکذیب اور ایذا پر صبر کرتے رہے یہاں تک کہ ان کے پاس ہماری مدد آ پہنچی، اور اللہ تعالیٰ کی باتوں کو کوئی بھی بدلنے والا نہیں اور تم کو پیغمبروں کی خبریں پہنچ چکی ہیں"۔

ہمارے رب کی کتاب حکیم تو ہمیں یہ کہتی ہے کہ:

(باقی صفحہ نمبر 52 پر)

عشق سے پیدا نوائے زندگی میں زیر و بم
عشق سے مٹی کی تصویروں میں سوزِ دم بدم

آدمی کے ریشے ریشے میں سما جاتا ہے عشق
شاخِ گل میں جس طرح بادِ سحر گاہی کا نم

اپنے رازق کو نہ پہچانے تو محتاجِ ملوک
اور پہچانے تو ہیں تیرے گدا دارا و جم

دل کی آزادی شہنشاہی، شکم سامانِ موت
فیصلہ تیرا ترے ہاتھوں میں ہے، دل یا شکم!

اے مسلماں! اپنے دل سے پوچھ، مُلّا سے نہ پوچھ
ہو گیا اللہ کے بندوں سے کیوں خالی حرم

محمد اقبال

عشق کی سزاوار ایک ہی ذات ہے اور پھر یہی ذات جس سے اذنِ عشق دے تو اس سے عشق جائز ہے، ورنہ ناجائز و حرام۔ عشق کیا ہے؟ عشق ایمان کا نام ہے۔ آتشِ نمرود میں بے خطر کود جانے والا عشق، دراصل قوتِ ایمان کا مترادف ہے۔ جس ذی روح میں یہ قوتِ عشق ہو، اس کی نوائے 'حیّ علی الفلاح' اور 'حیّ علی الصلاۃ' وہ پیامِ زندگی ہے جو بندۂ مومن کے سر کو معشوقِ برحق کے سامنے جھکنے کا ذوق و شوق عطا کرتی ہے۔ اسی عاشقِ حقیقی کی زبان سے پھر بانگِ 'حیّ علی الجہاد' بھی بلند ہوتی ہے اور اس اذانِ جہادی میں زندگی کا وہ لافانی پیغام ہے جو پھر سر کو ہر باطل کے سامنے تانے رکھنے اور معشوقِ برحق و محبوبِ حقیقی کے سامنے کٹا دینے کا حوصلہ اور جذب و مستی عطا کرتا ہے۔ انسان میں اگر یہ عشق کی روح، یہ ایمان کی جان نہ ہو، تو یہ کیا ہے، سوائے مٹی کے ایک پتلے کے؟!

عشق جب کسی مٹی کی مورت میں داخل ہوتا ہے تو اس کے سامنے عرفانِ الٰہی کے راستے کھل جاتے ہیں۔ ریشہ ریشہ اللہ کی توحید کا کچھ ایسا قولی و عملی اظہار بن جاتا ہے کہ جسے 'فنا فی اللہ' سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس کا سراپا "إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ" (بلاشبہ میری نماز، میری قربانی، میرا جینا اور میرا مرنا، صرف اور صرف اللہ ربّ العالمین کے لیے ہے) کا اظہار و اعلان ہوتا ہے۔

اگر یہ انسان اپنے رزق رسانِ اصلی کو نہ پہچانے تو یہ خاک و گل کی مورت دنیا کے بادشاہ تو بہت بڑی بات ہے، علاقے کے نمبردار اور تھانیدار و پٹواری کو خدا جان مان کر اپنے لیے زندگی طلب کرتی رہتی ہے۔ اسی 'بے یقینی' کے سبب وطن میں جیسا تیسا اسلام اور جیسی تیسی 'حریتِ دینی' اور جو ظاہری آزادیٔ نماز و صیام ہے، اسی کو کُل جان لیا جاتا ہے۔ اسی سبب سے بھارت ماتا کے 'کلمہ گو' سپاہی کشمیری کلمہ گوؤں کا قتل کرتے ہیں اور نعرۂ تکبیر لگا کر سپاہی لال مسجد کو لال کر دیتے ہیں۔ ان کی 'بے یقینی' نے انہیں بتایا ہے کہ رازق پردھان منتری اور آرمی چیف ہیں، یہ ناراض ہو گئے تو بچے بلکیں گے اور نیند حرام ہو جائے گی، بلکہ اب تو قیامِ دین بھی اداروں کے استحکام پر منحصر ہے۔ لیکن جو اپنے رزاق کو پہچانے، جو لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ (نہیں کوئی روکنے والا اس امر سے جس کا ارادہ اللہ کر لے) اور وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ (اور نہیں کوئی عطا کرنے والا وہ چیز جس کو روکنے کا ارادہ اللہ کر لے) اور وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ (اور کسی صاحبِ حیثیت کو اس کی حیثیت اللہ کے ہاں فائدہ نہیں دے سکتی) کا ورد ہر نماز کے بعد اور ہر نیت و فعل سے پہلے کرتا ہو تو عظیم و پُر شکوہ سلطنتِ فارس کا 'دارا' اور احوالِ عالم کو اپنے جام میں دیکھ لینے والا 'جمشید' اس کے در پر خیرات طلب کرتے نظر آتے ہیں۔

جس کے دل نے اللہ کی غلامی کا طوق پہن کر ہر ماسوا کی غلامی سے آزادی حاصل کر لی ہو، وہی 'مردِ آزاد' ہے۔ لیکن جس نے محض پیٹ بھرنے کو ہر امر سے پہلے جانا، تو اس نے ماسوا اللہ کے ہر غلامی کو قبول کر لیا اور یہ کائنات کا بدترین غلام ہے، اِس کی زندگی، موت کا دوسرا نام ہے اور اس کی موت کو تو کوئی جانتا ہی نہیں کہ کہاں اور کیسے ہوئی؟! پس اے خاکی پتلے! فیصلہ کر کہ تو دل کو ترجیح دے کر زندہ شہنشاہ بننا چاہتا ہے یا محض پیٹ بھر کر غلامِ غلاماں؟

(باقی صفحہ نمبر 51 پر)




## ذہن میں گزرنے والے چند خیالات: مئی تا جولائی ۲۰۲۱ء

جس نے ستاروں کو پیدا کیا، جس کے اذن سے زمین اور چاند و سورج اپنے اپنے مدار میں گھومتے ہیں، جس نے آسمانوں کو بنا ستونوں کے بلند کیا اور جب تک چاہا قائم رکھا، ہم اسی کے عبادت گزار ہیں۔ جس نے اپنے حبیب کو ہمارا حبیب بھی بنایا اور اپنے حبیب کی راہِ سنت کو اپنی رضا اور اپنی جنت کی راہ بنایا، ہم اسی کے بندے ہیں۔ مولا! ہمیں اپنے حبیب کی راہ کا سالک بنائے رکھ، ہمیں سب سے زیادہ محبوب تیری لقا اور تیری رضا ہو۔ مولا! ہمارے حبیب پر درودوں اور سلاموں کی بارش فرما اور ہم گنہگاروں کو بخش دے، صلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد!

### چند دن بلی کے ساتھ

کوئی مہینہ قبل ہمارے رہائشی مکان میں ایک بلی آگئی اور ہفتہ بعد اس نے ایک بچہ دیا۔ اس بچے کے ساتھ بلی کے بعض تعاملات نے توجہ حاصل کی۔

- شروع شروع میں تو بچے کو ہر وقت جان سے چمٹائے رکھتی اور دودھ پلاتی۔ دس ایک دن گزرے تو کیڑے مکوڑے اور کچھ روٹی جو ہم ڈال دیتے وہ کھلانے لگی۔ میں نے دیکھا کہ خود روٹی نہیں کھاتی بچے کے لیے چھوڑ دیتی ہے۔
- دن کے کتنے ہی گھنٹے بچے کے ساتھ کھیلتی اور شکار سکھاتی۔
- دو تین دن سے ایک نیا منظر دیکھ رہا ہوں، اسی کی خاطر یہ خیال لکھ رہا ہوں۔ بلی بظاہر بچے کو چھوڑ کر چلی جاتی ہے۔ پھر بچہ اپنی مرضی سے گھومتا پھرتا ہے۔ لیکن آج جب غور کیا تو پایا کہ بلی جب بھی بچے کو 'اکیلا' چھوڑتی ہے تو دراصل چھوڑتی نہیں ہے، بلکہ چھپ کر کہیں بیٹھ جاتی ہے اور پھر بغور بچے کو دیکھتی رہتی ہے۔ اگر بچہ کسی مصیبت کا شکار ہوتا نظر آئے تو پہلے میاؤں میاؤں سے خبردار کرتی ہے اور بچہ رکے نہ تو فوراً بچانے کو آتی ہے۔

بلی نے یہ سب کسی اکیڈمی سے نہیں سیکھا، نہ اس کی ماں نے اس کو سکھایا ہے نہ ہی کسی اور بڑی بی نے۔ ہاں ممکن ہے کہ کہنے والے کہہ لیں کہ بچپن میں ماں کا تعامل بچے کو یاد رہا اور مادہ بچہ بلی بڑی ہو کر وہی سب دہرانے لگی، لیکن یہ یاد کس نے رکھوایا؟

کوئی تو ہے جو نظامِ ہستی چلا رہا ہے
دکھائی بھی جو نہ دے نظر بھی جو آ رہا ہے

### ستاسو برکت دی

(عنقریب 'سابق' افغان صدر) اشرف غنی کا ایک بیان پچھلے دنوں سننے کا موقع ملا۔ 'افغان نیشنل آرمی کمانڈوز' کی ایک تقریب ہے جس سے خطاب کرتے ہوئے وہ کہتا ہے:

> ”ستاسو برکت دي چه وا شنګټن او نیویارک باندي چاؤدانه نه کیږي۔ داسی ورځ نې چه ستاسو شهادت مبارکي ما ته یو هیواد نه راکي۔“ [1]

> ”یہ آپ کی برکت ہے کہ واشنگٹن و نیویارک میں کوئی دھماکہ نہیں ہوتا۔ کوئی ایسا دن نہیں گزرتا کہ آپ لوگوں کی شہادت کی مبارک باد مجھے کسی نہ کسی ملک سے موصول نہ ہوتی ہو۔“

یہ بدیسی امریکی غلام افغانی کمانڈوز المعروف سپیشل فورس کا ذکر ہو رہا ہے جس نے افغانستان میں امریکی چھاپوں اور امریکی کیمپوں پر ہونے والے حملوں میں امریکی ہدف پر لگنے والی گولیاں ہزاروں بار اپنے سینوں پر روکی ہیں اور جہنم واصل ہوئے ہیں۔ ماضی میں افغان و مہاجر مجاہدین کے خلاف کئی سو چھاپے انہوں نے امریکی ایما پر مارے ہیں۔ ان کی عسکری تربیت کا انداز دورانِ کارروائی بس 'دیکھو اور مارو' ہے؛ سامنے کوئی بوڑھا آدمی ہو یا سن رسیدہ خاتون، معصوم بچے ہوں، عورتیں، معذور افراد، جنازہ پڑھتے لوگ یا باراتیوں کا کوئی قافلہ؛ یہ سب کو اپنی گولیوں سے بھون ڈالتے ہیں۔ مزاج میں شدت پیدا کرنے کے لیے دنبوں کا کچا گوشت اور کچی چربی (پشتو میں جسے لَمْ کہا جاتا ہے) چبا کر کھانا ان کی تربیت کا جزو ہے۔ یہ گھروں پر اندھا دھند بمباریاں کر کے محاورتاً نہیں حقیقتاً گھروں کو گھر والوں سمیت مسمار کر کے زمین کے برابر کر دیتے ہیں۔ مجاہدین سے جنگ کے بعد ان کے شہیدوں کی نعشوں کو بکتر بند ہموی گاڑیوں سے روندتے ہیں اور مجاہدین کے زخمیوں کو اپنی گاڑیوں سے باندھ کر پکی سڑکوں اور پتھریلی کچی سڑکوں پر گھسیٹ کر، ان کی کھالیں کھینچ کر اور ہڈیوں سے گوشت ادھیڑ کر قتل کرتے ہیں۔

[1] اہل پشتو میری لکھی پشتو املا سے درگزر فرمائیں۔

چھاپوں میں یہ دو ڈھائی سال کے معصومین سے لے کر ان کی پاک باز ماؤں تک کو اغوا کر کے لے جاتے ہیں۔

یہ ہیں وہ چند اعمال جن کی 'برکت' کا ذکر اشرف غنی کرتے ہوئے افغان سپیشل فورس کے کمانڈوز کو خراجِ تحسین پیش کرتا ہے۔ یہ 'برکت' امت کے اس منافق و مرتد گروہ کی ہے جس کے ابتدائی سرغنے ابن ابی سلول اور جبلہ بن ایہم تھے۔ یہ ہیں باجوہ، اشرف غنی، محمد بن سلمان، ابن زاید اور سیسی کے بے دین سپاہی جو امت اور واشنگٹن میں بستے ظالم و بدکار، اللہ اور عباد اللہ کے دشمنوں کے درمیان حائل ہیں۔ یہ ہیں وہ فرنٹ لائن اتحادی جن کے وجودِ نا مسعود کے سبب واشنگٹن و دہلی میں بستے کافر محفوظ ہیں۔ بہر کیف اشرف غنی کی کفر سے 'جرأت مندانہ' وفا اور دیانت داری ہے کہ وہ اپنے پڑوس میں بستی سپیشل فورس (ایس ایس جی) کی طرح 'ایمان، تقویٰ اور جہاد فی سبیل اللہ' کے منافقانہ لیبل کے تحت اپنے عسکریوں کی تحسین نہیں کر رہا بلکہ اعلانیہ ان کے اعانت و حفاظت کفر کے اعمال کو 'برکت' قرار دے رہا ہے۔

## یہ مسائلِ تصوف، یہ ترابیاں 'نیازی'

مرزا غالب بلا کا شرابی تھا۔ بڑا شاعر تھا، لہٰذا بہادر شاہ ظفر کا فنِ شاعری میں 'استاد' لگ گیا اور اچھا خاصا وظیفہ پاتا جو بادہ و جام ہی کی نذر ہو جاتا، پھر قرض لینا پڑتا اور قرض کی بھی پیتا ہی تھا، بلکہ شراب بھی بطورِ قرض لیا کرتا تھا۔ ہمارے ایک سابقہ جلیس جو شاعر بھی ہیں، نے ایک دن غالب کا ایک قصہ سنایا کہ ایک دن دربارِ مغلیہ میں پہنچا تو بہادر شاہ ظفر سے کہنے لگا کہ 'ایک نیا شعر موزوں ہوا ہے، اجازت ہو تو عرض کروں'۔ بہادر شاہ ظفر بولا 'ارشاد'۔ سو سنایا:

> یہ مسائلِ تصوف یہ ترا بیان غالؔب
> تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

بہادر شاہ ظفر یہ سن کر بولا 'ہم تو تب بھی نہ سمجھتے' (یعنی اگر تُو بادہ خوار نہ ہوتا تو بھی ہم تجھے ولی نہ سمجھتے)۔

بقول مولانا عطاء المہیمن شاہ بخاریؒ، 'غالب بڑا میراثی تھا'، بہادر شاہ ظفر کی بات سن کر بولا '(مجھے ولی) سمجھتے تو حضور اب بھی ہیں، بس اس لیے نہیں فرماتے کہ میں ریا و تکبر کا شکار نہ ہو جاؤں'۔

کہاں ان جیسوں کی اصطلاحات کی غلام گردشیں اور کہاں ولایت و تصوف، جس کا مقصد قربِ الٰہی ہوتا ہے۔ پھر بھی غالب جس زمان و مکان کا باشندہ تھا اور جو اس کے دیوان میں اور بہت کچھ ملتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک بے عمل آدمی تھا اور مشہور ہے کہ رافضی بھی تھا، لیکن اصطلاحات و حالاتِ تصوف سے واقف تھا۔

اب ہمارے دور کے 'میرزا' "عمران خان" 'غالب' کو دیکھیے، وہی 'میرزا' صاحب جو آج کل وزیرِ اعظم ہیں۔ ان کا ایک پرانا بیان نظر سے گزرا، فرمایا:

> "تصوف کے بہت سے درجات ہوتے ہیں اور میں نے آج تک اپنی بیوی سے زیادہ بلند درجے پر کسی کو فائز نہیں دیکھا۔"[1]

سبحان اللہ! ان کے 'تصوف' میں کیا ہے؟ داڑھی منڈاؤ اور 'عقیق' پہنو کہ سنت ہے۔ فرض نماز کے لیے، فرض سورۂ فاتحہ صحیح سے آتی نہیں اور بابا فرید کی قبر کو جا جا کر سجدے کرتا ہے۔ ہاتھ میں موٹے موٹے دانوں والی، آدھ سیر کی تسبیح رہتی ہے جو ہر کارِ دنیا کے ساتھ چلتی رہتی ہے، بقول سلطان باہو 'تسبیح پھیری تے دِل نئیں پھیریا'۔ روزنامہ جنگ کی ۷ مارچ ۲۰۱۸ء کو شائع ہونے والی خبر کے مطابق (تصوف کے اعلیٰ ترین درجے پر فائز محترمہ سے) عدت میں 'نکاح' کیا، جس کے متعلق جسٹس ناصرہ اقبال نے کہا کہ 'عدت گزرنے کے بعد نکاح خود بخود "ریگولر" ہو جائے گا' اور دیگر ماہرینِ قانون نے (بمطابق خبر) کہا کہ 'عدت میں نکاح بے قاعدہ ضرور ہے، غیر قانونی نہیں!'۔ یہ 'صوفیہ' صاحبہ جن کے گھر کے کمروں میں ہر وقت کتے گھومتے رہتے ہیں فرماتی ہیں کہ میں تو کتے سے بھی 'سیکھتی' ہوں (ندیم ملک کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا)۔ 'تصوف' میں 'زن مرید'، مثلِ غالب بادہ خوار تو نہیں ہے لیکن کوکین خوار ضرور ہے، شاید اسی نشے کی نسبت سے 'میرزا' اپنی 'صاحبہ' کو درجاتِ عالیہ پر فائز قرار دے رہا ہے، تھوڑی اور ناک سے چڑھا لے تو نجانے کس مقام پر بشریٰ بی بی کو جا بٹھائے؟ بہر کیف ایک بات تو مسلّم ہے کہ تاریخِ انسانی کے 'اعلیٰ' ترین 'مریدوں' میں عمران خان کا نام آئے گا۔

## سعودی عرب سے

اس سال (۱۴۴۲ھ) میں ہونے والے حج سے پہلے سعودی حکومت اور اس کے نمک خوار درباری شیخوں نے اعلان کیا کہ اس بار عورتیں بنا محرم حج کر سکیں گی۔ اگر یہ فیصلہ شرعی فقہی نقطۂ نظر سے سامنے آتا تو ہم جیسے ان امور میں چھوٹے بھی نہیں بیچتے۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ یہ حکم 'وژن ۲۰۳۰' کی روشنی میں سامنے آیا ہے، یعنی محمد بن سلمان نے جو تازہ اقدامات شروع

---

[1] بحوالہ ایمجز میگزین (ڈان): https://images.dawn.com/news/1180500۔ اس انٹرویو کا عنوان ہے: "I know more about physical attraction than anyone else: Imran Khan on his third marriage"۔

کر رکھے ہیں یہ ان کا تسلسل ہے نہ کہ کسی فقہی مسئلے کو دیکھ کر اور کسی نازل شدہ مسئلے (یعنی کورونا) کے سبب ایسا کیا گیا ہے۔

پھر اس حکم کے چند دن بعد کا حکم بھی ملاحظہ ہو جس کی رُو سے سعودی عرب میں اب سترہ (۱۷) سال کی لڑکیوں کو بھی ڈرائیونگ کی اجازت ہو گی۔ اس حکم کا سبب بھی شرعی مسئلہ نہیں ہے بلکہ عورتوں کو بلا ضرورت گھر سے نکالنا، بلکہ عورتیں نہیں نوجوان لڑکیوں کو باہر نکالنا ہے، کیا کیجیے ان باتوں کا ذکر خود باعثِ ننگ ہے لیکن ان سترہ سالہ لڑکیوں کو بھی (تنہا) ڈرائیونگ کی جب اجازت ہو گی تو ساتھ میں ملٹی پلیکس سینما گھروں، میوزیکل کانسرٹوں اور (نا محرم) دوستوں کو ہوٹلوں میں کمرے لینے کی اجازتیں پہلے سے موجود ہیں۔

ع قیامت آگئی لوگو، نظر ادھر بھی تو ہو!

## قادیانی سسرال کے متعلق دوہرے معیارات کیوں؟

ہمارے ملک پاکستان کے بھی عجیب دگڑ مگڑ معیارات ہیں۔ کتنا کچھ ہے جو فوجیوں کے لیے تو جائز ہے لیکن غیر فوجیوں کے لیے حرام۔ پیپلز پارٹی کا ایک 'رہنما' یاد آگیا۔ اس کی مشہور ویڈیو ہے، جاوید چودھری کے ساتھ پروگرام میں بیٹھا ہے تو کہتا ہے کہ 'کرپشن میں بھی مساوات ہونی چاہیے، سب کو موقع ملنا چاہیے'، گو کہ اس نے یہ بات شراب کے نشے میں کہی تھی، لیکن رندی زبان پر سچائی تولاتی ہے۔

جنرل قمر جاوید باجوہ کی 'قادیانیت' پر اس کا نام لیے بغیر نواز شریف نے باجوہ کی تقرری سے پہلے، اپنے ایک مذہبی سیاسی حلیف کے ذریعے بات نکلوائی کہ اگلا آنے والا آرمی چیف مرزائی ہو سکتا ہے۔ پھر اس کی انہی حلیف موصوف نے تردید بھی کر دی کہ مجھ سے خطا ہو گئی۔ بعد میں باجوہ کی تاج پوشی سے پہلے ہی یہ بات کنفرم ہو گئی تھی کہ اگلا چیف مرزائی ہی ہو گا اور باجوہ ہی ہو گا۔ یہ ساری بات بعد میں مشکوک بھی ہو گئی اور متنازع بھی۔ بریلویوں کے ایک بڑے عالم نے باجوہ کی سجائی 'سرکار کی آمد' کی محفل میں حاضری دی اور تبلیغ سے وابستہ ایک بڑی شخصیت نے باجوہ کے بیٹے کی شادی میں شرکت کی (ایک 'فاختہ' نے باجوہ کے چوڑے چکلے سینے کو جو طالوت سے ملایا اس کا ذکر ابھی نہیں کرتے)۔ لیکن باجوہ کے مرزائی سسرال کا کیا کیا جائے کہ اس کی مرزائیت تو سکہ بند ہے، لہٰذا مان لیتے ہیں کہ باجوہ خود تو 'سُنّی' ہے لیکن اس کا سسرال مرزائی ہے۔

بے نظیر نے مولانا اعظم طارق شہیدؒ سے کہا تھا کہ 'میں سنی ہوں، آصف شیعہ ہیں'، تو مولانا نے جواباً کہا کہ پھر تو تمہارا نکاح ہی نہیں ہوا، پھر آصف زرداری مولانا سے ملا تو اس نے کہا کہ 'مولانا کچھ تو خیال کریں اب تو ہمارے بچے بھی ہیں'۔

اب بات آگئی ہے آصف زرداری اور بے نظیر کی بیٹی بختاور کی، جس کا ہونے والا (اگر ہو نہیں گیا تو) سسرال مرزائی ہے۔ اس بات پر اچھا خاصا طوفان برپا رہا ہے۔ لیکن یہاں بھی تو مساوات ہونی چاہیے ناں!

## طیب اردگان کے چند کارنامے

لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں بلا وجہ ہی طیب اردگان سے 'محبت' ہے۔ لیکن ہم بتاتے ہیں کہ محبت بے وجہ کبھی نہیں ہوتی۔ صرف دو باتوں کا ذکر آج کر لیتے ہیں:

1. نیٹو کا مقصدِ تاسیس و حالیہ مقصدِ حیات ہماری ناقص عقل کے مطابق اسرائیل سے فلسطین آزاد کروانا نہیں ہے۔ ترکی لیکن نیٹو کا رکن اسی نیک نیت سے ہے جس نیت سے بے حجاب عورتیں 'دل کا پردہ' کرتی ہیں، یعنی آزادیٔ فلسطین۔ اسی ضمن (یعنی امتِ مسلمہ کی حفاظت و دفاع) میں اسی نیٹو میں رہ رہ کر اور جہاد کر کر کے ترکی کے فوجیوں نے حالاً جاری جہادِ افغانستان میں خوب حصہ لیا ہے۔ اب امریکہ تو چونکہ کافر تھا اس لیے وہ افغانستان سے انخلا کر رہا ہے، لیکن 'تُرکِ دانا'، ارطغرل کا وارث، سلیمان قانونی کا بیٹا، محمد فاتح کا پوتا، عثمانی تمغے کا حامل، مسجدوں کے گنبدوں کو فوجی خود (آہنی ہیلمٹ) کہنے والا تو مومن ہے اور کابل ایئر پورٹ کی حفاظت اسی کا فریضہ ہے، سو وہ تو یہیں رہے گا۔ پھر کوئی ارطغرل و میر اسلطان کے ڈائیلاگوں اور 'جہادی' 'ہیروئنوں' کو قصۂ ماضی نہ سمجھے، کابل ایئر پورٹ کی حفاظت جب رسماً ترکی نے اپنے سر لی تو جو تصویر جاری ہوئی اور ساری دنیا کے میڈیا کی زینت بنی اس میں ایک ترک 'سپاہیہ' فرضِ رباط ادا کر رہی ہے۔
2. دوسرا سببِ محبت ہے، ارطغرل معذرت اردگان کی عبد الرشید دوستم سے دوستی۔

دوستم کی صرف ایک ادا یاد دلا دیں۔ جب دوستم مجاہدین کو پکڑا کرتا تو ان کو چھری، گولی وغیرہ سے قتل نہ کرتا تھا۔ گردن کے قریب زندہ مجاہد کی کھال میں سوراخ کرتا پھر وہیں سے اس کا کوئی قصائی ساتھی ہاتھ گھسا کر کھال اور گوشت میں تفریق کرتا اور ہاتھ نیچے کمر تک پہنچا دیتا۔ پھر اس سوراخ میں مٹی کا تیل یا پٹرول ڈالا کرتا اور آگ لگا دیتا۔ یہ آتش زدہ شخص کچھ لمحوں کے لیے نہ مرتا نہ جیتا، نہ بیٹھ سکتا نہ کھڑا ہو سکتا۔ بس بے ہنگم حرکتیں کرتا، چھلانگیں لگاتا اور اس سارے منظر کو دوستم اور اس کے دوست دیکھ کر خوش ہوتے، قہقہے لگاتے اور دوستم کہتا 'ہم نے رقصِ بسمل دیکھا'۔
اس دوستم سے اردگان یعنی ترکِ دانا کی دوستی کا سبب کیا ہے؟

(باقی صفحہ نمبر 45 پر)

# لا تصـــالـــح!

نسیبہ امِ حفص

جو لوگ قدیم عرب تاریخ سے واقفیت رکھتے ہیں وہ جانتے ہوں گے کہ عرب کے دورِ جاہلیت میں بہت سی طویل جنگیں لڑی گئیں۔ ان میں سے ایک جنگ 'حرب البسوس' کے نام سے مشہور ہے۔ یہ جنگ دو چچازاد بھائیوں کے درمیان لڑی گئی۔ ان دو چچازاد خاندانوں میں ایک بھائی جس کا نام کلیب تھا، سردار تھا۔ رفتہ رفتہ ارد گرد کے علاقوں پر اس نے قبضہ کر لیا۔ اس کا چچازاد بھائی جساس اس سے بے حد جلتا تھا۔ بالآخر ایک اونٹنی کے پانی پینے پر جنگ کی چنگاری بھڑکی۔ یہ اونٹنی جساس کی خالہ کی تھی جس کو کلیب نے بے وقت پانی پینے پر مار دیا۔ جساس کو اس کی خالہ نے خوب بھڑکایا۔ ایک چراگاہ میں کلیب اپنے گھوڑے پر کسی کام سے جا رہا تھا، پیچھے سے جساس آیا اور اپنا نیزہ تان کر کلیب سے کہا 'اپنے آپ کو بچالو'۔ کلیب نے پروانہ کی لیکن جساس نے نیزہ کھینچ مارا۔ کلیب کی پیٹھ سے خون بہہ نکلا۔ اس نے اپنی پشت کے بہتے خون سے ایک دیوار پر اپنے بھائی کے نام ایک پیغام لکھا:

سالم ! لا تصالح!

سالم! صلح نہ کرنا!

اس کا بھائی سالم ایک آوارہ، عیاش اور شراب نوش شخص تھا جو کہ اکثر شراب خانوں میں پایا جاتا تھا، مگر جیسے ہی اس کو اپنے بھائی کی موت اور اس کے خون میں ڈوبے پیغام کا پتہ چلا وہ یکسر بدل گیا اور اس نے چالیس سالہ طویل جنگ لڑی جو کہ عرب تاریخ میں حرب البسوس کہلاتی ہے۔ بسوس اس عورت کا نام تھا جس کی اونٹنی ماری گئی تھی۔

'امل دنقل' سنہ ۱۹۴۰-۱۹۸۳ء کے درمیان مصر میں ایک شاعر گزرا ہے۔ اس دور کی شاعری میں بہت سے شعرا نے اس سے عرب پر اسرائیل قبضے کا ذکر کیا۔ امل دنقل نے ایک قصیدہ لکھا جو کہ بہت مشہور ہوا جس کا نام ہے 'لا تصالح'۔

لکھتا ہے

لا تصالح
ولو منوك الذهب

کبھی صلح مت کرنا، چاہے وہ تمہیں سونے سے نواز دیں

أترى حين أفقأ عينيك
ثم أثبت جوهر تين مكا نهما

اگر میں تمہاری آنکھیں نکال لوں اور ان کی جگہ جواہر جڑ ڈالوں

أترى هي أشياء لا تشترى
......لا تصالح
دیکھو یہ چیزیں انمول ہوتی ہیں، پھر بھی صلح مت کرنا!

ولو قيل دم بدم
أكل الرؤوس سواء
چاہے تم سے کہا جائے کہ خون کے بدلے خون بہایا جا چکا ہے
تو کیا تمہاری نظروں میں سب کے سر برابر ہیں؟

اسی قصیدے میں امل دنقل آگے چل کے عرب کے حکمرانوں کے کردار کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ:

لا تصالح
ولو ناشد تك القبيلة
باسم حزن الجليله
کبھی صلح مت کرنا، چاہے قبیلے والے تمہیں جلیلہ کے غم کی قسم دیں (جلیلہ مقتول کی بیوی اور قاتل کی بہن تھی)

هؤلاء يحبون طعم الثريد
یہ لوگ فقط ثرید کھانے کی چاہت رکھتے ہیں

ایک صدی قبل سقوط خلافتِ عثمانیہ کے بعد انگریزوں نے خفیہ سازش کرتے ہوئے فلسطینیوں کی خواہش و مرضی کے بغیر اعلان بالفور کے ذریعے یہودیوں کو فلسطین میں آباد کر دیا۔ جو کہ مستقل تنازع کی وجہ بنا ہوا ہے۔ ۱۹۴۸ء اور ۱۹۶۷ء میں جنگیں لڑی گئیں۔ ۱۹۶۷ء کی جنگ کے نتیجے میں غزہ، گولان اور مغربی اردن کا کنارہ اسرائیل نے اپنے قبضے میں لے لیا۔ ۱۹۷۸ء میں جب انور سادات مصر کا حکمران تھا تو اس نے اسرائیل سے معاہدہ کیا جس کے تحت اسرائیل نے صحرائے سینا کا علاقہ واپس کر دیا مگر مصر نے اسرائیل کو تسلیم کر لیا۔ اس سے پہلے کسی بھی مسلم ملک نے اسرائیل کو تسلیم نہیں کیا تھا۔ مصر کا اسرائیل کو تسلیم کرنا ایک بہت بڑا تاریخی عمل تھا اور اسی کی وجہ سے مصر کو عرب دنیا میں شدید تنقید و بائیکاٹ کا سامنا کرنا پڑا۔ امل دنقل اور اس جیسے کئی دیگر شعرا و مسلم عوام نے بھرپور مزاحمت کی لیکن عرب حکمرانوں کو فرق نہیں پڑا۔

اعلان بالفور کے ایک صدی بعد اور مصر و اسرائیل معاہدہ امن کے پچاس سال بعد ٹرمپ نے مشرقِ وسطیٰ امن منصوبے کا اعلان کیا [بالکل اسی طرح جیسے رچرڈ بالفور نے اعلان بالفور کیا تھا

اور فلسطینیوں سے قطعاً کوئی مشورہ نہیں کیا گیا تھا، اسی طرح اس معاہدے میں بھی اگرچہ اس معاہدے کا نام مشرقِ وسطیٰ امن منصوبہ ہے لیکن اس سلسلے میں فلسطینیوں سے مشورہ لینے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی (بھیڑیوں کے نرغے میں موجود بھیڑوں سے مشورہ کیا بھی نہیں جاتا)]۔

اس منصوبے کے چند اہم نکات یہ ہیں کہ:

اس میں دو ریاستی فارمولے کو تسلیم کیا گیا ہے۔ دریائے اردن کے مغربی کنارے اور دوسری فلسطینی آبادیوں پر اسرائیلی اقتدار کو قانونی حیثیت حاصل ہو گی اور گولان جو شام اور فلسطین کی سرحد پر واقع پہاڑی سلسلہ ہے وہ اسرائیل کا اٹوٹ انگ ہو گیا۔ بیت المقدس کے مشرقی مضافاتی علاقے میں فلسطین کا دار الحکومت قائم کیا جائے گا۔ غزہ بحر روم کے ساحل پر واقع ہے لیکن منصوبے کے تحت آبی آمد و رفت اس کے شمال میں اشدد کی بندر گاہ سے ہو گی جو کہ اسرائیل کا حصہ ہے۔ دنیا سے فلسطین کا رابطہ رفاح کے ذریعے ہو گا جو کہ مصر کے کنٹرول میں ہے۔ فلسطین میں پندرہ اسرائیلی بستیاں ہوں گی جو فلسطین کی سرزمین پر آباد کی جائیں گی اور ان کی حفاظت کے لیے اسرائیلی فوج تعینات ہو گی۔ فلسطینیوں کی مزید زمین ہتھیانے سے پرہیز کی مدت صرف چار سال ہو گی[1]۔ اسی طرح پچھلے سال اسرائیل کے وزیر اعظم نے یہ بیان دیا تھا کہ اسرائیل کی حدود کو وادی اردن اور شمالی بحیرہ مردار تک بڑھا دیا جائے گا جسے انہوں نے نئی اسرائیلی مشرقی سرحد کا نام دیا۔ مزید یہ بھی اعلان کیا گیا کہ اسرائیل کا حصہ بننے والے علاقوں میں آباد فلسطینیوں کو اسرائیل کی شہریت نہیں دی جائے گی۔ فلسطینیوں کے شدید احتجاج کے باوجود غرب اردن کے مقبوضہ عرب علاقوں کے اسرائیل سے الحاق کا اعلان بھی ہو چکا ہے۔ اب فلسطینی ملت سکڑ کر غرب اردن کے کچھ دیہات اور غزہ تک ہی محدود رہ گئی ہے جس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فلسطینیوں کو چند سو کلومیٹر کا علاقہ دے کر اسرائیل کو تسلیم کرایا جائے گا۔ اٹھارہ (۱۸) لاکھ اہل غزہ ایسی کھلی جیل میں رہ رہے ہیں جہاں انہیں بنیادی ضروریات بھی میسر نہیں۔

فلسطین کے مسلمانوں کے معاملے میں کوئی بھی نام ونہاد مسلم ملک ہو، چاہے وہ ترکی ہو یا پاکستان ہو یا کوئی بھی، سب اپنے ملک کے مفاد، اپنی ملک کی پالیسی، اور اپنی معیشت کے حساب سے معاملات و منافقت کرتے نظر آتے ہیں۔ ابھی حال ہی میں عمران خان نے اقوامِ متحدہ میں احتجاج ریکارڈ کروایا کہ ہم غزہ میں مسلمانوں پر ہونے والی بمباری کی مذمت کرتے ہیں۔ ان نام نہاد مسلم ممالک میں کوئی بھی خالص فلسطینیوں کے لیے سنجیدہ نظر نہیں آتا۔ دکھ اور افسوس کی بات تو یہ ہے کہ اس معاہدے میں عرب ممالک پیش پیش ہیں۔ متحدہ عرب امارات اور اسرائیل کے درمیان جو معاہدہ ٹرمپ نے کروایا ہے اس کا نام 'معاہدہ ابراہیم'[2] ہے جس کے مطابق دونوں ممالک سفارت خانوں، سرمایہ کاری، براہ راست پروازوں، ٹیکنالوجی اور ثقافت کے شعبوں میں تعاون کے حوالے سے مزید معاہدے کریں گے۔ بحرین اور عمان بھی اسی صف میں کھڑے ہیں۔ سوڈان بھی اسرائیل کو تسلیم کر کے معاہدہ کر چکا ہے جس کے بدلے میں سوڈان کی زمینیں یہودی امداد سے زرخیز کی جائیں گی (آہ..... یہ وہی سوڈان ہے جہاں شیخ اسامہؒ نے ہجرت کر کے وہاں کی زراعت کو بہتر بنانے کی کوشش کی تھی)۔ مراکش بھی جلد ہی تسلیم کر لے گا۔ سعودی عرب نے علی الاعلان تو کچھ نہیں کہا لیکن اس پورے معاملے میں سب سے گھناؤنا کردار انہی "خدام حرمین شریفین" کا ہے۔ یہ منصوبہ دراصل ٹرمپ کے یہودی داماد 'جیرڈ کشنر' نے تحریر کیا تھا جو متحدہ عرب امارات کے ولی عہد محمد بن زاید اور سعودی عرب کے ولی عہد محمد بن سلمان کا جگری دوست سمجھا جاتا ہے۔ مزید یہ کہ بنیامین نیتن یاہو کا سعودی عرب کا 'خفیہ دورہ' کسی سے پوشیدہ نہیں۔ مشرقِ وسطیٰ میں سعودی عرب کا اثر و رسوخ اس قدر زیادہ ہے کہ لگتا نہیں ہے کہ متحدہ عرب امارات نے سعودی حکومت کے مشورے کے بغیر معاہدہ کر لیا ہو۔ حقیقت تو یہ ہے کہ سبھی خلیجی ممالک اسرائیل کو غیر مشروط طور پر تسلیم کرنے کے پرجوش حامی ہیں بالکل ایسے ہی جیسے اعلان بالفور کے موقع پر جزیرۂ عرب کے تمام حکمرانوں نے اپنی زمینوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کی خاطر خلافت عثمانیہ کے سقوط اور فلسطین کا سودا کر ڈالا تھا۔

'لا تصالح' کی صدا گونجتی ہے مگر افسوس حکمران سب کے سب ثرید کھانے میں مصروف ہیں۔ شام میں بہتا لہو، غزہ میں ہونے والی شہادتیں، وہ فلسطینی جنہوں نے فلسطین سے شام میں ہجرت کی اور پھر شام سے مختلف ممالک میں دربدر ہیں ان سب کی آہ و پکار یہی ہے کہ 'لا تصالح.....لا تصالح.....' لیکن ان مظلوموں کی آہ و فغاں سے ان نام نہاد مسلم حکمرانوں پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ ان حکمرانوں کی زندگی اپنے اپنے ملکی وذاتی مفادات سے جڑی ہوئی ہے۔

[1] اور جیسا کہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ چار سال تو دور کی بات چند مہینوں کے اندر ہی غزہ پر اسرائیل کی بدترین بمباری کا آغاز ہو گیا۔ حالیہ مسلح تنازع کی ابتدا یہاں سے ہوئی کہ فلسطینی مسلمان مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ اسرائیلیوں نے شیلنگ شروع کر دی، جواباً فلسطینیوں نے بھی پتھراؤ کیا۔ اس طرح یہ معاملہ آگے بڑھتا چلا گیا اور پھر اسرائیل نے غزہ کی پٹی میں عام بمباری شروع کر دی جس کے جواب میں حماس نے بھی کافی راکٹ فائر کیے، میڈیا کی رپورٹ کے مطابق دو سو بیس (۲۲۰) راکٹ فائر کیے گئے، ان حموں میں بارہ (۱۲) یہودیوں کی ہلاکت کی رپورٹ آئی ہے۔ یہ کیسا رمضان تھا ان مظلوم فلسطینیوں کے لیے..... یہ کیسی عید گزری ان پر..... ہم تو اپنی آرام گاہوں میں بیٹھ کر عید کے مزے لوٹتے رہے اور وہ آتش و آہن کے سائے تلے فلسطینی مسلمان اپنے زخمی اور شہید اٹھاتے رہے۔ ان حملوں میں شہید ہونے والوں کی کم از کم تعداد دو سو ساٹھ (۲۶۰) سے زیادہ ہے جن میں سے تقریباً پینسٹھ (۶۵) بچے شامل ہیں۔

[2] 'معاہدۂ ابراہیم' اس لیے نام تجویز کیا گیا کہ 'اسلام'، 'یہودیت' اور 'عیسائیت' کو 'براہیمی مذاہب' (Abrahamic Religions) کہا جاتا ہے، حالانکہ ابو الانبیاء حضرتِ سیّدنا ابراہیم علیہ وعلیٰ نبینا صلوٰۃ وسلام اس سے بری ہیں۔ اللہ پاک کا قرآنِ برحق میں ارشادِ برحق ہے: مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَكِن كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ○ (سورۃ آلِ عمران: ٦٧)، "ابراہیم نہ یہودی تھے، نہ نصرانی، بلکہ وہ تو سیدھے سیدھے مسلمان تھے، اور شرک کرنے والوں میں کبھی شامل نہیں ہوئے۔"۔

ہمیں سمجھنا پڑے گا یہ مسئلہ عرب قومیت کا مسئلہ نہیں اور نہ ہی کسی ملکی تنظیم کا۔ اس مسئلے میں کوئی دو رائے نہیں ہونی چاہیے کہ فلسطین کا مسئلہ امت مسلمہ کا مسئلہ ہے۔ یہ کوئی وقتی مسئلہ نہیں، تاریخ شاہد ہے کہ یہ ہماری امت مسلمہ کی سر زمین ہے جہاں تاریخ کے مختلف ادوار میں مختلف مسلماں حکمرانوں نے حکومت کی۔ درحقیقت مسئلہ فلسطین ہی ان مسائل میں سے ایک مسئلہ ہے جو ہمارے موجودہ دور کے جہاد کی بنیاد و اساس ہیں۔ اسی فلسطین کو بچانے کی خاطر اسی فلسطین کو اسرائیلی قبضے سے چھڑانے کی خاطر، مسلمانوں کے قبلۂ اول کو آزاد کرانے کی خاطر، شیخ عبد اللہ عزامؒ نے افغانستان ہجرت کر کے جہاد کی داغ بیل ڈالی اور ان کی شہادت کے بعد شیخ اسامہؒ نے بھی اسی مسئلے کو اساس بنا کے تحریک جہاد کو منظم کیا۔ فلسطینیوں کے لیے ان کا درد ان کی گفتگو اور ان کے لہجے سے چھلکتا تھا۔

محسنِ امت و شہیدِ اسلام شیخ اسامہ بن لادن رحمہ اللہ نے فرمایا:

> ”فلسطین میں موجود ہم اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں کہ آپ کا خون ہمارا خون ہے اور آپ کی کٹتی اولاد ہماری ہی اولاد ہے۔ پس خون کے بدلہ خون ہے اور تباہی کا بدلہ تباہی۔ ہم اللہ عظیم کو گواہ بنا کے کہتے ہیں کہ ہم آپ کو کبھی بے یار و مددگار نہیں چھوڑیں گے یہاں تک کہ ہمیں فتح حاصل ہو جائے یا ہم وہ مزہ چکھ لیں جو حمزہ بن عبد المطلب نے چکھا تھا۔“

اسی فلسطین کے متعلق فضیلۃ الشیخ ابو یحییٰ اللیبی شہید رحمہ اللہ نے فرمایا:

> ”دنیا میں بسنے والے مجاہدو! فلسطین میں کٹنے والا ایک ایک بچہ ہمارا ہی بچہ ہے۔ ہمارے ہی بچے یتیم ہو رہے ہیں۔ ہماری ہی بہنیں بیوہ ہو رہی ہیں۔ جس کے اندر جو طاقت ہے اس کو چاہیے کہ وہ اگر اسرائیل تک براہ راست نہیں پہنچ سکتا تو اس کے حواریوں کو نشانہ بنائے۔ ان کو کمزور کرے۔ اسرائیل کی طاقت و معیشت پہ ضربیں لگائی جائیں۔ خصوصاً امریکہ اور برطانیہ پر۔ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ یہودی فلسطین میں امن سے رہیں اور وہاں کے اصل باشندے خوف و ہراس کا شکار ہوں۔ یہودی تنعم و عیش کی زندگی گزاریں اور ہمارے بھائی بھوکے پیاسے پڑے ہوں؟ ان کے شہر آباد رہیں اور ہمارے شہر مسمار کیے جائیں؟ ان کے خاندان رہائش پذیر ہوں اور ہمارے خاندان خانہ بدوش! ان اہلِ کفر کو بھی جنگ کا کڑوا گھونٹ پلاؤ، ان کو بھی نقل مکانی پر مجبور کر و اور اپنا رعب ان پر جماؤ۔“

پس مسئلہ فلسطین کو کسی طور بھی موجودہ دور کی مسلم امت سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ چاہے وہ اس کو محسوس کریں یا نہ کریں۔ فلسطین کے حقیقی محافظ مختلف محاذوں پر برسرِپیکار مجاہدین ہی ہیں، چاہے وہ مالی سے لے کر الجزائر تک ہوں، یمن سے صومالیہ تک، شام سے افغانستان و برِّ صغیر ہر محاذ کی اصل روح مسئلۂ فلسطین ہی ہے۔ عید الفطر پر ہونے والی شدید بمباری اور شہادتوں کے بعد صلح ہو چکی ہے۔ لیکن دعا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسی صلح نصیب کرے جو مسلمانوں کو نصرت و برتری عطا کرے ورنہ اس سے وہ جنگ بہتر ہے جو امت میں فلسطین کے حوالے سے بیداری پیدا کرے اور امت کے نوجوانوں کو پھر سے متوجہ ہونے پر مجبور کر دے۔

یہ تاثر نام نہاد اسلامی حکومتوں میں عام پایا جاتا ہے کہ اگر ہم علی الاعلان کفر سے جنگ کا اعلان کر دیں تو تمام کافر اقوام اور تنظیمیں ہمارے پیچھے لگ جائیں گی اور ہمیں مختلف پابندیاں لگا کر ختم کر دیا جائے گا کہ جس کی ہمارے اندر طاقت نہیں ہے۔ ذرا ادھر رک کر تھوڑا غور تو کرو کہ کیا غزہ کی پٹی سے بھی زیادہ پابندیاں کہیں لگی ہوئی ہیں؟ کیا خوراک کی قلت غزہ سے زیادہ کہیں اور ہے؟ لیکن سلام ہے ان فلسطینیوں کو جو اپنے دفاع کی جنگ مسلسل تقریباً پچاس (۵۰) سال سے لڑ رہے ہیں۔ آپ سوچیں کیا وہ ختم ہو گئے؟ کیا وہ صفحۂ ہستی سے مٹ گئے؟ ان کے لیے کیا باقی رہ گیا ہے کے جس کے چلے جانے کا خوف ان کو ہو؟ خون ہے وہ روزانہ بہہ رہا ہے۔ لاشیں ہیں وہ روزانہ گر رہی ہیں۔ یہودیوں کی جیلیں بھری ہوئی ہیں فلسطین کے جوانوں سے۔ درختوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا، گھروں کو مسمار کرنا، ہر وقت کرفیو کا سماں، یہ سب کچھ روزانہ کے حساب سے کبھی نہ ختم ہونے والے ایک پچاس سالہ معمول کا حصہ ہے۔ تمام عالم کفر کا گٹھ جوڑ اور نام نہاد اسلامی ملکوں کی ایمان فروشی کے حوالے سے شہید شاعرِ جہاد شیخ احسن عزیزؒ نے کیا خوب کہا تھا:

آؤ مل کے یہ ساری زمیں بانٹ لیں

تاکہ جمہور دنیا میں جتنے بھی ہیں

ہم میں اپنی پسند کے خدا چھانٹ لیں!

......

تاکہ ساروں میں قائم مساوات ہو

تاکہ نفرت کا بھی خاتمہ ہو سکے

تاکہ مظلوم جگ میں کوئی نہ رہے

آؤ......جتنے ہیں یہ

مل کے آپس میں ہم ان کے گھر بانٹ لیں

(باقی صفحہ نمبر 66 پر)

# لہو لہو فلسطین: کل اور آج

محترمہ عامرہ احسان صاحبہ

اسرائیلی جارحیت کے ہاتھوں ۲۴۳ فلسطینی غزہ پر بے محابا بمباریوں کے نتیجے میں شہید، (بشمول ۶۶ بچے) اور ۱۹۰۰ سے زائد زخمی ہو چکے۔ شیخ جراح (مشرقی یروشلم کا مقبوضہ فلسطینی علاقہ) کو زبردستی خالی کرانے (عالمی حقوق انسانی کے قوانین کی خلاف ورزی) سے یہ نئی جنگ چھیڑی گئی۔ اگرچہ نیا کچھ بھی نہیں۔ ۱۹۴۸ء میں فلسطین پر غاصبانہ قبضہ کرنے سے آج تک اسرائیلی عفریت ایسی ہی مہم جوئیوں سے اپنے اصل ہدف پر بڑھتا چلا گیا ہے۔ گریٹر اسرائیل کا قیام۔ مسجد اقصیٰ اور قبۂ صخرہ کو ڈھا کر ہیکل سلیمانی کی تعمیر۔ اسرائیل قدم بہ قدم انگریز حکومت سے اعلان بالفور (۱۹۱۷ء) کا پروانہ حاصل کر کے صلیبی صہیونی گٹھ جوڑ کے تحت فلسطینی خون بہاتا، زمینوں سے انہیں بے دخل کرتا ۲۰۲۱ء میں آن پہنچا ہے۔ نتیجہ یہ کہ سرزمین فلسطین کے اصل باشندے پوری دنیا میں مہاجر (Stateless) بنا کر بکھیر دیے گئے۔ اندر غزہ (روئے زمین کی سب سے بڑی انسانی جیل)، مغربی کنارہ میں اور مقبوضہ علاقوں میں اسرائیلی عرب کے نام سے رہ رہے ہیں۔ اعلان بالفور کے وقت یہودی آبادی فلسطین میں ۵۶ ہزار تھی یعنی ۵ فیصد سے بھی کم تھی۔ آج ۱۹۴۸ء میں قیامِ اسرائیل کے بعد یہ تعداد دس گنا سے زائد بڑھ چکی ہے۔ پوری دنیا میں بکھرے یہودی مقبوضہ فلسطین میں لا بسائے اور سرزمین کے حقیقی وارثوں کو دنیا بھر میں بکھیر دیا مہاجر کیمپوں میں، یا اجنبی ممالک میں۔ اس وقت جو الاؤ بھڑکایا ہے یہی مسلسل فلسطینیوں کا مقدر رہا۔ ۲۰۱۴ء میں ایسی ہی جنگ سات ہفتے جاری رہی اور بائیس سو (۲۲۰۰) فلسطینیوں کا خون پی کر ٹلی۔

کہانی آج بھی وہی ہے۔ امارات، بحرین و دیگر مسلم ممالک اسرائیل دوستی کے بخار میں مبتلا ہیں۔ اب غزہ کی عمارتوں کا خونچکاں ملبہ، ننھے بچوں کی آہیں کراہیں، سفید براق کفنائے ننھے پھول، برج خلیفہ سی بلند و بالا دوستی اور تعلقات پر نوحہ کناں ہیں، سوالیہ نشان ہیں۔ تاریخ سے ہم نے کوئی سبق نہیں سیکھا۔ دوست دشمن کی پہچان تک نہ ہو سکی۔ سورۂ فاتحہ نے کیا مانگنا سکھایا تھا، فر فر پڑھ گئے، فہم و فراست کے بغیر۔ مغضوب وضالین کی محبت کے اسیر۔ مرعوبیت کے مارے۔ نہیں دیکھ پاتے کہ سیکولرازم کا پرچارک مغرب، اسرائیل اور مسلمانوں کا معاملہ آتا ہے تو کٹر مذہبیت کا دورہ انہیں پڑ جاتا ہے۔ خواہ برطانیہ کا (نسلی طور پر مسلمان گھر کی اولاد) وزیر اعظم بورس جانسن ہو یا آنجہانی اشتراکیت کی خدائی کے دعویدار روس کا پوتن ہو (جو اب کٹر عیسائی ہے قدامت پرست!)۔ امریکہ، فرانس ہو یا جرمنی، آسٹریا۔ بیک زبان صلیبی صہیونی اتحادی، سیسہ پلائی دیوار میں ڈھلے کھڑے ہیں۔

جنگ عظیم دوئم کے بعد بننے والی مسلمان حکومتیں، آزادی کے نام پر بدترین فکری ذہنی غلامی کے اسیروں کے ہاتھ رہیں۔ ادھر سلطان عبدالحمید کا غیرت مندانہ جواب تاریخ میں جگمگا رہا ہے۔ یہودی لالچ، دباؤ، منت سماجت کے جواب میں خلیفہ سلطان نے کہا: 'پیسہ اپنے پاس رکھو۔ عثمانی کبھی دشمنوں کے مال سے کھڑے کیے محلات میں پناہ نہ لیں گے۔ دوبارہ جرأت مت کرنا۔ میں اس سرزمین کی مٹھی بھر خاک بھی نہیں دے سکتا۔ یہ میری ملکیت نہیں پوری امت مسلمہ کی ہے۔ امت نے اس کے لیے جہاد کیا اور اپنے خون سے اسے سینچا ہے۔ جب تک میں زندہ ہوں، سینے میں خنجر گھونپ لوں گا، زمین یہودیوں کو نہیں دوں گا'۔

ایمان اور غیرتِ دینی سے بھرا جواب خلافت کی میراث ہے، جو آج کے مسلمان جمہوروں کو آئینہ دکھاتا ہے! پھر خلافت ٹوٹ گئی۔ ہم جہاد سے نکل کر کفر کے دوست اور اتحادی بن گئے۔ جہاد کا تصور بھی بھیانک خواب بنا دیا گیا۔ جھوٹے نبی، علمائے سُوء کھڑے کر کے ارکان اسلام کے شوکت و عظمت قائم کرنے والے اس رکن کو قصہ ٔماضی بنا دیا گیا۔ اس کی جگہ ڈراموں میں جہاد ہو گا۔ عبادت سمجھ کر یہ ڈرامے دیکھے جائیں گے۔ ادھر فلسطینی شیر تنہا اپنی جانوں پر اسرائیلی وحشت و سربیت جھیل رہے ہیں۔

۲۰۰۱ء کی چھیڑی جنگ کا ابتدائیہ دیکھیں تو ایک پورا مذہبی فلسفہ اتحادی فوج میں سمویا ہوا نظر آتا ہے۔ 'ہرمجدون' پر لاکھوں کتابیں فروخت ہوئیں۔ یعنی وہ بہت بڑی جنگ (جسے احادیث میں ملحمة الکبریٰ فرمایا گیا ہے) جس کے بعد ان کے عقیدے کے مطابق مسیح (دجال) ورلڈ گورنمنٹ قائم کرے گا۔ یہودی میڈیائی پراپیگنڈا امریکی عوام میں یہ عقیدہ پھیلانے میں کامیاب رہا کہ اسرائیل خدا کی مرضی سے قائم ہوا اور عیسائیوں پر اس کی حفاظت لازم ہے۔ بش بہت سنجیدگی سے یہ سمجھتا تھا کہ عراق کی جنگ کے ذریعے وہ دروازہ کھلے گا جس سے بالآخر مسیح (الدجال) کے آنے کی راہ ہموار ہو گی۔ مسلمانوں کا حال اسلام سے جان چھڑانے کا رہا۔ حکمران، میڈیا، قیادتیں سبھی گریز پا رہیں۔ گلۂ وفائے جفا نما جو حرم کو اہلِ حرم سے ہے، کسی بت کدے میں بیان کروں تو صنم پکارے ہری ہری!

امریکی صدور اسرائیل کے حوالے سے کس درجہ وفاداری رکھتے ہیں اس کا اندازہ ان کے اظہار عقیدت سے ہوتا ہے۔ مثلاً، آنجہانی صدر ریگن کا کہنا تھا 'میرا عقیدہ ہے کہ آخری جنگ یروشلم میں لڑی جائے گی، جس میں مشرق سے مسلمانوں کی اور مغرب سے عیسائیوں کی فوج آئے گی اور بالآخر مسیح آ کر فتح حاصل کریں گے'۔ ریگن پابندی سے اس یہودی صومع میں حاضری دیتا تھا، جہاں اسرائیل کے لیے مزید زمین کے حصول کی دعا کی جاتی تھی واز جملہ امریکہ آمین باد! کلنٹن (سابق امریکی صدر) نے بھی کہا تھا 'میری تمنا ہے کہ میں اسرائیل میں مورچہ لگا کر رائفل سے اسرائیل کے دفاع کے لیے لڑنے کی سعادت حاصل کروں'۔ اب اگر امریکہ پوری

ڈھٹائی سے اسرائیلی مظالم کی پشت پناہی کر رہا ہے، تو کیا عجب ہے۔ پچھلے سال بھی امریکہ نے تین اعشاریہ آٹھ ارب ڈالر کی امداد اور پانچ سو ملین ڈالر میزائل دفاع میں اشتراک کی مد میں نچھاور کیے ہیں، عوام کے ٹیکسوں سے پیسہ نچوڑ کر، ۱۹۴۹ء سے اب تک پچاسی ارب ڈالر دے چکا ہے۔

امریکی عوام ان گناہوں میں شریک ہیں۔ امریکی عوام سیاہ فام جارج فلوئیڈ کو پولیس کے گھٹنے تلے دبا دیکھ کر سیاہ فام حقوق کی تحریک لیے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ پورے امریکا میں دو قسم کے بینر لہرا رہے تھے: 'سیاہ فام زندہ رہنے کا حق رکھتے ہیں'۔ اور فلوئیڈ کے دبے گھٹے الفاظ کا بینر: 'میں سانس نہیں لے سکتا'۔ عین یہی تصویر فلسطینی نوجوان کی اسرائیلی فوجی کے گھٹنے تلے سوشل میڈیا پر دیکھی جاسکتی ہے۔ یہ 'میں سانس نہیں لے سکتا' کی بہتر سالہ کہانی ہے۔ فلسطینی بیت المقدس، اقصیٰ کے اصل متولی، باسی، محافظ، سانس لینے، زندہ رہنے کا حق دنیا سے مانگ رہے ہیں۔ مغرب اور اسرائیل کا اشتراک ان کے حقوق اور سانسیں سلب کیے ہوئے ہیں۔ امریکہ اس جنگ میں اسرائیل کا سہولت کار ہے۔

دہشت گردی اگر کسی بلا کا نام ہے تو ریاستی دہشت گردی اور جنگی جرائم کا اسرائیل ڈٹ کر ارتکاب کر رہا ہے۔ امریکا خود غزہ حملے سے پہلے (حملے کے لیے؟) سات سو پینتیس (۷۳۵) ملین ڈالر کے درست نشانہ لگانے والے سمارٹ بم اسرائیل کو فراہم/فروخت کر چکا ہے۔ وہ مذمتی، نصیحتی بیان یا قرارداد تک اسرائیل کے خلاف پیش کرنے کی اجازت نہیں دے رہا تھا۔

جس عالمی برادری کو مخاطب کر کے قراردادیں پاس کرتے پکارا جاتا ہے، اس کا محل وقوع کیا ہے؟ کشمیر پر بھی ہم آزما چکے۔ روہنگیا پر مظالم، شام کی تباہی، یہ سب تنازعے نہیں ننگی جارحیت اور جنگی جرائم ہیں۔ عالمی برادری کانے دجال کی نمائندہ ہے۔ امریکہ چین کو ایغور مسلمانوں کی حق تلفی جتانے میں پیش پیش ہے اور چین اب امریکہ کو برا بھلا کہہ رہا ہے اسرائیل کی پشت پناہی پر! باریاں لگا رکھی ہیں مسلمان اجاڑنے پر!

امریکہ اور یورپ کا حقیقی چہرہ کھل کر سامنے آگیا۔ غزہ کی آزمائش کے آئینے میں سبھی کی حقیقت کھل گئی۔ جب دنیا بھر میں ان چودھریوں کو برا بھلا کہا جانے لگا تو پانی سر سے گزر تا دیکھ کر امریکہ لب کشا ہوا دھیرے دھیرے۔ اسرائیل کے بھرپور دفاع کے دنوں میں غزہ کو جی بھر کے ملبے کا ڈھیر بنا دیا گیا مسلسل شہری آبادی پر میزائل برسا کر۔ اب امریکی سینیٹ میں بھی فلسطینیوں کی حمایت کی قرارداد پیش ہوگئی۔ کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ، ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا! اب جنگ بندی ہوگئی۔ غزہ اور سبھی فلسطینیوں نے خو فزدگی اور رواداریوں بھرے اسلام کے پرچار اور غلغلے کے اس دور میں بے مثل شجاعت اور بھرپور مزاحمت کا غیر متزلزل مظاہرہ کیا ہے۔ شہدا کا خون سے تر چہرہ امت کی رگوں میں زندگی کی حرارت لوٹانے کا سامان ہے۔ شہید کی جو موت ہے وہ قوم کی حیات ہے۔ یہ امت کے لیے تریاق ہے۔ منتقلی خون کا عمل ہے بے جان، بے روح اجسادِ خاکی میں! سلام ہے فلسطین کے شیروں کو! ایسی چنگاری بھی یارب اپنے خاکستر میں تھی! جنگ بندی غزہ کی خاطر نہیں اسرائیل کے لیے ہوئی ہے۔ اہل غزہ نے جو ہزاروں راکٹ (پٹاخوں کے برابر تباہ کن میزائلوں کے مقابل) برسائے اس سے بارہ اسرائیلی ہلاک ہوئے لیکن خوف اور بے یقینی کی مسلسل کیفیت نے نفسیاتی طور پر اسرائیلیوں کا بھوسا بنا دیا۔ سو یہ احسان خود انہی پر ہے۔ نیتن یاہو کی سیاسی ناکامیوں کی مطلوبہ رفوگری کا کام بھی ہوگیا۔ سو یہ فتح اہل غزہ کو مبارک ہو۔ دونوں کامیابیاں سمیٹیں۔ شہادتوں سے سرخروئی اور بر سرزمین استقلال بھری اخلاقی فتح!

ان دو ڈھائی ہفتوں میں اسرائیلی عزائم کھل کر سامنے آگئے ہیں۔ یہ وقتی جنگ بندی پر ختم ہونے والی کہانی نہیں ہے۔ یعنی آگے چلیں گے دم لے کے! فتنۂ دجال آگے بڑھ رہا ہے۔ طبل جنگ بج چکا۔ ابراہیم معاہدات کی قلعی کھل گئی۔ اسرائیل کو یہ معاہداتی مسلم ممالک اف تک نہ کہہ سکے! اسرائیل کا براہیمت سے کیا واسطہ! یہی دجل اور دجالیت ہے اور یہ جنگ اس کی نمائندہ ہے۔

[یہ مضمون پہلے ایک معاصر اردو روزنامے میں شائع ہو چکا ہے۔ (ادارہ)]

☆☆☆☆☆

### رباط کیا ہے؟

”رباط کے بارے میں امام احمد ابن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ 'یہ جہاد کی اصل بھی ہے اور فرع بھی'۔ پس جن لوگوں کا گمان ہے کہ جہاد محض کسی معرکے میں شرکت یا دشمنوں پر کچھ گولیوں کی بوچھاڑ کرنے کا نام ہے تو اس کے بعد وہ آرام سے دنیا سے لطف اندوز ہونے کے لیے اس کی طرف لوٹ سکتے ہیں وہ بے چارے جہاد کو نہیں سمجھ سکے۔ جہاد تو طویل عرصوں تک رباط کرنے اور میدانوں میں جمے رہنے کا نام ہے جس کے دوران معرکوں میں شرکت کا موقع بھی ملتا ہے لیکن ان معرکوں کا وقت رباط میں گزرنے والے وقت کے بالمقابل بہت ہی تھوڑا ہے رباط کی اس طویل مدت میں اس نفس کو اللہ کی خاطر تنہائی سہنا پڑتی ہے اور اہل و عیال و عزیز و اقارب سے دوری کا کڑوا گھونٹ بھی پینا پڑتا ہے، ہو سکتا ہے کہ آپ پورا سال رباط کریں اور اس دوران ایک بھی کارروائی میں شرکت کا موقع نہ ملے لیکن انتظار میں گزرا یہ ہر لمحہ آپ کی نیکیوں کے پلڑے میں لکھ دیا جاتا ہے، یاد رکھیے! عجلت پسند لوگ کبھی بھی جہاد نہیں کر سکتے۔“

(شہید عالم ربّانی استاد احمد فاروق رحمہ اللہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم



امارت اسلامیہ افغانستان

# ملک میں چند غیر ملکی افواج کے قیام کی بابت امارت اسلامیہ کا اعلامیہ

حالیہ دنوں ذرائع ابلاغ کی خبریں اور رپورٹیں ہیں کہ ہو سکتا ہے چند بیرونی ممالک کی فوجیں ہمارے ملک میں ہوائی اڈوں اور یا سفارت خانوں کے تحفظ کے نام سے موجود رہ سکیں، اس حوالے سے درج ذیل امور قابل غور ہیں:

- امارت اسلامیہ افغانستان دنیا، خطے اور ہمسایہ ممالک کے ساتھ مثبت اور نتیجہ خیز تعلقات رکھنا چاہتی ہے۔
- ہمارا ملک اور قوم چار دہائیوں سے بہت سے مسائل اور مشکلات سے دست و گریبان ہے، اسی وجہ سے ہمیں بین الاقوامی، ہمدرد اور دوست ممالک کی بغیر کسی ایجنڈے اور انسانیت دوست امداد کی ضرورت ہے، ہم اپنی قوم کے لیے امداد چاہتے اور اس کا خیر مقدم کرتے ہیں۔
- افغان قوم اور امارت اسلامیہ کو کسی بھی نام یا ملک سے تعلق رکھنے والے فوجیوں کی موجودگی اپنے ملک میں قابل قبول نہیں ہے۔
- افغان سرزمین کے انچ انچ، ہوائی اڈوں، ملک میں غیر ملکی سفارت خانوں اور سفارتی نمائندگوں کی سلامتی افغانوں کی ذمہ داری ہے۔ لہذا ہمارے ملک میں کوئی بھی فوجی یا سیکورٹی فورس موجود رہنے کی توقع کرے اور نہ ہی انہیں ایسا قدم اٹھانا چاہیے، جس کے نتیجے میں اقوام اور ممالک کے درمیان تعلقات کشیدہ ہو جائیں۔
- اگر کوئی ایسی غلطی کرے گا، تو افغان قوم اور امارت اسلامیہ اسے غاصب کی نگاہ سے دیکھے گی اور اس کے خلاف ایسا موقف اختیار کرے گی، جیسا کہ تاریخ کے ادوار میں استعمار کے خلاف اختیار کیا اور اس کی ذمہ داری پھر ان ہی پر عائد ہو گی۔

امارت اسلامیہ افغانستان

۲ ذوالقعدہ ۱۴۴۲ھ ق

۲۲ جوزا ۱۴۰۰ھ ش

۱۲ جون ۲۰۲۱ء

# امارتِ اسلامیہ کی کامیابی کا راز

جلال الدین حسن یوسف زئی

زیر نظر مضمون امارت اسلامیہ افغانستان کے نشریاتی ادارے ''منبع الجہاد'' کی ایک دستاویزی فلم کا اردو استفادہ ہے، لہٰذا زیر نظر تحریر کا انداز بھی دستاویزی فلم کی تعلیق (commentary) جیسا ہے۔ (جلال الدین حسن یوسف زئی)

سیاسی، اقتصادی اور بھر پور فوجی طاقت رکھنے والا امریکہ، دنیا بھر میں ایک عظیم شیطانی اور انٹیلی جنس قوت ہے۔ اسی مغرور و متکبر امریکہ نے اپنے صلیبی اتحادیوں کے ساتھ مل کر افغانستان پر حملہ کیا، افغانستان کو اپنے قبضے میں لیا اور مفاسد سے بھرا ہوا اپنا بنایا گیا نظام جمہوریت کی شکل میں خائن و مجرم افراد کی حاکمیت و سرپرستی میں دے کر افغانستان پر مسلط کر دیا۔ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ امریکہ کو افغانستان میں سخت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ لوگوں کی نظروں میں امریکہ کی شکست ناممکن تھی۔ لیکن کائنات کا حقیقی مالک و خالق اللہ رب العزت ہے، ہمارے قہار و جبار رب کی یہ سنت ہے کہ اس نے کمزور و ناتواں بندوں کے ہاتھوں خدائی کے دعوے دار بڑے بڑے متکبرین کے تکبر کو خاک میں ملایا ہے۔ اللہ رب العزت کی نصرت کے سہارے امارت اسلامیہ افغانستان کی قیادت میں، مسلمان و مجاہد افغان غیرت مند قوم نے اپنی جہادی ضربوں کے ذریعے آج امریکہ اور اس کے تنخواہ دار نوکروں کو شکست سے دوچار کر دیا اور اپنی شکست کا اعتراف آج ان کی عسکری و سیاسی شخصیات خود اپنی ہی زبان سے کر رہی ہیں۔ جانی و مالی نقصانات اُٹھا کر آج ان میں مجاہدین کے سامنے ڈٹنے کی ہمت نہیں، ان کی شیطانی حیلہ سازیوں اور پراپیگنڈوں سے پوری دنیا آگاہ ہے اور ان کے تنخواہ دار نوکر، کابل انتظامیہ کی صورت میں شکست خوردہ ہو کر اپنے امریکی آقاؤں کی مانند بھاگنے کی تیاری میں ہیں۔

آج امریکہ ایک طویل تھکا دینے والی جنگ کے بعد ناکام و شکست خوردہ ہو کر ان مجاہدینِ طالبان سے صلح کی بھیک مانگ رہے ہیں، جن کو کل تک یہ امریکہ دہشت گرد و شدت پسند کہتا آرہا تھا اور یہاں تک کہ ان کو زمین کے اوپر زندگی گزارنے کا حق بھی حاصل نہیں تھا۔

وہ کیا عوامل ہیں جن کی وجہ سے امارت اسلامیہ کے مجاہدین، امریکہ، اس کے اتحادی اور تنخواہ دار نوکروں کو شکست دے کر فاتح بنے؟ ان عوامل میں سے چند اہم کو نقاط کی صورت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ ان نقاط میں جہادی تحریکوں کے استفادے اور کامیابی کے لیے بھی اہم اسباق ہیں:

1. افغان قوم نے امارت اسلامیہ کی قیادت میں کم وسائل و اسباب کو بروئے کار لاتے ہوئے امریکہ، اس کے اتحادی اور غلاموں کے خلاف کم و بیش بیس سال صبر و ثبات، استقامت اور بہادری کے ساتھ جہاد و قتال کیا۔
2. امریکہ، اس کے اتحادیوں اور غلاموں کے سخت مظالم کے باوجود مجاہدین نے جہاد، قتال اور مزاحمت کا راستہ نہیں چھوڑا۔ نہ ہی یہ مظالم اور جنگ کی طوالت ان کو اس بات پر مجبور کر سکی کہ وہ اپنا منہج جہاد تبدیل کر کے افراط و تفریط کا شکار ہو جائیں۔
3. امارت اسلامیہ نے اللہ رب العزت کی نصرت اور اپنی مدبرانہ صلاحیتوں کی بدولت اپنے جہادی عمل سے عوام کو متنفر نہیں کیا، بلکہ ان کو اپنا بنایا اور انہی عوام کی گود میں پناہ لی۔
4. امارت اسلامیہ نے شریعت کے ماتحت اپنی حکیمانہ خارجی سفارت و سیاست سے امریکہ کو یہ موقع نہیں دیا کہ وہ طویل عرصہ میں دوسرے ممالک کو افغان قوم کے ساتھ لڑائی میں اپنے مقاصد کے حصول کے لیے استعمال کرتے ہوئے دھوکہ دے سکے۔
5. امارت اسلامیہ نے دنیا بھر کی جہادی تحریکوں کے ساتھ اسلامی اخوت کا ثبوت دیتے ہوئے تکبر اور خود غرضی سے اپنے آپ کو اور جہاد کو بچائے رکھا۔
6. امارت اسلامیہ نے اپنی عسکری و جہادی قوت کو ایک ایسی طرز پر، منظم طریقے سے ترتیب دیا جس میں دشمن کے استخباراتی اداروں کا اثر و رسوخ اور گھسنا کم سے کم تھا۔
7. امارت اسلامیہ نے حکومتی نظام کو ترتیب دینے اور قیادت کے انتخاب کے لیے اصل اسلامی شورائی نظام تشکیل دے کر اپنی جہادی تحریک کو غلط راستوں پر چلنے سے بچائے رکھا۔
8. امارت اسلامیہ کی قیادت شروع سے لے کر آج تک جید، حق پرست اور مجاہد علمائے کرام نے کی ہے اور کر رہے ہیں۔
9. امارت اسلامیہ کی جہادی، سیاسی اور عسکری رہنمائی ہمیشہ شریعتِ مطہرہ کے سائے میں ہوئی ہے اور ملک کے جو علاقے مجاہدین کے ہاتھوں میں ہیں، وہاں ماضی کی مانند اب بھی اسلامی نظام کا قیام ہے۔

امارت اسلامیہ کے اس مبارک جہادی، عسکری اور سیاسی منہج و فکر نے اُمت مسلمہ کی مایوسی کو امید میں تبدیل کر دیا ہے۔ جب خلافت عثمانیہ کا بلند مینار مسمار ہوا اور مسلمان......

(باقی صفحہ نمبر 54 پر)

# ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ !

محترمہ بنتِ طاہر صاحبہ

**۲۰۱۸ء** میں ٹرمپ انتظامیہ نے پاکستانی امداد "do more" کا حکم دے کر روک دی تھی۔ ۲۰۲۰ء کے الیکشن کے فوراً بعد سول امداد کی جو پہلی قسط امریکی کانگریس نے پاکستان کے لیے منظور کی ہے تو اعلان ہوا کہ اس امداد کا بڑا حصہ عورتوں کے لیے اور ان کو اعلیٰ تعلیم کے مواقع فراہم کرنے پر خرچ کرنے کے لیے جاری کیا گیا ہے۔ پاکستانی مسلمان عورتوں کے حقوق کا علمبردار امریکہ جو شام، عراق، فلسطین، صومالیہ، افغانستان، کشمیر، مالی، الجزائر، چیچنیا، بوسنیا اور برما ہر جگہ خود 'بنفس نفیس' یا اپنے حواریوں کے ذریعے مسلمان عورتوں کے گھروں کو اجاڑتا رہا ہے ،مسلمان عورتوں سے ان کے باپ ،بھائی، بیٹے اور شوہر چھینتا رہا ہے ،ان مسلمان عورتوں کی عصمتوں کو تار تار کرنے والا یہ "امریکہ" پاکستانی مسلمان عورتوں کے حقوق کا علمبردار اور ان کو اعلیٰ تعلیم دلوانے چلا ہے!

ہیں کواکب کچھ، نظر آتے ہیں کچھ
دیتے ہیں دھوکہ، یہ بازی گر کھلا

آپ کو امریکہ کا اصل چہرہ دیکھنا ہے تو فلسطین کے کیمپوں میں بسنے والی مسلمان عورتوں کو دیکھیے جو پینے کا پانی دور دور سے لے کر آتی ہیں۔ صفائی ستھرائی تو کُجا بنیادی ضروریات زندگی ان کے یہاں ناپید ہیں۔ ۱۹۶۷ء کے بعد سے یہ کون کر رہا ہے؟ امریکہ اور انگریزوں کی ناجائز اولاد اسرائیل، معصوم بچیوں کا اغوا اور جوان عورتوں کی عصمت دری ہو رہی ہے۔ شام میں عورتوں کے باپ، شوہر ،بیٹے، بھائی چھین کر ان کو کیمپوں میں مقید کر کے ایک ایک روٹی کو ترسانے والے اور ان کو جنسی طور پر ہراساں کرنے والے، ان کی عصمتوں کو تار تار کرنے والے کون ہیں؟ امریکہ، اس کا حواری بشار اور اس کی ملیشیا اور اس کو مدد دینے والے ممالک۔

افغانستان میں بیس سال سے عورتوں کے باپ، بھائی، بیٹوں، شوہروں کے خون سے ہاتھ رنگنے والا امریکہ، عراق میں دس لاکھ بچے اور ایک کروڑ سے زائد عراقیوں کا خون کرنے والا، یتیمی و بیوگی کے داغ دینے والا امریکہ......اس کو پاکستانی عورتوں کے حقوق اور اعلیٰ تعلیم کی فکر؟

اور دیکھیے برصغیر میں اس شیطان اکبر کے سب سے بڑے چیلے ہندو بنیے کا چہرہ۔ کس نے کشمیر میں ہماری مسلمان بہنوں سے ان کے باپ، بھائی، بیٹے اور شوہر چھین کر، ان کی عصمتوں کو تار تار کر کے، ان کی لاشوں کو دریائے نیلم میں بہا بہا کر، جموں و کشمیر کو جبراً اپنا حصہ بنا کر، رنگ رلیاں، خون کی ہولیاں منائیں؟ اس ہندو بنیے کو کس کی آشیر باد حاصل ہے ؟ کیا امریکہ کے علاوہ بھی کوئی ہے جو سلامتی کونسل میں ہندوؤں کے تمام مظالم پر بھارت کا ساتھی بنا رہتا ہے؟ کس نے اپنے ملک ہندوستان میں NRC کا کالا قانون پاس کر کے ہماری مسلمان بہنوں کو سڑکوں پر مہینوں احتجاج کے لیے بٹھائے رکھا، موسم کی سختیوں کا بھی خیال نہ کیا (انسانیت ہوتی تو کرتے)؟!

برما میں مسلمان عورتوں کے ساتھ کیا کچھ نہ ہوا۔ ان کے شوہروں کو، باپوں، بھائیوں، بیٹوں کو ان کے سامنے جلا دیا گیا اور اس سے پہلے ان مظلوم عورتوں کی عصمتیں تار تار کر کے ان کو برہنہ چھوڑ دیا یا قتل کر دیا گیا۔ ان عورتوں کے سینوں اور پیٹھوں سے گوشت کاٹ کر برمی درندوں نے کباب بنائے، ایسی درندگی تو شاید تاریخ میں کسی اور نے نہ کی ہو گی۔ اس برما میں مسلمانوں کی قاتل، خونی ڈائن آنگ سان سُوچی کو امن کا نوبیل انعام دینے کے پیچھے اور پھر جو قیامت برما میں برپا ہوئی اس پر پیٹھ ٹھونکنے والا کون ہے؟ پھر اس سارے ظلم پر خوشیاں مناتا ہوا مودی بنیا برما پہنچتا ہے اور حکومت کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر تائید کرتا ہے کہ جو کیا اچھا کیا ،میں تمہارے ساتھ ہوں جو کرنا ہے مسلمانوں کے ساتھ کرو، مسلمان عورتوں کے ساتھ جس درندگی کا مظاہرہ کرنا ہے کرو۔

دراصل اس شیطان امریکہ کو اب فکر یہ کھائے جا رہی ہے کہ پاکستان میں اپنی فوجیں اتارے بغیر، عام پاکستانی مسلمانوں کے خلاف لڑائے بغیر یہاں کی نوجوان نسل کو برباد کرنے کے لیے کیا کیا جائے؟ اس کو اِن سے اسلامی نظریہ اور عقیدہ چھیننا ہے اور ابھی تک جو پاکستانی نوجوانوں کو ان کی مسلمان مائیں یہ نعرہ سناتی آئی ہیں کہ پاکستان کا مطلب کیا "لا الہ الا اللہ" یعنی عبادت کے لائق صرف اللہ رب العزت کی ذات ہے اور حکم بھی اس کا اس کی سرزمین پر تو اس کو کیسے ختم کروایا جائے؟

پیاری بہنو! جس اللہ رب العزت نے آپ کو الحمد اللہ انسان اور مسلمان بنایا، جس کے ہاتھ میں آپ کی زندگی، موت، رزق اور تقدیر سب کچھ ہے اس رب العزت کے خلاف شیطانِ لعین نے حضرت آدمؑ، حضرت حوا کو بہکایا تو آپ اور میں کیا حیثیت رکھتے ہیں۔ آج کا شیطان امریکہ اور اس کی ناجائز اولاد اسرائیل اور اس کا سب سے بڑا چیلا ہندو بنیا اسی شیطان لعین کا کردار ادا کر رہے ہیں، بلکہ اصل میں یہ اسی کے پجاری ہیں۔ جس ذات کے ہاتھ میں پیدائش سے لے کر اور موت کے بعد ہمیشہ کی زندگی کے تمام معاملات ہیں اس ذات کے احکام کی نفی کر کے نہ اس دنیا کا سکون ملنے والا ہے اور آخرت کا انجام تو انہی کے ساتھ ہو گا جن کے نظام کو، احکامات کو، معاشرت کو اور دین بمعنیٰ لائف اسٹائل عملاً و عمداً قبول کیا ہو گا۔ نعوذ باللہ من ذلک!

یہ شیطان امریکہ اور اس کے حواری یہود و نصاری اصل میں یہ چاہتے ہیں کہ پاکستانی عورت کے اندر سے شرم و حیا ختم کر دی جائے جس کا ثبوت پاکستان میں عورت مارچ اور حقوق نسواں کی ریلیاں ہیں جس میں بیٹیاں اور بہنیں جس لباس میں (اگر ان چیتھڑوں کو لباس مان لیا جائے) اور جن غلیظ جملوں کے بینرز اٹھا کر بڑی 'شان' سے سڑکوں پر نکلی تھیں اور پھر دجالی میڈیا نے اس کی پوری کوریج کی تھی، دل اور دماغ قبول ہی نہیں کرتے کہ اس میں شرکت کرنے والی خواتین ہمارے محترم مسلمان بھائیوں اور بہنوں کی بیٹیاں ہیں ؟ یا ان کو صلیبی صہیونی وہندو گٹھ جوڑ نے لا کر پاکستانی عورت کے روپ میں مسلمان معاشرے میں جمع کیا ہے ؟

آج ہماری پاکستانی یونیورسٹیز کا جو حال ہے اس میں جس لباس میں ہماری بیٹیاں آتی ہیں، جہاں نشہ با آسانی دستیاب ہے، جہاں کے ہوسٹلوں میں لڑکے لڑکیاں اکٹھے راتیں گزارتے ہیں، یہ یونیورسٹیاں اس قابل نہیں رہی کہ کوئی عزت دار ماں باپ اپنی باحیا بیٹیوں کو تعلیم حاصل کرنے کے لیے بھیج سکیں۔

پاکستانی عورتوں کے حقوق اور ان کی اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے بے چین اور پریشان حال امریکہ حقیقت میں نیو ورلڈ آرڈر اور عالمگیریت (globalization) کے تیسرے اور چوتھے میدان تہذیبی عالمگیریت اور معاشرتی عالمگیریت کو کامیاب بنانے کے لیے یہ سارے پاپڑ بیل رہا ہے۔ جس کا مقصد تمام تہذیبوں کو ختم کر کے مغربی تہذیب کو پوری دنیا میں پھیلانا ہے جس کا ثبوت پاکستانی معاشرے میں لباس، کھانے، مشروبات، میک اپ، تعلیم پر مغربیت کی چھاپ ہے اور انٹرنیٹ تو اس کا سب سے بڑا ہتھیار ہے جو جنسی بے راہ روی اور فحاشی کو پھیلانے میں بھرپور کردار ادا کر رہا ہے۔ معاشرتی عالمگیریت کے لیے معاشرے کو تبدیل کرنا ہے اور معاشرے کو تبدیل کرنے کے لیے خاندان کو بدلنا ضروری ہے اور خاندان کا سب سے آسان شکار "عورت" ہے، جس کو استعمال کر کے پہلے خاندان اور پھر پورے معاشرے کی اخلاقی اقدار تباہ کرنے کی کوششیں جاری وساری ہیں۔

میری عزیز بہنو! آپ کے تمام حقوق کا علمبردار آپ کا اپنا دین اسلام ہے، جس نے عورت کو عزت، مقام، وراثت میں حصہ، معاشی طور پر مستحکم ہونے کا حق دلوایا۔ اسلام کے دشمنوں کے ہاتھ میں کھیل کر آپ اپنے حقوق حاصل نہیں کر سکتیں۔ یہ اسلام کے دشمن آپ کو اسی روپ میں دیکھنا چاہتے ہیں جس روپ میں انہوں نے اپنی عورت کو ڈھالا ہے۔ وہ عورت جو آج یہ سمجھتی ہے کہ وہ جیسی ہے ایسا ہی اس کو ہونا چاہیے۔ جس کے لیے خاندان، گھر، شادی، اولاد سب غیر ضروری چیزیں ہیں۔ جو مادیت کا شکار ہم جنس پرستی کو قانونی حیثیت دلوا کر، اسقاط حمل کو قانونی طور پر جائز قرار دلوا کر خوش ہو رہی ہے، یہ شیطان کے چیلے صلیبی یہودی وہندو گٹھ جوڑ آپ کو اسی فحش عورت کے روپ میں دیکھنا چاہتے ہیں، کیونکہ یہ عقیدے کی جنگ ہے نہ کہ ملکوں کی اور بادشاہتوں کی جنگ۔ اس کو ثابت کرنے کے لیے میں آپ کو تاریخ اوراق سے بتانا چاہتی ہوں کہ صلیبی جنگوں کے دوران ایک کانفرنس منعقد کی گئی کہ نور الدین زنگی اور صلاح الدین ایوبی کو کس طرح شکست دی جائے۔ اس وقت کا صلیبی بادشاہ "آگسٹس" انتہا درجے کا شیطان فطرت صلیبی حکمران تھا جو اسلام دشمنی کو عبادت سمجھتا تھا۔ اس نے اپنے انٹیلی جنس اداروں کے جرمن نژاد سربراہ "ہرمن" سے کہا ہرمن تمہاری نگاہ محدود ہے تم صرف صلاح الدین ایوبی اور نور الدین زنگی کو دیکھ رہے ہو، ہم اسلام کو دیکھ رہے ہیں اس مذہب کی بیخ کنی کرنی ہے تو اس کے لیے اخلاق کشی اور نظریات میں شکوک پیدا کرنا لازمی ہے، مسلمانوں میں ایسی تہذیب رائج کرو جس میں کشش ہو (جس طرح آج مسلمان حکمرانوں کو عورت، شراب، دولت اور حکمرانی کے نشے میں ڈبو کر اسرائیل کو تسلیم کرالیا گیا ہے) یہ ضروری نہیں کہ ہم اپنا مقصد اپنی زندگی میں حاصل کر لیں ہم یہ کام اپنی اگلی نسل کے سپرد کر دیں گے۔ کچھ کامیابی وہ حاصل کرے گی اور پھر وہ اگلی نسل کے سپرد کر دے گی، پھر ایک دور ایسا آہی جائے گا کہ اسلام کا نام ونشان مٹ ہی جائے گا۔ اگر اسلام زندہ رہا تو اس مذہب پر چلنے والی مائیں کسی صلاح الدین ایوبی اور کسی نور الدین زنگی کو جنم نہیں دے سکیں گی، میں وثوق سے کہتا ہوں کہ مذہب مسلمانوں کا ہو گا، لیکن دراصل یہ مذہب ہماری تہذیب میں رنگا ہوا ہو گا۔

یہ کانفرنس ۱۱۷۹ء میں ہوئی تھی۔ اتنی صدیاں گزر جانے کے بعد بھی یہودی صیہونی لابی اسی عزم پر عمل پیرا ہے، لیکن یہ صلیبی صیہونی سوچ ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ 'تم ہی غالب رہو گے اگر تم ایمان والے ہو'۔

میری بہنو! آپ کا حق ہے کہ آپ زندگی کے ہر شعبے میں اعلیٰ تعلیم حاصل کریں۔ آپ اپنے گھر کے معاش میں واقعی ضرورت پڑنے پر حصہ ڈالیں، مگر یہ حق آپ کو اللہ رب العزت کے حکم کی نفی کرتے ہوئے حاصل نہیں کرنا ہے۔ اللہ کا فرمان ہے

وَقُل لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ (سورۃ النور: ۳۱)

"اے نبی ﷺ، مسلمان عورتوں کو حکم دو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں، اور اپنا بناؤ سنگھار نہ دکھائیں، مگر جتنا خود ہی ظاہر ہو جائے اور اپنے سینوں پر اپنی اوڑھنیوں کے آنچل ڈالیں رکھیں۔"

یعنی آپ کو چار دیواری سے باہر قدم نکالنا ہے تو اپنے مالک حقیقی کا حکم مانتے ہوئے باحیا اور باحجاب عورت کے روپ میں باہر نکلنا ہے، چاہے آپ بیوی، بیٹی، بہن یا ماں ہوں۔ کائنات کے سب سے سچے انسان اور عورت کو سب سے زیادہ عزت خود بھی اور اپنے دین کے ذریعے بھی دینے والے نبی کریم ﷺ کا قول ہے:

"حیا کا نتیجہ صرف خیر ہے"۔ اور ایک روایت میں ہے کہ "حیا ساری کی ساری خیر ہی ہے"۔ (بخاری)

اور حضرت زید بن طلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ:

"ہر دین کی ایک خاص عادت ہوتی ہے اور اسلام کی عادت حیا ہے۔"

تو خدارا اپنے خالقِ حقیقی کے حکم سے دست بردار نہ ہوئیے، وہ رب ذوالجلال والاکرام تو پلک جھپکنے میں پوری دنیا کو کورونا کے عذاب میں مبتلا کر سکتا ہے اور پھر خود بخود ساری اسلامی دنیا 'سیف ڈسٹینسنگ(safe distancing)اور 'ہینڈ واشنگ' کے احکامات کو مانتی ہے اور ماسک ہے، یعنی ایک دوسرے کے قریب بھی نہیں ہوتے، اپنے ہاتھوں کو بھی پاک کرتے رہتے ہیں اور چہرہ بھی چھپاتے ہیں (کاش میری بہنیں حجاب، نامحرم سے اختلاط سے بچاؤ اور اپنے آپ کو گناہوں سے پاک کرتی رہیں)۔ اگر اب بھی اس عالمی وبا کی صورت میں خدائے لم یزل کا عذاب جو وہ سب سے بڑے شیطان امریکہ اور اس کے حواریوں پر نازل کر رہا ہے دیکھ کر ہم لوگوں کو ہوش نہ آیا تو پھر اللہ تعالیٰ اس سے بڑا عذاب بھیج سکتے ہیں تاکہ لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف پلٹیں جس طرح اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ○(سورۃ السجدۃ:۲۱)

"اور البتہ ہم ضرور چکھائیں گے ان کو چھوٹا عذاب بڑے عذاب سے پہلے، تاکہ وہ ہماری طرف پلٹیں۔"

اور سورۃ الروم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ○(سورۃ الروم:۴۱)

"بحر و بر میں انسانوں کی بد اعمالیوں کے باعث فساد برپا ہوگا تاکہ اللہ انہیں ان کے بعض اعمال کا مزہ چکھائیں، عجب نہیں کہ وہ اللہ کی طرف لوٹ آئیں۔"

سو سعادت مند ہیں وہ لوگ جو عبرت حاصل کرتے ہوئے استغفار کریں اور اپنے آپ کو اپنے رب کے احکام کا پابند کرتے ہوئے زندگی گزاریں۔

میری بہنو! ذرا سوچیے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بیش بہا نعمتیں عقل، کان، ناک، ہاتھ، پاؤں وغیرہ کی صورت میں عطا فرمائی ہیں اگر یہ نعمتیں آپ کو نہیں ملتی تو آپ کی حیثیت اس زمین پر کیا ہوتی؟ ان نعمتوں کو خیر کے لیے استعمال کیجیے۔ اپنے آپ کو اور اپنی نسل کو اور اپنی امت کو اس دھوکے میں پڑنے سے بچائیے کہ امریکہ آپ کو حقوق دلوانے کے لیے تڑپ رہا ہے وہ تو آپ کا نظریہ، عقیدہ، و مذہب بدلنے کی کوشش کر رہا ہے تاکہ آپ کا انجام اللہ نہ کرے آخرت میں انہی کفار کے ساتھ ہو۔ اور جو ان کا ساتھ عملاً و عمداً دے گا وہ اہلِ کفر و نفاق کی صف میں شامل ہو جائے گا۔

إِنَّ اللَّهَ جَامِعُ الْمُنَافِقِينَ وَالْكَافِرِينَ فِي جَهَنَّمَ جَمِيعًا ○(سورۃ النساء:۱۴۰)

"بے شک اللہ تعالیٰ منافقین و کافروں کو جہنم میں ایک ساتھ جمع کرنے والے ہیں۔"

اللہ تعالیٰ تمام مسلمان بہنوں اور بھائیوں کو اس انجام سے محفوظ فرمائے، آمین یارب العالمین!

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمین

وصلی الله علی نبینا محمد وعلی آله وصحبه وسلم!

## ہے جہاد صبر میں بھی، یہ جہاد کرتے رہنا!

"یہ راستہ انتہائی مشکلات کا راستہ ہے، قدم قدم پر لاشیں، قید و بند کی صعوبتیں، تعذیب و تحقیر کی گھاٹیاں، پیاروں کا بچھڑنا، عزیز ترین ساتھیوں کا جدا ہوا اس راہ کے معمولات ہیں۔ ہر طرف سے دشمن کا گھیراؤ، ہر وقت بمباری کا خوف اور میزائلوں کا نشانہ بننے والے کٹے پھٹے اعضا اس راہ کی منزلیں ہیں۔ بیگانوں سے تو شکوہ ہی نہیں یہاں تو اپنوں کی زبانوں سے نکلنے والے زہریلے نشتر ہماری روحوں تک کو گھائل کر دیتے ہیں۔ جاہل واجڈ، شدت پسند و بنیاد پرست، را اور امریکہ کے ایجنٹ اور نہ جانے کیا کیا!!! اسی لیے مجاہدین کے حوالے سے خصوصاً "ولا یخافون لامۃ لائم" کی صفت کا تذکرہ ہوا ہے۔

ان تمام باتوں کے مقابلے میں مجاہدین کا ہتھیار صبر و استقامت ہے کیونکہ صبر ہی نصرت کا ذریعہ ہے اور پھر یہ اللہ کی طرف سے عائد کردہ فریضہ ہے جسے ہم عبادت سمجھ کر بجا لاتے ہیں اور اس پر لا محدود اجر کی امید رکھتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُم بِغَيْرِ حِسَابٍ (سورۃ الزمر:۱۰)

"بلاشبہ صبر کرنے والوں کو ان کا پورا اجر کسی شمار کے بغیر ہی دیا جائے گا۔"

(شیخ مصطفیٰ ابوالیزید شہیدؒ)

# پاکستانی شی جن پنگ

وسعت اللہ خان

وسعت اللہ خان ایک سیکولر صحافی ہے، لیکن زیرِ نظر تحریر میں اس نے نظامِ پاکستان اور پاکستان کے حکمرانوں کی جو 'منافقانہ' تصویر عیاں کی ہے اس سے اتفاق کیا جا سکتا ہے۔ نوجوان مجاہد و اسلامی صحافی 'سیلاب خان' نے وسعت اللہ خان کے بی بی سی اردو ڈاٹ کام پر شائع ہونے والے ایک کالم کے منتخب حصے اپنے حاشیوں کے ساتھ مجلّہ 'نوائے غزوۂ ہند' کی مجلسِ ادارت کو ارسال کیے، جنہیں شائع کیا جا رہا ہے۔ برادر سیلاب خان کے حاشیوں کے آگے (س خ) کے دستخط درج ہیں۔ (ادارہ)

چینی کمیونسٹ پارٹی کے قیام کی ایک صدی مکمل ہونے پر وزیرِ اعظم عمران خان نے چینی نظامِ ریاست و حکومت کو جس طرح خراجِ تحسین پیش کیا اگر وہ انہی جذبات کا اظہار اب سے پچاس برس پہلے کرتے تو نہ صرف سرخوں کے کاسہ لیس بلکہ قومی سلامتی کے لیے خطرہ بھی کہلاتے۔ سی آئی ڈی ان کے پیچھے ہوتی اور وہ انڈر گراؤنڈ ہوتے۔[1]

مگر وقت کی یہی خوبصورتی ہے کہ کل جو ناخوب ہوتا ہے وہ آج خوب ہو جاتا ہے۔

خان صاحب نے چینی صحافیوں سے گفتگو میں چینی نظام کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے فرمایا 'اب تک ہمیں یہ بتایا گیا کہ مغربی جمہوریت سماج سدھارنے کا بہترین نسخہ ہے مگر چینی کمیونسٹ پارٹی نے ایک متبادل مثالیہ متعارف کروایا جس نے سماج میں میرٹ کے اصول کو بالا رکھتے ہوئے تمام مغربی جمہوریتوں کو مات دے دی۔'

'اب تک ہم یہی سمجھتے تھے کہ انتخابی جمہوریت ہی اہل و قابل قیادت کو اوپر لانے اور اسے جوابدہ بنانے کا بہترین راستہ ہے مگر چینی کمیونسٹ پارٹی نے اس تصورِ جمہوریت کے بغیر زیادہ بہتر نتائج حاصل کیے۔ ان کا باصلاحیت افراد کو پرکھ کر اوپر لانے کا طریقہ جمہوری نظام سے کہیں بہتر ہے۔'[2]

'ہمارا سماج ہو کہ مغربی جمہوریتیں، ان کے ذریعے تبدیلی لانا اس لیے مشکل ہے کیونکہ وہ قوانین و ضوابط کے تابع ہیں۔ جمہوریت میں صرف اگلے پانچ برس کی منصوبہ بندی کی جاتی ہے۔'[3]

'چینی صدر شی جن پنگ نیچے سے جدوجہد کرتے ہوئے اوپر تک آئے۔ کوئی شخص ایک طویل جدوجہد اور محنت کے نتیجے میں ہی لیڈر بنتا ہے۔ اس عمل سے مغربی جمہوریتیں محروم ہیں۔ ایک امریکی صدر اس طرح کی آزمائش اور محنت سے نہیں گزرتا۔'[4]

'جب شی جن پنگ جیسی شخصیات عمل کی بھٹی سے گزر کر اوپر تک پہنچتی ہیں تو پھر وہ نظام کو مکمل طور پر سمجھتی ہیں اور یہ چینی نظام کی ایک انمول خوبی ہے۔'

اب مجھ جیسے لال بھجکڑ یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ کیا خان صاحب ریاستِ مدینہ چینی ماڈل پر استوار کرنا چاہتے ہیں یا چینی ماڈل اور ریاستِ مدینہ کے تصور کو ایک ہی شے سمجھتے ہیں اور پھر اس میں ان کا پسندیدہ 'قائدِ اعظم اور علامہ اقبال' کا خواب کہاں ایڈجسٹ ہوتا ہے اور اسی ماڈل میں اسکینڈے نیویا کی فلاحی ریاست کا ماڈل کیسے گھسایا جا سکتا ہے۔

(باقی صفحہ نمبر 127 پر)

[1] وسعت اللہ خان جوانی سے اب تک کے بڑھاپے تک ایک لادین سیکولر ہے۔ جوانی میں وسعت اللہ کا اندر باہر 'سرخہ' ہوتا تھا جبکہ حالات اور تقاضائے عمر کے تحت اب صرف اندر سے سرخہ ہے۔ (س خ)

[2] ایک لمحے کو 'جمہوریت' بمقابلہ 'اسلام' کی بحث کو بھول جاتے ہیں۔ اب دنیا میں غلغلہ محض یہ ہے کہ آج 'اینڈ آف ہسٹری' کے زمانے میں انسانوں نے مشترکہ طور پر جو بہترین نظام تشکیل دیا ہے وہ جمہوریت ہے (مغربی و مشرقی، صدارتی و پارلیمانی، اسلامی وِسلامی کی بحث بھی چھوڑ دیجیے)۔ ابھی ڈیڑھ دو ماہ پہلے باجوہ کی زیرِ سربراہی ہونے والے اجلاس میں (جس میں تمام پارٹیوں نے شرکت کی) باجوہ نے (بابائے جمہوریت بنتے ہوئے) امارتِ اسلامیہ افغانستان، القاعدہ اور دیگر 'شدت پسند / قدامت پسند / دہشت گرد تنظیموں' وغیرہ کے نظریات کی بات کی اور ساتھ میں امارت اسلامیہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ "طالبان کے طرزِ عمل نے ثابت کیا ہے کہ ان میں اور القاعدہ میں نظریاتی طور پر کوئی فرق نہیں ہے اور طالبان قوت کے ذریعے اقتدار حاصل کرنا چاہتے ہیں، یہ جمہوریت پر یقین نہیں رکھتے۔ اگر طالبان کا یہی رویہ رہا تو ہمیں ان کے متعلق اپنی پالیسی بدلنی ہو گی" (جیسے کرائے پر کام کرنے والوں کی اپنی بھی کوئی پالیسی ہوتی ہے، بہر کیف!)۔
یہ سب باتیں ذکر کرنے کا مقصد یہ تھا کہ 'جمہوریت' وہ دین و نظام ہے جس کے بارے میں گفتگو منع ہے اور امریکہ سے لے کر پاک فوج کے حوالداروں اور صوبیداروں تک کا یہی نظریہ ہے کہ جمہوریت ہونی چاہیے اور جو جمہوریت کے خلاف بات کرے وہ مجرم۔ لیکن عمران خان نے بھی غالباً کمیونسٹ پارٹی کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے جمہوریت ہی کی نفی کی ہے۔ کوئی اعتراض یا رِٹ وِٹ چیلنج ہوئی یا نہیں۔ یا قومی مفاد کے تقاضے میں 'چین اپنا یار ہے' اور 'امریکہ مائی باپ ہے'، جیسا دیس ویسا بھیس؟! (س خ)

[3] یہاں انہی قوانین و ضوابط کی 'توہین' ہوئی ہے جن کے متعلق صوفی محمد صاحبؒ بات کریں تو قابلِ گردن زدنی اور عمران خان کرے تو وژنری لیڈر؟ مجاہدین اس قانون کے بارے میں بات کریں تو ان کی لاشیں ڈیموں اور بیراجوں کے گیٹوں اور دیو ہیکل گراریوں سے قیمہ بن کر نہروں میں ملیں اور ایف اے ٹی ایف سے لے کر حوالداروں تک کا مفاد ہو تو کہیں مدارس و مساجد کو منی لانڈرنگ سے مطعون کر کے اور کہیں 'حرمتِ پاک فوج' میں قوانین کی منظوری؟ اسی قانون کے متعلق اہلِ دین بات کریں اور اس کو غیر اسلامی قرار دیں تو وہ خوارج اور باغی، جبکہ قانونِ پاکستان کے مقابلے میں قانونِ چین کی تعریف اور قانونِ پاکستان کو بے کار کہا جائے تو 'ماشاء اللہ و سبحان اللہ!'؟ (س خ)

[4] یہ کہنے والا خود بھی محنت کر کے 'نیچے' سے 'اوپر' پہنچا ہے۔ لیکن نیچے جو محنت کی ہے وہ بوٹ پالش کر کے چمکانے کی اور بشریٰ بی بی کی جوتیاں سیدھی کرنے کی کی ہے۔ (س خ)

# گدھے ہمارے عہد کے……

محترمہ عامرہ احسان صاحبہ

جب گدھے کی کھال چین کو اور گوشت خاموشی سے ہمارے قصابوں کو پیارا ہوا، اس وقت سے گدھے ہماری خبروں کی زینت بننے لگے۔ کورونا ذرا دھیما پڑا تو اب پھر گدھوں کی گنتی شروع ہوگئی۔ پتہ یہ چلا کہ پاکستان میں گدھوں کی تعداد میں ایک لاکھ کا اضافہ ہوگیا ہے۔ اب ہم چھپن (۵۶) لاکھ گدھوں کے مالک ہیں۔ اگرچہ ہمارے اندازے اور توقع سے یہ تعداد کافی کم ہے! گدھا ہمارے ہاں (نجانے کیوں) بے وقوفی کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ شاید قیافہ شناسوں نے بے چارے گدھے پر یہ تہمت دھری ہو۔ سادہ سی صورت، لمبے کان اور پھر اچانک ہی منہ اٹھا کر پھٹی آواز میں سمع خراش ڈھینچوں ڈھینچوں شروع کر دینا۔ جو پھر آہستہ آہستہ دم توڑ جاتی ہے اور گدھا اپنا سا منہ لیے چل دیتا ہے۔ یہ پکار اس کی تو تنبیہی ہوا کرتی ہے کیونکہ حدیث کی تصریح کے مطابق گدھے کو شیطان نظر آتا ہے، تو وہ ڈھینچتا ہے۔ نصیب اپنا اپنا۔ مرغے کو فرشتہ نظر آتا ہے تو وہ اذان دیتا ہے اور ہمیں موقع دیتا ہے اللہ سے اس کا فضل مانگنے کا (اس وقت کی دعا: اللهم انی اسئلک من فضلک)۔ یاد رہے کہ حضرت لقمانؑ نے اپنی نصیحتوں میں بیٹے سے یہ بھی کہا تھا: 'اور اپنی آواز پست رکھ، سب آوازوں سے زیادہ بری آواز گدھے کی آواز ہوتی ہے۔' اللہ نے اسے سورۃ لقمان، آیت ۱۹ میں درج فرمایا۔

اب گدھے کی یہ رپورٹ شائع ہونے کی دیر تھی کہ بہت سے کالم نویسوں کو گدھے کی آڑ میں طبع آزمائی کا موقع مل گیا۔ گدھوں کی شان میں گستاخیاں ہونے لگیں تو 'ماہر قمریات' یا چاند نکالنے والے (موقع بے موقع) وزیر، فواد چودھری کو ناگوار گزرا۔ کیوں نہ گزرتا، ان کے محب و محسن آقائے نامدار امریکہ کے ڈیموکریٹوں کا انتخابی، یا کہیے قومی نشان گدھا ہے۔ ادھر، خنجر ہلال کا ہے قومی نشاں ہمارا…… اقبال نے کہا تھا۔ لگتا ہے خنجر گدھے کے لیے چونکہ خطرے کی علامت ہے اسی لیے فواد چودھری اور ان کی پارٹی جو ذیلی، ضمنی، ظلی، بروزی نسبت تو (انگریزی اور انگریزیت کی بنا پر) ڈیموکریٹ سے رکھتی ہے، کو چبھا۔ انہوں نے گدھے کی غیبتوں کی ناکہ بندی کرتے ہوئے اسے عقلمند جانور قرار دیا۔

ہم نے حکم حاکم جان کر گدھے کے بارے میں آگاہی حاصل کرنے کی ٹھانی۔ پتہ چلا کہ بے چارہ بہت ہی غلط فہمیوں میں گھرا کھڑا ہے۔ چونکہ گھوڑے کا غریب رشتہ دار ہے، اس لیے مسکین ذرا کمتر جانا جاتا ہے۔ گھوڑا مقابلتاً خوبصورت، قوی اور ذہین دکھائی دیتا ہے۔ یہ بے وقوف، ناسمجھ اور سست گردانا گیا۔ اصلاً اس کی ایک عادت ہے جو لوگ اسے ضدی جان کر اس پر چابک، لاٹھی برسا دیتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ جب اسے خطرہ محسوس ہوتا ہے تو یہ جم کر بس وہیں کھڑا ہو جاتا ہے اور جب تک اسے محفوظ تر اقدام سمجھ میں نہ آئے وہاں سے ہلتا نہیں ہے۔ اس پر اسے ضدی، ہٹ دھرم اور ڈھیٹ کہا جاتا ہے۔ حالانکہ آخر گدھے کو درپیش، لاحق خطرہ گدھا ہی جان سکتا ہے، ہمیں اسے رعایت دینی چاہیے۔ ایسے میں سامنے سے ٹرک بھی آرہا ہو تو گدھا سڑک کے درمیان اسی طرح منجمد کھڑا رہے گا! گدھا لاجک (منطق) میں یقیناً کوئی بڑی بات ہوگی، ہم سمجھنے سے قاصر ہیں۔ سو ایسے میں اس کی منطق کا احترام کرتے ہوئے خود گدھے پر سے اتر کر ایک طرف ہو جانا چاہیے لیکن ہم تو اتنے گدھا (اور ہاتھی یعنی ری پبلکن) پرست ہیں کہ طالبان کے سامنے اوبامہ کا گدھا جم کر کھڑا رہا اور ہم اتر کر ایک طرف نہ ہوئے۔ یہاں تک کہ ان کا ہاتھی آ گیا یعنی ری پبلکن ٹرمپ اور وہ سڑک پار کر کے مذاکرات کی میز پر جا بیٹھا، تو کہیں ہم بھی پاسے لگے!

ایک بات ہم نے نہایت معتبر حوالے سے پڑھی تھی۔ وہ یہ کہ امام شافعیؒ کا فرمان کہ 'جسے غصہ نہیں آتا وہ گدھا ہے۔' ساتھ ہی یہ تصریح تھی کہ اللہ نے یہ نہیں فرمایا کہ مومن کو غصہ نہیں آتا بلکہ فرمایا کہ 'وہ غصے کو پی جاتے ہیں'۔ یہ شاید اس لیے کہ گدھا کان لٹکائے کھڑا مار کھاتا رہتا ہے۔ ٹس سے مس نہیں ہوتا۔ اصلاً غصہ فی نفسہٖ ایک قوت ہے۔ جو دانا اور عقل مند کے پاس ہو تو غیرت نفسی اور غیرت دینی میں ڈھل کر ایک طرف 'حیا' اور دوسری طرف عمر فاروقؓ بن کر قوم کا دفاع کرتی ہے۔ مرد غیور نہ ہو تو 'دیوث' ہو جاتا ہے۔ اسے پروا نہیں ہوتی کہ اس کی محرم خواتین کیسا لباس زیب تن کر کے باہر نکلتی ہیں اور غیر مرد کس طرح ان سے ملتے جلتے ہیں۔ 'دیوث' شرعی گالی بھی ہے اور ایسا فرد جنت سے محروم ہونے، اس کی خوشبو تک نہ پانے کے زمرے میں رکھا گیا ہے۔ اب ہمارے ہاں دینی حوالے سے واضح دوٹوک گفتگو سے شرم آتی اور کرنے پر عار دلایا جاتا ہے، اسی لیے ملک گیر سطح پر گدھوں کی تعداد میں اضافہ دیکھنے میں آرہا ہے۔

چلیے جنگل کی دنیا سے ایک لطیف بات ہو جائے۔ ہم یوں بھی جسے گلوبل ولیج کہتے ہیں، وہ گاؤں (ولیج) کم اور جنگل زیادہ ہے۔ مغرب اس کا چودھری ہے اور اس کا اور جنگل کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ شہ سرخیوں میں ہالی ووڈ، بالی ووڈ کے جنگلوں کے تذکرے۔

تو جنگل کی کہانی یہ ہے کہ چیتے اور گدھے میں بحث ہوگئی۔ گدھے کا اصرار تھا کہ آسمان کالا ہے اور چیتا کہہ رہا تھا آسمان نیلا ہے۔ جب تا دیر بحث مباحثے اور جنگل کے عوام (چھوٹے جانور) مل جل کر فیصلہ نہ کر پائے تو مقدمہ بادشاہ کے پاس گیا۔ شیر نے دونوں کے دعوے دلائل سننے کے بعد فیصلہ سنایا کہ آسمان کالا ہے۔ چیتے کو گرفتاری کی سزا دی۔ جب باقی سب ادھر ادھر ہو گئے تو چیتے نے دکھ سے پوچھا کہ بادشاہ سلامت آپ جانتے ہیں آسمان نیلا ہے تو پھر آپ نے مجھی کو سزاوار ٹھہرایا؟ شیر غرایا اور ناراض ہو کر کہنے لگا کہ تم نے اس احمق گدھے سے بحث

کیوں کی، رعایا میں انتشار کیوں پھیلایا؟ دیکھا آپ نے؟ اب اگر ملک میں چیتے محبوس ہوں اور آسمان کالا قرار پا چکا ہو تو وجہ جان لیجیے۔ آئندہ بحث مباحثے سے گریز رہے، تاکہ آپ کے گھر کے اوپر والا نیلگوں آسمان کہیں چھن نہ جائے!

اللہ گدھے پر لدی کتابوں والی مثال دے چکا۔ 'جن لوگوں کو تورات کا حامل بنایا گیا تھا مگر انہوں نے اس کا بار نہ اٹھایا، ان کی مثال گدھے کی سی ہے جس پر کتابیں لدی ہوئی ہوں۔ اس سے بھی زیادہ بری مثال ہے ان لوگوں کی جنہوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلا دیا ہے (سورۃ الجمعہ: ۵)۔ گدھا تو بے چارہ مجبور و معذور ہے۔ کتابیں لد جانے سے ڈاکٹر گدھا تو نہ بن جائے گا اور یہ اہل کتاب قصداً منحرف ہیں! سو گدھا ان سے بہتر ہے! کھوتے تیتوں اتے......

ترکی سے اردو ان کے زمانے میں تعلق بڑھا تو ترک طنز و مزاح اور حکمت کے کردار ملا نصر الدین کی کہانیاں، حکایتیں بھی چلیں۔ ملا نصر الدین کا گدھا بھی ایک استعارہ ہے، اپنی دولتی آمیز جولانیوں کے ساتھ۔ اس میں ہمارے حالات کی جھلکیاں بھی دیکھی جا سکتی ہیں۔

ملا نصر الدین ایک دن محبوب گدھے کو چھت پر لے گیا جیسے تیسے۔ گدھا خوفزدہ تھا اپنی جان کے لیے، چھت پر جانے سے۔ یہ مُلا کی ہمت تھی کہ چڑھا کھڑا کیا چھت پر۔ پھر چڑھے کو آخر اترنا بھی تو تھا۔ ملا سیدھے راستے سیڑھیوں سے اتارنا چاہتا تھا مگر گدھا تھا کہ اڑیل، ضدی! میں نہ مانوں۔ گدھے سے سارے مذاکرات اکارت گئے۔ گدھا چھت پر سارا زور صرف کرنے لگا کہ چھت میں سوراخ کرے اور ڈائریکٹ فلائٹ نیچے اتر جائے۔ نصر الدین کی روک ٹوک کسی کام نہ آئی اور بالآخر گدھے کے ساتھ نصر الدین بھی گدھے کے یارانے میں چھت سے اڑ اڑا دھڑام نیچے جا پڑے۔ چھت بھی ٹوٹی اور گدھے کو چھت پر چڑھنے کا حوصلہ دلا دلا کر سیڑھیاں چڑھانا مہنگا پڑا۔ افغانستان کے پہاڑوں پر ہمارے حوصلہ دلانے، مدد دینے سے امریکہ جا چڑھا تھا۔ ہم تو ڈوبے صنم کے مصداق اپنے ساتھ ہماری معیشت میں سوراخ ڈالے، لاکھ انسانی جانوں کا ضیاع، افغانوں کے ساتھ ہمارے اخوت محبت اور بہادر بھائیوں کے کٹ مرنے والے جذبے سبھی مجروح ہوئے اور آج امریکہ کی سپر پاوری افغانستان میں زمین بوس ہوئی تو ہم بھی اب مٹی جھاڑ اور پسینہ پونچھ رہے ہیں۔

ملا جی کے گدھے کا یہ واقعہ بھی دیکھیے۔ ایک دن ان کا پڑوسی جو نصر الدین کو ناپسند تھا، چلا آیا ان سے گدھا ادھار مانگنے۔ اب نصر اللہ اس سوال و جواب میں رشک شاہ محمود قریشی دکھائے دیتے ہیں۔ ساری سفارتی زبان و بیان کی مہارتیں سمیٹے کہنے لگے: کیوں نہیں! کیوں نہیں! میں اپنا گدھا آپ کو ضرور دیتا، مگر افسوس کہ کل ہی دوسرے شہر سے میرا بھائی آیا اور گدھا لے گیا۔ اسے گندم پسوانے جانا تھا۔ گدھے پر انکار سن کر پڑوسی بے نیل مرام لوٹ چلا۔ چند قدم ہی گیا ہوگا کہ نصر الدین کا گدھا جو پچھلے صحن میں بندھا کھڑا تھا ڈھینچوں ڈھینچوں کا راگ الاپنے لگا۔ پڑوسی ٹھٹھکا، لوٹا اور کہنے لگا: تم تو کہہ رہے تھے تمہارا گدھا یہاں نہیں ہے؟

نصر الدین بھڑک اٹھا، میرے دوست! اب تم کس کے کہے کا یقین کرو گے؟ میرا، کہ 'گدھا یہاں نہیں ہے' یا گدھے کا؟ ظاہر ہے نصر الدین، گدھے سے زیادہ معتبر ہے، لہٰذا، اگر امریکی اخبار آپ کو خبر دیں کہ ہم نے اڈے امریکہ کو دیے ہیں تو ان کا اعتبار نہ کیجیے۔ وزیر خارجہ / وزیر اعظم ہی درست فرما رہے ہیں۔ یہی اس حکایت کا حاصل ہے۔

[یہ مضمون پہلے ایک معاصر اردو روزنامے میں شائع ہو چکا ہے۔ (ادارہ)]

☆☆☆☆☆

## پس یہی ہے اصل راستہ!

میرے محبوب مجاہدین اسلام! یہی ہے راہِ حق، یہ انبیا و رسل کا رستہ ہے، انبیا کے ساتھیوں کا رستہ ہے اور قیامت تک ان کے رستے پر چلنے والوں کی راہ ہے، یہ راہ ہے آزمائشوں اور مصائب کی، وہن سے بچتے ہوئے ثابت قدم رہنے کی، استغفار و دعاؤں کی کثرت کی، پھر ان سب کے بدلے میں دنیا میں عزت و عفت اور آخرت میں اللہ کے احسان سے ثواب و فلاح تمہاری منتظر ہے، یہ قافلہ ایک مستقل دعوت اور کبھی نہ رکنے والے جہاد میں مصروف ہے اس وقت سے مصروف ہے جب سے اللہ نے اس زمین کو تخلیق فرمایا اور اس وقت تک مصروف رہے گا جب تک اللہ اس زمین اور اس پر رہنے والوں کی بساط لپیٹ نہ دے۔ یہ قافلہ کسی قائد کی شہادت یا کسی رہنما کو کھو دینے سے نہیں تھمتا، کسی تکلیف و آزمائش کے سبب سے پیچھے نہیں ہٹتا، وسائل و افراد کی قلت یا وقتی ہزیمت کے سبب واپسی کی راہ نہیں لیتا بلکہ ان سب رکاوٹوں کو عبور کرتا ہوا ہر آزمائش سے مزید ہمت، قوی تر عزم اور پختہ تر ارادے لے کر مسلسل بڑھتا چلا جاتا ہے بالکل اسی طرح جیسے ہمارے محبوب نبی ﷺ کے صحابہؓ نے آپؐ کے ہمراہ احد کے دن عملاً کر کے دکھایا۔

(حکیم الامت فضیلۃ الشیخ ایمن الظواہری حفظہ اللہ)

# فرعونی لشکر

عبد الرحمٰن غازی

إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعاً يَسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ (سورۃ القصص:۴)[1]

اور بے شک فرعون نے زمین میں اپنی بڑائی (Supremacy) کا اعلان کیا تھا اور لوگوں کو گروہوں یعنی بنی اسرائیل اور قبطیوں کو ادنیٰ (Inferior) اور اعلیٰ (Superior) میں تقسیم کیا تھا۔ فرعون نے اپنی قوم قبطیوں کے مقابلے میں بنی اسرائیل کو 'شودر' کا درجہ دے رکھا تھا۔ ان پر بے پناہ مظالم ڈھاتا تھا۔ ہر سڑک پر ان کے لیے فوجی چوکیاں قائم کر رکھی تھیں جہاں ان کو بدترین مظالم و تشدد کا نشانہ بنایا جاتا۔ ان کی نسل ختم کرنے کی خاطر ان کی نرینہ اولاد کو قتل کر دیتا تھا تاکہ کل کوئی داعی و مجاہد بن کر بنی اسرائیل کو اپنا بھولا ہوا سبق یاد نہ دلا دے۔ اس سب کا مقصد یہ تھا کہ یوں بنی اسرائیل قبطیوں (خدا سے پھری ہوئی قوم) کے غلام بنے رہیں۔ جب اللہ کا ایک برگزیدہ بندہ موسیٰ (علیہ السلام) اسے تقویٰ اختیار کرنے اور اپنی حالت سدھارنے کی دعوت لے کے آیا تو اس کا غرور اور زیادہ بڑھ گیا۔ پھر اس نے تکبر میں اعلان کیا، "ومارب العالمین؟"۔ اپنے امرا اور کور کمانڈروں سے پوچھا کہ موسیٰ (علیہ السلام) کا یہ رب العالمین کون ہے؟ حالانکہ وہ خدا کے منکر نہ تھے، پوجا پاٹ کے حوالے سے تو وہ سورج کے اوتار کی حیثیت سے فرعون کی پوجا پاٹ کرتے تھے اور سورج دیوتا کی بھی اسی باطل سوچ کی بنا پر پوجا پاٹ کرتے تھے کہ وہ خدا کا نمائندہ و عظیم مخلوق ہے۔ لیکن ان کو خوف رب العالمین سے آیا، یعنی ملک کے سیاسی و تمدنی فیصلے چھن جانے کے خوف سے، اس لیے کہ رب کے معنیٰ اور مفہوم سے وہ واقف تھے کہ اس کے کیا لوازمات ہیں۔ پھر موسیٰ علیہ السلام سے مزید گفتگو میں اس خدشے کا اظہار کیا کہ "يُرِيدَانِ أَن يُخْرِجَاكُم مِّنْ أَرْضِكُم" "یہ ہمیں اور تمہیں اس سرزمین سے (ہماری حکومت اور باطل سیاست سے) بے دخل کرنا چاہتا ہے اور ربّ العالمین کی حاکمیت (فیصلے کا اختیار) قائم کرنا چاہتا ہے۔ بالفاظِ دیگر موجودہ طاغوتی اصطلاح میں حکومتی رٹ کو چیلنج کرنا چاہتا ہے۔ کور کمانڈروں کو اعتماد میں لیتے ہوئے اعلان کیا کہ حکومتی رٹ کو ضرور قائم رکھا جائے گا۔ ساتھ میں یہ وارننگ بھی دی 'اے موسیٰ (علیہ السلام)! باز آجاؤ اپنے بیانیے سے ورنہ missing persons میں شامل ہو کر جیلوں میں سڑتے رہ جاؤ گے۔'، لَأَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُونِينَ۔ اس نے اپنے کور کمانڈر اور ظالم قوم کو یہ باور کرانے کی کوشش بھی کی کہ یہ تو ایک چھوٹی سی minority ہے، دہشت گرد گروہ ہے، 'إِنَّ هَٰؤُلَاءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيلُونَ'، یہ اس چھوٹی سی جماعت نے ہماری قوم کو ویسے ہی پریشان کر رکھا ہے۔ ہمارے ملکی قانون اور حکومتی رٹ کو چیلنج کر کے چھیڑا ہے۔ پھر چیف آف سٹاف بن کر خوف کے عالم میں یہ دھمکی بھی دی کہ ہماری فوج ہر قسم کی دہشت گردی، مجاہدین کا راستہ کاٹنے کے لیے مستعد ہے یعنی میرے پاس ایک professional army ہے۔ کوئی نکل آئے اور سرنڈر کر دے تو ٹھیک اور سرنڈر نہیں کرتے تو مارے جائیں گے۔ 'وَإِنَّا لَجَمِيعٌ حَاذِرُونَ'، اور فوج دہشت گردوں کو کچلنے کے لیے ہر وقت چوکنا رہتی ہے۔ اور یوں اس کی فوج مسلمانوں کے تعاقب میں اپنے جنتوں، خزانوں اور قیام گاہوں، ہیڈکوارٹر کے باغوں، بیرکوں، کنٹونمنٹ اداروں، آفیسر میسوں، عیش و نشاط کی محفلوں سے نکل کر ایک لشکر جرار کے ساتھ مجاہدین کے تعاقب میں نکل آئی۔ "فَأَخْرَجْنَاهُم مِّن جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ○ وَكُنُوزٍ وَمَقَامٍ كَرِيمٍ ○"۔ یوں فرعونی لشکر دریائے نیل میں غرق کر دیا گیا۔

آج کا پینٹا گونی لشکر تو شکست کھا کر واپسی کی راہیں ڈھونڈ رہا ہے۔ جبکہ ان کے قلی و ہرکارے، ہراول دستے (فرنٹ لائن) کا تمغہ سینے پر سجائے بیرکوں کے اندر خوف و سراسیمگی کی حالت میں اپنی باری کے منتظر ہیں۔ اگلے مورچوں میں ہلاک ہونے والوں کو تو تب بھی شرم نہیں آئی تھی جب جدید ترین اسلحے سے لیس ہونے کے باوجود نوّے ہزار کی تعداد میں پلٹن میدان میں سرینڈر ہو کر، بزدلی کا ایک نیا باب رقم کر گئے تھے، جب یہ کارگل کے میدان سے بھاگ نکل آئے تھے، جب یہ اپنی شہ رگ کشمیر کا سودا کر چکے تھے، جب انہوں نے چند ڈالروں کی خاطر صلیبیوں کے کرائے کے ٹٹو بن کر حاضر سروس افغان سفیر ملا عبد السلام ضعیف اور سینکڑوں مہمان مجاہدین کو امریکیوں کے حوالے کیا تھا۔ جب ان دیوثوں نے قوم کی بیٹی عافیہ صدیقیکو صلیبی کتوں کے آگے ڈال دیا تھا۔

یہ فرعونی لشکر ہے، ہاں بالکل یہی فرعونی لشکر ہے ان کو تو ڈوبنا ہی ہے، لیکن یہ کام اللہ مجاہدینِ غزوۂ ہند و سندھ کے ہاتھوں کروائے گا۔ جب اس خطے کے مغرور و متکبر حکمران اپنے دجالی لشکر اور اس کے بزدل جرنیلوں سمیت زنجیروں میں جکڑے جائیں گے، ان شاء اللہ۔

مرگ بر لشکرِ فرعون!

☆☆☆☆☆

[1] "واقعہ یہ ہے کہ فرعون نے زمین میں سرکشی کر رکھی تھی اور اس کے باشندوں کو گروہوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ ان میں سے ایک گروہ کو وہ ذلیل کرتا تھا۔"

# حامد میر اور شطرنج باز

سیلاب خان

کسی دانا کا کہنا ہے کہ آئی ایس آئی، 'انٹر سروسز انٹیلی جنس' کا نہیں 'انٹر سیاست انٹیلی جنس' کا مخفف ہے۔ آئی ایس آئی = فوج، سو فوج ہی کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔ ہمارا تعلق ان لوگوں سے نہیں ہے جن کی نظر میں سیاست اور عسکریت، سفارت و معیشت وغیرہ الگ الگ سیاروں اور مداروں کا نام ہوتا ہے۔ یہ نظریہ کہ فوج کا کام محض بیرک میں رہنا ہوتا ہے، سیاست دان دار السیاست میں، سفیر سفارت خانوں میں اور معیشت دان معاشی اداروں اور حلقوں میں بیٹھیں، عدلیہ محض ایک اندھا ادارہ ہو جو بس جو کتاب میں درج ہے اسے دیکھ کر 'انصاف' کرے، صحافی محض رپورٹر ہوتا ہے: ایک یوٹوپیا کا تصور ہے اور یوٹوپیا کا بھی تصورِ باطل۔ اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ 'انسانوں' کی مزعومہ تاریخ میں آج تک کہیں بھی یہ یوٹوپیا قائم نہیں ہو سکا۔ آج کی 'اینڈ آف ہسٹری' کی دعوے دار امریکی تہذیب میں بھی یہ موجود نہیں۔ امریکہ میں کوئی سیاسی فیصلہ ڈیپ سٹیٹ یا پنٹا گان کے بغیر نہیں ہوتا۔ دوسری طرف سوِلین صدر کمانڈر ان چیف ہوتا ہے۔

اسلام میں بھی ایسا ہی ہے کہ دینِ اسلام انسانوں کے لیے اترا ہے، فرشتوں کے لیے نہیں جن کے اپنے اپنے مقررہ وظائف (ڈیوٹیاں) ہیں اور وہ دوسرے کے کام کی طرف نظر نہیں کرتے۔ ہاں مزاجوں کا اختلاف ہو سکتا ہے کہ ایک آدمی پر سیاست غالب ہے، دوسرے پر عسکریت۔ چونکہ دنیا خیر و شر کے معرکے کا میدان ہے سو ہر شخص کسی نہ کسی صورت جنگ کا حصہ ہوتا ہے۔ جنگیں مشترکہ طور پر لڑی جاتی ہیں۔ سیاست دان و سفارت کار عسکری میدان میں بھی ہوتے ہیں اور عسکری میدانِ سیاست و سفارت میں۔

یہ وضاحت تو اصولی سی ہو گئی۔ موضوعِ متعلقہ پاک فوج کی سیاست ہے۔ ایسی فوج جس کی سیاست کا مقصد کسی ملک و ملت کی بقا و نفع و دفاع نہیں بلکہ اپنے ادارے کے مفادات ہیں (جو ذاتی مفادات کے ضامن ہیں) جنہیں قومی سلامتی سے قومی مفاد وغیرہ گاہے بگاہے کہا جاتا رہتا ہے۔ پھر فوج کی سیاست میں مداخلت پر اپنی پہلی وضاحت کے باوجود ہمیں اعتراض بھی ہے اور اس کا سبب فوج کا اپنا دوغلا پن ہے۔ فوجی حلف اٹھاتے ہیں کہ ہم سیاست میں مداخلت نہیں کریں گے، پھر آئی جے آئی بناتے ہیں، ق لیگ بناتے ہیں، ڈی پی سی بناتے ہیں، پاکستان عوامی تحریک (طاہر القادری) کے چلے ہوئے کارتوس میں نیا بارود بھر کر پھر پٹاخہ بجاتے ہیں، پی ٹی آئی بناتے ہیں، تحریک لبیک کا 'فیض' آباد دھرنا دلواتے ہیں، وہاں کارکنوں کو عین موقع پر پہنچ کر پانچ پانچ ہزار روپے دیتے ہیں، گال تھپتھپاتے ہیں اور پھر کہتے کہ یہ سب 'oath of a soldier' کے خلاف نہیں۔ مسئلہ دھوکے اور فریب کاری کا ہے۔

دین کو ایک لحظے کے لیے چھوڑ دیجیے، یہی سیاست اگر ملکی و قومی مفاد کے لیے ہو تو ملک کی شہ رگ کشمیر ہے وہاں خیانت کیوں اور قوم میں تو بنگالی بھی تھے اور بلوچ بھی ہیں وہاں سوتیلے باپ والا سلوک کیوں؟ مسئلہ عسکری بینک و فوجی فاؤنڈیشن سے عسکری و ڈیفنس ہاؤسنگ سکیموں کا ہے۔ حالیہ لڑی گئی وار آن ٹیرر کے بعد اس کو کچھ کچھ عقیدوی غلامی کا مسئلہ نہ سمجھیں، یقیناً یہ بھی ہے اور یہ سب کھلا ارتداد ہے لیکن اس نکتے پر غور فرمائیں تو سراج الدولہ سے لے کر ٹیپو کو مارنے والا ایسٹ انڈیا کمپنی کا بازوئے شمشیر زن کلمہ گو ہی تھا۔ ۱۸۵۷ء میں علما سے لڑنے والے کلمہ گو تھے۔ ایوب خان بطور لیفٹیننٹ کرنل برما میں جنگ عظیم دوم لڑ تا رہا، یحییٰ خان نے جنگِ عظیم دوم میں شمالی افریقہ، اٹلی اور عراق میں دادِ 'شجاعت' دی (وہ بھی اس لیے کہ میڈم نور جہاں اور جنرل رانی جیسیاں پردیس میں نہیں مل سکیں ورنہ وہاں بھی دیس جیسے گل ہی کھلانے اور گل چھرے اڑانے تھے)، ضیاء الحق جنگ عظیم دوم میں برما میں لڑا اور ۱۹۷۰ء کی سیاہ ستمبر کی جنگ میں اس نے کئی ہزار فلسطینیوں کو قتل کیا، یہ سب جرنیل کلمہ گو تھے۔ وہی بات کہ مسئلہ عقیدے کا ضرور نکلے گا لیکن کرائے پر کام کرنے والے مردان و زنانِ بازاری عقیدہ نہیں پیسہ دیکھتے ہیں، یہ فوجی جاگیریں، پوسٹ ریٹائرمنٹ جاب اور بچوں بھائیوں وغیرہ کا مستقبل دیکھتے ہیں۔ مشرف کے یزمان (بہاولپور) میں مربعے، کیانی کے بھائی کے پاس رنگ روڈ لاہور کے ٹھیکے، شجاع پاشا کی خلیج میں نوکری، راحیل کے پاس برکی روڈ لاہور میں فارم ہاؤس کے لیے اراضی اور سعودی اتحادی فوج کی حوالداری، جنرل رمدے اور گوادر، عاصم باجوہ اور سی پیک کی ٹھیکے داری، اسی کی چند مثالیں ہیں۔

کھلاڑی جتنا کھیلتا ہے اتنا ہی زیادہ مشاق ہوتا جاتا ہے۔ پاک فوج بھی ایسی ہی ہے۔ پاک فوج جس ایسٹ انڈیا کمپنی سے شروع ہوئی انہوں نے بہت سی غلطیاں کیں اور پھر بہت کچھ سیکھ سیکھ کر بہتر کھلاڑی بنے۔ پاک فوج کو جب اقتدار ملا تو انہوں نے اپنے آپ کو گوراصاب کا وارث سمجھا اور پایا۔ جس طرح گوروں نے مقامیوں کو ہانکا تھا، اسی طرح ان رنگ کے کالوں اور دل و ذہن کے گورے 'ناریلوں' نے اپنے لوگوں کو ہانکا۔ اسکندر مرزا، ایوب خان، یحییٰ خان چند نام ہیں۔ پاک فوج ایک سیکولر پروفیشنل آرمی تھی اور ہے اور سیکولر کا سب سے سادہ مطلب پیٹ اور پیٹ کے اوپر نیچے کے متعلقات کی غلامی ہے۔ ایسے میں سقوطِ مشرقی پاکستان ہوا۔ فوج اپنی شراب نوشی اور بدکاری کے سبب بدنام ہوئی تو اسی منڈی میں اب فوجیوں نے میلاد منانا شروع کر دیا۔ آج بھی فوجی میسوں میں بنے بارز (bars) جہاں 'اعلانیہ' جوس اور کوک ملتی ہے، اعلانیہ شراب سرو (serve) ہونے کے زمانے کی یاد ہیں۔ یحییٰ اور نیازی کے بعد نیا چہرہ ضیاء الحق تھا۔ ممکن ہے کہ ضیاء اپنی ذاتی زندگی میں تہجد گزار ہی ہو۔ اور تہہ در تہہ اندھیرے میں

شاید ایک چراغ ہو لیکن ہر شے کو ماپنے کا ایک پیمانہ ہوتا ہے اور شریعتِ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی کسوٹی پر ضیاء الحق ایک مسلم سلطان قرار نہیں پاتا، سو اس کی ذاتی زندگی جو بھی ہو اس سے فرق نہیں پڑتا، بعض حضرات کا خیال ہے ہر قل قیصر روم مسلمان ہو گیا تھا، لیکن کیا اس کی ذاتی زندگی کا اسلام و قیام اس کی قوم، بلکہ حکمرانوں سے شریعت کو جو کردار مطلوب ہے اس اعتبار سے اس کے اپنے لیے بھی کامیابی کا سبب بنا؟ زیادہ سے زیادہ ضیاء الحق نے کچھ کاسمیٹک تبدیلیاں کیں، لیکن کیا میک اپ سے چہرے کے اصلی داغ دھبے مٹ بھی جاتے ہیں؟ اس بات کا ذکر کیے بغیر بھی چارا نہیں کہ بعض لوگ دین دار بھی اور سیکولر بھی ضیاء کو اورنگ زیب عالم گیرؒ سے ملاتے ہیں، جو سراسر کم فہمی اور کوتاہ نظری ہے۔ عالم گیرؒ کے نفاذِ شریعت اور شرعی اقدامات کی باس اور برکات آج چار صدیوں بعد بھی موجود ہیں بلکہ مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ اور علامہ محمد اقبالؒ کی بات میں کچھ اضافے کے ساتھ، 'اکبر کے زمانے میں جو جھکڑ چلا تھا اس کے بعد جن تن آور درختوں کے سبب دین برّ صغیر میں بچ پایا ان میں مجدد الفِ ثانی، خانوادۂ شاہ ولی اللہ، سیّد احمد شہید اور اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہم کا بنیادی کردار ہے'۔ یہ بات بھی لائقِ اعتنا ہے کہ عالم گیرؒ نے محض قرآن پاک کی تفاسیر ہر فوجی چھاؤنی میں نہیں رکھوائی تھیں بلکہ فتاویٰ عالمگیری ملک کا قانون تھا۔ جب کہ ضیاء کے طیارے کی تباہی کے ساتھ اور روس کے افغانستان سے جانے کے بعد ہمیں مشرف جیسے لوگ نظر آتے ہیں، یاد ش بخیر: مشرف کو ضیاء نے خود اپنی پسند پر بریگیڈیئر کے رینک پر ترقی دی اور اس کی deployment سیاچن محاذ پر کی۔

مفاد داڑھی میں تھا تو داڑھی اور اگر شراب میں ہو تو شراب۔ اگر مشرف کو بنی اسرائیل جیسے علما بسیار مل جاتے تو وہ پرویزی-غامدی ٹائپ شریعت نافذ بھی کر دیتا (گو کہ غامدی بیانیے کے مطابق تو امریکہ میں بھی 'شریعت' ہی نافذ ہے)، لیکن مفادات و حالات دونوں موافق نہ تھے، جیسے ضیاء نے کہا تھا کہ 'آپ آٹو کریسی کو نہ لائیے، پلوٹو کریسی کو نہ لائیے، ڈیمو کریسی کو نہ لائیے...... ڈیمو کریسی کی 'کریسی' لے لیجیے اور 'شوریٰ کریسی' کو تو لائیے کہ یہ (شوریٰ کریسی) اسلام کا نظام ہے!'۔

ایوب، یحییٰ، ضیاء، یہ سب بیڈ فیس (bad face) ہیں۔ اب فوج میں لوگوں نے سوچا کہ 'وہ مزا شاید کبوتر کے لہو میں بھی نہیں'، تو پیچھے بیٹھ کر ہی سارے کام کیے جائیں۔ سو کیانی، امریکہ کا من موہنا آ بیٹھا۔ اب سب کام محض سیاست یعنی پالیٹکس سے ہونے لگے، بقولِ امیر شریعت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کہ پالیٹکس کا دین میں کوئی وجود نہیں اور سیاست الشرعیہ ایک بالکل مختلف چیز ہے۔ سو شطرنج بازوں کا قبضہ ہو گیا۔

پریس کلبوں اور نیوز ڈیسکوں پر گردش کرتی ایک سٹوری کے مطابق (جو اب تک کہیں پبلش نہیں ہوئی اور یہ سٹوری غالباً آبپارہ سے ہی لیک ہوئی) مشرف نے افتخار چودھری کے خلاف جو ریفرنس بھیجا تھا اس میں خفیہ محرک کیانی تھا اور کیانی نے یہ کام امریکی ایما پر کیا تا کہ مشرف کو گرایا جا سکے اور مشرف دیگر عوامل کے سبب گرا بھی، مشرف کے عوام میں غیر مقبول ہونے کے تار پتر اس زمانے میں امریکی سفیر این ڈبلیو پیٹرسن نے بھی امریکہ روانہ کیے۔ مشہور سیکولر سیاست دان اور صحافی ایاز امیر کے مطابق (اور اس نے بھی لکھا کہ "اگر یہ بات درست ہے تو) طاہر القادری اور پی ٹی آئی کے حالیہ لانچ کے پیچھے جنرل پاشا کا ہاتھ ہے" (مینارِ پاکستان پر پی ٹی آئی کا مشہور جلسہ ان دنوں نیا نیا ہوا تھا)۔ یہی بات پھر پچھلے سال چودھری پرویز الٰہی نے سلیم صافی کو انٹرویو میں کھلم کھلا کہہ بھی دی۔ پھر ۲۰۱۳ء میں اسٹیبلشمنٹ کی رضامندی سے ہی نواز شریف اقتدار میں آیا، لیکن اس نے آنے کے بعد پھر فوج کو آنکھیں دکھائیں، نتیجہ سب کے سامنے ہے۔، لیتیننٹ جنرل ظہیر الاسلام نے 'بول' لانچ کیا (میڈیا ہاؤس کی بات ہو رہی ہے)، نواز شریف نے اس کی ہوا مشاہد اللہ خان جیسے جیالوں سے نکلوا دی۔ لیفٹیننٹ جنرل فیض حمید (جو اس وقت میجر جنرل تھا) نے فیض آباد، اسلام آباد میں اتنا بڑا دھرنا دلوا دیا [1]۔ آخر کار پرانے سارے پیادے مہرے فوج نے باہر نکال دیے اور بشریٰ بی بی کے نقاب میں آبپارہ کے جادو گروں نے عمران خان کو وزیر اعظم بنوا دیا۔ یہ سب شطرنج بازوں کا کمال ہے، جو شطرنج کھیل کھیل کر اب مشاق کھلاڑی بن چکے ہیں۔

حامد میر کو سات سال پہلے گولیاں ماریں (مقصد قتل کرنا نہیں تھا اور نہ حملہ آور پیٹ کے بجائے سر پر گولیاں مارتے، گو کہ ہمیں حامد میر سے بہر حال ہمدردی ہے لیکن جس صحافت سے حامد میر جیسے لوگ تبدیلی لانا چاہتے ہیں اور جس جمہوریت کے لیے کوشاں ہیں یہ سب خود سراب ہیں)۔ لیکن وہ باز نہ آیا۔ میر شکیل الرحمٰن بھی اس کے ساتھ کھڑا ہو گیا، بلکہ میڈیا اور انٹیلی جنس کی عالمی تاریخ میں اتنا بڑا واقعہ ہو گیا کہ موجود (in service) انٹیلی جنس چیف (ظہیر الاسلام) کی تصویر (حامد میر پر بطورِ حملہ آور) جیو ٹی وی پر چلتی رہی۔ نتیجتاً پورا جنگ-جیو گروپ زیرِ عتاب آ گیا، پھر بھی یہ سارے ڈٹے رہے [2]۔

اس کے بعد کے سالوں کے شطرنجی ہلے میں نصرت جاوید گیا، طلعت حسین اور مطیع اللہ جان کی وکٹیں گریں لیکن حامد میر خود بھی اور جنگ-جیو کی سپورٹ کے ساتھ کھڑا رہا۔

شطرنج بازوں نے اب اگلی چال چلی۔ تین چار دہائی پرانا کیس نکال کر نیب کو دیا اور میر شکیل کو اندر کیا اور جنگ-جیو کا کاروبار آدھا کر دیا۔

[1] اس کے متعلق راقم نے اپنے فہم کے مطابق ان دنوں لکھا بھی تھا، ملاحظہ ہو 'فیض آباد دھرنا: ایک جائزہ'، مطبوعہ مجلہ 'نوائے افغان جہاد' (شمارہ: دسمبر ۲۰۱۷ء)

[2] ان کے اس ڈٹنے میں اہلِ دین کے لیے بھی غیرت کا سامان ہے کہ یہ سب اپنے باطل نظریات اور دنیوی مقاصد کی خاطر ڈٹے رہے تو اہلِ دین کو تو لازماً ہر مشکل میں ڈٹا رہنا چاہیے۔

حامد میر پچھلے مہینے فوج کے خلاف بولا تو شطرنج بازوں نے پیچھے بیٹھ کر حامد میر کو بھی مات کر دیا۔ جیونیٹ ورک کے ایڈیٹوریل بورڈ نے (جو شاید پہلے آبپارہ دربار میں حاضر ہوا تھا) حامد میر پر ادارتی پالیسی کے تحت پابندی لگا دی۔ کچھ دن مزید گزرے تو بقول حامد میر کے کہ بدترین آمر پرویز مشرف نے مجھے ٹی وی سے ہٹانے کی کوشش کی لیکن میرا کالم اس نے بھی بند نہ کروایا، موجود (عمران-باجوہ) راج نے کالم پر بھی پابندی لگوا دی۔ اب حامد میر ٹی وی پر آئے یا نہ آئے، اس نے جس 'قلم' سے 'جنگ' میں 'کمان' بنا کر تیر چلائے تھے وہ قلم کمان اس کو واپس لوٹائی جائے یا نہیں، بہر کیف شطرنج کی یہ بازی، گولی، اغوا، گمشدگی وغیرہ سے زیادہ پکی ثابت ہوئی۔

امریکہ کے غلام شطرنج بازوں سے ہی مجھے ہمدردی ہے اور نہ پروین شاکر سے، لیکن پروین شاکر کی شطرنج بازوں پر لکھی ایک آزاد نظم کے چند مصرعے یاد آ گئے:

......اذانوں سے پہلے جو بیدار ہوتے تھے (نماز کے لیے نہیں پروفیشنل ڈرل کے لیے)

اب دن چڑھے تک

چھپر کھٹ سے نیچے اترتے نہیں

دُھوپ اگر سخت ہو جائے

بارش ذرا تیز ہو جائے تو

یہ جواں سال

گھر سے نکلتے نہیں

سرحدوں کے نگہبان اب کرسیوں کے طلب گار ہیں

اپنے آقا کے دربار میں (شاید پروین شاکر کا اشارہ بھی بطرفِ امریکہ ہے)

جنبشِ چشم و ابرو کی پیہم تلاوت میں مصروف ہیں

سر خمیدہ ہیں

شانے بھی آگے کو نکلے ہوئے

بس نصابِ تملّق کی تکمیل میں منہمک!

میرا دل رو پڑا ہے

اے خدا!

میرے پیارے وطن پر یہ کیسی گھڑی ہے (جو دراصل، چوہتّر برس سے ٹلی نہیں ہے)

تراشے ہوئے جسم

آسائشوں میں پڑے

اپنی رعنائیاں کھو رہے ہیں

ذہن کی ساری یکسوئی مفقود ہے

اہلِ طبل و عَلَم

اہلِ جاہ و حشم بن رہے ہیں

اور اِس بات پر

دیکھتی ہوں کہ مغرور ہیں!

(ذرا سوچیے)......پاک فوج 'زندہ باد' (ہو تو) پاکستان 'پائندہ باد' (ہو گا)؟!

☆☆☆☆☆

## بقیہ: پاکستانی شی جن پنگ

آسٹریلیا میں 'پلیپٹی پس' نام ایک جانور پایا جاتا ہے۔ یہ واحد دودھ دینے والا جانور (ممالیہ) ہے جو بچے کے بجائے انڈے دیتا ہے۔ اس کی شکل بطخ جیسی ہوتی ہے جبکہ دھڑ لومڑی کی طرح۔ انگلیوں کی جگہ سمندری سِیل جیسے پنجے ہوتے ہیں۔

گویا پلیپٹی پس ایک ایسا جانور ہے جسے دیکھ کر چوں چوں کے مربے کے معنی بخوبی سمجھ میں آسکتے ہیں۔ امید ہے خان صاحب نے کبھی نہ کبھی پلیپٹی پس کی تصویر ضرور دیکھی ہو گی۔ یہ صرف اور صرف آسٹریلیا میں پایا جاتا ہے۔

آج کل ویسے بھی دماغ کام نہیں کر رہا۔ جانے میں کیسے خان صاحب کے انٹرویو سے پلیپٹی پس تک پہنچ گیا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ خان صاحب کتنے دن اور چینی نظام کے اسیر رہتے ہیں اور انہیں کل کلاں کوئی اور ماڈل اچھا نہ لگنے لگے۔

☆☆☆☆☆

# ۱۹۷۱ء سے ۲۰۲۱ء: بنگلہ دیش تاریخ کے کس دوراہے پر؟

ابو انور الہندی

۲۶ مارچ ۲۰۲۱ء کو بنگلہ دیش کی آزادی کے پچاس سال پورے ہونے پر جشن کا انتظام کیا گیا۔ پروگرام میں حسینہ سرکار نے جن لوگوں کو مدعو کیا ان میں اہم ترین شخص گجرات کا قصائی نریندر مودی تھا۔ مودی کے اس دورے کے خلاف بنگلہ دیشی عوام نے آوازِ احتجاج بلند کی۔ اس معاملے میں دیندار مسلمانوں کے ساتھ سیکولر جماعتوں نے بھی برابر کا حصہ لیا۔ یہاں تک کہ بائیں بازو کے لوگ بھی اس احتجاج میں شامل ہوئے۔ مختلف پس منظر اور نظریات سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی اس احتجاج میں شرکت سے ثابت ہوتا ہے کہ بنگلہ دیش میں 'ہندوتوا ایجنٹ' کی مخالفت کتنی عام ہے۔

اتنی سخت مخالفت کے باوجود حسینہ سرکار کا مودی کو دعوت دے کر اپنے ملک میں بلانے کا سبب بالکل ظاہر ہے۔ دراصل حسینہ کا اقتدار مودی کے رحم و کرم سے ہی برقرار ہے اور اس اقتدار کے بدلے حسینہ نے حاجی شریعت اللہ کی سرزمین کو ہندوتوا کے نظریے کے بدلے گروی رکھوایا ہوا ہے۔

مودی کے لیے بھی اس دورے کی اہمیت کثیر الجہتی تھی۔ ایک تو بنگلہ دیش میں 'اپنی' حکومت کا جائزہ۔ دوسرا اسی دورے کے ذریعے بنگلہ دیش کے پڑوس میں مغربی بنگال (انڈیا) کی قانون ساز اسمبلی میں اس نے بی جے پی کو مضبوط کرنے کے لیے متوا ہندوؤں کی دل جوئی کی کوشش کی۔ تیسرا ہندوؤں کے نزدیک خصوصی اہمیت والے شکھیرہ کا جیسوریشوری سیاہی کے مندر میں پوجا کر کے اکھنڈ بھارت کا ایک علامتی پیغام بھی دیا۔ مشرک ہندوؤں کی فرضی کہانی کے مطابق جب دیوتا وشنو نے دیوی ستی کے جسم کو اکاون (۵۱) ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا تب ایک ٹکڑا اسی جگہ گرا جہاں جیسوریشوری سیاہی کا مندر ہے۔

مودی کے خلاف آواز اٹھانے میں سب سے زیادہ کردار بنگلہ دیش کے دیندار مسلمانوں نے ادا کیا۔ ۲۶ مارچ کو جمعے کی نماز کے بعد ڈھاکہ کی مرکزی مسجد، مسجد بیت المکرم کے نمازیوں نے کسی پارٹی کے بینر کے بغیر اپنی مرضی سے مودی اور بنگلہ دیش میں ہندوستانی جارحیت کے خلاف آواز اٹھائی۔ اسی وقت ان پر پولیس فورس اور عوامی لیگ کے غنڈوں نے حملہ کر دیا۔ بڑی بے غیرتی کے ساتھ کھلم کھلا مسجد میں گھس کر نمازیوں پر حملہ کیا گیا۔ مرکزی مسجد کے اندر آنسو گیس کے شیل فائر کیے گئے اور گولیاں چلائی گئیں۔ مودی کی خوشنودی کے لیے بیت المکرم مسجد میں گھس کر نمازیوں پر حملے کے اس ظالمانہ فعل سے ظاہر ہوتا ہے کہ بنگلہ دیش میں ہندوؤں کی پراکسی (proxy) حکومت چل رہی ہے۔ بنگال پر اہلِ بنگال کی حکومت نہیں، بلکہ غاصبوں کا قبضہ ہے۔

مرکزی مسجد پر حملے کے بعد پورے ملک میں احتجاج پھوٹ پڑے۔ اڑتالیس گھنٹے کے اندر اندر علمائے دین، طلبا اور عوام ہاٹہ زاری، بیبہ ریا (جس کا نام شہید باریار کھنے کے لیے درخواست کی گئی ہے) اور مادھوپور کے علاقوں میں جمع ہو گئے۔ تمام مقامات پر سرکاری پولیس فورس، ریب (Rapid Action Battalion) اور بی جی بی (بارڈر گارڈز بنگلہ دیش) کے ساتھ ساتھ عوامی لیگ کے غنڈوں نے ان لوگوں پر حملہ کر دیا۔ جس طرح ہندوستان میں جبراً مسلمانوں کو 'جے شری رام' کا نعرہ لگانے پر مجبور کیا جاتا ہے اسی طرح علمائے کرام کو زبردستی اور ڈرا دھمکا کر 'جے بنگلہ' اور 'جے بنگ بدھو' کے نعرے لگوائے گئے۔ پورے ملک میں کم از کم اکیس (۲۱) مسلمانوں کو شہید کیا گیا، کئی علمائے کرام کو گولیاں مار کر زخمی کیا گیا اور علما کی ایک بڑی تعداد کو گرفتار کر لیا گیا۔ الغرض مودی کو خوش کرنے کے لیے حسینہ سرکار نے ہر طرح کی کوشش کی۔

لاٹھی گولی کی جارحیت کے بعد میڈیا کی جارحیت کا آغاز ہو گیا۔ سیکولر میڈیا نے انہی لوگوں کو حملہ آور باور کروانا شروع کر دیا جن پر حملہ کیا گیا تھا۔ میڈیا نے نہایت بے شرمی سے طاغوتی سرکار کی جانب سے کیے گئے قتلِ عام کو قانونی جواز بخشا۔ پولیس و سرکاری آشیر باد لیے عوامی لیگ کے غنڈوں سے دفاع کو تشدد کا نام دیا گیا۔ اس پر مستزاد بعض نام نہاد دانشوروں کے ایک ٹولے نے بیانات داغ داغ کر شیخ حسینہ کو اور بھی سخت کارروائی کرنے کے لیے ابھارا۔ بنگلہ دیش کے سیکولر میڈیا کا کام بھی امریکی و ہندوستانی میڈیا کی طرح ظالم کو مظلوم اور مظلوم کو ظالم دکھانا اور مجرم کے جرم کا دفاع کرنا ہے۔ بنگلہ دیشی سیکولر میڈیا کے جھوٹ کو مغربی بنگال کی وزیر اعلیٰ ممتا بینر جی کا بیان بھی ثابت کرتا ہے کہ جب اس نے کہا کہ مودی بنگلہ دیش میں فساد پھیلا کر آیا ہے۔

۲۶ مارچ کے ظلم و تشدد کے بعد انڈین سرکار کے حکم پر حسینہ سرکار علمائے کرام اور بنگلہ دیش کی دیندار عوام کو دبانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔ حسینہ سرکار تادمِ تحریر بنگلہ دیشی مسلمانوں کے خلاف اپنا ایکشن جاری رکھے ہوئے ہے۔ مدرسے سے اسلحہ برآمد ہونے کا ڈرامہ، علمائے کرام کی کردار کشی کی مکروہ کوشش، میڈیا ٹرائلز اور پراپیگنڈا، اہلِ دین کی عام گرفتاریاں اسی ایکشن کی چند نمایاں شکلیں ہیں۔

ملک کی اقتصادی حالت نہایت نازک ہے۔ عوام دو وقت کی روٹی کی فراہمی ہی میں پسی جا رہی ہے۔ ایسی حالت میں سرکار نے سخت لاک ڈاؤن کا اعلان کر رکھا ہے اور مدارسِ دینیہ کو خاص طور پر بند کیا گیا ہے۔

شہروں میں مختلف مقامات پر اور ہر ہر تھانے پر ایل ایم جی (لائٹ مشین گن) نصب کی گئی ہے جس سے سرکار علمائے کرام اور اہلِ دین کو یہ پیغام دینا چاہتی ہے کہ ان سے سختی سے نمٹا جائے گا اور ضرورت پڑنے پر کسی قسم کی طاقت کے استعمال سے دریغ نہیں کیا جائے گا۔

شیخ حسینہ کو بطورِ کٹھ پتلی استعمال کرتے ہوئے بنگلہ دیش پر قابض اصل 'ہندوتوا' قوت نے تین جہتوں سے بنگلہ دیشی مسلمانوں پر اپنا شکنجہ کَس رکھا ہے۔ پہلی جہت عسکری و تشدد کی ہے، دوسری جہت نظریاتی و ثقافتی ہے اور تیسری سیاسی و سفارتی۔

1. عسکری و فوجی قوت کی ذیل میں ریگولر فوجی دستے، مختلف سویلین فورسز، انٹیلی جنس ایجنسیاں اور عوامی لیگ کے غنڈے آتے ہیں۔ اس میں:
   - أ. فوج ہے۔ اس کا سربراہ بین الاقوامی فوج داری کا ایک ممبر اور خاص ہندوستانی دلال ہے۔
   - ب. مختلف جاسوسی ادارے اور ایجنسیاں۔ ان کے ذریعے مستقل سرویلنس، جبری گمشدگی، قتل اور سازشوں کا کام لیا جاتا ہے۔
   - ج. پولیس، RAB، اور SWAT جیسی فورسز۔ ان کے ذریعے شہروں کو قابو میں رکھا جاتا ہے اور مخالفین پر حملہ کروایا جاتا ہے۔
   - د. عوامی لیگ کے غنڈے۔ یہ لوگ پولیس جیسا کردار ادا کرتے ہیں اور ان کا اصل کام عوامی املاک کی لوٹ مار ہے۔
2. نظریاتی و ثقافتی جہت میں بنگلہ دیش کا کذاب میڈیا، سیکولر دانش ور اور ثقافتی ادارے آتے ہیں۔ ان لوگوں کا کام سرکار کے تمام جرائم کی صفائیاں پیش کرنا، ہندوتوائی بلوائیوں کی جارحیت کی حقیقت لوگوں سے چھپانا اور دین پسند عوام کو مجرم ٹھہرانا ہے۔ دوسری طرف میڈیا اور سیکولر دانش وروں کا ٹولہ ہندوستانی ثقافت کو مسلط کرنے کے لیے ہندوستانی ایجنٹ کی حیثیت سے کام کر رہا ہے۔ انہوں نے ایک ایسی صورتِ حال پیدا کر دی ہے کہ مسلم سرزمین ہونے کے باوجود یہاں اسلامی نظریے کو انتہا پسندی اور دہشت گردی کہہ کر مسترد کیا جا رہا ہے۔ داڑھی، ٹوپی، برقع، نقاب اور نکاح سمیت بہت سے شعائرِ دینیہ پر کھلم کھلا حملہ کیا جا رہا ہے۔ یہ لوگ بنگلہ دیش میں ہندوتوائی بلوائیوں کی حکومت کو جائز قرار دے رہے ہیں اور بنگلہ دیش کا اسلامی تعارف مٹانے کے لیے کام کر رہے ہیں۔
3. سب سے آخری جہت ہے، سیاسی و سفارتی۔ اس جہت میں شیخ حسینہ کی بنیادی مدد بھارت کرتا ہے، کیونکہ بنگلہ دیش میں حسینہ کی کوئی نام نہاد 'جمہوری' حیثیت بھی نہیں بچی۔ حسینہ کا اقتدار محض بندوق کے زور اور دلی سرکار کے مرہونِ منت ہے۔ مودی کے دورے کے محض پانچ دن بعد، جب ملک میں ابھی امن و امان کی صورتِ حال ٹھیک نہیں ہوئی تھی، انڈین آرمی چیف نے بنگلہ دیش کا دورہ کیا اور انہی دنوں سابق امریکی وزیرِ خارجہ جان کیری بھی یہاں پہنچا۔ جان کیری کے دورے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستانی ہندوتوائی بلوائیوں کو ہبل عصر امریکہ کی بھی حمایت حاصل ہے۔ امریکہ خطے میں چین کے بڑھتے اثر و رسوخ کو ہر قیمت پر روکنا چاہتا ہے اور اس غرض سے زبانی کلامی انسانیت اور سیکولرازم کا راگ الاپنے کے باوجود ہندوستانی ہندوتوائیوں کی جارحیت پر امریکہ کو کوئی شکایت نہیں الٹا وہ انہیں اپنی حمایت سے نواز رہا ہے۔ ڈھاکہ ائیر پورٹ پر اترنے کے بعد جان کیری نے شیخ حسینہ کے ایک نام نہاد مسلمان وزیر کو سلام کے بجائے نمسکار کر کے یہی ثابت کیا ہے۔

آج بنگلہ دیش ایک تاریخی موڑ پر کھڑا ہے۔ مودی کے اس دورے اور اس کے بعد جو کچھ ہوا، ایک تاریخی واقعہ ہے۔ اس واقعے کی بنگلہ دیش ہی کی سرزمین پر پیش آنے والے ۱۹۵۲ء، ۱۹۶۹ء اور ۲۰۱۳ء کے واقعات ساتھ غیر معمولی مماثلت و مشابہت ہے۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ مجموعی طور پر یہ واقعہ ۲۰۱۳ء کے واقعات سے بھی زیادہ اہم ہے کہ اس سے پہلے بنگلہ دیش پر ہندوستانی غلبہ اور ہندوتوائیوں کا کنٹرول کبھی اتنا کھل کر واضح نہیں ہوا تھا۔

عوام کے سامنے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو گئی ہے کہ حسینہ سرکار نے ان کو ہندوتوائی بلوائیوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا ہے۔ اور یہ ہندوتوائی ایک جارح فوج کے طور پر کام کرتے ہیں۔ عوامی لیگ کھلے عام اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کھڑی ہے اور آزادی کے پچاس سال بعد آج بنگلہ دیش ہندوتوا طاقت کی باج گزار ریاست بن چکی ہے۔ پورا بنگلہ دیش گویا ایک قید خانہ ہے جہاں نہ عوام خود محفوظ ہیں نہ ان کا جان و مال، نہ ایمان اور عزت...... حتیٰ کہ مساجد بھی محفوظ نہیں ہیں۔ اس خطے میں کوئی سکون نہیں ہے، فضا میں بس ایک نامعلوم سا خوف ہے۔

بنگلہ دیش آج ایک ایسے مقام پر کھڑا ہے کہ قوم کا ہر سمجھدار فرد سوچنے پر مجبور ہے کہ انہیں ہندوتوائی جارحیت اور ہندستانی تسلط سے نمٹنا ہی ہو گا۔ تاریخ کا یہ دھارا اپنی رفتار سے بہتا رہے گا۔ پورے بنگلہ کے مسلمان آج شدید غم و غصّے کا شکار ہیں اور ذلت کی آگ میں جل رہے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ مایوسی کا بھی شکار ہیں۔ یہ بات عام ہو چکی ہے کہ روایتی رہنما، جمہوری جماعتیں اور احتجاج کا نظام و طریقہ اس سرزمین کے مسلمانوں کے ایمان اور عزت کی حفاظت کرنے میں پوری طرح ناکام ہے۔ قوم آج صدمے و انتشار کا شکار ہے، ذلت و رسوائی کی گہرائیوں میں پڑی ہے، اور بدقسمتی سے یہی نہیں جانتی کہ گھٹا ٹوپ اندھیرے میں اگلا قدم کہاں رکھنا ہے۔ راستہ کہاں ہے؟ رہبر کہاں ہیں؟ منزل کہاں ہے؟ کون ہے جو ان کے لیے کھڑا ہو گا؟ جو ہاتھ پکڑ کر رہنمائی کرے گا؟ کون ان کی قیادت کرے گا؟

۲۰۱۳ء کے واقعات کے ذریعے بنگلہ دیش کے ناکام جمہوری نظام کا خاتمہ ہوا۔ اور ۲۰۲۱ء میں آج بنگلہ دیش کو سیکولر ریاست بنانے کا منصوبہ بھی ناکامی سے دوچار ہے۔ میڈیا، ثقافتی یلغار اور اشرافیہ کے سیاسی طبقے نے سیکولر بنگلہ دیش کا جو خواب عوام کو دکھایا تھا، آج سب سمجھتے ہیں کہ وہ محض ایک دھوکہ اور سراب تھا۔ دور اندیشوں کے نزدیک تو یہ حقیقت پہلے ہی عیاں تھی، مگر اب تو یہ بات ہر خاص و عام پر واضح ہو گئی ہے۔ پچاس سال بعد بھی بنگلہ دیش کے عوام کی جان و مال اور عزت کی کوئی ضمانت نہیں، بلکہ اگر کچھ بدلا ہے تو محض یہ کہ جنرل یحییٰ خان اور جنرل نیازی کی فوج کی جارحیت کی جگہ ہندوستانی مشرک اور ان کی غلام لادین عوامی لیگ کی جارحیت نے لے لی ہے۔ گویا 'ہم جہاں سے چلے تھے وہیں رہ گئے'!

بنگلہ دیش میں روایتی دو طرفہ سیاست یا جمہوری سیاست کوئی وجود یا حیثیت نہیں رکھتی۔ مستقبل میں بھی اس سرزمین پر حکومت کا تنازع عوامی لیگ اور بی این پی (بنگلہ دیش نیشنلسٹ پارٹی) کے مابین نہیں ہو گا۔ بنگلہ قوم اب جمہوریت، قومیت یا کسی دوسرے باطل نظام یا نظریے پر بھروسہ نہیں کرے گی۔ بلکہ اب تنازع شرک و توحید کے مابین ہے۔ اب جو جنگ ہو گی تو کفری حکومت بمقابلہ اسلامی نظام ہو گی، مشرک و مرتد بمقابلہ مسلم ہو گی۔ بنگلہ دیش مسلمانوں کی زمین ہے اور مسلمانوں کو اسلام کے سوا کوئی نظام قبول نہیں، یہ حقیقت دنیا کو سمجھنی ہو گی، کبوتر کی طرح آنکھیں موند لینے سے سے تباہی کے بڑھتے طوفان کو روکا نہیں جا سکتا۔

ہندوتوائی جارحیت کا مقابلہ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ بنگلہ دیش کی دینی جماعتوں کو روایتی جمہوری طور طریقے، اندرونی گروہ بندیاں، جلسوں میں مبالغہ آمیز بیانات اور مبہم و غیر واضح باتیں کرنے کے رواج کو ترک کر کے حق بات کو صاف، واضح اور دو ٹوک انداز میں بیان کرنے کی ہمت پیدا کریں۔ اپنی دعوت کی بنیاد توحید اور الولاء والبراء کے عقیدے کو بنائیں۔ قومیت، جمہوریت اور سیکولرازم کے جنتروں منتروں سے نکلنا ہو گا۔ عوام کو اپنے ساتھ لے کر چلنے کے لیے عوام پر مبنی پروگرام وضع کرنا ہو گا۔ وہ جدید سکالر جو اسلاف کا روایتی طریقہ چھوڑ کر جدید طریقے سے دین پر چلنے کی کوشش کر رہے ہیں، ان کو اسلاف کے طریقے کی طرف پلٹنا ہو گا، پھر ان سب تعلیم یافتہ نوجوانوں کو اسلامی بیداری میں استعمال کرنا ہو گا۔ دعوت کو ہر جگہ عام کرنے کی ضرورت ہے ۔ شریعتِ اسلامی کو ہر طرح سے جمہوری نظام پر فوقیت و فضیلت حاصل ہے، شریعتِ اسلامی کو مع مکمل اصول و ضوابط کے، اس کی اہمیت و فرضیت کو لوگوں کے سامنے کھول کھول کر بیان کرنے کی ضرورت ہے۔ لاپروائی اور بے عملی کو چھوڑنا ہو گا، بے فائدہ اور بے ثمر سرگرمیوں اور فیصلوں سے پرہیز کرنا ہو گا، عوام کے سامنے معاشرے میں پھیلے منکرات کو واضح کرتے ہوئے، انہیں ایمانی انقلاب کے لیے تیار کرنا ہو گا۔ دشمن کی چالاکی و مکّاری سے جہاں دانشمندی کے ساتھ نمٹنا ہو گا، وہیں ہمیں اپنی لڑائیاں اور اپنے محاذ بھی دانشمندی سے منتخب کرنے ہوں گے۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ سمجھنا نہایت ضروری ہے کہ اسلام کو فتح حاصل ہوتی ہے دو چیزوں سے: ایک توحید اور دوسرا حدید۔ راہ دکھانے والی کتاب اور مدد کرنے والی تلوار کے ذریعے۔ زمین پر تمکّن حاصل ہوتا ہے جہادِ فی سبیل اللہ کے ذریعے۔ اور معاشرے سے منکرات کا حقیقی خاتمہ اور دین و شریعت کا قیام تبھی ممکن ہے جب زمین میں تمکین حاصل ہو۔ بنگلہ دیشی مسلمانوں کو یہ بھی اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے کہ بنگلہ دیشی مسلمانوں کی حقیقی آزادی اور بنگلہ دیش میں شریعت کے نفاذ میں سب سے بڑی رکاوٹ بھارت ہے۔ جب تک ہندوتوائی طاقت کا غلبہ رہے گا، بنگلہ دیش کے مسلمان آزاد نہیں ہوں گے۔ شیخ مجیب گیا اور شیخ حسینہ آ گئی، حسینہ جائے گی تو کوئی اور اس کی جگہ لے لے گا۔ چہرے بدلتے رہیں گے مگر ہندوتوائی جارحیت اسی طرح برقرار رہے گی یا مضبوط تر ہو جائے گی۔ یہ بھی جان لینا چاہیے کہ بنگال میں اسلام کا بول بالا ہونے کا مطلب پورے برِّ صغیر میں اسلام کا پرچم بلند ہونا ہے، اس لیے اگر آزدی مطلوب ہے، عزت کی زندگی مطلوب ہے اور نفاذِ اسلام مطلوب ہے تو ہندوتوائی طاقت کو کمزور و مغلوب کرنا پڑے گا۔ اس طویل مدتی مقصد کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے بنگلہ دیش کے مسلمانوں کو اپنے حالات کے مطابق جنگی حکمتِ عملی وضع کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر اس کام میں ذرا سی بھی دیر ہو گئی، حقیقت و حالات کو سمجھنے میں تاخیر ہوئی اور ہم ماضی کی غلطیاں ہی دہراتے رہے تو جو خمیازہ بھگتنا ہو گا وہ اس سے کہیں زیادہ سخت ہو گا جس کا ہمیں آج سامنا ہے۔

اللهم سددنا وألهمنا رشدنا، اللهم خرلنا واخترلنا بالعافية يا أرحم الراحمين، آمين يا ربّ العالمين!

برادرِ محترم ابو انور الہندی القاعدہ برِّ صغیر سے وابستہ ایک مجاہد فی سبیل اللہ ہیں اور انہوں نے یہ تحریر بنگلہ دیش ہی میں تحریر کی ہے۔ (ادارہ)

☆☆☆☆☆

## بقیہ: سلطانیٔ جمہور

لمبے قد والے ڈاکو نے سر پر بندھی ٹارچ کا رخ سیدھا کیا، روشنی کا ہالہ عثمان صاحب کے ارد گرد کے علاقے کو روشن کر گیا۔ اسی ایک لمحے میں ان سب نے دیکھا، پستول عثمان صاحب سے محض ایک فٹ کے فاصلے پر تھا۔ لمحے کے ہزارویں حصّے میں بہت کچھ ہوا تھا۔ عثمان صاحب نے پستول کی جانب ہاتھ بڑھایا، گھبراہٹ و بوکھلاہٹ میں لمبے قد والے ڈاکو نے انہیں ایک لات رسید کی، اس کی لات ان کے پیٹ میں لگی تھی، وہ درد سے دوہرے ہو گئے۔ اور 'ٹھاہ!!!' کی آواز کے ساتھ ایک شعلہ سردار کی پستول سے نکلا اور عثمان صاحب کی زوردار چیخ کی صورت 'یا اللہ......!' کی آواز پورے گھر میں گونج گئی۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

# یہ جہاد کرتے رہنا!

شہید ذاکر موسیٰ رحمہ اللہ

الحمد لله والصلاة والسلام على سيدنا محمد وعلى آله وسلم تسليماً كثيراً

کشمیر اور برِّصغیر میں موجود کلمۂ توحید کے علمبردار میرے عزیز بھائیو، محترم بزرگو، سنگ باز مرابط نوجوانو اور میدانِ قتال میں موجود صف شکن مجاہدین!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

قدم قدم رُکاوٹیں، صعوبتیں، مسافتیں
پھر بھی ہے جہاد کا یہ قافلہ رواں دواں!

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم سب کے ایمان کو محفوظ رکھیں اور ہمیں اللہ تعالیٰ اپنے دین کی خدمت کرنے والوں میں سے بنائیں۔

میرے پچھلے پیغام سے اس پیغام تک (کے عرصے کے دوران) بہت سے مجاہد ساتھی شہید ہوئے ہیں۔ اس مختصر پیغام میں سب کا نام لینا تو ممکن نہیں ہو گا، لیکن اللہ تعالیٰ سے ہر لمحہ یہی دعا ہے کہ ان مجاہد ساتھیوں کی شہادت قبول فرمائیں۔ میرا یہ یقین ہے کہ سب مجاہد ساتھی خالص اسلام کی سربلندی کی خاطر میدانِ جہاد میں آئے تھے پھر وہ چاہے شوپیاں یا پلگام کے مجاہدین ہوں، پلوامہ یا ترال کے مجاہدین ہوں، بارہ مولا یا سوپور کے یا حاجن کے مجاہدین ہوں یا پھر سرینگر اور بڈگام کے مجاہدین ہوں۔ ہر مجاہد کی شہادت سے اگر ہماری آنکھیں نم ہوئیں تو یقین مانیں اللہ عزّوجلّ نے اپنی رحمت کے دروازے بھی کھول دیے۔ اس بات کا کہنا ضروری ہے کہ جب میرے بہت ہی عزیز ساتھی شہید ہوئے...... جنھوں نے اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر یقین کیا، جو اس آزاد جہاد کے سفر میں ہمیشہ ساتھ ساتھ تھے، جن کی اس شہادت کے غم نے دل میں گھر کر لیا تو اللہ تعالیٰ کی رحمت بھی ساتھ ساتھ آئی، الحمدللہ۔ ریحان خان اور ان کے ساتھیوں کی شہادت پر امت مسلمہ اور بالخصوص اسلامیانِ کشمیر کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ شریعت یا شہادت کی خاطر کٹنے والے ان تمام بھائیوں کی شہادت قبول فرمائے، آمین یا رب العالمین۔

یہ قربانیاں ہمارے لیے فخر اور ہمارے مشن کا خاصہ ہیں۔ اس پر کشمیر اور ہند میں موجود ہمارے خیر خواہوں کو کسی بھی طور فکر مند نہیں ہونا چاہیے۔ میرے محترم بھائیو! یقین مانیے اللہ تعالیٰ کا ہر ایک وعدہ سچا ہے اور اللہ تعالیٰ کے وعدوں کی سچائی (جاننے) کی صرف ایک ہی شرط ہے کہ ان وعدوں پہ بھروسہ کیا جائے۔ انسانی عقل کا تقاضہ تو یہ ہے کہ آج سے بہت پہلے آزاد جہاد کی یہ تحریک ختم ہو(جا)نی چاہیے تھی لیکن یقین مانیے ہمارے لیے ہر دن نئی مدد آجاتی ہے اور نئے ساتھی جڑ جاتے ہیں۔ ہماری کوشش تو آزاد جہاد کی ایک اذان ہے۔ اور یہ اذان کشمیر کے ہر خطے میں گھر کر گئی ہے اور نہ صرف کشمیر بلکہ ہندوستان اور پاکستان سے بھی بہت سے ساتھی ہمارے ساتھ جڑ چکے ہیں۔ ان شاءاللہ ہم اس دن کی تیاری میں ہیں جب ہم اپنی کارروائیاں شروع کریں گے اور تب ہندوستان کے مکاروں اور قاہروں کے لیے کوئی بھی چھپنے کی جگہ نہیں ہو گی، ان شاءاللہ۔

میرے محترم مجاہد ساتھیو!

آج ہم اس دور میں ہیں جب کشمیر کے جہاد کے خلاف بہت ساری سازشیں ہو رہی ہیں۔ اس جہاد کو ختم کرنے کی کوششیں ہو رہی ہیں اور مجاہدین کو سرد خانے میں ڈالنے کی کوشش ہو رہی ہے۔ امریکہ کی شاگردی میں پاکستان اور ہندوستان دونوں مل کر اس جہاد کو نہ صرف کمزور بلکہ ختم کرنے کی سازش میں مگن ہیں۔ اس لیے ہوشیار ہو جایئے! ہمارے پاس اطلاعات بھی ہیں کہ بہت ساری ایسی تنظیمیں ہیں کہ جن پر کریک ڈاؤن شروع ہو چکے ہیں۔ یہ اسی سازش کی ایک کڑی ہے۔ اگر اس جہاد کو آج ختم کیا جائے گا تو اس کے قصوروار ہم بھی ہوں گے اور روزِ محشر میں یہ پوچھا جائے گا کہ ہم نے اس جہاد کی حفاظت کیوں نہیں کی۔

اور اس بات کو میں واضح کر دوں کہ کشمیر کا فیصلہ صرف جہاد سے ہو گا اور اس کا فیصلہ صرف اس بات پہ ہو گا کہ ہندوستان کے ان محلات پر اسلام کا پرچم بلند ہو جائے اور کشمیر کے ساتھ ساتھ پورے برصغیر میں شریعت کا نفاذ ہو۔ اس فیصلے کے علاوہ کوئی بھی فیصلہ یا کوئی بھی Agreement، کوئی بھی Treaty، کوئی بھی فارمولا اسلامیانِ کشمیر کو منظور نہیں ہے۔ ہم نے تو اللہ تعالیٰ سے وعدہ کیا ہے کہ ہماری آزادی کا مطلب لاالٰہ الااللہ ہے۔ ہم نے رب المشرقین اور رب المغربین سے یہ وعدہ کیا ہے کہ کشمیر میں صرف نظامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم قائم ہو گا۔ اگر ہم ان وعدوں کی خلاف ورزی کریں گے تو یاد رکھیے ہماری سزا اجتماعی ہو گی۔ اگر آپ اس غلط فہمی میں ہیں کہ مجاہدین اور جہاد کی طرف پاکستان کی پالیسی، کسی ایک سیاستدان یا فوجی جرنیل کی وجہ سے گرم اور سرد ہوتی ہے اور یہ وقت بھی بیت جائے گا تو یہ آپ کی خوش فہمی اور نادانی ہے۔ پاکستانی فوج اور حکومت اس خطے میں جہاد اور مجاہدین کے اولین دشمن ہیں، جو اپنی مکاریوں سے مجاہدین کو ایک طرف شہید کرتے ہیں تو دوسری طرف خود کو جہادی فتوحات کا مغز پیش کرتے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ امریکی غلام فوج اور حکومت اپنے آقا امریکہ سے بالکل بھی مختلف نہیں ہیں۔ بس وقتی طور پر یہ لوگ اسلام کا لبادہ اوڑھ کر خصوصاً آزاد کشمیر میں مجاہدین کو بے وقوف بناتے ہیں۔ لہٰذا ہوشیار ہو جایئے۔ ایک مسلمان کبھی بھی ایک سوراخ سے دوبار نہیں ڈسا جاتا۔

میرے عزیز مجاہد ساتھیو!

یہ صرف اللہ عزّوجلّ کی ذات ہے جو مجاہدین کو فتوحات دیتی ہے۔ ہمیں ہر لمحہ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرنی چاہیے کہ وہ ہمیں وہ دل عطا کریں جو اس کی رحمت کو دیکھے اور دیکھنے کے بعد ہمیں عمل کی توفیق عطا کرے۔ کیا آپ لوگ نہیں دیکھ رہے کہ کیسے پوری دنیا نے افغانستان میں جہاد کو ختم کرنے کی سازش کی۔ سترہ سال سے مجاہدین کا اللہ کے سوا کوئی محافظ نہیں تھا۔ ہر ملک اس سازش میں شامل تھا اور مجاہدین پر بم برسا رہے تھے اور آج دیکھیے کیسے اللہ تعالیٰ کی نصرت واضح ہو گئی۔ آج افغانستان میں مجاہدین اور شریعت کی فتح ثابت ہے۔ اگر ہم آج بھی اس نصرت کو نہیں دیکھیں گے تو ہم اللہ کے وعدوں کا انکار کرتے ہیں۔ افغانستان میں مجاہدین کی فتح تب ہی ممکن ہوئی جب انہوں نے اپنے جہاد کو سازشوں سے محفوظ رکھا۔ کسی کو یہ حق نہیں دیا کہ جہاد کی پیٹھ میں خنجر گھونپے۔ وہ آزاد جہاد کے مجاہدین ہمارے لیے مشعلِ راہ ہیں۔

کشمیر میں رہنے والے میرے محترم بھائیو!

آپ سے التجا ہے کہ مجاہدین کے لیے ہر لمحہ دُعا کریں اور جس کی جو استطاعت ہے وہ اس حساب سے جہاد کی مدد کرے۔ استطاعت کا مطلب یہ ہے کہ نوجوان جہاد کی تیاری کریں اور آزاد جہاد کی صفوں میں شامل ہو جائیں اور جو لوگ اس جہاد کے لیے اپنے آپ کو اہل نہیں سمجھتے ہیں وہ مال اور دعا سے مدد کریں اور اس بات کا خاص خیال رکھیں کہ آپ کے مال پر سب سے پہلے جہاد کا حق ہے۔ یہ ذمہ داری آپ پر ہے کہ آپ مجاہدین کی مالی معاونت کریں۔ آپ سے اس بات کا پوچھا جائے گا کہ جب مجاہدین فاقہ کشی کی حالت میں تھے تو آپ نے اپنا مال، زکوٰۃ اور صدقے کہاں پر خرچ کیے؟

میرے محترم علما حضرات!

آپ اللہ کے دین کے محافظ ہیں۔ آپ پر بہت بڑی ذمہ داری ہے کہ دین اور مسلمانوں پر جب یلغار ہو تو اسلام کا دفاع اور مجاہدین کا دفاع کریں۔ میرے محترم علما صاحبان! جس روز اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے کہ زبان پر تالے لگائے جائیں گے تو آپ سے پوچھا جائے گا کہ آپ نے اپنے علم کو کیسے خرچ کیا؟ اس بات کو یاد رکھیے کہ یہ علم آپ کے پاس امانت ہے اور اس علم کا آپ سے حساب لیا جائے گا۔

اس موقع پر میں اسلامیانِ کشمیر کو یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ شریعت کی فضا ہماری وادی میں تب ہی آئے گی، جب ہم ہندو کفار کے ساتھ اس جہاد میں فتح یاب ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فتح کا وعدہ ان سے کیا ہے جو اپنے اعمال درست کریں۔ خود کو تقویٰ گزار بنایئے اور خالص اللہ کی رضا کے لیے خود کی اصلاح کریں۔

یہ بات ذہن نشین کر لیجیے کہ محض ہندوستانی کفار کو اپنا دشمن سمجھنا کافی نہیں ہے۔ جہاں پر ان سے برأت ضروری ہے وہیں پر اسلامی طرزِ زندگی سے جڑنا بھی اتنا ہی اہم ہے۔ یہ دونوں چیزیں جب ساتھ ساتھ چلیں گی تب ہی اللہ تعالیٰ کی نصرت آئے گی اور ہم فتح سے فیض یاب ہوں گے، ان شاءاللہ۔

نوجوان لڑکے اور لڑکیاں اس امت کا مستقبل ہیں۔ لہٰذا خود کو ہر طرح کی فحاشی سے دور رکھیے۔ نماز قائم کیجیے اور نیک اعمال کیجیے۔ گناہ ایک مسلمان کے دل پر ضرب لگاتے ہیں اور اس کی آخرت کو خراب کرتے ہیں۔ آپ کے پاس اللہ کے فضل سے ان گنت وسائل موجود ہیں، جنہیں آپ اپنی اصلاح کے لیے استعمال کریں تاکہ آپ اور آپ کے والدین کو آخرت کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ عظیم میں شرمسار نہ ہونا پڑے۔ یاد رکھیے جہاد کے بغیر کسی بھی دوسرے طریقے کا استعمال...... چاہے وہ کینڈل مارچ (مشعل بردار ریلی) ہو یا اپنے لوگوں کی ہی گاڑیاں یا دکانیں بند کرانا یا باقی دیگر طریقے جو ہمیں زیادہ اور دشمن کو کوئی بھی نقصان نہیں پہنچاتے...... یہ سب ایک سراب ہے۔ بس جہادی عملیات ہی واضح راستہ ہے ہندو کفار کو نیست و نابود کرنے کا، ان شاءاللہ۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اسلام پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

سرزمینِ پاکستان میں رہنے والے جہاد پسند بھائیو!

آپ نے ہمیشہ کشمیر کے جہاد کے لیے مال اور جانیں حاضر کی ہیں تو آج ایسا کیا ہوا کہ جب کشمیر کی بستیوں اور بیابانوں میں مسلمانوں کا خون ہو رہا ہے تو آپ لاہور اور کراچی میں نالیاں صاف کر رہے ہیں۔ اگر کل تک آپ جمہوریت کو حرام کہتے تھے تو آج ایسا کیا ہوا کہ آپ اس جمہوریت کی قسمیں کھا رہے ہیں۔ یاد رکھیے محشر کے روز آپ کا حساب آپ سے لیا جائے گا اور اس وقت آپ کے امرا آپ کی سفارش کے لیے نہیں ہوں گے۔ یہ کیسی مدد ہے کہ جب آپ کا دل چاہے اور جب آپ کو اجازت ملے تو آپ مدد کے لیے آتے ہیں اور جب آپ کا دل چاہے لیکن آپ کو اجازت نہ ملے تو آپ رُک جاتے ہیں۔ آپ سے اس بات کا حساب لیا جائے کہ اگر آپ کشمیر کے جہاد میں شامل تھے تو آپ کیوں دس دس سال تک اس جہاد کو بھول گئے۔ جہاد آپ کی مرضی سے نہیں چلتا ہے بلکہ آپ کی مرضی جہاد کے ماتحت ہونی چاہیے۔ آپ کی مرضی اور آپ کی مجبوریوں کی وجہ سے ہی کشمیر کے جہاد کے ثمرات ضائع ہو رہے ہیں۔ جب آپ نے ۲۰۰۳ء میں کشمیر کے جہاد سے قدم پیچھے ہٹا لیے تو آپ نے اس جہاد کو تیس سال پیچھے کر دیا۔ یہی وہ وجہ ہے کہ پھر ایسا وقت بھی آیا جب جہادِ کشمیر گہری پستیوں میں گر پڑا اور اس جہاد کو پھر سے شروع کرنا پڑا۔

میرے محترم بھائیو!

اس بات کو سمجھیے کہ جب پاکستان کی حکومت پر زخم لگے تو یہ......

(باقی صفحہ نمبر 103 پر)

# یومِ شہدائے کشمیر

میر محب اللہ بڈ گامی

الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن
ملا کی اذاں اور مجاہد کی اذاں اور

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں
کرگس کا جہاں اور شاہیں کا جہاں اور

۱۸۴۶ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے کشمیر پر قبضہ کیا اور اپنے وفادار ڈوگرہ سپاہی ''گلاب سنگھ'' کو ۷۵ ہزار نانک شاہی میں بیچ دیا۔ اس طرح کشمیر ڈوگروں کے قبضے میں آ گیا، پھر یہ ڈوگرہ حکمران کشمیری مسلمانوں پر ظلم کے پہاڑ توڑتے رہے اور ٹیکسوں کا بھاری بوجھ ڈال کر زندگی کی سہولیات کیا، دو وقت کی روٹی سے بھی محروم رکھا۔ ڈوگرہ سپاہی بستیوں میں آکر کشمیری مسلمانوں کو لے جاتے اور جبراً مہینوں (بیگاری) بلا معاوضہ مشقت کراتے۔ زمینیں کشمیری مسلمان کاشت کرتے اور جب فصل تیار ہوتی تو ڈوگرہ سپاہی آکر پوری فصل کا حاصل ضبط کر لیتے۔ اس طرح کشمیریوں کو مہینوں کی محنت کے ثمرات سے محروم کیا جاتا۔ ڈوگرہ حکومت کے جاسوس بھی کاشت کاروں پر نظر رکھے ہوتے تھے اس لیے کاشت کاروں کے لیے غلہ چھپانا بھی نہایت مشکل تھا۔ اگر کوئی کشمیری کاشت کار اپنے بچوں کا پیٹ بھرنے کے لیے کچھ اناج رکھ لیتا تو فوراً ڈوگرہ سپاہیوں کے ظلم و تشدد کا نشانہ بن جاتا۔ لیکن ڈوگرہ راج کے ظلم و ستم کے بے شمار ہتھکنڈے مسلمانوں پر روا رکھنے کے باوجود کشمیری مسلمان ظالم و جابر ڈوگرہ راج کے خلاف آواز اٹھاتے رہے۔ اس آواز اٹھانے کی پاداش میں کشمیری مسلمانوں کو ظلم و تشدد اور قید و بند کی صعوبتوں کا سامنا کرنا پڑتا۔

۱۹۲۵ء میں جموں و کشمیر کے نوجوانوں نے ڈوگرہ سامراج کے خلاف بغاوت کی تحریک کا آغاز کیا جس سے ڈوگرہ حکمران خوف زدہ ہو گئے اور ۱۹۳۱ء میں ہری سنگھ نے کشمیری نوجوانوں کی تحریک کے وفد کے ساتھ ملنے پر آمادگی ظاہر کر دی۔ اس سلسلے میں ایک جلسہ منعقد کیا گیا۔ جلسے کے آخر میں عبد القدیر نامی ایک نوجوان نے جوشیلی تقریر کی جس میں اس نے کہا کہ کشمیری نوجوان ڈوگرہ حکومت کی طرف اپنے وفود بھیجنے کے بجائے ہاتھوں میں تلوار اٹھائیں اور سامنے موجود مہاراجہ ہری سنگھ کے محل کو گرا دو۔ جلسہ اختتام پزیر ہوا تو عبد القدیر پر بغاوت کا الزام لگا کر گرفتار کر لیا گیا جس کے سبب کشمیری مسلمانوں میں ڈوگرہ حکمرانوں کے خلاف شدید غصے کی لہر دوڑ گئی۔ ۱۳ جولائی ۱۹۳۱ء کو ڈوگرہ انتظامیہ نے حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے مقدمے کی سماعت کی کارروائی عدالت کے بجائے جیل میں ہی رکھی اور اس روز ہزاروں کشمیری نوجوان سرینگر کے سنٹرل جیل کے احاطے میں جمع ہوئے۔ اس دوران نمازِ ظہر کا وقت ہوا تو ایک کشمیری نوجوان اذان دینے کے لیے کھڑا ہوا، یہاں اذان فضا میں گونجی وہاں پر گائے اور کروڑوں خداؤں کے پجاری ڈوگرہ گورنر ''تار تلک چند'' پر لرزہ طاری ہو گیا اور اس سفاک نے سپاہیوں کو مؤذن پر گولی چلانے کا آرڈر دیا۔ ایک نوجوان اذان دیتے ہوئے شہید ہوا تو دوسرا اذان کی تکمیل کے لیے کھڑا ہوا، اسے بھی گولی مار کر شہید کر دیا گیا۔ یہاں تک کہ اذان کی تکمیل تک یکے بعد دیگرے چوبیس (۲۴) نوجوانوں نے جام شہادت نوش کیا۔

دراصل اس اذان کے الفاظ اپنے حقیقی معنی و مفہوم کے ساتھ ادا کیے گئے۔ یہ اذان ظالم بادشاہ کے سامنے کلمۂ حق کہنا تھا۔ سیّدنا طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت نبی کریم ﷺ نے اپنے پاؤں مبارک رکاب میں رکھے ہوئے تھے اور پوچھنے لگا کہ 'کون سا جہاد سب سے افضل ہے؟'۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا 'ظالم بادشاہ کے سامنے کلمہ حق کہنا'۔ (مسند احمد: جلد ہشتم: حدیث نمبر ۶۸۳)۔

ان شہدا کی ''اللّٰهُ اَكْبَر، اللّٰهُ اَكْبَر، اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا الله، اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا الله'' کی صدا دراصل اُس پاکیزہ کلمے کی پاکیزہ دعوت اور گواہی تھی جس کلمے کی طرف دعوت اور جس کلمے کی گواہی کے لیے انبیاء و رسل مبعوث ہوئے۔ دراصل ان شہدا نے جابر و ظالم بادشاہ کے سامنے وہی دعوت پیش کی جو دعوت آدم و نوح علیہما السلام کی تھی، جو دعوت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کی تھی، جو دعوت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کی تھی، جو نبی آخر الزمان ﷺ کی دعوت تھی۔ ہر دور میں اللہ والوں نے یہی دعوت دی، علمائے کرام نے اسی کی تعلیم دی، داعیانِ دین نے اسی کی طرف بلایا، مجاہدین نے اسی کی خاطر جانیں لٹائیں۔ دراصل یہ اس کلمے کی دعوت و شہادت تھی جس کی شہادت اللہ رب العزت نے دی، فرشتوں اور علمائے راسخین نے دی۔ اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں:

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ (سورۃ آل عمران: ۱۸)

''اللہ نے خود اس بات کی شہادت دی ہے کہ اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے۔ اور فرشتے اور سب اہل علم بھی راستی کے ساتھ اس پر گواہ ہیں کہ اس زبردست حکیم کے سوا فی الواقع کوئی الٰہ نہیں ہے۔''

در اصل ان شہدا کی گواہی و دعوت، وہ دعوت تھی جس دعوت کی شہادت حضرت یوسفؑ نے جیل میں قیدیوں کے سامنے دی تھی اور اس پاکیزہ دعوت کو اللہ رب العزت نے قرآن پاک میں اس طرح بیان فرمایا:

مَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِهِ إِلَّا أَسْمَاءً سَمَّيْتُمُوهَا أَنتُمْ وَآبَاؤُكُم مَّا أَنزَلَ اللَّهُ بِهَا مِن سُلْطَانٍ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ○(سورۃ یوسف:۴۰)

”اس (اللہ) کو چھوڑ کر تم جن کی بندگی کر رہے ہو، وہ اس کے سوا کچھ نہیں ہیں کہ بس چند نام ہیں جو تم نے اور تمہارے آباواجداد نے رکھ لیے ہیں، اللہ نے ان کے لیے کوئی سند نازل نہیں کی۔ فرمانروائی کا اقتدار (حکومت) اللہ کے سوا کسی کے لیے نہیں ہے۔ اس کا حکم ہے کہ خود اس کے سوا تم کسی کی بندگی نہ کرو، یہی ٹھیٹھ (درست) سیدھا طریق زندگی ہے، مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔“

یعنی نہ صرف یہ کہ تمام مخلوقات کا رب صرف اور صرف اللہ رب العزت ہے۔ بلکہ حاکمیت اور قانون سازی کا سزاوار بھی صرف اور صرف اللہ عظیم الشان ہی ہے۔ دراصل ان شہدا کا پیغام ” اَللّٰهُ اَكْبَر ۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا الله“ کی صدا بلند کر کے تمام طواغیت کی نفی تھی۔

۱۳ جولائی ۱۹۳۱ء کے دن چوبیس کشمیری نوجوانوں نے اذان کی تکمیل پر اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر کے اپنے عظیم رب کے عظیم عرش کے نیچے جگہ پائی اور پیچھے آنے والوں کے لیے یہ پیغام چھوڑا کہ ہم نے اذان کی تکمیل پر اپنی جانیں پیش کرنے سے گریز نہیں کیا، اب اللہ کی زمین پر اللہ کے نظام کا نفاذ تمہارے ذمے ہے۔

۱۹۳۱ء سے کشمیر میں تحریک مختلف مراحل سے گزرتی ہوئی چلتی رہی اور ۱۹۴۷ء میں ڈوگرہ ہری سنگھ کی سوا گت پر ہندوستان کی غاصب فوج کشمیر میں داخل ہوئی اس طرح بربریت اور سفاکیت کا نیا چہرہ سامنے آیا جس نے دس قدم آگے بڑھ کر کشمیری مسلمانوں کو ظلم کی چکی میں پیسنا شروع کیا اور ہنوز کشمیری مسلمان اس ظلم کی چکی میں پسے جا رہے ہیں۔ وہ سرزمینِ کشمیر میں مساجد اور دیگر شعائرِ اسلام کی بے حرمتی ہو۔ وہ مسلمانوں کا قتلِ عام ہو یا ہماری عفت مآب بہنوں کی عزتوں کو پامال کرنا ہو، وہ مسلمانوں کی اراضی، باغات، اور جنگلات پر قبضہ ہو یا معاشی استحصال کے دیگر حربے ہوں، وہ نوجوانانِ کشمیر کو لاپتہ کرنا ہو یا جوانوں، بزرگوں اور خواتین کو کالے قوانین کے تحت زندانوں میں ڈالنا ہو۔ غرض کشمیر کا کوئی شہر، کوئی بستی، کوئی گھر اور کوئی وادی، ہندو بنیے کے ظلم اور بربریت سے محفوظ نہیں رہی۔ بہر حال ۱۹۸۹ء میں شہدائے ۱۳ جولائی کے پیغام کو عملی جامہ پہنانے کے لیے نوجوانانِ کشمیر کی تحریک، اعداد و قتال کے راستے پر چلی لیکن افسوس صد افسوس کہ راستے میں بیٹھے ’محسنوں‘ کے لباس میں لٹیروں نے اس تحریک کو یرغمال بنالیا اور نہ صرف تحریک کو یرغمال بنالیا بلکہ اس تحریک کے نظریے اور فکر کو ہی اغوا کر لیا اور اس تحریک کے نصب العین کو ہی دُھندلا کر دیا!

بلاشبہ تحریکوں کے نظریے، منہج، فکر اور نصب العین کو اغوا ہونے سے بچانے کے لیے کڑی پہرے داری کی ضرورت ہوتی ہے اور نفاذ شریعت کی تحریک کے منہج، فکر اور نصب العین کے پہرے دار، علمائے ربانیین ہوا کرتے ہیں اور یہ علم، فہم اور مؤمنانہ بصیرت سے مسلح ہوتے ہیں۔ یہی وہ پہرہ داری ہے جس سے ماضی میں جہادِ کشمیر کی تحریک محروم رہی۔ بہر حال مخلص شہدا کا خون رائیگاں نہیں جاتا۔ بلا شبہ اللہ احکم الحاکمین کی توفیق اور نصرت کے بعد شیخ افضل گورو شہید، برہان وانی، ذاکر موسیٰ، ریحان خان، ابو دجانہ، حماس بھائی، مفتی ہلال، سبزار بٹ، ہارون عباس اور دیگر شہدا کی کوششوں اور قربانیوں سے ہی جہادِ کشمیر کا آزاد ہونا ممکن ہوا۔ اے ربِ ذوالجلال موجودہ شریعت یا شہادت کی تحریک کو درست منہج، صحیح فکر اور واضح نصب العین کے محافظ علمائے ربانیین عطا فرما اور اس تحریک کو نبوی منہج، صحابہ رضوان اللہ اجمعین کی فکر اور درست نصب العین پر ثابت قدمی کے ساتھ آگے بڑھنے کی توفیق سے ہمکنار فرما، آمین!

بات ۱۹۸۹ء میں اٹھنے والی تحریک کی چل رہی تھی جب نام نہاد محسنوں نے اس تحریک کی فکر کو اغوا کیا، تو مجاہد فی سبیل اللہ ”فریڈم فائیٹر“ بن گیا اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے قتال ”جنگ آزادی“ بن گئی۔ اور جنگ کا مقصد یہ ٹھہرا کہ طاغوت اکبر (امریکہ) کا غلام ادارہ اقوام متحدہ کشمیر کی طرف متوجہ ہو جائے۔ لیکن ایک لاکھ سے زائد کشمیری مسلمان شہید ہو چکے، ہزاروں مسلمان زندانوں کی نذر ہو چکے، اور لاتعداد عفت مآب بہنوں کی عصمتیں تار تار ہو چکیں، لیکن اقوام متحدہ کشمیر کی طرف متوجہ نہ ہوئی۔ اور ہزار سال مزید دوسروں کے تابع یہ جنگِ آزادی جاری رہے اس نے متوجہ نہیں ہونا۔ اگر کبھی اپنے شیطانی مقاصد کی تکمیل کے لیے ہو بھی جائے تو اس نے کشمیریوں کو کفر کی ظلمتوں میں ہی دھکیلنا ہے۔

چونکہ بات ۱۹۸۹ء میں اٹھنے والی تحریک کی چل رہی ہے اس لیے اعداد و قتال کی غرض سے ہجرت کرنے والے کشمیری بھائیوں کی خدمت میں چند باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ شاید کہ اتر جائے تیرے دل میں میری بات۔ وہ ہمارے بھائی جن کو والدین نے اس لیے اعدادِ جہاد کے لیے روانہ کیا تھا کہ ان نوجوانوں کے ہاتھوں سایۂ اسلام کی پیاسی سرزمینِ کشمیر کی پیاس بجائی جائے۔ اور بہنوں نے اپنے بھائیوں کو اس لیے روانہ کیا تھا کہ ان عفت مآب بہنوں کو نجس ہندو درندوں کے ناپاک اور برے عزائم سے بچایا جاسکے۔ لیکن افسوس ہمارے ان بھائیوں کی فکر اس قدر تبدیل کی گئی کہ اب یہ ہمارے بھائی سبزی اور مرغیاں بیچتے، پلاٹوں کی خرید و فروخت کرتے، اور سڑکوں پر ٹیکسی چلاتے نظر آتے ہیں اور کبھی کبھار اپنے آپ کو تسلی دینے کے لیے سڑکوں پر احتجاج کرتے نظر آتے ہیں۔ ہمارے محبوب بھائیو یقین جانیے ہماری نظروں میں آپ ٹیکسی ڈرائیور اور سبزی فروش نہیں بلکہ وہی معسکروں میں تربیت کرنے والے نورانی چہروں کے ساتھ ایک ہاتھ میں کلاشن اور دوسرے ہاتھ میں قرآن اٹھانے والے اقبال کے شاہین ہی ہیں۔ لیکن دکھ اس بات پر ہے کہ اب آپ نے آشیانے ہی بنا لیے۔ حالانکہ شاہین کبھی آشیانہ نہیں بناتا۔ اقبال نے کیا خوب کہا تھا۔

(باقی صفحہ نمبر 136 پر)

# وہ چوبیس (۲۴) اذان دینے والے

عمر منصور

خراسان کا وہ شیر ہندو ڈوگرہ عدالت میں سینہ تان کے مشرکین کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر انہیں للکار رہا تھا اور باہر اس کے مقامی انصار کشمیری بھائی اسلام کے نعرے بلند کر کے اس کی حمایت کر رہے تھے۔

جب عبد القدیر خان خراسان سے کشمیر آیا تو ہندو ڈوگرہ حکومت کے مسلمانانِ کشمیر پر ظلم و ستم کو دیکھا۔ ظلم بھی ایسا کہ اگر کوئی ہندو کسی مسلمان کا قتل کرے تو اس کو کچھ ٹکوں کا جرمانہ بھر کے قانونی طور پر الزام سے بری کیا جاتا تھا۔

کشمیری مسلمانوں کو ظالم ڈوگرہ شاہی بنا کسی معاوضے کے زبردستی مزدوری کرواتی، کبھی کھیتوں میں تو کبھی گلگت کے برفانی پہاڑوں میں ان کو ڈوگرہ ہندو فوج کے لیے سپلائی کے کام پر لگاتی۔ کشمیر میں اس کام کو 'بے گیر' (بیگار) کہا جاتا ہے۔

جموں سے لے کر مظفر آباد اور سرینگر سے لے کر کارگل، ہر جگہ پر مسلمان ہندو ڈوگرہ کے ہاتھوں بے پناہ ظلم اور ستم کی چکّی میں پس رہا تھا۔

ظلم کا یہ عالم تھا کہ جب جموں میں ایک ہندو نے اسلام قبول کیا اور مسلمان بن گیا تو ہندو تحصیلدار نے اس کو اپنی ہی زمین سے بے دخل کر دیا۔

جموں کے ایک علاقے میں جب مولوی صاحب جمعے کے خطبے میں موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا واقعہ بیان کر رہے تھے اور اس کی اہمیت سمجھا رہے تھے تو ڈوگرہ ہندو فوجی نے زبردستی خطبہ رکوا دیا۔

ڈوگرہ فوجی اور ان کے آلۂ کار کشمیری ہندو آئے دن کسی نہ کسی طریقے سے قرآن کی بے حرمتی کرتے۔

ایسے میں شہید عبد القدیر خان نے ۲۵ جون ۱۹۳۱ء کو سرینگر کی تاریخی مسجد خانقاہِ مولا میں ایمان افروز تقریر کر کے مسلمان کشمیر میں کا دل جیت لیا اور ایک امّت کا تصور پیش کیا۔

شہید عبد القدیر خان نے تقریر میں کہا:

''مسلمان بھائیو!

آپ صرف اپنی قوت بازو پر بھروسہ رکھیں اور ظلم کے خلاف ایک مستحکم جہاد کریں اور اس (ڈوگرہ ہندو کے محل کی طرف اشارہ کیا) کو خاک میں ملا دیں۔ ہمارے پاس مشین گن نہیں ہے لیکن ہمارے پاس بہت پتھر اور لاٹھیاں ہیں۔''

اگلے ہی دن ڈوگرہ ہندو فوج نے انہیں گرفتار کر کے ان کے خلاف مقدمہ چلایا۔ اپنے اس محسن کی گرفتاری کی خبر سن کر مسلمانانِ کشمیر ہزاروں کی تعداد میں سڑکوں پر نکل آئے اور پھر اسی مقدمے کی پیروی میں ۱۳ جولائی ۱۹۳۱ء کو سرینگر سینٹرل جیل کے باہر جمع ہو گئے۔

ماحول میں کشمیری مسلمانوں کی ایمانی طاقت کی خوشبو کی مہک تھی، اور نعروں میں اسلاف کے جہادی عزم کی جھلک تھی۔

ظہر کی نماز کا وقت تھا کہ امّت کا ایک بیٹا، اذان دینے کے لیے کھڑا ہو گیا۔ ابھی اذان شروع ہی کی تھی کہ ڈوگرہ کافر فوج کے کانوں میں اس نے ہلچل مچا دی اور اذان دیتے ہوئے امّت کے اس بیٹے کا سینہ گولیوں سے چھلنی کر دیا گیا۔ یہ دیکھ کر اللہ کا ایک اور غلام اذان مکمل کرنے کے لیے اٹھا لیکن اسے بھی ڈوگرہ فوج نے شہید کر دیا۔ تیسرا مسلمان آنکھوں دیکھی موت کی طرف فخر سے بڑھا اور اسے بھی شہید کر دیا گیا۔ غلام محمد حلوائی نامی شخص اٹھا اور غیرت کی عظیم مثال رقم کرتے ہوئے ایک ڈوگرہ فوجی کا ہتھیار چھیننے کی کوشش کی اور اسی میں شہید کر دیا گیا۔ اذان کی حرمت کی خاطر ایک کے بعد ایک مسلمان کھڑا ہوا یہاں تک کہ چوبیس شہدا نے اپنی جان کا نذرانہ پیش کر دیا۔ ایک شہید نے اپنی آخری سانسوں میں وصیت کی ''میں نے اپنا کام کر دیا اب آپ آگے بڑھیے''۔

اس واقعہ کے بعد پورے کشمیر میں فدائیت اور مزاحمت کی لہر دوڑ گئی اور نہ صرف مرد بلکہ خواتین نے بھی اللہ کی راہ میں اپنی جانیں پیش کر دیں۔

۱۳ جولائی کے یہ شہدا تمام مسلمانانِ کشمیر و برصغیر اور پوری دنیا کے مسلمانوں کے لیے مشعلِ راہ ہیں کہ ہم اللہ کے دین کے کسی ایک شعبہ کو بھی نہیں چھوڑیں گے اور اللہ کے کلمے کے لیے اپنا سر کٹا دیں گے۔

مسلمانانِ کشمیر کی اس عظیم قربانی نے پورے برصغیر میں اسلامی اخوت کی ایک لہر دوڑا دی اور ہندوستان سے کتنے ہی مسلمانوں نے اپنے کشمیری بھائیوں کی مدد کے لیے کشمیر کا رخ کیا اور کشمیر کے بارڈر پر ڈوگرہ فوج کے ساتھ لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔

عبد القدیر خان کو بھی ڈوگرہ ہندو فوج نے شہید کر دیا۔ خراسان اور ہندوستان کے مسلمانوں کے خون نے کشمیر میں ہزاروں چراغ جلائے اور ہندوستان اور خراسان سے عصرِ حاضر میں بھی

مجاہدین اپنے کشمیری بھائیوں اور بہنوں کی نصرت کے لیے کشمیر کا رخ کرتے رہے۔ غازی بابا شہید سے لے کر شہید بدر منصور تک نے شہید عبد القدیر خان کے راستے کو اپنایا۔

۱۳ جولائی ۱۹۳۱ء کو اذان کی حرمت کی خاطر جام شہادت نوش کرنے والوں کے ناموں کی فہرست کے ساتھ اختتامِ مضمون کرتے ہیں:

1. خالق شورا
2. اکبر ڈار
3. غلام احمد ریتھر
4. عثمان مصغر
5. غُلام احمد بھٹ
6. غُلام محمد حلوائی
7. غُلام نبی کلوال
8. غُلام احمد نقاش
9. غُلام رسول درہ
10. امیر الدین مکائی
11. سبحان مکائی
12. غُلام قدیر خان
13. رمضان چولہ
14. غُلام محمد صوفی
15. نصیر الدین
16. امیر الدین جندگرو
17. محمد سبحان خان
18. محمد سلطان خان
19. عبد السلام
20. غُلام محمد تیلی
21. فقیر علی
22. غُلام احمد ڈار
23. مغلی
24. عبد اللہ آہنگر

☆☆☆☆☆

## بقیہ: یومِ شہدائے کشمیر

پرندوں کی دنیا کا درویش ہوں میں
کہ شاہین بناتا نہیں آشیانہ

دراصل محسنوں میں رہتے ہوئے شاہین کے ذہن سے، صفاتِ شاہین ہی محو ہو گئیں! نہیں ہمارے محبوب بھائیو آپ شاہین تھے، شاہین ہیں اور شاہین ہی رہیں گے صرف ذرا سا غور و فکر اور اللہ رب العزت سے گڑا گڑا کر مانگنے کی اور رب ذوالجلال پر توکل کرنے کی ضرورت ہے۔ اور قرآن پاک کی آیات پر غور و فکر کی ضرورت ہے۔ خصوصاً درج ذیل آیات پر:

﴿يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ○ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ○ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ○ وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ○

”اے میرے بندو جو ایمان لائے ہو بیشک میری زمین کشادہ ہے پس میری ہی عبادت کرو۔ یاد رکھو ہر ذی حیات کو موت کا مزہ چکھنا ہے پھر تم سب کو ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے ان کو یقیناً ہم بہشت کے بالاخانوں میں جگہ دیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی (جن کا لطف وہ اپنے بالا خانوں سے اٹھائیں گے اور) وہ وہاں ہمیشہ رہیں گے۔ (دیکھو) کیا اچھا بدلہ ہے نیک عمل کرنے والوں کا۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے صبر کیا اور اپنے پروردگار پر بھروسہ کیا۔(دنیا میں مال و دولت کی فکر میں لگا رہنا مقصد حیات نہیں۔ یہ تو وسیلہ ہے، دیکھو جانوروں کو کون رزق دیتا ہے)۔ اور کتنے جانور ہیں جو اپنی روزی اٹھائے نہیں پھرتے۔ اللہ ہی ان کو رزق دیتا ہے اور تم کو بھی۔ اور وہی (تمہاری دعاؤں کو) سننے والا (تمہاری ضرورتوں کو) جاننے والا ہے۔“(سورۃ العنکبوت: ۵۶ تا ۶۰)

نبی اکرم ﷺ کا فرمان، مبارک ہے:

” جعل رزقی تحت ظل رمحی.“

”میرا رزق میرے نیزے کے سائے تلے رکھا گیا ہے۔“(بخاری)

ہمارے محبوب بھائیو ظلم و ستم کی چکی میں پسنے والی آپ کی اور ہماری مائیں، بہنیں، بھائی اور بزرگ، شاہینوں کے ہندو درندوں پر جھپٹنے، پلٹنے اور پلٹ کر جھپٹنے کے لیے منتظر ہیں!

[تعارفِ مصنف: برادرِ محترم ’میر محب اللہ‘ ایک مجاہد فی سبیل اللہ ہیں اور آپ کا تعلق مقبوضہ کشمیر کے ضلع بڈگام سے ہے۔ آپ نے ۲۰۰۱ء میں جہاد میں شمولیت اور تربیت کی غرض سے ہجرت کی اور ایک کشمیری تنظیم سے وابستہ رہے۔ بعد ازاں جہادی نظم پر انٹیلی جنس ایجنسیوں کے تسلط کو دیکھتے ہوئے اور ایجنسیوں کی ماتحتی سے آزاد جہاد کی غرض سے آپ جماعت القاعدہ میں شامل ہو گئے۔ (ادارہ)]

☆☆☆☆☆

# ہندوستان کے دگرگوں حالات اور ہم

محمد راشد دہلوی

قبل اس کے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی دگرگوں صورتِ حال کا جائزہ لیا جائے ایک نظر ان انگریزوں میں سے ایک کے بیان پر جن کی چالاکیاں، دھوکے بازیاں مسلمانوں کے ہند میں زوال کا ایک سبب بنیں۔ یہ قول درک کرنا اس مقصد کے لیے بھی ہے کہ ہم سمجھ سکیں کہ ہم دشمن کی نظر میں کیا تھے اور اب ہم کیا ہو گئے۔

ڈاکٹر ہنٹر لکھتا ہے:

''ایسٹ انڈیا کمپنی کے سابق ملازمین اپنی حیثیت کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ اور جب انہوں نے پہلے پہل صوبہ جات پر قبضہ کیا تو اسلامی نظام کو برقرار رکھا۔ انہوں نے شرعِ اسلامی کو ملک کا قانون بنایا اور اس کے نفاذ کے لیے مسلمان قاضی مقرر کیے۔ اس وقت جو بھی کیا جاتا دہلی کے مسلمان شہنشاہ کے نام پر کیا جاتا۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی بادشاہت کا طغری امتیاز حاصل کرنے سے اس قدر ڈرتی تھی کہ ایک طویل مدت تک بھی جب مسلمان ملازمین کی وساطت سے حکومت کرنے کی کوشش غیر اسلامی نظام کی ناقابل ذکر بدعنوانیوں کے باعث قطعاً ناکامیاب ہو چکی تھی اس نے یہی ظاہر کیا کہ وہ بادشاہ کی نائب ہے۔ یہ ایک تاریخی واقعہ ہے کہ اس کی ظاہرداری نے آخر ایک قابلِ دید تماشے کی صورت اختیار کر لی تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر ہم نے بادشاہت قبول کرنے میں دس سال بھی جلدی کی ہوتی تو ہم مسلمانوں کی ایسی بغاوت میں گھر جاتے جو ۱۸۵۷ء کی بغاوت سے بھی کہیں زیادہ خطرناک ہوتی۔ مسلمان محسوس کرتے کہ ان کی حیثیت بیک جنبشِ قلم بدل گئی، ہماری اپنی حالت بھی ایک ایسی کافر طاقت کی ہو جاتی جس نے دارالاسلام پر قبضہ کر لیا ہو۔ اندریں حالات مسلمانوں کی ایک بہت بڑی اکثریت جمع ہو جاتی کہ بغاوت کو فرض عین قرار دے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازمین کی قابل تعریف اعتدال پسندی اور اس عزم بالجزم نے کہ اسلامی سلطنت کی تدریجی اور طبعی موت میں ایک لمحہ بھر کی عجلت نہیں کی جائے، نے اس مصیبت کو ہمارے سر سے ٹال دیا، ہندوستان بتدریج اور غیر محسوس طور پر دارالاسلام سے دارالحرب میں تبدیل ہو تا گیا۔''

## گیان واپی مسجد کو بابری مسجد بنانے کی تیاری

جو مذہب من گھڑت ہو، اس کی آستھا بھی من گھڑت ہوتی ہے۔ اس کے دعوے بھی من گھڑت ہوتے ہیں اور اسی طرح کے ایک من گھڑت دعوے کی بھینٹ وارانسی (اترپردیش) میں واقع گیان واپی مسجد چڑھنے کو ہے۔ سازش، دھوکے بازی، شڑینتر کے بادل ایک عرصے سے گیان واپی مسجد کے اوپر منڈلا رہے ہیں۔ ڈر و خوف کی اس حالت نے اس وقت شدت اختیار کر لی جب بی جے پی (موجودہ حکومت) کے ایک کارکن نے عدالت میں مسجد کے خلاف ایک اپیل کی اور اس اپیل کے نتیجے میں جج نے گیان واپی مسجد کی تحقیقاتی ٹیم بنانے کا حکم دے دیا۔ مسلمان علما و دانشور سخت سکتے میں ہیں اور اس اندیشے کا اظہار کر رہے ہیں کہ کہیں گیان واپی مسجد کو بھی بابری مسجد نہ بنا دیا جائے۔ ہندو شدت پسندوں کے نشانے پر بنارس کی شاہی مسجد کے ساتھ ساتھ تین ہزار (۳۰۰۰) مسجدیں اور بھی ہیں جن کو وہ شہید کرنے کا عزم رکھتے ہیں اور موجودہ حکومت کے وزیرِ اعلیٰ نے اپنی خواہش کا اظہار یہ کہہ کر کیا کہ وہ چاہتا ہے ہر مسجد میں نعوذ باللہ، گوری، گنیش اور نندی کی مورتیاں رکھیں جائیں...... مگر افسوس اور ہم...... یونہی اپنی بے بسی پر روتے رہے۔ تھکی ہوئی، سوئی ہوئی قوم کو ہندوؤں نے ایک بار پھر میدان میں للکارا ہے اور شاید یہ کہنا غلط نہیں ہو گا کہ ہندوؤں نے مسلمانوں کو پھر سے اپنے ناپاک ارادوں سے ڈرایا ہے، یہ قوم (جس نے ایک ملک پر آٹھ سو سال حکومت کی ہے) کبھی تھکی یا سوئی نہیں تھی جب تک قوم نے قرآن و حدیث کو اپنا مشن بنائے رکھا تھا۔ غلاظت میں ڈوبے، ناپاک ارادوں کے حصول کے لیے من گھڑت باتیں تاریخ پر تھوپی جا رہی ہیں۔ متعصب ذہن یہ شڑینتر (سازش) رچتے ہیں کہ مسجد میں مندر کی باقیات موجود ہیں، خاص طور پر مسجد کی مغربی دیوار، اس کے ستون مندر کی عکاسی کرتے ہیں اور اس حد تک کہا جا چکا ہے کہ مندروں کے ستونوں پر مسجد کو تعمیر کیا گیا ہے۔ اب ذرا سوچیں کہ کیا اورنگ زیبؒ کو فنڈ کی کمی ہو گئی تھی کہ انہوں نے مندروں کے ستونوں کے اوپر ہی چھت ڈلوا دی یا مندر کو منہدم کرنے کا خرچا ملک کا حاکم برداشت نہیں کر سکتا تھا؟ اول تو مندر گرجے اسلام ڈھاتا نہیں، اور اگر ڈھاتا ہے تو تب جب مندر گرجے والوں سے علاقہ بزور فتح کیا گیا ہو۔ اگر مندر کو گرایا گیا ہے تو، مؤرخین مندر کو ڈھانے کی ایک وجہ یہ بتاتے ہیں کہ مندر کو تعمیر کرنے والے راجا مان سنگھ کے پوتے جے سنگھ نے مغل حکومت کے دشمن شواجی کو پناہ دے کر اس کی حفاظت کی تھی اور شہر کے ہندو برہمن بھی اسلامی نظام کے لیے مشکلات پیدا کر رہے تھے، یہ عمل ان لوگوں کے لیے ایک چیتاؤنی تھی کہ سدھر جاؤ، سدھر جاؤ!

ہندوستان کی سب سے بڑی عدالت (سپریم کورٹ) نے ۱۹۹۲یا۱۹۹۳میں یہ فیصلہ دیا کہ ۱۹۴۷ کے بعد عبادت گاہوں کو نہیں بدلہ جائے گا، یعنی ۴۷ کے بعد جو مسجد ہے اسے مسجد اور جو مندر ہے اسے مندر رہنے دیا جائے۔ لیکن یہ فیصلہ صرف کاغذوں کی حد تک تھا، ہو وہ رہا ہے جو شدت پسند چاہتے ہیں، جس کی پوری سپورٹ انتظامیہ کر رہی ہے۔

## رب کی مقدس کتاب (قرآن) کی بے حرمتی

ہر مسلمان کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی زندگی قرآنِ کریم کے مطابق بسر کرے کیوں کہ اسی میں اس کی دنیا و آخرت کی فلاح ہے اس سے بڑی ذمہ داری امت کے کاندھوں پر اس کی حفاظت کی ہے کیوں کہ دنیا بھر میں شیطان کے پیروکار، اپنے نفس کی غلامی میں اللہ کے پیغام کو انسانیت تک پہنچنے نہیں دینا چاہتے، وہ چاہتے ہیں کہ انسان انسان نہ رہے بلکے اپنے نفس کا غلام بن جائے اور وہ سارے کام کرتا پھرے جس سے انسانیت شرمسار ہو جائے۔ ایسی ہی ایک کوشش ہندو شدت پسند تنظیم بی جے پی کے خبیث وسیم رضوی نے قرآن کریم کی چھبیس (۲۶) آیتوں کے خلاف عدالت میں اپیل کر کے کی ہے۔ اللہ کی کتاب کی بے حرمتی بھارت میں پہلی بار نہیں کی گئی ہے۔ سیکڑوں بار قرآن کے اوراق جلائے گئے۔ دنگوں میں مسجدوں کے ساتھ قرآن کی بے حرمتی کی گئی۔ انہیں نذرِ آتش کیا گیا اور اب نعوذ باللہ اللہ کی پاک کتاب کے متعلق مشرکین بحث کریں گے، اپنے گندے ارادوں کا اظہار کریں گے، اس کو بدلنے کی کوشش کریں گے؟؟؟

اللہ رب العزت کا یہ پاکیزہ قرآن ہر اس مسلمان سے یہ پوچھنے میں حق بجانب ہے کہ آخر میری حفاظت کرنے والے وہ شمشیر تھامے بازو کہاں ناپید ہوگئے ہیں؟ تمہارے آبا ہی تھے جنہوں نے مجھے تھامے رکھا اور کسی خبیث النفس کی کیا مجال تھی جو میری شان میں ایک لفظ بھی کہے؟!

تو شاید، ہم جواب میں یہ کہیں......

کہ ہم سیکولر ہندوستان کی آزاد فضا میں سانس لیتے ہیں نعوذباللہ انہیں یہ حق ہے کہ وہ جو چاہے کریں، بکیں اور ہمیں بھی یہ حق ہے کہ ہم بھی آئین کا احترام کرتے ہوئے عدالتوں کے چکر لگائیں۔

آئے ذرا کوئی مائی کا لال، ہندوستان کے آئین کی بے حرمتی کر کے تو دکھائے (دو کشمیریوں کو سنیما گھر میں قومی ترانے کے احترام میں نہ کھڑے ہونے کے نتیجے میں سلاخوں کے پیچھے ڈال دیا گیا)۔

واہ رے مسلمان، اس ملک کے ناقص آئین کا اتنا احترام اور میرے رب کی کتاب کی یہ حیثیت، میرے رب کی پاکیزہ کتاب کے ساتھ یہ برتاؤ، اور ہم خاموش، بے بس، دنیاوی ضروریات کے انتظام میں پھنسے، مصلحتوں کا جاپ الاپتے، امن پسندی کا ثبوت دیتے، ملک ملک، وطن وطن، وغیرہ وغیرہ۔ ایک دن، آنکھیں تو بند ہونی ہیں، سانسیں تو ٹوٹنی ہیں، جسم نے ایک دن ساتھ چھوڑنا دینا ہے، تو اس کٹھن وقت میں ہم اپنے رب کا سامنا کیسے کریں گے؟ جب رب العالمین ہم سے فرمائیں گے کہ آخر کیا کیا تو نے؟ میری کتاب کی بے حرمتی کی جاتی رہی، میرے پیارے محبوب ﷺ کا مذاق اڑایا جاتا رہا اور تو مصلحتوں میں پڑا اپنی جان بچاتا رہا!!!

کیا اس ملک کا آئین میرے رب کی کتاب سے زیادہ مقدس ہے؟ کیا اس ملک کی عدلیہ اسلام اور قرآن کی توہین کرنے والوں کو سزا دے سکتی ہے؟ کیا اس ملک میں ایک عرصے سے اسلام کے خلاف زہر اگلتے آر ایس ایس کو کیفرِ کردار تک پہنچایا جا سکتا ہے؟ پچھلے تہتّر سالوں سے ہمارے ساتھ یہی ہوتا رہا ہے کہ ایک مارتا ہے تو دوسرا پچکارتا ہے، پھر پہلا مارتا ہے تو دوسرا پچکارتا ہے، شاید ہماری قوم کی مثال اس بڑھیا کی سی ہو گئی ہے، جس کے دو شمن صبح آتے اور اس بڑھیا کے جسم کے ہر حصے میں سوئیاں چبھو دیتے، شام کو اس بڑھیا کے نام نہاد ہمدرد آتے اور سوائے اس کی آنکھوں کے بڑھیا کے جسم سے ساری سوئیاں نکال دیتے، یہ معمول ہر روز چلتا رہا اور بڑھیا درد کی مورتی بن کر رہ گئی، شاید ہماری حالت اس بڑھیا سے بھی بدتر ہے کیوں کہ ہمیں زخم تو دیے جاتے ہیں لیکن ان پر صرف افسوس ہی کیا جاتا ہے کسی بھی زخم کا کوئی علاج نہیں کیا جاتا کیوں کہ ہم جہاں اپنی بیماری کا علاج ڈھونڈ رہے ہیں اپنے مسائل کا حل تلاش کرتے ہیں وہاں صرف اور صرف رسوائی ہمارا مقدر بنتی ہے۔

بات ہمارے رب کی ہے، اس مالک کی ہے جس نے ہمیں بنایا اور ہمیں دنیا کی ہر نعمت عطا کی، معاملہ ہمارے پیارے نبی ﷺ کی ناموس کا ہے جو ساری انسانیت کے لیے رحمت بن کر آئے، فکر اب اس مقدس کتاب کی ہے جس کے سامنے کوئی کتاب نہیں ٹک سکتی، یہی وہ کتاب ہے جو ہمیں جینے کے ڈھنگ سکھاتی ہے اور انسان کو انسانوں کی غلامی سے نکال کر اللہ کی غلامی میں لاتی۔

## مجھے ہے حکمِ اذاں لا الہ الا اللہ

توحید کی صدائیں جن کے کانوں میں چبھتی ہوں، اسلام اور اس کے ماننے والوں سے جنہیں بیر ہو، تو بھلا ان لوگوں سے آپ کیا توقع کر سکتے ہیں؟ جی ہاں، ایک مرتبہ پھر بی جے پی کے ایک وزیر آنند شکلا نے لاؤڈ اسپیکر میں دی جانے والی اذان کے خلاف عدالت میں اپیل دائر کر کے اپنی اسلام دشمنی کا ثبوت دیا ہے، اذان سے جن کی پوجا، یوگا اور روز مرہ کا روٹین متاثر ہوتا ہو ان سے آپ کون سی مصلحت و محبت قائم کر سکتے ہیں؟ اللہ ہمیں ایسے لوگوں میں نہ کر دیں جو مصلحت کے نام پر گستاخِ رسول ﷺ سے بھی محبت سے پیش آنے کا درس دیتے ہوں۔

سیکولرازم کا وہ مضبوط ڈھانچہ اب کہاں گیا؟ انصاف کی اندھی دیوی کیوں خاموش ہے؟ ہندو مسلم بھائی بھائی کرنے والے دھوکے باز کہاں چھپے ہیں؟ مگرمچھ کے آنسو بہا کر، اپنے علاقوں میں ووٹ بینک کے لیے چیخم دھاڑ مچانے والے، مسلمانوں کو اس ملک کے آئین، اس ملک کی

عدلیہ اور نظام پر بھروسے کی تھپکی دے کر انہیں ڈبونے والے اب کیوں سامنے نہیں آتے۔ یہ پابندیاں تو یوں ہی بڑھتی جائیں گی اگر ہم نہیں جاگے۔ اتر پردیش کا وزیرِ اعلیٰ یوگی پہلے ہی بیان دے چکا ہے کہ وہ اس وقت تک نہیں رکے گا جب تک یوپی اور ہندوستان کو ہندو راشٹر نہیں بنا دیتا۔

ہمیں ان شدت پسندوں سے لڑنے کے لیے وہ اذان دینی ہو گی جو اذان جو محمد بن قاسمؒ (فاتح سندھ) نے دی، وہ اذان جو محمود غزنویؒ (بت شکن) نے دی، وہ اذان جو شہاب الدین غوریؒ نے دی، وہ اذان جو اورنگ زیبؒ (حاکم ہندوستان) و ٹیپو سلطانؒ (شیر میسور) نے دی۔

### رمضان المبارک اور متعصب بھارت

آپ ہندوستان میں کورونا وائرس کی صورتِ حال سے تو واقف ہوں گے، اور اسی وائرس کی آڑ میں مودی اور اس کی انتظامیہ کی اسلام دشمنی سر چڑھ کر بول رہی ہے، کمبھ کے میلے میں ایک طرف جہاں تیرہ لاکھ ہندوؤں نے ڈبکی لگائی، جہاں نہ سوشل ڈسٹینسنگ کا خیال رکھا گیا اور نہ کسی قسم کی احتیاط کی گئی وہیں دوسری طرف دہلی کے تبلیغی مرکز میں پانچ بندوں پر اکٹھے ہونے پر بھی پابندی لگا دی گئی اور رمضان المبارک کے مہینے میں کہیں تراویح کے اوقات بدل دیے گئے تو کہیں مسجدوں کو ہی بند کر دیا گیا، آخر ایسا کیوں کیا گیا؟؟؟ ایک قوم کو مذہبی رسومات کی پوری پوری اجازت، تو دوسری قوم پر پابندیوں کے انبار...... کیا وجہ ہے؟ جب جواب طلب کیا گیا تو سچ سامنا آ گیا۔ کہا گیا کہ نعوذ باللہ کورونا وائرس مسجدوں سے پھیلتا ہے۔ واہ رے مودی اور اس کی ٹیم۔ ذرا ایک بار افغانستان اور امریکہ میں کورونا وائرس کے اعداد و شمار دیکھ لیے ہوتے تو بات سمجھ میں آ جاتی۔ گائے پیشاب امرت و پوتر (آبِ حیات و پاک) سمجھ کر پینے والے، بتوں اور بتوں کے لنگ (شرم گاہ) کی پوجا کرنے والے اب ہماری مسجدوں کو وائرس پھیلنے کی جگہ بتائیں گے۔ ہندو حکومت ہر اس موقع کی تلاش میں رہتی ہے جہاں انہیں اسلام اور مسلمان کو بدنام کرنے کا کوئی بھی موقع ملے۔ پہلے بھی مودی نے کورونا جہاد کے نام پر مسلمانوں کو اپنی نفرت کا نشانہ بنایا تھا جس کی وجہ قوم کی غفلت ہے۔

مندرجہ بالا دگر گوں حالات اور ایک انگریز کا بیان نقل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہم مسلمان کو دشمن نے کہاں سے کہاں پہنچا دیا ہے، لال قلعے سے پستی تک، ایک وہ دور تھا جب باوجود اس کے کہ مسلمانوں کا زوال ہو چکا تھا لیکن غیرتِ دین کی یہ حالت تھی کہ دشمن بھی اپنے منصوبے قوم کی غیرت کو دیکھ کر ملتوی کر تا تھا اور آج یہ حالت ہے کہ نظام تو ایک عنقا شے معلوم ہوتی ہے مذہبی آزادی بھی خطرے میں پڑ گئی ہے اور ہم بچو، بچو، بچو کرتے ہوئے موت کے گھاٹ اترتے جا رہے ہیں۔

ہمارے لیے نجات کا وہی راستہ بچتا ہے جس کی تعلیم ہمیں قرآن دیتا ہے۔ مزاحمت کا راستہ، کیوں کہ مزاحمت ہم پر فرض ہے۔ اسی فرض کی ادائیگی کے لیے ایک گروہ دو طوفانوں کے درمیان اپنے خون سے دیا جلائے ہوئے ہے۔ کاشمیر میں یہ شیر، ہند کی حکومت کو پیغام دیتے ہیں کہ تم جو چاہے کر لو، جتنی طاقت لگانی ہے لگا دو، پاکستانی خفیہ اداروں اور فوج والو تم جو چاہے منافقت کر ڈالو، لیکن یاد رکھو، ہماری زندگی کے دِیے تو بجھ سکتے ہیں لیکن یہ شریعت کا دِیا جسے ہم نے اپنا خون دے کر جلایا ہے، کبھی نہیں بجھے گا ان شاء اللہ۔ میں ہندوستان میں بسنے والے غیور مسلمانوں سے یہ اپیل کرتا ہوں کہ وہ اپنے دین اور شعائرِ دین کی حفاظت کریں، آپ اپنی تیاری کیجیے، دین سے اپنے تعلق کو جوڑ لیجیے، ہر اس راستے کو خیر باد کہیے جو آپ کو بزدل بناتا ہے، دین کے لیے کٹ کر ہی جینے میں عزت و عظمت کی زندگی ہے!

☆☆☆☆☆

## بقیہ: ایک گمنام عسکری قائد نور ہاشم برمیؒ

جب زندگی کا تیسواں سال شروع ہوا تو بھائی بہت زیادہ خوش تھے، ساتھیوں کو کہتے تھے کہ میں اس سال شہید ہو جاؤں گا۔ شہادت سے تقریباً ایک ہفتہ قبل راقم کاشف شہیدؒ کے ہمراہ بھائی سے ملاقات کے لیے گیا ہوا تھا تو بھائی بہت زیادہ نکھرے ہوئے تھے، چہرے پر خوشی اور اطمینان کے آثار بھی بڑھ گئے تھے، ہونٹوں پر مستقل مسکراہٹ تھی، ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے اگلے جہان کی تیاری ہو۔ ہشاش بشاش ایسے اور چہرے پر ایسی طمانیت تھی کہ جیسے کوئی اجنبی مسافر وطن لوٹ رہا ہو۔ راقم نے پوچھا بھائی، خیریت ہے، آپ کی کیفیت ہمیں بدلی بدلی سی لگ رہی ہے۔ نور ہاشم بھائیؒ نے کہا، بھائیو، مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ چند دن بعد شہید ہو جاؤں گا، کیونکہ میرا دل دنیا سے بالکل اچاٹ ہو گیا ہے، دنیا کی خوش رنگی اور رنگینیوں سے دل میں بیزاری سی آ گئی ہے، جس منزل کے لیے سفر طے کیا تھا، اس منزل کا حاصل چند گھڑیوں کے فاصلے پر ہے۔

مظلوم مسلمانوں کی غم میں رونے والے اس عظیم مجاہد کو مارچ ۲۰۱۵ء میں پاکستانی خفیہ اہلکاروں نے گھر پر چھاپہ مار کر گرفتار کر لیا، چند دن حراست میں رکھا اور انتہائی بے دردی سے جعلی پولیس مقابلے کے نام پر شہید کر ڈالا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

قاتلهم الله انى يؤفكون

امت مسلمہ کی آہوں اور سسکیوں پر لبیک کہنے والے اس بطلِ عظیم ابو رغال کے جانشینوں نے امت سے جدا کر دیا۔

امت مسلمہ کے اس چراغ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بجھا دیا گیا اور امت کو ایک ابن قاسم سے محروم کر دیا گیا۔

الله مولانا ولا مولى لهم

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم

# گلدستۂ شہدا کا ایک پھول (محمد عسکریؒ)

عمر فاروق خراسانی

کفر اور اسلام کی کشمکش روزِ اول سے شروع ہے جو تا قیامت جاری رہے گی۔ اس کشمکش میں رب کعبہ نے فتح ہمیشہ اسلامی لشکروں کو ہی دی مگر منافقین و مرتدین نے ہمیشہ کفر کے ساتھ مل کر ہر دور میں ہر طرح سے اسلام کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی۔ مگر یہ بصیرتِ ایمانی سے خالی دل کیا جانیں کہ دینِ اسلام کی حفاظت کا ذمہ تو خود ربِ رحمٰن نے اپنے ذمہ لیا ہے۔ یہ کشمکش تو محض اپنے بندوں کو آزمانے کے لیے ہے کہ کون ہے جو اپنے رب کی پکار پر لبیک کہتے ہیں۔

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ○ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَلَیَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِیْنَ○(سورۃ العنکبوت: ۲،۳)

’’کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ بس اتنا کہنے پر چھوڑ دیے جائیں گے کہ ’ہم ایمان لائے‘ اور ان کو آزمایا نہ جائے گا؟ حالانکہ ہم ان سب لوگوں کی آزمائش کر چکے ہیں جو ان سے پہلے گزرے ہیں۔ اللہ کو تو ضرور یہ دیکھنا ہے کہ سچے کون ہیں اور جھوٹے کون؟‘‘

عبد اللہ بن ابیّ کے جانشین ہر دور میں مختلف ناموں اور مختلف کرداروں سے ظاہر ہوتے رہے اور عصرِ حاضر میں بھی یہ منافقین کے سردار موجود ہیں۔ آج سے کچھ سال قبل اسلام کا دشمن کفر کا ایک امام پرویز مشرف کی صورت میں منظرِ عام پر آیا۔ اس نے کفر کی غلامی میں شاہ سے بڑھ کر شاہ کی وفاداری کا کردار ادا کیا۔ اس بدبخت کی کاسہ لیسی کو دیکھ کر خود یہود و ہنود بھی شرما اٹھے۔ یہ کفر کی غلامی میں اتنا آگے گیا کہ اسلام کی بیٹی ڈاکٹر عافیہ صدیقی سمیت ہزاروں عرب و عجم کے مجاہدین کو ڈالروں کی خاطر امریکہ کو بیچ دیا۔ اس سے بھی بڑھ کر اس نے اپنے امریکی آقاؤں کے حکم پر اسلام کے نام پر وجود میں آنے والے ملک پاکستان کے دار الحکومت اسلام آباد سے شریعت کی صدا بلند کرنے پر لال مسجد اور جامعہ حفصہؓ پر فاسفورس بموں کی بارش کر کے ہمارے سینکڑوں بہن بھائیوں کو شہید اور ہزاروں کو لاپتہ کیا۔ جامعہ حفصہؓ و لال مسجد کو فتح کر کے یہ کفر کے غلام سمجھے کہ اب پاکستان میں کوئی شریعت محمدیہ ﷺ کی صدا بلند کرنے کی جرأت نہ کر سکے گا۔ اسلام اور اسلام کے چاہنے والوں کو ختم کرنے کے لیے یہ شیطان کی ایک چال تھی جو کہ انتہائی ناقص ہے اور میرے رب کی تدبیر تو بہت ہی اعلیٰ ہے۔

وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَیْرُ الْمٰكِرِیْنَ○(سورۃ آل عمران: ۵۴)

’’اور انہوں (کفار) نے تدبیر کی اور اللہ نے بھی تدبیر کی۔ اور اللہ سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔‘‘

کفار و مرتدین اپنی تدبیروں پر بہت نازاں ہوتے ہیں لیکن میرے رب کی تدبیر ہی قوی ہوتی ہے۔ میرے رب نے فیصلہ کر رکھا تھا کہ مرتدین کے سیاہ اعمال کے نتیجہ میں امتِ مسلمہ خصوصاً پاکستان کے مسلمانوں میں بیداری پیدا ہو۔ لال مسجد و جامعہ حفصہؓ کا واقعہ ہونا تھا...... پھر کیا! لوگ تھے کہ گھروں سے نکلے جا رہے تھے...... اسلام کی حرمت کی خاطر، قرآن کے تقدس کی خاطر، بہنوں کی عزت کی خاطر، بھائیوں کے دفاع کی خاطر...... ’وَمَا لَكُمْ‘ کی صدا پر لبیک کہنے والے نکلے جا رہے تھے!

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْیَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِیْرًا ○(سورۃ النساء: ۷۵)

’’آخر کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں ان بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو جو کمزور پا کر دبا لیے گئے ہیں اور فریاد کر رہے ہیں کہ خدایا ہم کو اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں، اور اپنی طرف سے ہمارا کوئی حامی و مددگار پیدا کر دے۔‘‘

قرآن پاک کی اس صدا پر لبیک کہنے اور اپنے کمزور بہن بھائیوں کی مدد کے لیے نکلنے والوں میں بچے، بوڑھے، جوان سبھی شامل تھے۔ انہی لوگوں میں شامل ایک چودہ سالہ بچہ عمر فاروق بھی تھا۔ عمر فاروق حافظ قرآن تھے۔ بچپن سے ہی ربِ کعبہ نے عمر فاروقؓ کا سچا تبع بننے والی صفات عمر فاروق کے رگ رگ میں کوٹ کوٹ کر بھر دی تھیں۔ عمر فاروق نے صرف چھٹی جماعت تک عصری تعلیم حاصل کی اور پھر خود ہی گھر والوں سے میکالے کی مکتب کو چھوڑنے اور مدرسے میں داخلہ لینے کا کہا۔ ننھے سے عمر فاروق کی اس پاکیزہ خواہش کو اسلام و قرآن سے محبت رکھنے والے والدین نے حوصلہ افزائی کرتے ہوئے قبول کیا۔ یوں عمر فاروق نے صرف دو سال کے مختصر عرصہ میں کتاب اللہ کو اپنے سینے میں محفوظ کر لیا۔ حفظِ قرآن کی تکمیل کے بعد جہاد کے میدانوں میں پہنچنے کے لیے کوششیں شروع کر دیں۔ جہاد کے میدانوں میں پہنچے تو امرائے جہاد نے انہیں عمر چھوٹا کہہ کر اپنے جہادی قافلہ میں شامل کرنے سے معذرت کی اور کہا بھائی جب آپ بڑے ہو جائیں تو پھر آ جائیں۔ عمر فاروق نے امرائے جہاد کا یہ جواب سنا تو انتہائی ادب سے کہنے لگے ’کیا معاذؓ و معوذؓ نے بڑے ہونے کا انتظار کیا تھا؟ کیا محمد بن قاسمؒ کوئی بہت بڑی عمر کے آدمی تھے۔ اللہ پاک کام لینے کے لیے عمر کو نہیں دیکھتے۔ اگر میں واپس چلا گیا

اور دنیا کی لذتوں کا شکار ہو گیا تو آپ ذمہ دار ہوں گے ؟'۔ امرائے جہاد نے جب اس بچہ کے ایمانی جذبات دیکھے تو پھر اسے شریکِ جہاد کر لیا۔

جہاد کے میدانوں میں:

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ○ (سورۃ التوبۃ: ۲۰)

''جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کیا، اللہ کے ہاں ان کا درجہ بہت بڑا ہے اور وہی کامیاب ہیں۔''

عمر فاروق جہاد کے میدانوں میں محمد عسکری کے نام سے مشہور ہوئے۔ محمد عسکری سے میری پہلی ملاقات ۲۰۰۸ء میں اس وقت ہوئی جب میں کچھ ماہ کی چھٹی گزار کر واپس ارضِ جہاد و رباط وزیرستان پہنچا۔ جب میں مضافے (مہمان خانہ) میں داخل ہوا تو دیکھا ایک کم عمر نوجوان اپنے سے کچھ بڑے ساتھیوں کے ساتھ کُشتی و زور آزمائی میں مصروف ہے۔ انتہائی چاق و چوبند، پھرتیلا، ہوشیار۔ کبھی ادھر سے گھوم کر ایک کو پکڑتا اور کبھی دوسرے کو، پھر پھرتی سے اپنی جان بچا کر بھاگ جاتا۔ میں محمد بھائی کے اس پھرتیلے پن کو دیکھ کر بہت متاثر ہوا۔ ہماری یہ ملاقات چند لمحے کی تھی جو آج بھی مجھے یاد ہے۔ پھر کچھ عرصہ بعد ربِ کعبہ نے ہمیں اکٹھا کر دیا۔ جب میں دورۂ بارود کے لیے سہیل بھائیؒ کے مرکز پہنچا تو میرا استقبال محمد عسکری بھائی نے ہی کیا۔ مرکز میں جب مجھے محمد عسکری بھائی کے ساتھ رہنے کا موقع ملا تو مجھ پر یہ راز افشا ہوا کہ میں جسے بچہ سمجھ رہا ہوں، وہ شعبہ بارود میں اپنے استاد کا معاون ہے۔ محمد عسکری کو اللہ پاک نے بلا کی ذہانت عطا کی تھی۔ ہر کام کو جلد ہی سیکھ جاتے تھے۔ محمد بھائی کو ٹیکنیکل کاموں میں بہت مہارت حاصل تھی۔

محمد عسکری خوش مزاج، اعلیٰ اخلاق کے حامل، ہنس مکھ ساتھی تھے۔ زور آزمائی و کُشتی ان کا مشغلہ تھا۔ ہر کام میں پیش پیش رہتے۔ اہلِ 'فاستبقوا الخیرات' (نیکیوں میں سبقت) لے جانے والوں میں سے تھے۔ بڑھ چڑھ کر ساتھیوں کی خدمت کرنے والے اور ان کا خیال رکھنے والے تھے۔ میں نے محمد عسکری بھائی سے زیادہ سنتوں پر عمل پیرا کسی کو نہیں پایا۔ چھوٹی چھوٹی سنتوں کا خیال رکھنے والے تھے۔ میں نے انہیں ایک با عمل مجاہد دیکھا۔ سنتِ رسول ﷺ سے بے پناہ محبت تھی۔ کوئی نئی حدیث یا سنت مل جاتی تو فوراً اس پر عمل کرتے۔

نبی ملاحم ﷺ نے فرمایا:

''میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ تم اگر ان کو تھامو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے۔ ایک کتاب اللہ قرآن پاک اور دوسری میری سنت۔'' (مفہومِ حدیث)

قرآن پاک تو محمد عسکری نے اپنے سینے میں سجا رکھا تھا اور سنتِ رسول ﷺ کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا ہوا تھا۔ کوئی چیز لینی یا دینی ہوتی تو دائیں ہاتھ سے لیتے اور دیتے۔ اگر کوئی ساتھی بے دھیانی میں بائیں ہاتھ سے دیتا یا لیتا تو منع کر کے سیدھے ہاتھ سے دینے کی تلقین کرتے۔ کھانا کھانے بیٹھتے تو نبی آخر الزماں ﷺ کے بتائے ہوئے طریقہ پر بیٹھتے اور ساتھیوں کو بھی توجہ دلاتے۔ یہاں تک کہ چپل جوتے پہننے میں بھی دایاں پاؤں پہلے پہنتے تھے۔ ہمیشہ آپؒ کی شلوار پنڈلیوں تک اونچی رہتی تھی۔ شانوں تک زلفیں رکھتے تھے۔ قربانی و ایثار اس حد تک کہ ساتھیوں کے لیے تازہ روٹی رکھتے اور خود پرانی روٹی کھاتے۔ کوئی چیز آ جائے تو ساتھیوں کو ہدیہ کرتے۔ ان سب کاموں میں محمد بھائی کو کمال حاصل تھا۔

مرکز میں اکثر دن یا رات کی کچھ روٹی بچ جاتی، اگلے وقت محمد بھائی اور ایک اور ساتھی اس روٹی کو خاموشی سے اٹھا لیتے تا کہ دیگر بھائی گرم روٹی کھا سکیں۔ ایک دن دوپہر کی دو روٹیاں بچ گئیں جو رات کو محمد بھائی نے خاموشی سے اٹھا لیں۔ روٹی اٹھاتے ہوئے دوسرے ساتھی نے ان کو دیکھ لیا۔ اس دن سہیل بھائیؒ مرکز میں موجود تھے۔ جب رات کو کھانا شروع ہوا تو سہیل بھائی پرانی روٹی ڈھونڈنے لگے، روٹی نہ پا کر پوچھا کہ روٹی کس نے اٹھائی ہے، تو اس ساتھی نے محمد بھائی کی طرف اشارہ کیا۔ سہیل بھائی نے کہا، روٹی واپس کریں تو محمد بھائی نے پہلے ایک روٹی واپس کی۔ سہیل بھائی بولے دوسری روٹی کس کے پاس ہے تو سب کی نظریں محمد بھائی پر گئیں تو پھر محمد بھائی کو روٹی واپس کرنی پڑی۔ سہیل بھائی نے وہ روٹی لے کر سب ساتھیوں پر تقسیم کی۔ جس ساتھی نے محمد بھائی کا بتایا تھا، محمد بھائی نے بعد میں اس سے بہت ناراضگی کا اظہار کیا۔

اسی طرح ایک دفعہ ہم افغانستان کے صوبہ پکتیکا کے خطِ اول پر تھے۔ یہاں مجاہدین تقریباً ہر روز ہی امریکہ اور اس کے حواری افغان ملی فوج کے کسی کیمپ یا ائیر بیس پر میزائل، مارٹر، ہشتاد دو (RR-82) کی کارروائیاں کرتے رہتے تھے۔ ان کارروائیوں کے لیے کئی کئی گھنٹے پیدل سفر کرنا پڑتا۔ ایک مرتبہ ہم چھ ساتھی تین عدد میزائل لے کر 'مچادا دائیر بیس' پر کارروائی کے لیے نکلے تو محمد عسکری بھائی بھی ہمارے ساتھ تھے۔ محمد بھائی نے مرکز سے ہی ایک میزائل اپنے کندھے پر اٹھا لیا اور تقریباً تین گھنٹے کی منزل انہوں نے طے کی۔ سارے راستے میزائل خود ہی اٹھا رکھا، کسی دوسرے ساتھی کو نہیں دیا جبکہ ہم دیگر ساتھی باری باری میزائل اٹھاتے رہے۔ ہم نے راستے میں کئی بار ان سے میزائل مانگا مگر انہوں نے میزائل دینے سے صاف انکار کر دیا اور کہنے لگے؛ بھائی یہ میزائل میرا ہے، میں خود ہی اسے اٹھا کر لے جاؤں گا۔ محمد بھائی جواں ہمت، پُر عزم، حوصلہ مند، شجاع اور قوت والے تھے۔ ہر وقت دشمن پر قہر بننے کے لیے بے چین رہتے۔ جیسے ہی انہیں سُن گُن ملتی کہ آج کارروائی ہونے والی ہے تو فوراً کارروائی میں شرکت کے لیے کوششیں شروع کر دیتے۔ محمد بھائی ہر وقت دشمن پر جھپٹنے کے لیے بے چین رہتے۔

جھپٹنا، پلٹنا، پلٹ کر جھپٹنا
لہو گرم رکھنے کا ہے اِک بہانہ

## نیکیوں میں سبقت:

محمد عسکری نیکیوں میں سبقت لے جانے کی کوشش میں لگے رہتے۔ کہیں نیکی کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتے اور چھوٹی سے چھوٹی نیکی کو بھی حقیر نہ جانتے۔ ایک مرتبہ ہم اپنے مرکز میں تھے اور پاکستانی فوج کی طرف سے خطرہ تھا کہ فوج چھاپہ مارے گی۔ ان دنوں امرا کی طرف سے امر تھا کہ مراکز میں پہرے کے نظام کو سخت بنایا جائے۔ ایک رات محمد بھائی میرے پاس آئے اور کہنے لگے بھائی جان آپ میری ایک بات مانیں گے؟ میں نے کہا جی بولیں، تو کہنے لگے کہ آپ میرا پہلا پہرہ لگا دیں۔ میں نے کہا کہ یہ تو غلط بات ہے، جو ترتیب چل رہی ہے، جو نمبر آپ کا ہے، آپ اسی پر پہرہ دیں، تو محمد بھائی ضد کرنے لگے۔ میں نے اجازت دے دی۔ اس رات جب میری آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ اس وقت جس ساتھی کا پہرہ بنتا تھا وہ تو میرے برابر میں سو رہا ہے۔ میں اٹھا اور دبے پاؤں باہر گیا تو دیکھا کہ محمد بھائی مرکز سے باہر اپنی کلاشن کوف کندھے پر لٹکائے پہرہ دے رہے ہیں اور ان کے ہاتھ فضا میں بلند ہیں اور اپنے رب سے رو رو کر دعاؤں میں مصروف ہیں۔ میں نے ان کے یہ الفاظ سنے 'یا اللہ! آپ مجھے قبول فرمالیں، یا اللہ! میں آپ کے دین کی خاطر فدائی بن کر آیا ہوں، آپ مجھے بھی اپنے فدائیوں میں قبول کر لیں'۔ محمد بھائی دعائیں کیے جا رہے تھے اور میں آمین کہے جا رہا تھا۔ وہ پوری رات محمد بھائی نے اکیلے ہی پہرہ دیا۔

نبی ملحمہ ﷺ کی حدیث ہے:

"ایک گھڑی اللہ کی راہ میں پہرہ دینا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔"

ایک اور حدیث میں آتا ہے:

"دو آنکھوں پر جہنم کی آگ حرام ہے۔ ایک وہ آنکھ جو اللہ کے خوف سے بہے
اور دوسری وہ آنکھ جو اللہ کی راہ میں پہرہ دے۔"

سبحان اللہ! میرے محمد بھائی کیا ہی خوش نصیب ہیں جنہوں نے اللہ کی راہ میں پہرہ بھی کیا اور اللہ کے خوف سے روتے بھی رہے۔ اس واقعہ سے قبل مجھے معلوم نہ تھا کہ محمد بھائی ایک فدائی مجاہد ہیں۔ اگلے دن میں نے محمد بھائی کو رات والا واقعہ سنایا تو وہ حیران رہ گئے اور پھر مجھ سے وعدہ لیا کہ یہ قصہ میں کسی کو نہیں بتاؤں۔ پھر میں نے محمد بھائی سے پوچھا کیا آپ سچ میں فدائی کرنا چاہتے ہیں؟ بولے، جی! میں نے ان سے کہا بھائی اتنا عرصہ ایک جگہ ایک مرکز میں ایک ساتھ گزرا لیکن آپ نے کبھی ذکر نہیں کیا تو وہ مسکراتے ہوئے بولے، 'بھائی جان! ناراض نہ ہوں، آپ کو تو اندازہ ہے کہ ایسی باتیں بتائی نہیں جاتیں'۔ محمد بھائی کے شوقِ فدائی اور فدائیوں سے محبت کا اندازہ اس ایک چھوٹے سے واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک مرتبہ میں ارضِ خراسان سے واپس پاکستان جا رہا تھا تو میں نے محمد بھائی سے کہا 'بھائی میں تو جا رہا ہوں، آپ میرے لیے کامیابی اور مقبول شہادت کی دعائیں کرتے رہنا'۔ محمد بھائی انتہائی جذباتی انداز میں مجھے گلے لگایا اور نم آنکھوں سے مجھے دعائیں دینے لگے اور کچھ نصیحت کی۔ پھر بولے 'بھائی مجھے معلوم ہے آپ فدائی کے لیے جا رہے ہیں'، تو میں ہنس پڑا اور اپنے پیارے سے بھائی کو جواب دیا کہ 'نہیں، ایسی کوئی بات نہیں'۔ پھر محمد بھائی کمرے میں گئے اور اپنا نیا سوٹ نکال کر مجھے دیتے ہوئے بولے 'بھائی جان جب آپ فدائی کے لیے جائیں تو یہ سوٹ پہننا'۔ میں نے انہیں منع کیا کہ بھائی مجھے سوٹ نہ دیں، میں تو بس گھر والوں سے ملنے جا رہا ہوں۔

## شوقِ شہادت:

ویسے تو ہر مجاہد کی دلی تمنا ہوتی ہے کہ وہ ربِ کعبہ کے راستے میں لڑتے ہوئے جامِ شہادت نوش کرے۔ مگر کچھ اللہ کے پیاروں کا شوقِ شہادت قابلِ دید ہوتا ہے۔ ایسے ہی میرے محمد بھائی کا معاملہ بھی تھا۔ اکثر محفل و مجالس میں جب کبھی بات کرتے تو جنت و شہادت ان کا موضوعِ خاص ہوتا اور اکثر شہادت کی دعاؤں کی درخواست کرتے۔ ایک مرتبہ میں نے محمد بھائی سے پوچھا آپ کی خواہش کیا ہے؟ تھوڑی دیر فضا میں گھورا اور ایک ٹھنڈی آہ بھر کر بولے، میرا جی تو چاہتا ہے کہ میں دشمنانِ دین پر فدائی حملہ کروں اور میرے جسم کے ٹکڑے فضا میں بکھر جائیں اور میرے جسم کی ہڈیاں پارچوں میں بدل جائیں جو کفار و مرتدین کے جسموں میں گھس کر انہیں واصلِ جہنم کریں اور میں اپنے رب کی جنتوں کو روانہ ہو جاؤں۔

محمد بھائی پُرخلوص نیت، قول کے پکے، من کے سچے تھے۔ اللہ نے بھی اپنے بندے کی بات کو سچ ثابت کیا۔ بالکل اسی طرح جیسے سیرت کی کتابوں میں ایک اعرابی صحابیؓ کا واقعہ ملتا ہے جس نے اپنی گردن کی طرف اشارہ کر کے کہا تھا یہاں تیر لگے اور میں شہید ہو جاؤں۔ اللہ کے نبی مہربان ﷺ نے فرمایا 'اگر یہ اپنے قول میں سچا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ یہی معاملہ فرمائیں گے'۔ جب غزوہ ختم ہوا تو دیکھا ایک شخص کے گلے میں تیر لگا ہے اور وہ شہید ہو گیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے صحابہؓ سے پوچھا یہ وہی شخص ہے؟ صحابہ کرامؓ نے جواب دیا، جی ہاں! تو نبی ملحمہ ﷺ نے فرمایا 'اللہ کے ساتھ اس کا معاملہ سچا تھا، اللہ نے اسے سچ کر دکھایا'۔

یہ ۲۰۱۲ء کی بات ہے۔ عید الفطر کا پہلا دن ہے، عام مسلمانوں کی طرح مجاہدینِ اسلام بھی ماہِ صیام کی رحمتیں اور برکتیں سمیٹنے کے بعد عید کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ یہ جنوبی وزیرستان محسود کے علاقہ سپین قمر کے محاذ پر مجاہدین کا مرکز ہے۔ مجاہدین خوش گپیوں میں مصروف ہیں۔ کوئی گوشت کاٹ رہا ہے تو کوئی پانی لا رہا ہے، کوئی کھانا پکانے کی تیاری کر رہا ہے تو کوئی لکڑی جمع کر رہا ہے۔ فضا میں موجود ڈرون یہ سب مناظر دیکھ رہا ہے اور اس کو یہ مناظر بالکل پسند نہیں آتے اور چونکہ کافر مسلمانوں کو خوش ہوتا نہیں دیکھ سکتا، سو چند ہی لمحوں میں فضا سے میزائل فائر ہونے کی آواز آتی ہے۔ ہدف مجاہدینِ القاعدہ کا مرکز ہے۔ (باقی صفحہ نمبر 97 پر)

# ایک گمنام عسکری قائد نور ہاشم برمیؒ

حافظ کامران محمود برمی

ہر دور میں امت مسلمہ میں کچھ ایسے اللہ والے گزرے ہیں جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی ابدی جنتوں کی خاطر سب خوشیاں اور عیش و آرام قربان کیا اور مصائب و آلام کی پر مشقت زندگی گزاری۔ ہر دور میں امت مسلمہ میں کچھ ایسے عاشقین گزرے ہیں جو اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے اپنا سب کچھ، جان و مال سے لے کر اہل و عیال تک، نچھاور کر گئے اور شہادت فی سبیل اللہ کا تمغہ اپنے سروں پر سجائے جنتوں کے راہی بنے۔

ہر دور میں مظلوم امت محمدیہ ﷺ کی خاطر کچھ ایسے ابطال آئے ہیں، جنھوں نے الإسلام يعلو ولا يعلى عليه کہہ کر کفر و فساد کو نیست و نابود کیا اور امت مسلمہ کی کھوئی ہوئی شان و شوکت کا پرچم مشرق تا مغرب پھر سے فضا میں لہرایا۔

ایسی واجب الاحترام ہستیوں میں تاریخ کے ایک گمنام مجاہد سپہ سالار قائدِ عسکریت نور ہاشم برمیؒ ہیں۔

تقسیم پاک و ہند کے بعد برما کی سرزمین سے جو مسلمانان ہجرت کر کے آئے تھے، نور ہاشم بھائیؒ کا گھرانہ بھی انہی مہاجرین میں سے ہے، اور یہ گھرانہ پاکستان کے شہر کراچی میں آباد ہوا۔ نور ہاشم بھائیؒ کو اللہ تعالیٰ نے بہت سے اچھے اوصاف اور نیک خوبیوں سے نوازا تھا۔ تہجد و اشراق و اوابین کا اہتمام، ہر وقت عبادت اور اذکار میں مصروف، رقیق القلب، بارگاہِ خداوندی میں کثرت سے آہ وزاری کرنے والے، مسلمانوں کے معاملے میں انتہائی خدا ترس انسان، شجاعت و بہادری کے میدان کے شہسوار، امت مسلمہ کی حالتِ زار پر دردِ دل رکھنے والے مجاہد، لغویات اور لایعنی کاموں سے خود کو بچانے والے، خاموش طبع، محاذوں سے چمٹے رہنے کی شدید حرص، اطاعتِ امیر ایسی کہ اگر پیچھے چھوڑ دیا جائے تو وہیں اپنا فرض نبھائیں، اور جیتے جی زندہ شہید کہے جانے کے لائق تھے۔

۲۰۱۵ء کی بات ہے، ہم کچھ برمی مجاہدین افغانستان کے صوبہ ہلمند میں جہادی ایّام گزار رہے تھے، اسی دوران نور ہاشم بھائیؒ بھی کراچی سے جہادی ترتیبات کے حوالے سے امرائے جہاد سے ملاقات کو آئے ہوئے تھے۔ ان کی یہ چند روزہ تشکیل بھی امرائے جہاد کی طرف سے ہمارے مرکز میں ہو گئی۔ وہاج فدائیؒ بھی ان دنوں اسی مرکز میں ہوتے تھے۔ اس مرکز کا بھی عجیب و غیر دل لبھانے والا منظر تھا۔ پہاڑوں کے درمیان پانی کا چشمہ بہہ رہا تھا، چشمہ کے آس پاس دوغاریں تھیں، جن میں با آسانی آٹھ سے دس ساتھی رہ سکتے تھے، یوں ساتھی کبھی کبھار یہ تصور کر نہ لگتے تھے کہ شاید ہم کہیں پتھر کے زمانے میں جی رہے ہیں، کہاں دنیا کی رعنائیاں، آسائش و آرائش، اور کہاں اسلام کی سربلندی کے لیے اپنا سب کچھ قربان کرنے والے یہ ابطالِ امت۔ ذالك فضل الله يوتيه من يشاء

جیسے ہی نور ہاشم بھائیؒ ہمارے مرکز میں آئے تو تمام ساتھیوں کی خود بخود عبادات و اعمال میں دلچسپی بڑھ گئی۔ نور ہاشم بھائیؒ کے معمولات دیکھ کر سب ساتھی تہجد، اوابین، اشراق، چاشت اور دیگر نفلی عبادتوں کا اہتمام کرنے لگے۔ یوں مرکز کا ہر ساتھی خیر کے کاموں میں سبقت لے جانے والا بن گیا۔

اللہ تعالیٰ نے نور ہاشم بھائیؒ کو کمال درجے کی شجاعت و بہادری عطا فرمائی تھی۔ یوم تفریق گیارہ ستمبر کی مبارک کاروائیوں کے بعد عالمی صلیبی و صیہونی کفّار کی طرف سے امارت اسلامیہ کے سقوط کے بعد، جب جہاد کا آغاز ہوا، ان ابتدائی جنگوں میں بھی نور ہاشم بھائیؒ نے مختلف محاذوں میں دادِ شجاعت دی۔ ایک مرتبہ ہم چند برمی ساتھی بزم کر رہے تھے، نور ہاشم بھائیؒ بھی ہمارے درمیان موجود تھے تو وہ ہمیں، بھائیوں کی فرمائش پر، جہادی زندگی کے ایمان افروز واقعات سنا رہے تھے، اس دوران تمام ساتھیوں کو اندازہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے نور ہاشم بھائیؒ کو کس درجہ شجاعت و بہادری سے نوازا تھا۔

ایک مرتبہ صوبہ ہلمند کے ضلع موسیٰ قلعہ کی ابتدائی جنگوں کا مرحلہ تھا، نور ہاشم بھائی اور بہت سارے مجاہدین صفِ اوّل میں تھے، مخابرہ میں مجاہدین کی طرف سے آواز لگی کہ دشمن کی طرف سے پیش قدمی ہے تو سارے بھائی ضروری اسلحے سے لیس ہو کر شریعت یا شہادت کا نعرۂ مستانہ بلند کرتے ہوئے میدان کارزار میں کود پڑے۔ زمینی اور فضائی دونوں جانب سے گولہ باری اور شیلنگ ہو رہی تھی۔ ہیلی کاپٹر وغیرہ اس قدر نچلی پروازیں کر رہے تھے کہ مجاہدین نے دوبدو کلاشنکوفوں سے مقابلہ کیا۔ یقیناً بہت بڑا معرکہ تھا، کہاں اللہ تعالیٰ کے نیک بندے، یہ بے سروسامان مجاہدین کے مقابل مادّیت سے لیس کافروں کے لاؤلشکر۔ یہی تو ہے مومنوں کے ساتھ اللہ کا وعدہ۔ ان تنصرالله ينصركم وثبت اقدامكم

قرآنِ عظیم الشان میں مؤمنین کے لیے یہی بشارت ہے:

كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللهِ (سورۃ البقرۃ:۲۴۹)

نہ جانے کتنی چھوٹی جماعتیں ایسی ہیں جو اللہ کے حکم سے بڑی جماعتوں پر غالب آئی ہیں۔

یہ اعزاز تو امت محمدیہ ﷺ کو عطا کیا گیا ہے:

قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللهُ بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ (سورۃ التوبہ:۱۴)

ان سے جنگ کرو تا کہ اللہ تمہارے ہاتھوں سے ان کو سزا دلوائے، انہیں رسوا کرے اور ان کے خلاف تمہاری مدد کرے۔

میرے برمی مسلمان بھائیو! آج بھی وہی حق و باطل کا معرکہ ہے، آج بھی وہی بدر و حنین کے مثل کارزار ہیں، آج بھی وہی یرموک و اجنادین کے میادین ہیں، آج بھی وہی نصرتِ خداوندی مجاہدین کے ساتھ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت کے ساتھ تھی، آج بھی قرآن حکیم میں مومنین کے لیے وہی بشارتیں ہیں، وہی مدد و نصرت کے وعدے ہیں۔ بس فرق اتنا ہے کہ ہم جہاد و قتال کو چھوڑ کر ذلت و خواری کے ساتھ جی رہے ہیں اور کفار و رذیل لوگ ہمارے اوپر حکمرانی کر رہے ہیں اور معاشرے کے پیچ قسم کے لوگ عزت دار بن بیٹھے ہیں۔

اس کے برعکس ہمارے اسلاف کا طریقہ ہی جہاد و قتال رہا ہے، جنہوں نے جہاد و قتال کے ذریعے ہی کفر کے ایوانوں کو لرزا کر رکھ دیا، مشرق تا مغرب اسلام کے جھنڈے گاڑھے، کفّار و مشرکین کے سرداروں اور ایوانوں کو پیروں تلے روند ڈالا، عزت و سربلندی کا عظیم راستہ اور طریقہ ہمیں بتا گئے اور اپنے اسلاف کے ہی نقش قدم پر چل کر ہم کفّار کو مغلوب کر سکتے ہیں۔

نور ہاشم بھائیؒ نے اپنی زندگی اپنے اسلاف کی طرح بہادری اور شہسواری میں گزار دی۔ کراچی جیسے شہر میں ہر وقت اسلحہ سے لیس ہو کر رہتے تھے اور اللہ کے دشمنوں کو خوفزدہ اور ہراساں رکھتے تھے۔ وہ ہر وقت بیدار رہتے تھے کہ کہیں اللہ کے دشمن انہیں غافل پا کر حملہ نہ کر دیں۔ اسی طرح نور ہاشم بھائیؒ نے اپنی جان و مال اور اہل و عیال سب کچھ اللہ کے راستے میں قربان کر رکھا تھا۔

۲۰۱۵ء کی بات ہے، امرائے جہاد کی طرف سے ایک مجاہد اور وہاج فدائی شہیدؒ کی تشکیل کراچی میں ہوئی۔ نور ہاشم بھائیؒ نے یہ دونوں مجاہد وصول کیے۔ محفوظ ٹھکانہ نہ ہونے کی وجہ سے نور ہاشم بھائیؒ ان دونوں مجاہدین کو اپنے گھر میں ٹھہرایا۔ انہوں نے اپنے گھر بار اولاد کی پرواہ کیے بغیر دونوں مجاہدین کو کہا کہ اگر پاکستانی خفیہ ایجنسی کی طرف سے چھاپہ آتا ہے تو میرے بیوی بچوں کی پرواہ نہ کریں اور ایجنسی والوں سے مقابلہ کریں۔ یقیناً بہت بڑی سعادت کی بات ہے کہ اللہ کے راستے میں جان و مال سمیت اہل و اعیال تک کو قربان کر دیا جائے۔

نام پر تیرے لٹانے چل پڑا تیرے لیے
اے خدا تیرے لیے بس اے خدا تیرے لیے
زندگی میری فقط تیری رضا کے واسطے
اور جاں دے دوں میرے پیارے خدا تیرے لیے

نور ہاشم بھائیؒ امت مسلمہ کی حالتِ زار پر انتہائی فکر مند رہتے تھے، مسلمانوں کے جان و مال کے معاملے میں اللہ تعالیٰ سے بہت ڈرتے تھے، بیت المال کی جانب ایک مخصوص طے شدہ وظیفہ ہونے کے باوجود ذاتی زندگی کے خرچ کے لیے محنت مزدوری کرتے تھے۔ ایک مجاہد ساتھی نے نور ہاشم بھائیؒ سے سوال کیا کہ بھائی آپ کو جہادی امور کی مصروفیات کی وجہ سے وظیفہ دیا جاتا ہے تو آپ محنت مزدوری کر کے کیوں اپنے آپ کو تھکاتے ہیں؟ اللہ کے اس ولی نے جواب دیا، ''دراصل بات یہ ہے پیارے بھائی، بیت المال مسلمانوں کی امانت ہے، میری کوشش یہ ہے کہ جس حد تک ممکن ہو میں ذاتی زندگی کا خرچ خود محنت مزدوری کر کے پورا کروں اور بیت المال سے ملنے والا وظیفہ جہادی امور میں ہی خرچ کروں۔'' وَمَاتوفِیقِی اِلَابِاللہ

مال اور نہ جاہ بس رب کی محبت چاہیے
حبِ دنیا راہ سے ہٹ مجھ کو جنت چاہیے
اجنبی سارے جہاں میں بن گیا تیرے لیے
اے خدا تیرے لیے بس اے خدا تیرے لیے

نور ہاشم بھائیؒ اپنی زندگی کو نفاذِ شریعت کے غم میں گھلاتے رہے کہ کسی طرح امتِ مسلمہ کو ان دجّالی نظاموں سے چھٹکارا مل جائے اور شریعت کی بہاریں دیکھنا نصیب ہوں۔ زندگی بھر یہی چاہت سینے میں بسائے ہوئے تھے کہ باطل ادیان کا خاتمہ ہو جائے اور دین پورے کا پورا اللہ کا ہو جائے۔

نفاذِ شریعت کی جو تڑپ چاہت اور لگن اللہ تعالیٰ نے نور ہاشم بھائیؒ کو عطا فرمائی تھی اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک مرتبہ کراچی میں ہم کچھ ساتھیوں سے نور ہاشم بھائیؒ ملاقات کے لیے آئے ہوئے تھے، نماز کا وقت تھا، ہم سب نماز پڑھنے مسجد گئے، نماز کے دوران مسجد کے قریب سے کوئی گاڑی یا رکشہ گزر رہا تھا تو اس میں تیز آواز میں موسیقی لگی ہوئی تھی، یعنی گانا چل رہا تھا، اور کراچی جیسے شہر میں یہ ایک عام سی بات ہے۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد ہم ایک دوسرے سے خیریت پوچھ رہے تھے تو ہم نے دیکھا نور ہاشم بھائیؒ کے آنکھوں سے موتی جیسے آنسو گر رہے تھے، ہم نے پوچھا بھائی خیریت آپ رو رہے ہیں؟

نور ہاشم بھائیؒ نے انتہائی درد و افسوس سے کہا کہ بھائیو، کیسے نہ روؤں، یہ تو رونے کا مقام ہے، آج ہماری نماز جیسی عبادت بھی فتنوں سے محفوظ نہیں ہے، ہمارے رب کے ساتھ ہمارے قرب کا جو سب سے مضبوط ذریعہ ہے اسے بھی ہم محفوظ نہیں کر سکتے، اس باطل نظام نے اسے بھی سلامت نہیں چھوڑا۔

نور ہاشم بھائی اللہ تعالیٰ کے نیک بندے اور ولی تھے۔ ہم ان کے متعلق یہی گمان رکھتے ہیں کہ وہ ان ولیوں میں سے تھے جو اگر قسم اٹھالیں تو اللہ ان کی قسم پوری فرمادے۔ اللہ تعالیٰ کا بے حد فضل و احسان ہے کہ راقم کو ان کی زندگی کے آخری ایّام میں ان کی ہمراہی نصیب فرمائی۔ زندگی کے آخری ایام میں ان پر شہادت کا جذبہ بہت زیادہ غالب ہو چکا تھا، چھوٹا ہو یا بڑا، جوان ہو یا بزرگ، ہر کسی سے ایک ہی درخواست تھی، دعا کریں اللہ مجھے مقبول شہادت دے۔ راقم کو اچھی طرح یاد ہے زندگی کے آخری ایام میں شہادت کے لیے ایسے تڑپتے تھے جیسے مچھلی بے آب زمین پر۔ نور ہاشم بھائی اکثر دعا کرتے تھے یا اللہ مجھے تیس سال کی عم میں شہادت دے۔ کبھی کبھار وجد میں آ کر کہتے تھے، اللہ ضرورت بالضرور شہادت دے گا۔ (بقیہ صفحہ 139 پر)

# سحر ہونے کو ہے

بنتِ طبیب

”جیا!...... دیکھو تم سے ملنے کون آیا ہے!“، عبادہ نے جویریہ کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا، ”بخار کیسا ہے؟“

جویریہ نے آہستہ آواز میں کچھ کہا جسے نور نہ سن سکی۔ وہ بس یک ٹک اس کے چہرے کو تکے گئی۔ کتنے عرصے بعد اس کو اپنی کزن کی شکل دیکھنا نصیب ہوئی تھی۔

”نور! جویریہ سے مل لو!“، وہ نظریں جھکا کر دھیرے سے بول کر پیچھے ہٹ گیا، ابو بکر بھی نظریں جھکائے دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔

نور آگے بڑھ کر جیا کے بیڈ کے ساتھ پڑے بینچ پر بیٹھ گئی۔ جذبات امڈ امڈ کر اس کی آنکھوں میں جمع ہونے لگے۔ وہ آنکھوں میں آنسو بھرے اسے دیکھے گئی۔ وہ ویسی ہی تھی۔ خوبصورت اور معصوم سی! بس ایک تبدیلی تھی۔ اس نے اپنے چہرے کے گرد بڑا سا دوپٹہ لپیٹ رکھا تھا۔

”جیا!“ آخر اس نے بھرّائی ہوئی آواز میں اس کو پکارا۔ اس نے چہرہ اٹھا کر اس کی جانب دیکھا، مگر بخار کی شدت سے اس کی آنکھیں کھل نہ پا رہی تھیں۔

”کون؟“

”نور!“

”کون نور؟“، وہ چونک کر بولی۔

”نور قریشی!“

”نور؟“، وہ یکا یک دبے دبے جوش سے بولی اور اٹھ کر بیٹھ گئی، ”فریحہ خالہ کی بیٹی؟“

نور نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

”نور! تم کہاں ہو؟“، اس نے اپنے ہاتھ آگے بڑھا دیے گویا اس کے گلے لگنا چاہ رہی ہو۔ نور نے حیرت سے اس کی جانب دیکھا۔ اگلے ہی لمحے اس کو اپنی زندگی کا ناقابل یقین منظر دیکھنے کو ملا۔ اس نے اپنے منہ سے نکلنے والی بے ساختہ چیخ کو روکنے کے لیے ہاتھ مضبوطی سے اپنے منہ پر رکھ لیا اور ہکا بکا سی اس کی ویران آنکھیں دیکھنے گئی۔

”نور! مجھے نظر نہیں آتا! تم قریب آجاؤ!“

نور نے آگے بڑھ کر اس کو گلے لگا لیا اور وہ دونوں ہی رونے لگیں۔ ان آنسوؤں میں بہت کچھ تھا۔ دکھ، تکلیف، بے بسی اور دوبارہ ملنے کی خوشی۔

کافی دیر رونے دھونے کے بعد نور وہاں سے ہٹ گئی اور ابو بکر کے قریب آ کر رک گئی۔

”ابو بکر! لگتا ہے جیا کی بینائی ضائع ہو گئی ہے!“، بولتے بولتے نور کی آواز دوبارہ بھرا گئی، ”وہ دیکھ نہیں سکتی!“

عبادہ بھی ان کے قریب ہی نظریں جھکائے کھڑا تھا۔

”عبادہ!...... یہ کیسے ہوا؟“

”پچھلے ماہ کی بمباری میں جیا کی آنکھوں کے قریب کچھ زخم آئے تھے جس سے دھیرے دھیرے نظر ختم ہو گئی۔ ڈاکٹروں نے آپریشن کے ذریعے علاج کی امید تو دلائی ہے مگر فی الحال کہیں بھی ایسی سہولت دستیاب نہیں!“، اس نے ساری بات اس کے گوش گزار کی۔

نور تاسف سے جویریہ کے حسین اور معصوم سے چہرے کو تکنے لگی جو اس دنیا کے حسن اور اپنے پیاروں کو دیکھنے سے قاصر تھی۔

☆☆☆☆☆

عبادہ اور جویریہ سے ملتے ہی گویا ان کی زندگی میں نشاط آ گیا ہو۔ امینہ خالہ سے ملنے کے بعد وہ تینوں ہی بے حد مسرور تھے۔ عبادہ ان کے محلے کے قریب ہی کہیں رہتا تھا۔ البتہ امینہ خالہ اور جویریہ کہیں اور رہتی تھیں۔ اکثر ہی جمع کو عبادہ انہیں ملوانے کے لیے لے آتا تھا۔

عام آبادی پر بمباریاں کافی عرصے سے بند تھیں مگر جنگجوؤں کے لیے حالات کافی سخت تھے۔ اکثر و بیشتر چھاپے پڑتے رہتے تھے۔ جنگجوؤں کے مراکز پر بھی اکثر بمباریاں ہوتی رہتی تھیں۔ جاسوسیاں بہت عام ہو چکی تھیں۔

ارمغان اور لائبہ کو بھی موحد چچا نے اپنے ساتھ رکھ لیا تھا اور اب وہ لوگ کسی اور گاؤں میں سکونت اختیار کر چکے تھے۔ قریب ہی ارمغان اور لائبہ کو بھی گھر لے دیا تھا۔

ارمغان کو اپنی جاب کے سلسلے میں اکثر امریکیوں سے رابطہ رکھنا پڑتا تھا جو کہ نور کو بہت کھٹک رہا تھا۔ عبادہ بھی حتی الامکان اس سے بچ کر رہتا اور ان سب کو بھی اس نے سختی سے اس کی سرگرمیوں کی خبر اس کو دینے سے منع کر رکھا تھا۔

تائی جان بھی اپنے تینوں بچوں کے ہمراہ موحد چچا کے پاس ہی آ گئی تھیں۔ سیف کافی چڑچڑا ہو گیا تھا۔ تائی جان اور ماہم خوش اسلوبی سے اس کی خدمت میں لگی رہتی تھیں۔ احمر اور باقی گھر

والے بھی اس کا بہت لحاظ کرتے، سوائے علی کے۔ اس کی اور سیف کی اکثر نوک جھونک چلتی رہتی تھی۔

عبادہ کے آنے سے مصعب، ابو بکر اور علی کی حرکتیں اچانک ہی مشکوک سی ہو گئی تھیں۔ اکثر اوقات وہ گھر سے باہر رہتے۔ کبھی تو رات کو بھی گھر واپس نہ آتے۔ آپس میں مشکوک انداز میں باتیں کرتے اور باقی گھر والوں سے چھپاتے، خصوصاً جب نور قریب آتی تو فوراً خاموش ہو جاتے اور ادھر ادھر کی ہانکنے لگتے۔

نور کے موحد چچا کی توجہ دلانے کے باوجود ان کی بے پرواہی نے اسے مزید پریشان کر دیا تھا۔

کوئی اس کو نہیں بتاتا تو نہ بتائے! وہ بھی ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنے والی نہیں! وہ خود ہی پتا لگالے گی کہ اس کے بھائی کیا کرتے پھر رہے ہیں!

☆☆☆☆☆

رات کے نو بج رہے تھے۔ گرمی کی وجہ سے سب گھر والے صحن میں ہی بیٹھے تھے۔ موحد چچا ریڈیو پر خبریں سن رہے تھے۔ ریڈیو کی کھڑ کھڑ اور شاں شاں پورے گھر میں گونج رہی تھی۔

''پاکستان کے صوبہ پنجاب کے شہر سیالکوٹ میں دہشت گردی کی ایک کارروائی میں امریکی ہموی پر مائن پھٹنے کے نتیجے میں پانچ فوجی ہلاک!''

سب نے فوراً اپنے اپنے کام چھوڑے اور موحد چچا کے قریب آ کر بیٹھ گئے۔

اب حملے کی تفصیلات بتائی جا رہی تھیں اور حیرت کی بات یہ تھی کہ پاکستانی میڈیا اس حملے سے بالکل بھی خوش نہیں لگ رہا تھا اور بار بار اس کی مذمت کر رہا تھا۔

''تکبیر!''، مصعب نے زور سے نعرہ لگایا۔

''اللہ اکبر!''، سب گھر والوں نے اس کے نعرے کا بھرپور جواب دیا تھا۔

''الحمدللہ!''

''شکر ہے خدا کا!''

امریکی حملے کے دس ماہ گزر جانے کے بعد ان کے خلاف یہ پہلا حملہ تھا اور قریباً پورا پاکستان ہی اس حملے پر خوشیاں منا رہا تھا۔

☆☆☆☆☆

''مبارک ہو!''، عبادہ نے گھر میں داخل ہوتے ہی صدا لگائی۔ وہ کل رات والی کارروائی کی خوشی میں آیا تھا۔

''الحمدللہ! تمہیں بھی مبارک ہو!''، مصعب اور ابو بکر بھی خوشی خوشی بولے۔ علی بھی ان کے برابر میں بیٹھا تھا۔ وہ سب اس وقت صحن میں بیٹھے تھے۔

''کس نے کی ہے کارروائی؟''، مصعب نے اچانک رازداری سے عبادہ سے پوچھا۔

نور کے کان کھڑے ہو گئے۔

''شاید اسماعیل بھائی کے ساتھیوں نے کی ہے...... سیالکوٹ میں تو وہی ہیں''۔

نور حیرت اور تجسس کے ملے جلے احساسات سے مغلوب ہو کر چھپکے چھپکے ان کی باتیں سن رہی تھی۔ آج ان کی سرگرمیوں کا معمہ کھلنے والا تھا۔

''کیا خیال ہے...... احمد بھائی سے اجازت لے کر اگلی کارروائی ہم نہ کریں؟''، ابو بکر ہنس کر بولا۔

''ہاں! اچھا خیال ہے...... پتہ کر کے بتاؤں گا!''، عبادہ بولتے بولتے رکا اور چونک کر ادھر ادھر دیکھا۔ شاید اس کو شک ہو گیا تھا۔ نور مزید سمٹ گئی۔

''علی! تمہیں خالد بھائی نے بلوایا ہے۔ احمد بھائی کے پاس کوئی پیغام لے کر جانا ہے''۔

''اچھا! کتنے دن کے لیے؟''

''بس یہی کوئی تین چار دن کے لیے......''، عبادہ کی آواز پست ہو گئی۔ ''مولانا حسن آئے ہوئے ہیں ہمارے مرکز میں...... ملنا ہے تو آ جاؤ''۔

''ہائیں! واقعی؟''، ان تینوں کی گویا باچھیں کھل گئیں۔

''ہاں! مگر کسی کو کان و کان خبر نہیں ہونی چاہیے......''۔

ان تینوں نے اثبات میں سر ہلا دیے۔ نور دھیرے سے مسکرا کر دروازے سے پیچھے ہٹ گئی۔

☆☆☆☆☆

''السلام علیکم ورحمۃ اللہ!...... السلام علیکم ورحمۃ اللہ!''، عبادہ نے نماز ختم کی اور پہلو بدل کر بیٹھ گیا اور صبح کے اذکار کرنے لگا۔ باقی ساتھ بھی ذکر کرنے میں مشغول تھے۔

''ابراہیم بھائی! قرآن پاک لے آئیں؟''، ایک ساتھی نے اذکار مکمل کر کے عبادہ کی جانب دیکھا۔ اس نے دھیرے سے سر ہلا دیا۔

یہ مجاہدین کا مرکز تھا اور اس میں عبادہ کے علاوہ آٹھ مزید ساتھی موجود تھے۔ عبادہ ان سب کا امیر تھا اور اس وقت ان کی تجوید کی کلاس لے رہا تھا۔

آدھے گھنٹے کی کلاس کے بعد سب کو بھوک لگ چکی تھی اس لیے تمام ساتھی کھانا پکانے کی تیاری کرنے لگے۔

ایک ساتھی برتن دھونے لگا۔ دوسرا ساتھی آٹا گوندھنے لگا۔ ابو بکر یوں ہی حیرت سے سب کو دیکھتا رہا۔ مجاہدین کے مرکز میں یہ اس کا پہلا دن تھا۔ عبادہ نے بھی قمیض کی آستینیں اوپر چڑھائیں اور آٹے کے پیڑے بنانے لگا۔ دوسرا ساتھی آملیٹ تلنے لگا۔ پراٹھے اور چائے بن کر تیار ہوئی تو ابو بکر کو سب کو یوں ہاتھ بٹاتے دیکھ کر بیٹھے رہنا اچھا نہ لگا، وہ اٹھا اور دستر خوان بچھانے لگا۔ سب نے اکٹھے بیٹھ کر ہلکی پھلکی گپ شپ کرتے ہوئے ناشتہ کر لیا۔

ناشتے کے بعد سب اپنے اپنے مشاغل میں لگ گئے۔ کوئی قرآن کی تلاوت کرنے لگا، کوئی کانوں میں ائیر فون لگائے درس سننے لگا، جس کے کپڑے میلے تھے وہ کپڑے دھونے لگا۔

عبادہ بھی فارغ ہو کر کچھ ضروری خطوط لکھنے بیٹھ گیا۔ ابو بکر کافی دیر سے موقع کی تلاش میں تھا۔ عبادہ کو تنہا پا کر وہ اس کے پاس جا بیٹھا۔

''عبادہ!''، وہ آہستہ آواز میں بولا مبادا کوئی دوسرا ساتھی نہ سن لے۔ عبادہ نے چہرہ اٹھا کر تنبیہی نگاہوں سے اسے گھورا۔

''ابراہیم!''

''اوہ ہاں! ابراہیم!...... مراکز میں سب کام خود ہی کرنے پڑتے ہیں کیا؟''

وہ ابو بکر کی بات سن کر بے ساختہ مسکرا دیا۔

''ہاں!''

''اور کپڑے بھی خود ہی ہاتھوں سے دھوتے ہیں اپنے؟''

''ہاں!''

''اور زمین پر سونا پڑتا ہے؟''

اب کی بار عبادہ کھکھلا کر ہنس پڑا۔

''ہاں بھیا!''

''مگر یہ تو بہت مشکل ہے!''

''دیکھو ابو بکر!''، عبادہ ایک دم سنجیدہ ہو گیا، ''جہاد صرف کافروں سے لڑنے اور کارروائیوں اور بمباریوں میں مشکلات جھیلنے کا نام نہیں!...... بلکہ جہاد کے راستے میں ہر قسم کی آزمائش آتی ہے اور انسان کا صبر اور اس کی استقامت آزمائی جاتی ہے...... اللہ تعالیٰ بھوک، پیاس، خوف، ڈر، خوراک کی قلت، پیسوں کی کمی، بیماری، گھر والوں سے دوری، گرمی، سردی ہر چیز سے آزماتا ہے!''، وہ دھیرے دھیرے اس کو سمجھانے لگا۔ ابو بکر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''جہاد کی انہی آزمائشوں کی وجہ سے لوگ جہاد سے بھاگتے ہیں...... کسی کو گھر والوں سے دوری برداشت نہیں، کسی کو اپنی آسائشیں چھوڑنا گوارا نہیں، کسی میں مشکلات جھیلنے کی طاقت نہیں......اگر جہاد اتنا ہی آسان ہوتا تو اللہ تعالیٰ یہ نہ فرماتے کہ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ، یعنی تم پر قتال فرض کیا گیا ہے اور تم اس کو ناپسند کرتے ہو......''عبادہ یہ کہہ کر خاموش ہو گیا۔

''تم صحیح کہتے ہو!''، ابو بکر بولا۔

''مگر! فکر نہ کرو...... جب فتوحات آئیں گی تو آسانیاں بھی آجائیں گی!''، عبادہ نے شرارت سے کہا تو ابو بکر بھی مسکرا دیا۔

☆☆☆☆☆

''چچا! بھائی اور علی ابھی تک نہیں آئے؟'' نور نے فکرمندی سے موحد چچا سے پوچھا۔ مصعب اور علی پچھلے تین دن سے غائب تھے اور نور ان کے لیے بہت فکر مند تھی۔

''بیٹا! تم کیوں اتنی فکر کر رہی ہو! آجائیں گے ان شاءاللہ! جوان لڑکے ہیں کوئی بچے تو ہیں نہیں!''، موحد چچا ہنس کر بولے تو وہ خجل سی ہو گئی۔

''مگر چچا وہ دونوں گئے کہاں ہیں آخر؟''، وہ اپنی خجالت چھپا کر بولی۔

''بیٹا! مجھے منع کر کے گئے ہیں کسی کو بتانے سے!''، اس کی طرف بے بسی سے دیکھ کر بولے، پھر ایک نظر ارد گرد ڈال کر رازداری کے ساتھ نور کے قریب ہو کر پست آواز میں بولے، ''مگر امید ہے کہ خبروں سے پتہ چل جائے گا، ان شاءاللہ''۔

نور نا سمجھتے ہوئے بھی سر ہلا کر اٹھ گئی۔ نجانے سارے گھر والے اتنے مشکوک سے کیوں ہو گئے تھے؟

☆☆☆☆☆

''پاکستان کے دارالحکومت اسلام آباد میں امریکی کیمپ پر راکٹ حملے!!!''

''پندرہ فوجی ہلاک اور چھ زخمی!''

''حملہ مارگلہ کی پہاڑیوں کی جانب سے کیا گیا!''

''مارگلہ کی پہاڑیوں میں سرچ آپریشن جاری!''

ریڈیو اونچی آواز میں لگا ہوا تھا اور پورے گھر میں اس کی آواز گونج رہی تھی۔ نور موحد چچا کے ساتھ ہی بیٹھی تھی۔ موحد چچا زیر لب مسکرا رہے تھے جبکہ نور کی حالت غیر ہو رہی تھی۔

''کیا چچا اس خبر کے بارے میں کہہ رہے تھے؟''

اتنے میں باہر کا دروازہ زوردار آواز سے کھلا اور مصعب اور علی ہانپتے کانپتے اندر داخل ہوئے۔ ان کی حالت بہت پتلی تھی۔ بال، جسم اور کپڑے غبار آلود تھے اور چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ اندر آتے ہیں دونوں دھم سے موحد چچا کے قریب ہی لیٹ گئے۔ نور نے اپنا دوپٹہ مزید پھیلایا اور اٹھ کھڑی ہوئی اور مصعب کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولی،

''تو یہ تم دونوں کا کارنامہ ہے؟''

وہ دونوں ذرا سا چونکے مگر فوراً ہی اپنی حیرت پر قابو پا لیا اور ایسے ظاہر کرنے لگے گویا کچھ سنا ہی نہ ہو۔ علی بدستور دوسری طرف منہ کیے لیٹا رہا جبکہ مصعب نے کن انکھیوں سے موحد چچا کو دیکھا تو انھوں نے کندھے اچکا دیے۔ نور غور سے ان دونوں کو ہی دیکھ رہی تھی۔

''بے وقوف مت سمجھو مجھے!...... تمہارے چہروں سے ہی پتہ چل رہا ہے کہ جو میں کہہ رہی ہوں وہ سچ ہے!''، وہ مسکرا دی۔

''تمہیں کس نے کہا؟''، مصعب ذرا سا اٹھ کر بولا۔

''بھائی جان!...... تین دن غائب رہو پھر ریڈیو پر کارروائی کی خبر آئے...... اور تم ہانپتے کانپتے گھر آجاؤ!...... عقل مند کے لیے اشارہ ہی کافی ہے!''، نور فخریہ بولی۔

''آہستہ بولو!''، وہ ادھر ادھر دیکھ کر بولا، ''اور جاؤ مجھے بہت بھوک لگی ہے! کچھ کھانے کو لاؤ!''

وہ اس کو ٹالنا چاہ رہا تھا۔ وہ سمجھ گئی اور ''اچھا لاتی ہوں!'' کہہ کر کچن کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆☆☆☆

اب تو یہ روز کا معمول بنتا جا رہا تھا۔ ابو بکر تو دو ماہ سے نظر ہی نہ آیا تھا اور مصعب اور علی اکثر گھر سے باہر رہتے۔ جس دن کسی کارروائی کی اطلاع آتی دونوں ہانپتے کانپتے گھر آجاتے۔

دن گزرتے گئے۔ امریکی اور بھارتی حملے کو ایک سال ہو گیا۔ ادھر ادھر چھاپے پڑتے رہے۔ ملک کی انٹیلی جنس اور فوج بھرپور طریقے سے امریکہ کا ساتھ دے رہی تھیں۔

کچھ قریبی گرفتاریوں کی وجہ سے عبادہ، مصعب اور علی امریکہ کی وانٹڈ لسٹ میں آگئے، جس کی وجہ سے وہ پہلے سے بھی زیادہ محتاط ہو گئے۔ گھر پہلے سے بھی کم کم آنے لگے اور آتے بھی تو صرف رات کے اندھیرے میں ہی۔

انہی دنوں نور نے پہلی بار مصعب کے منہ سے سی آئی اے کے ریجنل کمانڈر جنرل کالن پارکر کا ذکر سنا کہ کیسے وہ مجاہدین کو مطلوب تھا اور اس نے کتنے مجاہدین پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے تھے۔ اور اب مصعب، علی اور عبادہ بھی اس کی وانٹڈ لسٹ میں شامل ہو چکے تھے۔ نور نے سن کر کچھ ظاہر تو نہ کیا مگر اس دن سے اس کا دل کسی انجانے خدشے کے تحت کھٹکنے لگا تھا۔ وہ خوف زدہ ہو گئی تھی۔

ان کی کارروائیاں آہستہ آہستہ تمام گھر والوں کو پتہ چلتی گئیں۔ اب پورا گھرانہ ہی کافی دینی ہو چکا تھا۔ موحد چچا نے داڑھی رکھ لی تھی اور نمازوں کی صحیح پابندی کرنے لگے تھے۔ نور، مومنہ اور منال نے چہرے کا پردہ شروع کر دیا تھا۔ جویریہ تو عبادہ کی تبلیغ سے شرعی پردے تک جا چکی تھی۔ بسام بھائی کو موحد چچا نے جھنگ میں ایک دکان لے دی تھی۔ خود وہ ابھی تک یہاں سے نکلنے کے چکر میں تھے کیونکہ امریکی اور بھارتی میرینز کے پاکستان میں آجانے کی وجہ سے فیملیز اور خواتین کے ساتھ رہنا خطرے سے خالی نہ تھا۔ مگر کہیں اور جانا بھی آسان نہ تھا۔

عبادہ کئی دفعہ ان کو مجاہدین کے زیر تسلط علاقوں میں جا کر رہنے کی دعوت دے چکا تھا۔ مگر وہاں بمباریوں اور چھاپوں کے مزید خطرے کی وجہ سے انہوں نے ہر دفعہ انکار کیا تھا۔

امینہ خالہ کے کافی اصرار کے بعد مصعب، ابو بکر اور نور دو ماہ کے لیے ان کے گھر بھی چلے گئے تھے جس کی وجہ سے ان کی زندگیوں میں تازگی آگئی تھی۔ جویریہ بھی ان کے آنے سے کافی بہل گئی تھی۔ نور بھی اس کی موجودگی سے ہاجر کی کمی کا مداوا کرنے کی کوشش کرتی رہی۔ ابو بکر کچھ عرصے کے لیے آیا مگر پھر جلد ہی دوبارہ غائب ہو گیا۔

بھائیوں کے چلے جانے سے باقی گھر والوں کی موجودگی کے باوجود نور اداس اداس سی رہتی۔ کیونکہ ابو بکر کے علاوہ مصعب بھی علی کے ساتھ اکثر ہی گھر سے باہر رہتا تھا۔

ارمغان نے اس کے بعد نور کے حجاب پر کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔ اس کے دین پر عمل کرنے کے معاملے میں بھی مکمل خاموشی اختیار کر لی تھی۔ موحد چچا اور گھر کے باقی سب بڑوں چھوٹوں کے ساتھ اس کا رویہ بہت شائستہ ہو گیا تھا اور سب اس کو پسند کرنے لگے تھے۔ مصعب کے بھی تحفظات کم ہو گئے مگر اب اس کو اس کی جاب پر بہت اعتراض تھا اور وہ اکثر اس کو طریقے طریقے سے جہاد کی دعوت اور امریکیوں کی مدد کی قباحتیں بتاتا رہتا۔ مگر وہ اس معاملے میں کچھ ردعمل ظاہر نہ کرتا۔ لائبہ البتہ نور کے زیر اثر رہنے کی وجہ سے عبایا اور سکارف لینے لگی تھی اور دین سے کافی قریب ہو گئی تھی۔ زندگی پہلے کی طرح نارمل نہ رہی تھی۔ بہت کچھ بدلا تھا...... سب کی زندگیوں میں انقلاب برپا ہو چکا تھا۔

☆☆☆☆☆

گھر میں ہر طرف بالکل خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ نور عشاء کی نماز پڑھ کر جائے نماز تہہ کرنے لگی۔ آج کافی دنوں کے بعد مصعب اور علی گھر پر تھے۔ مصعب دیوار سے ٹیک لگائے قرآن پاک کی تلاوت کر رہا تھا۔ علی شاید کمرے میں تھا۔ باقی گھر والے عائشہ چچی کے امی ابو کی طرف گئے ہوئے تھے۔ باہر ہر سو اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ اسلامی مہینے کی آخری تاریخیں تھیں اس لیے چاند کا نام و نشان تک نہ تھا۔

نور نے جائے نماز سائیڈ پر رکھی اور اٹھ کر مصعب کے پاس جا کر بیٹھ گئی۔ مصعب نے ایک نظر اس پر ڈالی اور پھر دوبارہ تلاوت میں مشغول ہو گیا۔ نور کچھ دیر اس کے فارغ ہونے کا انتظار کرتی رہی مگر پھر اس سے رہا نہ گیا۔

''بھائی!''

''ہوں!''، مصعب نے نظریں اٹھائے بغیر جواب دیا۔

''کتنا اور پڑھنا ہے؟''

''بس یہ پارہ ختم ہو رہا ہے!''، اس نے مصحف کی طرف اشارہ کیا اور پھر تلاوت کرنے لگا۔ پارہ ختم ہوا تو اس نے قرآن پاک بند کر دیا۔

''ہوں! اب بتاؤ! کیا ہوا؟''

''بھائی!...... ایک بات کہوں؟...... مانو گے؟''، نور نے جھجکتے ہوئے کہا اور کن انکھیوں سے اس کی جانب دیکھا۔

''ہوں بولو!...... میری بہن جو کہے گی ان شاء اللہ مانوں گا!''، اس نے مسکرا کر اس کی جانب دیکھا۔

''شادی کرو گے بھائی؟''، وہ دھیرے سے بولی تو اس کی توقع کے بر خلاف مصعب کو زوردار جھٹکا لگا اور وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

''نور! ہوش میں تو ہو؟...... حالات کیسے ہیں اور تم کیسی باتیں کر رہی ہو؟''

''بھائی! حالات کا شادی سے کیا تعلق؟''نور نے حیرت سے اس کو دیکھا۔

''نور!''، اس نے بولنا چاہا مگر نور نے اس کی بات کاٹ دی۔

''بھائی!...... اب اماں نہیں رہیں...... اور میں ہی تمہاری اکلوتی بہن ہوں''، اس نے گردن اکڑا کر کہا۔

اتنے میں علی کے کمرے کا دروازہ کھلا اور وہ باہر آ گیا۔ نور نے لاشعوری طور پر دوپٹہ ٹھیک کیا حالانکہ وہ پہلے ہی نماز کی وجہ سے سر پر اچھی طرح سے لپٹا ہوا تھا۔

''نور! مصعب نہیں مانتا تو میرے لیے ڈھونڈو رشتہ!''، وہ شرارت سے مصعب کی طرف دیکھ کر آگے بڑھ گیا۔ مصعب نے اس کو جواباً گھورا۔

''اونہہ! شرم نہیں آتی ان لوگوں کو!''، نور منہ پھلا کر بولی۔

''اچھا بتاؤ! تمہارے ذہن میں کون ہے؟''

''اللہ بہتر جانتا ہے مگر مجھے ایک لڑکی تمہارے لیے پسند آئی ہے اور امید ہے تمہیں اس شادی سے اجر بھی بہت ملے گا!''، نور ایک دم خوش ہو کر بولی۔

''اچھا! کون؟''

نور ابھی جواب دینے ہی لگی تھی کہ اچانک آسمان پر گونجنے والی ایک خوفناک آواز نے ان کو چونکا دیا۔

''بھائی! یہ کیا ہے؟''، نور گھبرا کر بولی۔ علی بھی حواس باختہ سا کچھ سے نکل آیا۔

وہ تینوں ہی مختلف جگہوں سے باہر جھانکنے لگے۔ باہر کا منظر روح فرسا تھا۔ ان کے گھر کے قریب ہی ایک امریکی ہیلی کاپٹر نے لینڈ کیا تھا اور اس میں سے امریکی کمانڈوز اتر رہے تھے۔ مصعب اور علی فوراً کھڑکی سے ہٹ گئے اور تیزی سے الماری سے اسلحہ نکال کر سیٹ کرنے لگے۔ نور خوف زدہ سی دونوں کو کلاشن کوف میں میگزین ڈالتے دیکھ رہی تھی۔ وہ لمحہ آ گیا تھا جس کا اس کو خوف تھا۔

''نور!...... سب سے پہلے تو تم کہیں چھپو!''، مصعب کہتے ہوئے اٹھا اور باہر نکل گیا۔ علی بھی اس کے ساتھ ہی کمرے سے نکلنے لگا پھر یک دم رکا اور پیچھے مڑا۔

''نور! چاہے کچھ بھی ہو جائے تم اپنی جگہ سے باہر مت نکلنا! پلیز!''، اس کو التجائیہ انداز میں کہہ کر کمرے سے نکل گیا۔ نور ان دونوں کی فکر کی وجہ سمجھ سکتی تھی اس لیے اس نے فوری طور پر اطراف کا جائزہ لیا اور پھر بیڈ کے نیچے گھس گئی۔

دروازے پر ٹکریں لگنے کی آوازیں گونجنے لگیں اور پھر ایک منٹ بعد ہی دروازہ زوردار آواز کے ساتھ زمین پر آ رہا۔ درجنوں کے حساب سے فوجی وردیوں میں ملبوس امریکی اور پاکستانی کمانڈوز اندر آن وارد ہوئے۔ نور کو بیڈ کے نیچے سے ان کے بھاری جوتے نظر آ رہے تھے۔ اس کا خون خشک ہونے لگا۔ ''اگر ان میں سے کوئی بھی نیچے جھانک کر دیکھ لے تو......!''

اچانک گھر میں فائرنگ کے تبادلے کی آوازیں سنائی دیں اور اس کے ساتھ ہی چند چیخوں کی آواز گونجی اور نور نے دو امریکیوں کو زمین بوس ہوتے دیکھا۔ وہ کانپ کر رہ گئی۔ اس کے لیے یہ جاننا مشکل نہ تھا کہ فائرنگ کا تبادلہ مصعب اور علی ہی سے ہوا تھا۔

"یہ رہے!"، اچانک نور کے کانوں سے ایک کمانڈو کی آواز ٹکرائی۔ اس کا سانس رک گیا۔ وہ مصعب کو بالوں سے پکڑ کر لا رہا تھا جبکہ مصعب اس کی گرفت سے نکلنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔

بد قسمتی سے مصعب اور علی دونوں ہی امریکیوں کے قبضے میں آ گئے تھے اور اب وہ مکوں اور لاتوں سے ان کی درگت بنا رہے تھے۔ نور بمشکل اپنے آپ کو روکے ہوئی تھی ورنہ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ ان کتوں کے منہ نوچ ڈالے۔ آخر ان دونوں کی کراہوں نے اس کے صبر کا پیمانہ لبریز کر دیا اور وہ سوچے سمجھے بغیر بیڈ کے نیچے سے نکل کر ان فوجیوں کی طرف جھپٹی جو ان دونوں کو مار رہے تھے۔

"لیٹ دیم گو!!!(ان کو چھوڑ دو!!!)"، وہ بے بسی سے ان کو پیچھے کرنا چاہ رہی تھی، جس کے نتیجے میں ایک آدھ مکا اس کو بھی لگ گیا۔ اس کا سر بری طرح چکرایا مگر اس کو اپنی تکلیف کی پرواہ نہ تھی، اس کو فکر تھی تو کمانڈوز کے ہاتھوں پٹتے مصعب اور علی کی۔

"واؤ!"، اچانک ایک امریکی جو غالباً ان کا افسر تھا، چونک کر نور کی جانب متوجہ ہوا، "واؤ! اٹس اے نائس کیچ! (کیا خوب شکار ہاتھ آیا)...... مصعب! غالباً یہ تمہاری سسٹر ہے!"، وہ مکروہ انداز سے مسکرایا۔ مصعب اور علی کے چہرے یک دم سیاہ پڑ گئے۔

نور وہیں سن ہو کر رہ گئی۔ یہ اس نے کیا کیا تھا؟ انجانے میں وہ کتنی سنگین غلطی کر چکی تھی اس کا احساس اسے اب ہوا تھا۔

"بے وقوف!...... تم سے کہا نہیں تھا کہ باہر نہ آنا؟"، مصعب نے غصے اور بے بسی سے چٹختے اعصاب کے ساتھ اس کی جانب دیکھنا چاہا مگر امریکی تو اس کا کچومر نکال رہے تھے۔

"پاگل! منہ کیا دیکھ رہی ہو! دفع ہو جاؤ یہاں سے...... جلدی!"، وہ اپنی پوری قوت سے چیخا تو نور کو ہوش آیا اور اس نے اندھا دھند باہر کی طرف دوڑ لگا دی۔

مصعب چونکہ اردو میں بولا تھا اس لیے جب تک امریکی بات سمجھے نور دروازے تک پہنچ چکی تھی۔ ایک فوجی نے اس کو روکنا چاہا مگر وہ کنی کترا گئی جس کے نتیجے میں اس کا دوپٹہ اس کے سر سے اتر کر گر گیا۔ مگر وہ پھر بھی رکے بغیر باہر بھاگ گئی۔ اس کو نہیں معلوم تھا کہ وہ کس طرف جا رہی ہے اور کس کے پاس جا رہی ہے۔ بس وہ اندھا دھند ایک طرف کو بھاگے چلی جا رہی تھی۔ ہیلی کاپٹر کی آواز اس کے پیچھے گونجنے لگی۔ وہ بھاگتے بھاگتے کافی دور نکل چکی تھی۔ قریب ہی ایک گھر تھا۔ اس نے حواس باختہ ہو کر دروازہ پیٹنا شروع کر دیا۔ دو منٹ بعد ہی دروازہ کھل گیا اور وہ دروازہ کھولنے والے کو دھکیلتی ہوئی اندر گھستی گئی اور دروازہ زور سے بند کر دیا۔ اسی لمحے ہیلی کاپٹر کی آواز گھر کے اوپر سے ہوتی ہوئی دور چلی گئی۔ شکر ہے انہوں نے اس کو نہیں دیکھا تھا۔

نور کے حواس بحال ہوئے تو اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو اس کی سٹی گم ہو گئی۔ عبادہ زمین پر سے کپڑے جھاڑتا ہوا اٹھ رہا تھا جو شاید اس کے تیزی سے اندر گھسنے کی وجہ سے اسے جگہ دینے کی کوشش میں گر گیا تھا۔ اس پر نظر پڑتے ہی اس نے بے ساختہ اپنے دونوں بازوؤں سے سر ڈھک لیا۔ بے بسی سے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"نور؟...... کیا ہوا ہے؟" عبادہ نے پریشان ہو کر کہا اور قریب پڑا مردانہ رومال اٹھا کر نور کی جانب اچھال دیا۔ اس نے اس کو جلدی سے اپنے چہرے کے گرد لپیٹ لیا۔ "کیا تم لوگوں کی طرف چھاپہ پڑا ہے؟"، اس کے چہرے پر پریشانی کے بادل چھا گئے۔ نور اس کے جواب میں بس رو دی۔

"وہ ان کو لے گئے! مصعب اور علی دونوں کو لے گئے!"، وہ روتے ہوئے بولی۔ عبادہ خلا میں گھورنے لگا۔

"إنا للہ وإنا إلیہ راجعون!"، کہہ کر وہ خاموش ہو گیا اور کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ اس کے ماتھے پر فکر مندی کی لکیریں ابھر آئیں۔ پریشانی میں وہ یہ بھی نہ دیکھ سکا کہ نور ابھی تک کھڑی تھی۔

"نور! آپ کا یہاں رہنا تو ٹھیک نہیں!"، کافی دیر کی خاموشی کے بعد وہ بولا۔

"مگر! پھر میں کہاں جاؤں؟"، اس کی آواز بھرّا گئی۔

"یہ مجاہدین کا مرکز ہے...... واپس بھی نہیں لے کر جا سکتے کہ ڈرون تو ابھی تک فضا میں موجود ہے...... ڈرون اور اتنے فوجیوں کی موجودگی میں تمہارا وہاں سے صحیح سلامت نکل آنا ہی معجزہ ہے...... میں تمہیں ماما اور جویریہ کے پاس لے جاتا ہوں!"، وہ نظریں جھکائے بول رہا تھا کہ چونکا، "جوتے نہیں پہنے ہوئے؟"

اس نے ادھر ادھر نظر دوڑائی تو قریب ہی ایک ٹوٹی ہوئی چپل نظر آئی۔ اس نے وہ اٹھا کر سائیڈ پر رکھ دی اور اندر کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ "یہ پہن لو!...... میں تہہ خانے سے کسی بھائی کو بلا کر لاتا ہوں، پھر گھر چلتے ہیں!"

نور نے چپل پہنی اور وہیں زمین پر بیٹھ گئی۔ کچھ دیر میں ہی عبادہ اور ایک اور ساتھی اوپر آ گئے اور اس سے نگاہ بچاتے ہوئے باہر کی طرف بڑھ گئے۔ باہر سے گاڑی سٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی اور پھر باہر کا دروازہ کھلا۔

"نور! گاڑی میں بیٹھ جاؤ!"، عبادہ نے باہر کھڑے کھڑے ہی اس کو بلایا اور خود سائیڈ پر ہٹ گیا۔ نور دھیرے دھیرے چلتے ہوئے باہر آئی اور گاڑی میں بیٹھ گئی۔ گاڑی میں کوئی بھی نہ تھا۔ چند لمحے بعد ہی عبادہ اور دوسرے مجاہد ساتھ گاڑی میں آ کر بیٹھ گئے اور بیٹھتے ہی بیک مرر کو

الٹ دیا۔ غالباً اس لیے کہ نور پر ان کی نگاہ نہ پڑے۔ نور کھڑکی سے سر ٹکا کر باہر دیکھنے لگی۔ باہر ہر طرف اندھیرا تھا۔ ہر طرف خوف کا بسیرا۔ ہر طرف ظلم کا اندھیرا تھا۔ اس کی آنکھیں جلنے لگیں۔ اس نے کھڑکی سے سر ہٹایا اور سیٹ پر ٹیک دیا اور آنکھیں موند لیں۔ رات کی تاریکی میں ڈرون کی دل دہلا دینے والی آواز ابھی بھی سنائی دے رہی تھی۔

☆☆☆☆☆

''نور! نور!'' کسی کی شائستہ سی آواز سنائی دی تو نور نے کسلمندی سے آنکھیں کھولیں۔ اور ادھر ادھر دیکھنا چاہا مگر ہر طرف اندھیرا ہی تھا۔

''نور! اٹھو! نیچے اترو، گھر آ گیا ہے!''، کسی کی شہد میں گھلی آواز سنائی دی۔

''کون؟''

''امینہ خالہ ہوں بیٹی! اندر آجاؤ!''

''خالہ!!!''

امینہ خالہ کا نام سنتے ہی نور کے تمام حواس بیدار ہو گئے۔ وہ گاڑی سے اتری اور خالہ کے گلے لگ کر بلک بلک کر رونے لگی۔ خالہ نے بھی اس کو سینے سے چمٹا لیا۔

''میری بچی! روؤ مت! اللہ بہتر کرے گا!''، انہوں نے اس کو حوصلہ دینا چاہا مگر ان کی اپنی آواز بھی بھاری ہو گئی۔

وہ اس کو لے کر اندر آ گئیں۔ جویریہ بستر پر لیٹی شاید سونے کی تیاری میں تھی۔

''جیا!''، جویریہ کے قریب بیٹھتے ہوئے اس نے اس کو مخاطب کیا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور نور کو گلے لگا کر رونے لگی۔ نور تو پہلے ہی رو رہی تھی۔

''اللہ کا شکر ہے نور کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان درندوں کے ہاتھوں سے بچا لیا!''، جویریہ نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

امینہ خالہ نے نور کے لیے بھی بستر بچھا دیا اور وہ سونے کے لیے لیٹ گئی۔ امینہ خالہ بھی اس کے برابر میں ہی لیٹ گئیں۔ وہ تینوں ہی خاموشی سے لیٹی ہوئی تھیں۔ کرنے کو کوئی بات بھی نہ تھی۔ امینہ خالہ جانتی تھیں کہ وہ ابھی اس حالت میں نہ تھی کہ پوری تفصیل بتائے اس لیے انہوں نے کوئی سوال نہ کیا۔ نور دل ہی دل میں اس بات پر ان کی شکر گزار تھی۔ کچھ ہی دیر بعد کمرے میں ہلکے ہلکے خراٹوں کی آواز گونجنے لگی۔ نور کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی۔ آخر وہ اٹھی اور وضو کر کے نماز کی نیت باندھ لی۔ اس نے اپنے دل کی بات صرف اللہ تعالیٰ سے کرنی تھی کیونکہ وہی بہترین دلاسا دینے والا ہے۔

☆☆☆☆☆

فجر کی نماز پڑھ کر امینہ خالہ ناشتے کی تیاری میں لگ گئیں۔ عبادہ اور اس کا ساتھی رات کو ہی واپس چلے گئے تھے۔ نور بھی اٹھ کر خالہ کا ہاتھ بٹانے لگی۔

''کیا تم اب چھاپے کی تفصیلات بتا سکتی ہو؟''، امینہ خالہ نے پراٹھے ہاٹ پاٹ میں ڈالتے ہوئے پوچھا تو اسے جھرجھری سی آ گئی۔ وہ اس واقعے کو دہرانا نہیں چاہتی تھی مگر بادل نخواستہ اس نے تمام تفصیلات خالہ کے گوش گزار کر دیں۔

امینہ خالہ کے چہرے کے تاثرات بدلتے رہے۔ ایک رنگ آتا تو دوسرا جاتا۔ آخر جب اس نے اپنی داستان مکمل کی تو انہوں نے اس کو اپنے سینے سے لگا لیا اور گہری گہری سانسیں لینے لگیں۔

''میری بچی!''، وہ بولیں تو ان کی آواز بھرّائی ہوئی تھی، ''تم پر واقعی بہت بڑا سانحہ گزرا ہے! میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ہماری ان معصوم کلیوں پر بھی ایسے حالات آئیں گے جو صرف کہانیوں میں ہی پڑھے تھے!''

نور بس خاموشی سے ان کے سینے سے لگی رہی۔ اس کو اس وقت اماں کی ضرورت تھی اور امینہ خالہ کی آغوش میں اس کو اماں کی خوشبو محسوس ہو رہی تھی۔

''چلو اب کھانا کھاتے ہیں!''، انہوں نے آہستگی سے اسے خود سے الگ کیا۔ نور خاموشی سے ان کے پیچھے ہو لی۔ دسترخوان بچھا ہوا تھا۔ امینہ خالہ نے جویریہ کو لا کر دسترخوان کے ساتھ بٹھا دیا اور وہ تینوں خاموشی سے ناشتہ کرنے لگیں۔

☆☆☆☆☆

''نور! عبادہ پوچھ رہا ہے کہ تم نے یہیں رہنا ہے یا موحد چچا کی طرف جانا ہے؟'' امینہ خالہ نے پوچھا۔ نور کو یہاں آئے ہوئے چوتھا دن تھا اور عبادہ اس دن کے بعد اب جا کر آیا تھا۔ ''خالہ! اس سے کہیں مجھے واپس جانا ہے کیونکہ ابو بکر بھی وہیں آئے گا اور موحد چچا بھی پریشان ہو رہے ہوں گے!''

امینہ خالہ اس کا جواب سن کر کمرے سے باہر چلی گئیں۔ کچھ دیر بعد واپس آئیں تو بولیں، ''چلو پھر تیار ہو جاؤ! وہ کہہ رہا ہے کہ ابھی چلتے ہیں، ڈرون نہیں ہے آج!''

نور فوراً اٹھ کھڑی ہوئی اور برقع پہننے لگی جو جویریہ نے اس کو دیا تھا۔ امینہ خالہ نے خود بھی برقع پہنا اور جویریہ کی مدد کرنے لگیں۔ نور تاسف سے دونوں کو دیکھتی رہی۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں کتنی مشکلیں سہنے کے بعد جنت ملتی ہے۔ جنت کا سودا سستا تو نہیں ہے! نور کو یہ بات اچھی طرح سمجھ آ چکی تھی۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

# سُلطانئ جمہور

علی بن منصور

آج پھر اس کی آنکھ بہت دیر سے کھلی تھی۔ سویا ہوا دماغ کچھ بیدار ہوا، مندی مندی آنکھیں کھولیں تو نظر سامنے کی دیوار پر آویزاں بڑے سے گھڑیال پر پڑی۔ گھڑی کی سوئیاں پونے آٹھ کا وقت دکھا رہی تھیں۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ پہلا خیال یہی آیا کہ آج پھر بچوں کو سکول کے لیے تیار کرنے میں دیر ہو گئی۔ جاوید کا بھی یہی وقت ہوتا تھا گھر سے نکلنے کا، اور اس کا ناشتہ، چائے وغیرہ......سب کچھ ہی درہم برہم ہو گیا تھا۔ اس نے جلدی سے اپنے ساتھ سوئے شہیر اور بتول کو جگانے کے لیے ان کے اوپر سے لحاف کھینچا۔

"شہیر......کدھر ہو......؟ شہیر......؟؟!"، لحاف کے نیچے سے کوئی بھی برآمد نہ ہوا، پورا بیڈ خالی پڑا تھا۔

"مما......!ہم جا رہے ہیں، بابا نے کہا آج ہم حسن اور حسین کے ساتھ سکول جائیں گے"، سامنے ہی دروازے کے پاس شہیر یونی فارم میں ملبوس، بیگ کندھوں پر لٹکائے، بالوں کو سلیقے سے سمیٹے، سکول جانے کے لیے تیار کھڑا تھا۔

"اچھا!......بتول کہاں ہے......؟"، بینش نے حیران ہوتے ہوئے پوچھا۔

"وہ گاڑی میں بیٹھی ہے......"

"تم دونوں کو کس نے تیار کیا......؟ناشتہ کیا ہے تم نے؟......"،

"نہیں، ناشتہ نہیں کیا، بابا نے تیار کر دیا تھا مما......اور بابا نے ہمیں کافی زیادہ پاکٹ مَنی بھی دی ہے تاکہ ہم کینٹین سے لے کر کچھ کھا لیں، اب میں جاؤں......؟"، شہیر جیب خرچ کی خوشی میں جلدی جلدی بولا۔

"......ہاں ٹھیک ہے جاؤ......"، بینش نے کچھ الجھن سی محسوس کرتے ہوئے جواب دیا۔ مجھے کیوں نہیں جگایا جاوید نے...... آج کل ان دونوں کے تعلقات بھی ایسے نہ رہے تھے کہ وہ بے تکلفی سے اس سے پوچھ لیتی۔ نجانے خود کہاں تھا وہ، شاید وہ بھی دکان پر جا چکا تھا۔ ابھی وہ یہ سوچ ہی رہی تھی کہ جاوید کمرے میں داخل ہوا۔ وہ اس کی طرف توجہ دیے بغیر سیدھا اپنی الماری کی جانب بڑھ گیا جہاں اس نے دراز کھول کر کچھ کاغذات نکالے۔ رسیدوں اور کاغذوں کے پلندے میں سے اپنے مطلوبہ کاغذ نکال کر وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے آ کھڑا ہوا اور میز سے ہئیر برش اٹھا کر اپنے بالوں میں پھیرنے لگا۔

بینش کو توقع تھی کہ وہ اسے یوں لمبا سونے پر تنبیہ کرے گا، مگر اسے اپنے کاموں میں مصروف دیکھ کر اسے اپنا یہ خیال غلط ثابت ہوتا نظر آ رہا تھا۔

"......بچے ناشتہ کیے بغیر ہی سکول چلے گئے......"، آخر اپنے اوپر جبر کرتے ہوئے وہ خود ہی بول اٹھی۔ مگر جاوید اس کی بات کا کوئی بھی جواب دیے بغیر کرسی پر جا بیٹھا تھا اور اپنے جوتوں کے تسمے باندھ رہا تھا۔ بینش کو لگا وہ آج بھی اس سے کوئی بھی بات کیے بغیر گھر سے چلا جائے گا۔ اور پھر شام گئے واپسی پر وہ محض کپڑے تبدیل کرنے کمرے میں آتا تھا اور اس کے بعد یا تو ابا جی کے پاس بیٹھا رہتا یا باہر کہیں نکل جاتا۔ بعض اوقات بچوں کو بھی ساتھ لے جاتا۔ مگر وہ سب کہاں جاتے، کیا کرتے اور کہاں کہاں پھرتے رہتے، اس کو کوئی خبر نہیں تھی۔ نجانے یہ سرد جنگ کب تک چلے گی، اس کو جاوید سے ایسے رویے کی توقع ہرگز نہیں تھی۔

وہ اس کی خفگی خوب اچھی طرح سمجھ رہی تھی مگر حق پر ہوتے ہوئے وہ کیسے اپنا حق چھوڑ دیتی۔ سو وہ اپنی جگہ ڈٹی ہوئی تھی۔ لیکن دل کا کیا کرتی جو بار بار اسے مفاہمت پر اکساتا تھا۔ نو سالہ ازدواجی زندگی میں یہ پہلا موقع تھا کہ ان کی آپس میں بول چال تک بند ہو گئی تھی۔ بلکہ بول چال تو بڑی بات ہے، جاوید کو کوئی مجبوری کمرے میں کھینچ لائے تو لائے ورنہ آج کل وہ بلا ضرورت اس کی جانب دیکھنے تک کا روادار نہ تھا۔ اور وہ مانے یا نہ مانے، مگر حقیقت یہی تھی کہ وہ دل سے جاوید کی ناراضگی کو محسوس کر رہی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ ہمیشہ کی طرح جاوید تھوڑا سا غصّہ کرے گا، اسے ڈانٹے گا، پھر ٹھنڈا ہو جائے گا تو وہ اپنے دل کی بھڑاس نکال لے گی۔ اس کے شکوے شکایتیں سننے کے بعد جاوید اسے منا لے گا، اور وہ بھی فوراً مان جائے گی۔ یوں ایک آدھ دن میں ہی ان کی لڑائی ختم ہو جائے گی اور وہ دونوں پھر شیر و شکر ہو جائیں گے۔

مگر ایسا کچھ نہ ہوا تھا۔ پتہ نہیں جاوید نے اس کی کون سی بات اتنی شدت سے محسوس کر لی تھی کہ وہ اسے معاف کرنے یا کسی بھی قسم کی گنجائش دینے کے لیے تیار نہ تھا۔ ہاں شاید اس رات اس نے زیادہ جذباتی ہو کر گھر چھوڑ کر جانے والی جو بات کہہ دی تھی، وہ ذرا زیادہ ہی کہہ گئی تھی۔ مگر پھر وہ سوچتی کہ ٹھیک ہے اس نے جذباتیت میں زیادہ بول دیا تھا، مگر بولا ہی تھا، کوئی عمل کر کے تو نہیں دکھا دیا تھا ناں، اگر جاوید اپنے گھر اور بچوں کے لیے مخلص ہوتا تو وہ آگے بڑھ کر صلح کرنے کی کوشش کر لیتا۔ مگر اس کی آنکھوں پر تو اپنے بھائیوں کی اندھی محبت کی پٹّی بندھی ہوئی تھی۔ کبھی کبھی اندر کہیں سے یہ کمزور سی آواز بھی آتی کہ جاوید اکثر صلح میں پہل کرتا ہے، اگر اس بار وہ کر لے تو کیا برا ہے؟ مگر وہ جانتی تھی کہ نبیلہ کی یہ بات صد فیصد درست تھی کہ اس بار تو ذرا سی بھی لچک دکھانے کا مطلب تھا کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے وہ جاوید

کے زیرِ دست ہونا قبول کرلے۔ اس کے بعد تو وہ کوئی شکوہ کرنے کے بھی قابل نہ رہتی۔ وہ کیا کرے...... کیا نہ کرے...... اصل جنگ تو خود اس کے اندر چھڑی ہوئی تھی۔

ایک طرف دل تھا جو کہتا تھا کہ کچھ کچھ قصوروار تم بھی ہو، کچھ غلطیاں تمہاری بھی ہیں۔ انہیں قبول کرلو اور آگے بڑھ کر منالو جاوید کو، تمہیں اپنا ہنستا بستا گھر واپس مل جائے گا، اور دوسری طرف دماغ تھا جو اسے غیرت دلاتا، کب تک مظلوم عورت کا کردار ادا کرتی رہو گی، کب تک ستی ساوتری بن کر سب کچھ اپنی جان پر جھیلتی رہو گی، آخر عورت ہی کیوں مفاہمت میں پہل کرے، ہمیشہ وہ ہی کیوں جھکے، جاوید بھی تو اس سے معافی مانگ سکتا ہے، اپنے اور اپنے بھائیوں کے رویے کی۔ وہ بھی تو کہہ سکتا ہے کہ آئندہ میں تمہیں شکایت کا کوئی موقع نہیں دوں گا، وہ بھی تو اپنے حصّے کا بوجھ اٹھا کر اس کا ہاتھ بٹا سکتا ہے...... اور اگر ایسا نہیں ہو سکتا، اگر اس کی انا اور غیرت یہ گوارا نہیں کرتی کہ وہ کسی عورت کے سامنے جھکے تو اسے یہ جان اور سمجھ لینا چاہیے کہ بینش کی بھی کوئی انا ہے۔ اس کی بھی کوئی عزتِ نفس، کوئی پسند، کوئی مرضی ہے۔

''وہ...... میں آج امی کی طرف جانا چاہ رہی تھی''، جاوید کو میز سے بٹوہ اور چابی اٹھاتے دیکھ کر وہ جلدی سے بولی۔ آج بھی وہ خاموشی سے نکل جاتا تو وہ اپنی سوچوں کے ساتھ جلنے کڑھنے کے لیے پھر تنہا رہ جاتی۔

''تمہاری مرضی......''، جاوید نے شانے اچکا کر سرسری سا جواب دیا۔

''مگر آج پیرنٹ ٹیچر میٹنگ ہے ناں بتول کے سکول میں......''، اسے دروازے کی جانب جاتا دیکھ کر اس نے اپنا مسئلہ بیان کیا۔

''وہ میری بیٹی ہے، میں چلا جاؤں گا، تمہیں فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں......''، وہ لاتعلقی سے کہتا ہوا باہر نکل گیا۔

☆☆☆☆☆

''کیا کہہ رہی ہو سلمٰی؟ آٹا ختم ہو گیا ہے...... اگر پینٹری میں ختم ہو گیا ہے تو لبنیٰ کو ساتھ لے جاؤ اور پچھلے سٹور میں جا کر پڑولے سے بھر لو......''، آج دوپہر کے طے شدہ مینو میں مرغ کے سالن کے ساتھ چپاتی تھی، مگر سلمٰی کے مطابق گھر میں آٹے کا ایک ذرّہ بھی باقی نہ رہا تھا۔

''نہیں آپا! پینٹری میں نہیں...... سٹور میں ہی آٹا ختم ہو گیا ہے۔ میں نے پچھلے ہفتے آخری بوری خالی کی تھی جی، اور ادھر کچن کی بالٹی میں ڈال دیا تھا جتنا آٹا نکلا تھا۔ اب تو جی سارا ختم ہو گیا ہے۔ میں نے میڈم کو پرچی بھی لکھ کر بھیج دی تھی کہ آٹا ختم ہونے والا ہے اور چاول بھی بس مہینے بھر کے ہی ہوں گے۔ ہو سکتا ہے ابھی فائزہ باجی کے پاس ہو تھوڑا سا آٹا...... آپ کہتی ہیں تو ان سے لے آؤں جا کر......؟''، اس نے سوالیہ نظروں سے ان کی جانب دیکھا۔

''ارے نہیں بھئی...... آٹا کیسے ختم ہو سکتا ہے، ابھی اکتوبر میں تو خریدا تھا...... چلو میں چلتی ہوں تمہارے ساتھ سٹور میں، پتہ نہیں تم لوگوں نے کس طرح رکھا ہے...... کیا کیا ہے جو آٹا نہیں مل رہا......''، وہ تعجب و حیرانی سے کہتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئیں۔ انہیں یقین تھا کہ رکھنے والوں نے سب کچھ رکھا ہی اتنے سلیقے سے ہو گا کہ اب ڈھونڈنے والوں کو کچھ ڈھونڈے نہیں مل رہا۔

یہ ان کے گھرانے کا پرانا دستور تھا۔ وہ سال بھر کی گندم اور چاول اکٹھے خریدتے تھے۔ بازار سے خریدنے کے بجائے طفیل ہاشمی صاحب کے ایک دوست کی زمین سے گندم خرید کے آٹا پسوانا سستا بھی پڑتا اور بار بار بازار کے چکر لگانے سے بھی نجات ملتی۔ گھر کی پچھلی جانب ملازمین کے رہائشی کوارٹروں کے ساتھ بنے سٹور میں جہاں گھر بھر کا فاضل و فالتو سامان رکھا جاتا تھا، وہیں تین چار بڑے بڑے پڑولے بھی رکھے تھے، جو ان کی ساس صاحبہ مرحومہ کے زمانے سے چلے آ رہے تھے۔ ان پڑولوں میں چاول اور آٹا محفوظ کیا جاتا تھا۔ اور پھر یہیں سے گھر کی خواتین دونوں پورشنز کے لیے بقدرِ ضرورت آٹا اور چاول نکال نکال کر سارا سال استعمال کرتیں۔ گزشتہ سال پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ سال بھر کا آٹا چھ سات ماہ میں ختم ہو گیا اور گندم کی کٹائی کے حساب سے نیا سال شروع ہونے سے پہلے ہی دوبارہ خریدنا پڑا، ورنہ ہمیشہ یہ ہوتا تھا کہ اندازے سے خریدا ہوا یہ راشن ہمیشہ ہی فاضل بچ جایا کرتا تھا۔ مگر اب جو سلمٰی یہ کہہ رہی تھی کہ آٹا اور چاول دونوں ہی اختتام پذیر ہیں، تو یہ بات کسی صورت صولت بیگم کے حلق سے نہ اتر رہی تھی، اترتی بھی کیسے، ابھی بمشکل چوتھا مہینہ تو ہوا تھا، یہ فروری کا وسط چل رہا تھا، ساڑھے تین چار ماہ میں سال بھر کا آٹا کیسے ختم ہو سکتا تھا، حالانکہ ایسا کوئی غیر معمولی مصرف بھی نہ ہوا تھا۔

سٹور میں پہنچ کر انہوں نے بلب جلایا۔ ہر چیز پر مٹی کی ایک موٹی تہہ جمی ہوئی تھی۔ کمرے میں موجود ہر شے بکھری ہوئی تھی۔ بچوں کی ٹرائی سائیکل ہے تو الٹی پڑی ہے، ایک کونے میں ٹوٹی ہوئی کرسیوں، بالٹیوں، لکڑی کے پھٹوں کا ڈھیر لگا تھا تو دوسرے کونے میں پچھلی بڑی عید پر لائے گئے قربانی کے بکروں کی مینگنیاں بکھری پڑی تھیں جو قربانی سے پہلے راتیں اس کمرے میں بسر کیا کرتے تھے۔ بہت مہربانی یہ کی گئی تھی کہ ذرا سا جھاڑو پھیر کر انہیں ایک کونے میں جمع کر دیا گیا تھا...... فرش پر جہاں جہاں آنے جانے والوں کے قدم پڑے تھے، وہ جگہیں مٹی سے اٹے فرش پر بالکل جدا و نمایاں نظر آ رہی تھیں۔ ذرا سی گرد اڑی تو صولت بیگم کو چھینک آ گئی۔

''کب سے صفائی نہیں ہوئی سلمٰی یہاں کی......؟''، انہوں نے چادر کا پلّو ناک پر رکھتے ہوئے سلمٰی سے پوچھا۔

''...... آپا، میڈم نے کہا ہی نہیں، ورنہ آپ کو پتہ ہے جی، میں اپنا فرض پورا ادا کرتی ہوں......''، اب اس بات کے جواب میں صولت بیگم کیا کہتیں۔ آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا تھا، اور اپنے ہاتھوں ہی بگاڑا تھا، بس من ہی من میں کڑھ کر رہ گئیں۔

حکومتیں ، نظام، نئے نئے طریقِ کار، انقلابات، اصلاحات......ڈیڑھ سال ہو گیا تھا انہیں یہ نعرے سنتے ہوئے۔ نوجوان قیادت سے وابستہ امیدیں و توقعات...... آپ کی من پسند قیادت، آپ کے منتخب کردہ لوگوں کے ہاتھوں میں سارا نظام، گویا آپ کا اپنا نظام...... کوئی ان سے پوچھتا تو وہ بتاتیں کہ اس نظام میں ان کی مرضی و انتخاب کا ایک فیصد بھی حصّہ نہیں ہے۔ ایسے چلا کرتے ہیں گھر......؟

ان کے اشارے پر سلمیٰ ایک اونچی چوکی لے آئی، جس پر چڑھ کر انہوں نے پڑولے کا ڈھکن کھولا۔ اندر خالی پڑولا ان کا منہ چڑا رہا تھا۔ پھر دوسرا، تیسرا اور چوتھا، سب ہی خالی تھے......

''...... آپا اس دفعہ آٹا اور چاول پڑولوں میں نہیں ڈالے تھے...... بوریوں سے ہی نکال کر استعمال کر رہے تھے جی......''، سلمیٰ نے ان کی معلومات میں گویا گراں بہا اضافہ کیا۔

''...... تو پہلے کیوں نہیں بتایا تم نے؟...... سر پہ کھڑی کیا دیکھ رہی ہو؟ منہ میں گھنگھنیاں ڈال رکھی ہیں کیا؟......''، انہوں نے غصّے سے اسے جھڑکا۔ اپنے کپڑوں سے مٹّی جھاڑتے ہوئے وہ دوسرے کونے میں لوہے کی بڑی سی پیٹی کے ساتھ رکھی بوریوں کی جانب آ گئیں۔ پچاس پچاس کلو کی دو بوریاں پیٹی سے ٹیک لگائے کھڑی تھیں۔ کونے میں ایک بوری اور بھی تھی جو آدھی استعمال ہو چکی تھی۔

''...... یہ تو سب چاول کی بوریاں ہیں...... باقی بوریاں کہاں ہیں؟''، ان کی نظر بوریوں پر چھپے 'خوشبو مار کہ، گوجرانوالہ کا بہترین باسمتی چاول' کے تعارف پر تھی۔

''...... آپا... بوریاں تو بس یہی ہیں جی......''، اب کے سلمیٰ نے مستعدی سے جواب دیا۔

''...... بس یہی ہیں کیا مطلب؟...... آٹے کی بوریاں کہاں ہیں......؟''، انہوں نے تیز لہجے میں پوچھا۔ انہوں لگا جیسے سلمیٰ انہیں بیوقوف بنا رہی ہے۔ ایک تو فرش پر جا بجا بکھلے چاول کے دانوں کے بیچ قدم رکھنا دشوار تھا، اوپر سے سلمیٰ کا حماقت کی حد تک سادگی کا اظہار انہیں سخت تاؤ دلا رہا تھا۔

''...... آٹے کی...... آپ کا مطلب ہے خالی بوریاں...... وہ جی پیچھے رکھی ہیں......''، سلمیٰ نے گھبرائے ہوئے لہجے میں جواب دیا اور جلدی جلدی بوریاں اکٹھی کر کے انہیں دکھانے لگی، ''...ایک ......دو......چار......... آٹھ......پوری بارہ ہیں جی......اور یہ پانچ بوریاں چاول کی ہیں......''۔

''...... مگر...... یہ کیسے ہو سکتا ہے...... پہلے تو کبھی ایسے نہیں ہوا کہ دو، دو من آٹے کی بارہ بوریاں اتنی جلدی ختم ہو جائیں، ہم انسان ہی ہیں...... کوئی یاجوج ماجوج تو نہیں کہ اتنی تیزی سے سب ہڑپ کر جائیں''، خالی بوریوں کا ڈھیر ان کے قدموں میں پڑا تھا، مگر انہیں یقین نہیں آ رہا تھا۔ شاید پیٹی اور دیوار کے درمیان جو دو فٹ کی خالی جگہ ان کی نظروں سے اوجھل تھی، وہاں کوئی اور بوری یا بوریاں رکھی ہوں۔ اس خیال کے تحت انہوں نے راستے میں رکھی چاول کی نیم استعمال شدہ بوری پکڑ کر اپنی جانب کھینچی۔ بھورے رنگ کی کوئی آدھ فٹ لمبی چیز ہوا میں اچھلی اور کسی چھلاوے کی طرح پیٹی کے نیچے غائب ہو گئی۔ ساتھ ہی صولت بیگم کے حلق سے ایک خون جما دینے والی چیخ برآمد ہوئی۔ وہ بوری چھوڑ چھاڑ منہ پر ہاتھ رکھ کر پیچھے ہٹیں، مگر نجانے کس چیز سے پاؤں رپٹ گیا اور اگر وہ جلدی سے پیٹی کا باہر کو نکلا ہوا ہینڈل نہ پکڑ لیتیں تو ضرور نیچے گر پڑتیں۔ اس کے باوجود ان کے کندھے اور بازو کو سخت جھٹکا لگا تھا۔ سلمیٰ سخت گھبرائی ہوئی ان کی مدد کو لپکی۔

''کیا ہوا آپا...... آپ ٹھیک تو ہیں......؟''، وہ ان کو شانوں سے پکڑ کر سہارا دینے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔

''......ٹھیک ہوں میں...... چھوڑو مجھے...... جاؤ نذیر کو بلاؤ!......''، سلمیٰ کی گرفت سے اپنے آپ کو چھڑاتے ہوئے انہوں نے سختی سے کہا۔ ''غضب خدا کا...... اتنے بڑے بڑے چوہے بوریوں میں پڑے سو رہے ہیں اور وہیں سے چاول نکال نکال کر ہمیں کھلا رہے ہیں......... کوئی پوچھنے والا نہیں رہا تو جس کے دل میں جو آتا ہے، کر گزرتا ہے......''، سلمیٰ کو باہر جاتا دیکھ کر وہ بڑبڑائیں۔

شکر ہے کہ یہ منظر دیکھنے کے لیے ان کی ساس موجود نہیں تھیں۔ جب تک ان کی ساس صاحبہ حیات تھیں، گھر میں وہ ہی بڑی تھیں۔ کوئی کام ان کے ذمّے نہیں تھا، مگر سب کچھ انہی کی زیرِ نگرانی ہوتا اور بحسن و خوبی ہوتا۔ ایک ڈھیلا ڈھالا نظام تھا، چار بھائیوں والے گھر میں جہاں سب ایک اجتماعی زندگی گزارتے تھے، بعض اصول و ضوابط اور بندشوں کے وہ سب پابند تھے، مگر ذاتی زندگی کے دائرے میں انہیں بہت سی آزادیاں بھی حاصل تھیں۔ امّاں جان کوئی جلّاد ٹائپ کی ساس نہیں تھیں، بلکہ بہوؤں کے ساتھ ہنسنے بولنے والی، سب کو ان کی پسند و مرضی کا اختیار دینے والی، سیدھی سادی، خوش اخلاق و جہاندیدہ خاتون تھیں۔ بعض ذمّہ داریاں انہوں نے بہوؤں میں مستقلاً تقسیم کر دی تھیں، اور بعض وہ سب باری باری ادا کرتیں۔ کسی کو شکایت پیدا ہوتی تو کہہ سن کر رفع کی جاتی۔ ہاں رزق کے ضیاع کی وہ سخت خلاف تھیں، ان کا کہنا تھا کہ اچھی عورت گھر کی کوئی چیز ضائع ہوتے نہیں دیکھ سکتی۔ سو گھر میں جو چیز بھی آتی، بھرپور کوشش کی جاتی کہ وہ اپنی قیمت ادا کر کے ہی اپنی عمر پوری کرے۔ امّاں جان کے زیرِ سایہ رہتے ہوئے رفتہ رفتہ یہی عادتیں ان میں بھی آ گئی تھیں۔

وہ کوشش کرتی تھیں کہ ہر شے سلیقے سے اپنی جگہ رکھی جائے، ہر کام اپنے وقت پر پورا کیا جائے، محفوظ کرنے والی چیزیں اہتمام سے صحیح وقت پر محفوظ کر لی جائیں۔ اور صرف وہی نہیں، اپنی اپنی جگہ فائزہ بیگم اور بینش کی بھی یہی کوشش ہوتی تھی کہ اشیا کا بہترین استعمال ہو جائے۔ اصول و قواعد کے ایک ڈھیلے ڈھالے فریم میں گھر کا نظام چل رہا تھا...... ہاں ٹھیک ہے کہ ان کے زمانے میں گھر کا لان اتنا ہرا بھرا نہیں ہوتا تھا...... گھر نت نئی خوبصورت چیزوں سے مزیّن نہیں تھا...... روز روز کھانے میں فاسٹ فوڈ اور مرغن غذائیں نہیں کھائی جاتی تھیں، ملازمین کی فوج نہیں تھی...... مگر جیسا تیسا تھا، گھر اوپر سے نیچے تک سلیقے و نفاست کا منہ بولتا نمونہ تھا...... پھر انقلاب آ گیا...... سب نے کہا کہ گھر کے نظام میں کسی کی مرضی و پسند شامل نہیں...... لہٰذا سب گھر کا نظام چلانے کے لیے جمع ہو گئے، اور سب نے مل کر جو کھچڑی پکائی، وہ آج سب کے سامنے تھی۔

کھوکھلی جڑوں پر ریت کی دیواریں تعمیر کی گئی تھیں، پھر ان دیواروں پر بہترین رنگوں سے نہایت دیدہ زیب ڈسٹمپر کیا گیا تھا۔ اور ڈسٹمپر پر خوش تھے وہ سب......!

نذیر اور سلمٰی کا انتظار کرتے کرتے انہیں دس منٹ ہو گئے تھے، مگر دونوں ہی کی آمد کے آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔ اکتا کر وہ خود ہی باہر چل پڑیں۔ اس سٹور کے بالکل ساتھ ہی تو نذیر کا دو کمروں اور ایک بیت الخلاء پر مشتمل چھوٹا سا کوارٹر تھا، وہ دہلیز پر آ کر رک گئیں۔ سورج کی چبھتی شعاؤں سے بچنے کے لیے انہوں نے چادر کا پلّو سر کا کر گھونگھٹ سا بنا لیا۔ آج موسم گرمی کی طرف مائل تھا، انہیں تو یوں بھی سردی زیادہ لگتی تھی۔ ختم ہوتی سردی میں یوں نرم گرم دھوپ میں کھڑے ہونا اچھا تو لگ رہا تھا، مگر کندھے میں اب بھی تکلیف باقی تھی، اور وہ انتظار کرتے کرتے تھک بھی گئی تھیں، انہوں نے داہنے ہاتھ سے اپنا بایاں کندھا ہولے ہولے دباتے ہوئے کوفت بھری نگاہوں سے نذیر کے کوارٹر کے ادھ کھلے دروازے کی جانب دیکھا۔ اندر کہیں کوئی دروازہ کھلا تھا شاید، انہیں آپائی کی لاٹھی کی ٹھک ٹھک سنائی دی۔

''...... نذیرے! میں آندی آں کہ ختم کر یہ ڈرامہ! جا کر مالکاں دی گل سن کر آ!...... حرام خور...... جس تھال میں کھاتا ہے اسی میں چھید کرتا ہے''، اپنی دھیمی سی آواز میں وہ نذیر کو گھرک رہی تھیں۔

''...... اماں میں نوکر ہوں، غلام نہیں ہوں کہ جب کوئی آواز دے میں حاضر ہو جاؤں...... دو وقت کی روٹی دیتے ہیں تو کوئی احسان نہیں کرتے مالک...... کھوتے کی طرح کام بھی لیتے ہیں...... بس میں نے کہہ دیا ناں...... مجھے عمیر صاب یا صدر صاب نے بلایا تو جاؤں گا ورنہ نہیں جاؤں گا......!''۔

سٹور کی دہلیز پر کھڑی صولت بیگم نے صاف سنا تھا۔ سن کر بے یقینی سے آواز کی سمت دیکھا، یہ وقت بھی آنا تھا، ہاں ظاہر ہے جمہوری گھرانے میں ان کی اور نذیر کی حیثیت میں کوئی بہت زیادہ فرق تو نہ تھا۔ اب وہاں کھڑے رہنے کا کیا فائدہ رہ گیا تھا۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتی کچن کی طرف آ گئیں۔ کچن کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئیں، انہیں اس وقت ابو بکر صاحب سے بات کرنے کی شدید ضرورت محسوس ہو رہی تھی، یہ گھر کس سمت جا رہا تھا، کسی کو ہوش ہی نہ تھا۔ مگر اسی لمحے سیڑھیاں چڑھتی بادیہ نظر آ گئی تو وہ اسے آواز دے بیٹھیں۔

''...... جاؤ مجھے کوئی کاغذ قلم لا کر دو''، غصّے سے لرزتی آواز پر بمشکل قابو پاتے ہوئے وہ بادیہ سے بولیں۔ بادیہ نے ادھر ادھر دیکھا اور پھر ٹیلیفون کی میز پر رکھا چھوٹا لیٹر پیڈ اٹھا کر تائی جان کے سامنے پیش کر دیا۔ صولت بیگم نے اس کے ہاتھ سے پیڈ اور قلم لے کر تیزی سے چند سطریں کاغذ پر لکھیں۔

''...... جاؤ!...... اس گھر کا کوئی ہوتا سوتا ہے تو یہ دے آؤ جا کر اسے......!''

☆☆☆☆☆

آفس کی دونوں کھڑکیوں کے بلائنڈز احتیاط سے بند کیے گئے تھے، یوں کہ باہر سے دیکھنے والی آنکھیں کچھ بھی اخذ نہ کر پاتیں۔ اس کے سامنے دھری میز پر رکھی ہر شے بے ترتیبی سے بکھری ہوئی تھی۔ دو، تین فائلیں بیک وقت میز پر کھلی پڑی تھیں اور ان کے کاغذات سب آپس میں گڈ مڈ ہو چکے تھے۔ میز پر سجا خوبصورت سا وہ ڈبہ جو چھوٹی موٹی کئی متفرق چیزوں کا گھر تھا، کسی وقت اس کے ہاتھ کی ٹھوکر لگنے سے نیچے جا گرا تھا، اور اس کے تمام مکین...... پنیں، پیپر کلپس...... سٹکی نوٹس وغیرہ...... قالین پر بکھرے ہوئے تھے۔ اس نے انہیں اٹھانے کی زحمت نہ کی تھی...... میز کے کونے میں رکھا کافی کا خالی کپ...... کسی وقت ذرا سی چھلک جانے والی کافی نے ٹھنڈا ہو کر کپ کے پیندے کو مضبوطی سے میز کے ساتھ چپکا دیا تھا، پین ہولڈر خالی پڑا تھا، اس میں قلم کی جگہ نبیلہ کا سمارٹ فون آڑھا ترچھا کھڑا تھا۔

وہ رات بھر سے یہیں بیٹھی تھی۔ اور پوری رات میں شاذ ہی کوئی ایسی گھڑی آئی تھی کہ جس میں نیند اس پر مہربان ہوئی اور اس نے اپنا تھکا ہوا سر میز پر ٹکا کر ذرا دیر کے لیے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ ورنہ وہ تقریباً پچھلے بارہ گھنٹوں سے اسی پوزیشن میں بیٹھی تھی۔ لیپ ٹاپ گود میں لیے، وہ کتنی دفعہ چودھری عادل احمد کے نام خط ٹائپ کر کے مٹا چکی تھی۔ اسے کچھ مہلت درکار تھی جس کی خاطر وہ پچھلے ایک ہفتے میں چودھری عادل احمد کو تین خط لکھ چکی تھی۔ تینوں کا ہی کوئی خاطر خواہ فائدہ نہ ہوا تھا۔ وہ اور ان کا موکل ٹرسٹ بینک اپنے موقف میں اٹل تھے اور کسی بھی قسم کی رعایت دینے کو تیار نہ تھے۔ اب تو ان کی جانب سے دی گئی ہفتے بھر کی مہلت ختم ہونے میں بھی بس دو ہی دن رہ گئے تھے۔ وہ کیا کرتی، پیسے کوئی درختوں اور بیلوں پر تو اگتے نہیں کہ وہ توڑ کر، گلدستہ بنا کر انہیں پیش کر دیتی۔ ستائیس لاکھ کوئی چھوٹی رقم بھی نہ تھی کہ گھر کے بجٹ کو ہی کچھ اوپر نیچے کر کے اس میں سے کسی طرح گنجائش پیدا کر لیتی۔ ستائیس لاکھ تو ایک پہاڑ تھا، جو اسے یک مشت ادا کرنا تھا۔

گھومنے والی کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے اس کی تھکی ہوئی نگاہیں اس فریم شدہ منظر پر مرکوز تھیں جو اس نے آفس سنبھالنے کے بعد کے دنوں میں، بڑی محبت سے دیوار پر آویزاں کیا تھا، مگر دماغ اب بھی ستائیس لاکھ کی خطیر رقم میں الجھا ہوا تھا۔ وہ پچھلے ایک ہفتے کے دوران بہت سی ممکنہ صورتوں پر غور کر چکی تھی، مگر ان میں سے ایک آدھ ہی تھی جو واقعی قابلِ عمل تھی۔ اگر وہ لوگ ایک گاڑی بیچ دیتے، پندرہ سے بیس لاکھ روپے تو کم از کم یوں جمع کیے جا سکتے تھے......باقی کی رقم کے لیے وہ اگر پارلیمنٹ میں اپیل کرتی تو یقیناً سب کے مشترکہ فنڈز سے یہ رقم حاصل ہو جاتی۔ مگر یہی تو مسئلہ تھا......پارلیمنٹ میں سب کے سامنے بات رکھنا......یہی تو وہ دشوار ترین گھاٹی تھی کہ جس میں قدم رکھنے کی ہمت وہ اپنے اندر نہ پا رہی تھی۔

ابھی کل ہی کی تو بات تھی، کوئی ایسا پرانا واقعہ تو نہیں تھا جو وہ بھول جاتی، جب وہ......ہادیہ، فاطمہ اور جویریہ کے ساتھ اس آفس میں داخل ہوئی تھی۔ عمیر نے ایک فائل اس کے حوالے کی تھی جس میں اس کی ٹرم کے موٹے موٹے معاملات کی تفصیلات درج تھیں۔ اس کے ساتھ ہی اس نے سربراہِ خانہ کی خصوصی مہر اور اس آفس کی چابیاں بھی اس کے حوالے کی تھیں......وہ نبیلہ ہاشمی، ویمن رائٹس ایکٹوِسٹ سے، میڈم پریزیڈنٹ نبیلہ ہاشمی بن گئی تھی۔ اور کس شوق، ولولے اور عزم سے اس نے یہ منصب سنبھالا تھا۔ اس منصب کی خاطر اس نے کس لگن اور جانفشانی سے محنت کی تھی، سب کو اپنا ہمنوا بنایا، سب کا اعتماد حاصل کیا......اور آج......آج شام جب پارلیمنٹ کے اجلاس میں اس سکینڈل کی تفصیلات سامنے آئیں گی تو اس کی ساری محنت اکارت ہو جائے گی، یہ وہ خیال تھا جو اسے کسی صورت چین نہ لینے دے رہا تھا۔ یہ سچ تھا کہ یہ سارا سکینڈل درحقیقت تو عمیر سے متعلق تھا اور اس کے قدموں تلے سے زمین کھینچنے والا تھا، لیکن جیسا کہ عمیر نے اسے باور کرایا تھا کہ اگر اس پر کوئی زد آئی تو متاثر نبیلہ بھی ہو گی......اگر اس کی کشتی ڈوبی تو تنہا نہیں ڈوبے گی، بلکہ ساتھ نبیلہ کو بھی لے ڈوبے گی۔

وہ جانتی تھی کہ گھر کے مرد آج بھی بس مصلحتاً اور بدقت تمام ہی اس کی سربراہی قبول کیے ہوئے ہیں۔ اس کی جانب سے ذرا سی غلطی یا کوتاہی ہونے کی دیر تھی، ذرا سا بھی موقع ہاتھ آتا تو وہ لوگ اس کے خلاف عدم اعتماد کا بل پیش کر دیتے۔ اسے اس آفس میں اپنے دن گنے چنے ہی دکھائی دے رہے تھے۔ دفعتاً اسے سیڑھیوں پر کسی کے تیزی سے چڑھنے کی آواز آئی، چند لمحے بعد آفس کے دروازے کو ذرا سا انگلی سے بجا کر ہادیہ اندر داخل ہوئی۔

"......گڈ مارننگ آپی......"، وہ مسکراتا، ہشاش بشاش چہرہ لیے اندر داخل ہوئی، اور میز کے سامنے رکھی کرسی پر بیٹھتے ہوئے پورے دفتر اور صاحبہ دفتر کا جائزہ لیتے ہوئے بولی، "......کیا بات ہے آپی؟ آج دس بجے ہی آپ کے چہرے پر بارہ کیوں بج رہے ہیں......؟"۔

"......بارہ؟!......کیا کہا تم نے......دس بج گئے ہیں؟......"، نبیلہ اپنے جمود سے باہر آتے ہوئے بولی۔

"......سچ آپی! آپ نے کرن اور اس کی بہنوں کو فارغ کر کے اچھا نہیں کیا......چچی بھی یہی کہہ رہی تھیں،......اس سے سب کو یہ تاثر ملا گویا کہ ہماری حکومت ان کا بوجھ برداشت نہیں کر سکتی......پھر وہ آپ کے اتنے کام بھی کرتی تھی......"، ہادیہ اپنی دھن میں بولے چلے جا رہی تھی۔ نبیلہ کو غصّہ آنے لگا۔ اسے یاد آیا کہ اس نے کل رات کسی مخلص مشیر کی ضرورت شدّت سے محسوس کرتے ہوئے ہادیہ سے بینش کو بلانے کو کہا تھا، مگر چونکہ بینش جلدی سونے کی عادی تھی، اس لیے ہادیہ نبیلہ کا پیغام صبح بینش تک پہنچانے کا وعدہ کر کے چلی گئی۔ اور باوجود اس کے کہ نبیلہ نے اسے صبح جلدی بینش کو لے کر آنے کی بار بار تاکید کی تھی، وہ دس بجے ہنستی مسکراتی چلی آ رہی تھی۔ تمام مسائل اور ذمّہ داریاں اس کے سپرد کر کے باقی سب مزے سے اپنی زندگی میں مگن ہو گئے تھے۔ ہادیہ کے ترو تازہ چہرے کو دیکھتے ہوئے اس کی اپنی بے خواب آنکھوں کی تھکن اور کندھوں کے درد میں کئی گنا اضافہ ہو گیا تھا۔

"......بینش چچی کہاں ہیں......ان کو کیوں نہیں لائیں تم؟"، اس نے غصّہ ضبط کرتے ہوئے روکھے لہجے میں دریافت کیا۔

"......ہاں......چچی......میں یہی آپ کو بتانے آئی تھی......، چچی کہہ رہی ہیں کہ ان کے پاس آج تو بالکل بھی وقت نہیں ہے......وہ اپنی امّی کی طرف جا رہی تھیں مگر پھر ان کی وہ سہیلی ہیں ناں جو آرٹس اکیڈمی میں ہوتی ہیں......آفرین بخاری......ان کا فون آ گیا۔ وہ کہہ رہی تھیں کہ آج ایک سٹیج پلے ہو رہا ہے اکیڈمی میں......The Count of Monte Cristo پہ......اور آپ کو خصوصی دعوت دے رہی تھیں کہ آپ بھی آ کر دیکھیں......چلیں گی آپی؟......"، ہادیہ نے امید بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"......تمہیں میں نے اس کام کے لیے بھیجا تھا......؟"، نبیلہ کو اپنا پارہ چڑھتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

"......نہیں آپی مگر......"، ہادیہ ذرا سی کھسیانی ہوئی، مگر پھر مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور لاڈ سے بولی، "......کم آن آپی، یو نیڈ اے بریک......آل ورک اینڈ نو پلے میکس جیک اے ڈَل بوائے......!"۔

"......ہاں! تم یہ کہہ سکتی ہو......تم لوگوں کو پروا کس بات کی ہے......سارے مسائل......ساری مشکلات تو تم لوگوں نے میرے لیے رکھ چھوڑی ہیں کہ میں بیٹھی ان سے سر پھوڑتی رہوں......تم اور چچی جاؤ......سیر سپاٹے کرو، عیاشی کرو......گلچھرے اڑاؤ!!"، نبیلہ کے اندر بھرا سارا زہر بڑی تیزی سے زبان پر آ گیا تھا۔ ہادیہ حیرت اور پریشانی کے عالم میں یک ٹک اسے دیکھ رہی تھی۔

"......آپی!......میں نے کیا کیا ہے......؟"،

"......کچھ نہیں!"، وہ الفاظ پر زور دے کر بولی، "......یہی تو سارا مسئلہ ہے کہ کچھ نہیں کیا تم نے......چونّی کا کام نہیں کیا......اور چلی ہو بریک لینے......شرم نہیں آتی تمہیں یہ بات کرتے ہوئے؟!"، نبیلہ جانتی تھی کہ وہ کہیں کا غصّہ کہیں نکال رہی ہے، مگر اس کے اندر بھرے غصّے، پریشانی اور فکر کو ایک راستہ ملا تھا باہر نکلنے کا، اور یوں چیخ چلّا کر کتنا سکون اسے مل رہا تھا، یہ وہی جانتی تھی۔

جواباً بادیہ سفید چہرہ لیے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ "......مجھے نہیں پتہ آپ کو کیا ہوا ہے آپی! مگر حد ہو گئی ہے......!! میں جا رہی ہوں یہاں سے......یہ تائی جان نے آپ کو دینے کے لیے کہا تھا......"، وہ ایک پرچی میز پر رکھ کر الٹے قدم آفس سے باہر نکل گئی۔

باہر نکلتے ہی کسی چیز کے زور سے دروازے کے ساتھ ٹکرانے کی آواز آئی، جیسے کوئی چیز اٹھا کر ماری گئی ہو۔ اس نے لکڑی کے دروازے کو گھور کر دیکھا، چند لمحے تذبذب کے عالم میں وہیں کھڑی رہی، پھر سر جھٹک کر 'دماغ خراب ہے آپی کا......' بڑبڑاتے ہوئے سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔

آفس کے اندر نبیلہ مجنونانہ انداز میں ہاتھ میں آتی ہر شے اٹھا اٹھا کر پھینک رہی تھی۔ سب سے پہلے اس نے پتھر کا پیپر ویٹ اٹھا کر دروازے پر دے مارا۔ پھر ہاتھ مار کر میز پر رکھی ساری فائلیں زمین پر گرا دیں، پین ہولڈر میں سے موبائل نکالا اور ہولڈر دور اچھال دیا، غصّہ کسی طرح ٹھنڈا ہی نہ ہو رہا تھا، اگلی باری کارڈ ہولڈر اور پیپر ٹرے کی تھی، جو یکے بعد دیگرے سامنے کی دیوار سے ٹکرا کر، دیوار کو مجروح کرتی اور خود زخم کھاتی، قالین پر گر گئی تھیں۔ اس کے سامنے اب میز خالی پڑی تھی، یکا یک ہی جیسے اس کا سارا دم خم نکل گیا تھا۔ وہ کرسی پر گرنے کے سے انداز میں بیٹھ گئی اور چہرہ بازوؤں میں چھپاتے ہوئے، میز پر سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ کہاں پھنس گئی تھی وہ......؟ نہ جائے ماندن، نہ پائے رفتن والا معاملہ تھا......کسی کو بتاتی تو بھی رسوائی گلے پڑتی اور نہ بتاتی تو بھی اس مصیبت سے خلاصی کی کوئی صورت نظر نہ آ رہی تھی۔

نجانے کتنی دیر وہ یونہی بیٹھی، آنسوؤں سے روتی رہی۔ کافی دیر بعد دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی تو وہ ہاتھ کی پشت سے چہرا صاف کرتے ہوئے سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ پورا کمرا کسی جنگ کے بعد کا منظر پیش کر رہا تھا۔ چند لمحے وہ اس امید پر اپنی جگہ بیٹھی رہی کہ شاید آنے والا انتظار کر کے خود ہی رخصت ہو جائے، مگر جب مستقل اور باصرار دروازہ بجتا ہی گیا تو وہ مجبور ہو کر اٹھ گئی۔

"کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟"، اسے دروازے کی چار انچ کی جھری کھول کر اس میں سے جھانکتا دیکھ کر عمیر نے پوچھا۔ وہ اسے آگے سے کوئی سخت جواب دینا چاہتی تھی مگر الفاظ جیسے اس کے حلق میں اٹک گئے تھے۔ "......میں زیادہ وقت نہیں لوں گا"، عمیر کے چہرے پر دوستانہ مسکراہٹ تھی اور لہجہ نرم تھا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ پیچھے ہٹ گئی اور اسے اندر آنے کا راستہ دے دیا۔

عمیر نے آفس میں داخل ہو کر ایک طائرانہ نظر کمرے کی حالتِ زار پر ڈالی مگر کوئی بھی تبصرہ کرنے سے باز رہا۔ نبیلہ بغور اس کا ردعمل جانچ رہی تھی، مگر عمیر کوئی بھی تاثر دیے بغیر دیوار کے ساتھ رکھے صوفے پر جا بیٹھا تھا۔

"......مبارک ہو! تمہاری مقبولیت کا گراف روز بروز چڑھتا جا رہا ہے"، نبیلہ اپنی میز سے پشت ٹکائے اسے جن نظروں سے دیکھ رہی تھی، عمیر کو وہ کسی چوکنّی بلّی کی مانند لگی، جو دیکھنا چاہ رہی تھی کہ یہ شخص اسے دودھ اور روٹی ڈالنے آ رہا ہے یا فریب سے پکڑنا چاہتا ہے۔ اس کا جی چاہا کہ قہقہہ لگا کر ہنس دے، مگر یہ موقع نہیں تھا۔ "اگر تم یونہی اپنی ساکھ برقرار رکھو گی تو مجھے یقین ہے کہ تمہارا سیاسی مستقبل بہت روشن ہو گا"، وہ خوشگوار انداز میں بولا۔

"اچھا......وہ کیسے؟"، نبیلہ نے مخاصمانہ انداز میں اسے گھورا اور جملے میں الفاظ کی تعداد کم سے کم رکھتے ہوئے پوچھا۔ جواباً عمیر نے کچھ کہے بغیر اپنے ہاتھ میں پکڑا ایک سفید کاغذ کا رول اس کی جانب بڑھا دیا۔

نبیلہ نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ کی طرف دیکھا، اور پھر آگے بڑھ کر وہ اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ سفید کاغذ دراصل ایک لفافہ تھا جو ایک جانب سے کھلا ہوا تھا، اور اس کے اندر سے کوئی میگزین جھانک رہا تھا۔ نبیلہ نے دو انگلیوں کی مدد سے اسے باہر نکالا اور رول شدہ میگزین کو سیدھا کرتے ہوئے اس پر نظر ڈالی۔ وہ نیوز ویک پاکستان کا اس ہفتے کا شمارہ تھا۔ سرورق پر جو تصویر اپنی بہار دکھا رہی تھی اس نے چند لمحوں کے لیے اس سے قوتِ گویائی چھین لی۔

وہ مقیش کے ہلکے پھلکے کام والے سفید کرتا شلوار اور اپنے ہلکے سلیٹی رنگ کے ٹاپ کوٹ میں ملبوس تھی، اور شہادت کی انگلی اٹھائے کسی کی جانب اشارہ کر رہی تھی۔ تصویر ایسے زاویے سے لی گئی تھی کہ چہرے کا ایک ہی رخ دکھائی دے رہا تھا، ڈھیلے ڈھالے انداز میں سر پر اوڑھا ہوا، جھلملاتے ستاروں والے سفید مہین سے دوپٹے سے بالوں کی چند جھانکتی ہوئی لٹیں اس کے کان اور گردن کو چھو رہی تھیں، کان میں پڑا نیلم کا بُندہ جگمگا رہا تھا۔ اس تصویرِ نیم رخ کے نیچے جلی حروف میں 'لیڈی ڈیموکریسی' کا عنوان تھا۔

یہ تھا اس کی محنتوں کا ثمر، اس کی جدوجہد کا پھل۔ آج وہ لاہور شہر کے کسی کونے میں بسنے والی گمنام لڑکی نہ تھی، بلکہ کتنوں کے لیے مشعلِ راہ، کتنوں کے لیے ایک مثالی نمونہ، کتنوں کے لیے امید کی ایک کرن تھی۔ ایک دنیا اسے جانتی تھی، اس کا دم بھرتی تھی، اس سے اونچے اونچے اور بڑے بڑے کاموں کی توقع رکھتی تھی۔ مگر...... آنسوؤں کا گولا ایک بار پھر اس کے حلق میں

پھنسنے لگا...... مگر کتنی جلدی یہ سب بدلنے والا تھا۔ کیا جب اس کے اقتدار کی یہ ناکامی دنیا کے سامنے آئے گی، تب بھی لوگ اسے یونہی چاہیں گے...... کیا تب بھی وہ ایسے ہی مقبول و معروف ہو گی......؟ نہیں......! شہرت و ناموری کے ساتھ کتنی بھاری ذمّہ داری آتی ہے، اپنے نام اور ساکھ کو برقرار رکھنے کی......

''...... کیا ہوا؟ تم خوش نہیں ہو؟...... ادھر آ کر بیٹھو...''، اس کے چہرے کے پھیکے رنگوں کو دیکھتے ہوئے عمیر نے سوال کیا۔ نبیلہ نے خاموشی سے میگزین میز پر رکھ دیا اور سست روی سے چلتی ہوئی صوفے پر بیٹھ گئی۔

''...... کیا کوئی پریشانی ہے نبیلہ...... مجھے بتاؤ، ہو سکتا ہے میں تمہاری کچھ مدد کر سکوں......''، وہ ہمدردانہ لہجے میں پوچھ رہا تھا۔ انداز میں وہ بھولپن اور معصومیت تھی جیسے اسے کوئی خبر ہی نہ تھی کہ نبیلہ کے سر پر کون سی تلوار لٹک رہی ہے۔''...... دیکھو...... ہمارے اختلافات اپنی جگہ ...... مگر میں تمہیں یہ بتا دوں کہ اس پورے گھر میں میرے علاوہ تمہیں اپنا کوئی خیر خواہ نہیں ملے گا...... اور اس کی وجہ ہے!...... اس کی وجہ یہ ہے کہ میں اس مشکل سے گزرا ہوں جس سے آج تم گزر رہی ہو۔ باقی سب...... ابو بکر بھائی...... عثمان بھائی...... جاوید بھائی...... حتیٰ کہ تمہاری اماں بھی...... سب یہ سمجھتے ہیں کہ تم سربراہی کے قابل نہیں ہو...... کوئی تم پر اعتماد نہیں کرتا، کسی سے تم اپنا مسئلہ نہیں کہہ سکتیں...... جس سے بھی کہو گی وہ الٹا تمہیں ہی قصوروار ٹھہرائے گا...... ہاں مگر...... میں سمجھتا ہوں تمہاری حالت...... تمہارے دل کی کیفیت...... کیونکہ میں خود اس کیفیت سے گزرا ہوں......''، وہ شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھے آہستہ آہستہ کہہ رہا تھا۔ بہت ضبط کے باوجود دو آنسو نبیلہ کی آنکھوں سے پھسل گئے۔

''...... آج پارلیمنٹ کا اجلاس ہے اور...... اور صرف دو دن رہ گئے ہیں ڈیمانڈ لیٹر کا جواب دینے کے لیے...... کیسے ہو گا چاچو؟؟!...... یہ قرض والا معاملہ کیسے نمٹے گا......؟...... ابّو اور عثمان چاچو آپ کو کچھ کہیں یا نہیں، مگر مجھے تو کچّا چبا جائیں گے''۔

''...... بس!؟ ...... اس وجہ سے پریشان تھیں''، عمیر نے ہنس کر پوچھا، اس کے چہرے کے اطمینان کو نبیلہ نے حیرت بھری نظروں سے دیکھا، وہ یوں خوش و مطمئن تھا جیسے یہ کوئی معاملہ ہی نہیں تھا پریشانی کا، ''...... اور کیا؟!...... تم نے ایسی حالت بنائی ہوئی تھی کہ میں سمجھا نجانے کیا ہو گیا ہے......''۔

''...... نہیں...... میں پاگل نہیں ہوں، میری دماغی حالت پہ شک و شبہ کرنے کی ضرورت نہیں''، اس کی مشکوک نگاہوں کا مفہوم سمجھتے ہوئے عمیر مسکرا کر بولا، پھر سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے ناصحانہ انداز میں بولا، ''...... دیکھو نبیلہ!...... جب گھی سیدھی انگلی سے نہیں نکلتا تو انگلی ٹیڑھی کرنی پڑتی ہے...... تم اگر یہ سوچ رہی ہو ناں کہ تم شفافیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے سب کے سامنے یہ معاملہ لاؤ گی اور سب فوراً کسی جادوئی طریقے سے اتنے پیسے تمہیں لا کر دے دیں گے کہ لو! یہ قرض ادا کرو۔ تو ایسا کچھ نہیں ہو گا...... الٹا تم بری بنو گی، گھر والوں کے سامنے بھی اور دنیا کے سامنے بھی...... تمہارا کیریئر تباہ ہو گا...... اور آئندہ گھر کی سربراہی تو دور کی بات، ہمیشہ کے لیے یہ بات تمہارے لیے ایک طعنہ بن جائے گی...... جو جس کا جب دل چاہے گا تمہارے منہ پر دے مارے گا...... ہاں آں''، اسے اعتراض کے لیے منہ کھولتا دیکھ کر وہ انگلی اٹھا کر اسے روکتے ہوئے بولا، ''...... جانتا ہوں...... کہ میں بھی بری الذمہ نہیں ہوں اس معاملے سے، مجھ پر بھی زد آئے گی...... لیکن میں تو پہلے ہی سب کی بیڈ بکس میں ہوں...... اپنا تو وہ معاملہ ہے کہ ''بدنام جو ہوں گے تو کیا نام نہ ہو گا''...... مسئلہ تو اصل میں تمہارا ہے، تمہاری نیک نامی پر دھبّہ لگے گا اگر کسی کو بھنک بھی پڑ گئی اس بات کی کہ تم اس آفس تک کیسے پہنچی ہو......'۔

''...... مگر حل کیا ہے...... میرے پاس آپشن کیا ہے؟''، نبیلہ اضطراب سے بولی۔

''...... حل ہے میرے پاس...... حل بھی بتاتا ہوں، تم صبر تو کرو......''، وہ ایک محتاط نظر چاروں اطراف ڈالتے ہوئے بولا۔ اور پھر اتنی آہستہ آواز میں کہ اس سے دو فٹ دور بیٹھی نبیلہ کے لیے بھی کان لگائے بغیر سننا مشکل تھا، وہ اسے حل بتا رہا تھا۔ ''...... کم از کم بھی بیس بائیس لاکھ روپے مل جائیں گے تمہیں وہاں سے......''۔

''...... اور باقی رقم......؟ اس کا کیا ہو گا؟......''، نبیلہ پرسوچ نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

''...... پانچ لاکھ روپے کا میں ذمّہ لیتا ہوں...... وہ میں تمہیں دوں گا......''۔

''...... پھر کیا رہ جائے گا...... ڈھائی لاکھ روپے...... ان کا کیا ہو گا؟''، نبیلہ کا دماغ تیزی سے جمع تفریق کر رہا تھا۔

''...... سچ نبیلہ...... اگر تم ڈھائی لاکھ روپے بھی اکٹھے نہیں کر سکتیں، تو پھر تم واقعی اس آفس اور کرسی کے قابل نہیں ہو......''، عمیر کے انداز میں ملامت تھی۔

☆☆☆☆☆

رات کے دو بج رہے تھے، جب کوئی خواب دیکھتے دیکھتے اچانک اس کی آنکھ کھل گئی۔ چند لمحے وہ یونہی بے حس و حرکت اپنی جگہ لیٹی رہی۔ ان کے نیم تاریک کمرے میں رات کے اس پہر مکمل خاموشی اور سناٹے کا راج تھا۔ اس کے باوجود اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کی آنکھ کسی شور کی آواز سے کھلی ہو۔ نجانے وہ کیسا خواب دیکھ رہی تھی جو بیداری کے بعد بھی حواس پر چھایا ہوا تھا۔ اس نے کروٹ بدل کر بہنوں کی جانب دیکھا، حسبِ عادت وہ دونوں ابھی تک جاگ رہی تھیں۔ ہادیہ کی گود میں لیپ ٹاپ تھا، ایئر فونز کا ایک ایئر پیس ہادیہ کے کان میں تھا جبکہ دوسرا جویریہ کے، اور وہ دونوں سر جوڑے بیٹھی لیپ ٹاپ کی سکرین پر چلتی فلم میں منہمک تھیں۔

’’ہادیہ...!جویریہ...!تم لوگ جاگ رہی ہو ابھی تک......؟‘‘، نور ایک کہنی کے زور پر ذرا سا اٹھتے ہوئے بولی۔

’’......ہاں......؟ کیا کہہ رہی ہو......؟‘‘، ہادیہ نے پاز کا بٹن دباتے ہوئے مڑ کر اس کی طرف دیکھا۔ روشن سکرین سے نظریں ہٹانے کے بعد اسے اندھیرے میں لیٹی نور کو دیکھنے میں مشکل پیش آ رہی تھی۔

’’......تم دونوں نے کوئی آواز تو نہیں سنی......؟‘‘،

’’......آواز؟......نہیں تو......کیسی آواز؟‘‘، ہادیہ نے الجھن آمیز نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔

’’......جیسے......کوئی بھاری چیز گرنے کی آواز......‘‘، نور سوچتے ہوئے بولی۔

’’......نہیں بھئی! نور تم خواب دیکھ رہی تھیں......ہم نے تو ایسی کوئی آواز نہیں سنی۔ آ جاؤ ہم بہت مزیدار مووی دیکھ رہے ہیں، تم بھی دیکھ لو......ہادیہ پلے کرو ناں......‘‘، جویریہ بے صبری کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولی۔ مگر اس سے پہلے کہ ہادیہ کچھ کرتی، ایک اونچی آواز نے رات کا سکوت توڑ دیا۔ ڈھز!ڈھز......!ڈھز......! ایسے لگ رہا تھا جیسے کسی بھاری چیز سے لکڑی پر ضرب لگائی جا رہی ہو۔ وہ تینوں اچھل پڑیں۔

’’......یہ کیا ہو رہا ہے......؟‘‘، جویریہ نے سہم کر پوچھا، حیرت و پریشانی سے اس کی آنکھیں پھٹنے کو تھیں۔

’’......پتہ نہیں......چلو......چل کر دیکھتے ہیں......‘‘، ہادیہ اپنی گھبراہٹ پر قابو پاتے ہوئے لیپ ٹاپ بند کر کے اٹھ کھڑی ہوئی۔ لیپ ٹاپ بند کرنے سے جو کمرے میں ہلکی سی روشنی تھی، وہ بھی گل ہو گئی، اب وہ سب گھپ اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ ’’بالکل کچھ نظر نہیں آ رہا، کچھ روشنی تو کرو......‘‘ نور جو اپنی چپلوں کی تلاش میں زمین پر بیٹھی بیڈ کے نیچے جھانک رہی تھی، جھلّا کر بولی۔

’’دماغ خراب ہو گیا ہے تم دونوں کا......؟...میں تو کہیں نہیں جاؤں گی...!‘‘، جویریہ سختی سے بولی۔ باہر آدھی رات کے وقت نجانے کون چور ڈاکو یا بھوت پریت گھر کا دروازہ توڑنے کی کوشش کر رہے تھے اور ادھر اس کی دیوانی بہنیں جا کر اس آنے والی آفت سے ہیلو ہائے کرنا چاہ رہی تھیں۔

’’......افوہ!! تم ڈرتی ہی رہنا......‘‘، ہادیہ نے جھنجھلا کر جویریہ کی طرف دیکھا۔

’’......میرے خیال میں ابّو یا چاچو جاگ گئے ہیں......‘‘، دوڑتے قدموں کی آواز پر نور تیزی سے اٹھی اور اندازے سے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔ ابھی اس نے بمشکل دو تین قدم ہی اٹھائے تھے کہ دروازہ کھلا اور کسی نے بتی جلانے کے لیے سوئچ بورڈ پر ہاتھ مارا۔ دو تین دفعہ آن آف کرنے کے باجود کوئی بتی روشن نہ ہوئی، شاید بجلی گئی ہوئی تھی۔ مگر پھر بھی......یو پی ایس تو چلنا چاہیے تھا۔

’’......ہادیہ! جویریہ......!نور!! تم سب ٹھیک ہو؟‘‘، عثمان صاحب کی آواز پر ان تینوں نے سکھ کا سانس لیا۔

’’......جج......جی ابّو!!......باہر پتہ نہیں......‘‘، ابھی ہادیہ کی بات مکمل نہیں ہوئی تھی کہ ایک زوردار چھناکے سے شیشہ ٹوٹنے کی آواز آئی۔

’’میں دیکھتا ہوں......تم لوگ اندر ہی رہنا......‘‘، کہتے ہوئے عثمان صاحب جس تیزی سے آئے تھے، اسی تیزی سے دروازہ بند کرتے ہوئے باہر نکل گئے۔ ان کے نکلتے ہی وہ تینوں دروازے تک پہنچ گئی تھیں۔ ذرا سا دروازہ کھول کر وہ باہر اندھیری راہداری میں جھانکنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ اس راہداری کا ایک سرا مرکزی دروازے پر کھلتا تھا اور دوسرا لاؤنج میں۔ عثمان صاحب، جاوید صاحب کے کمرے اور کچن و ڈائننگ روم کے دروازے بھی لاؤنج میں کھلتے تھے۔ جبکہ ان کا کمرہ، لڑکوں کا کمرہ اور سٹور کے دروازے اس راہداری میں کھلتے تھے۔ انہیں دروازے کی سمت کچھ شور تو سنائی دے رہا تھا مگر سمجھ نہ آ رہی تھی کہ کیا ہو رہا ہے۔ اوپر سے پورا گھر ایسے اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا کہ کچھ سجھائی نہ دے رہا تھا۔

مگر لاعلمی و بے یقینی کا یہ دورانیہ مختصر تھا۔ ایک دو منٹ بعد ہی آنے والے اندر آ گئے تھے۔ کسی نے ٹارچ کی تیز روشنی ہادیہ کے چہرے پر ڈالی اور دروازے کو ایک ہاتھ سے دھکّا دے کر کھولتا ہوا کھردری آواز اور درشت لہجے میں ان کو باہر نکلنے کا حکم دیا، خوف و پریشانی کی حالت میں انہوں نے فوراً اس کے حکم کی تعمیل کی۔ راہداری میں داخل ہوتے ہی اس نے انہیں لاؤنج کی طرف چلنے کا اشارہ کیا، یہ دیکھ کر کہ ان سے دو قدم آگے ایک سیاہ پوش عثمان صاحب کی گردن پر پستول کی نال رکھے انہیں لاؤنج کی جانب ہنکا رہا تھا، ان کا رہا سہا حوصلہ بھی دم توڑ گیا۔ جویریہ کے حلق سے ایسی آواز نکلی جیسے کوئی سسکی پھنسی ہوئی ہو۔ نور نے بے ساختہ ہادیہ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ عثمان صاحب نے مڑ کر ان کی طرف دیکھا، ان کے ہاتھ ان کی پشت پر بندھے ہوئے تھے، مگر اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتے ان کے ساتھ کھڑے سیاہ پوش نے اپنی پستول سے انہیں ٹہوکا دیا اور آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔

’’......سب کو لاؤنج میں اکٹھا کرو......خبردار، جو شور کرے اسے گولی مار دو!‘‘۔

☆☆☆☆☆

وہ تعداد میں چار تھے۔ وہ سب کالی شرٹوں اور ٹراؤزر میں ملبوس تھے، چہروں پر بھی کالے ماسک چڑھائے ہوئے تھے۔ سب کے ہاتھوں میں پستول تھے۔ ایک تو اندھیرا، اوپر سے ان کا یہ بھیس انہیں بہت اچھی طرح چھپائے ہوئے تھا۔ اگر ان چاروں میں کوئی فرق کیا جا سکتا تھا تو

وہ یہ تھا کہ ان میں سے ایک دبلا اور لمبا سا تھا، ایک چھوٹے قد کا آدمی تھا اور دو لمبے اور چوڑے۔ ان چاروں نے اپنے سروں پر ایسے ٹارچ پہن رکھے تھے جیسے سرنگوں میں کھدائی کرنے والے مزدور استعمال کرتے ہیں۔ اس کا ایک بہت بڑا فائدہ انہیں یہ بھی حاصل تھا کہ تیز روشنی سے مقابل کی آنکھیں چندھیا جاتیں اور خود ان کے اپنے چہرے جو پہلے ہی کالے ماسک سے ڈھکے ہوئے تھے، وہ مزید اندھیرے میں چھپ جاتے۔

وہ پوری تیاری سے آئے تھے۔ ان کا چھوٹے قد والا ساتھی مرکزی دروازے پر پوزیشن سنبھالے کھڑا تھا، جبکہ باقی تین عثمان صاحب کو ہاتھ باندھ کر اور پستول کے نشانے پر لیے ہوئے اندر آئے تھے۔ عثمان صاحب کے ہاتھ بندھے ہونے کے باوجود وہ تینوں بے حد ہوشیار و چوکنا تھے۔ انہوں نے عثمان صاحب کو لاؤنج کے یک نشستی صوفے پر بٹھایا اور ان کا ایک ساتھی...... جسے بعد میں وہ لمبُو کے نام سے یاد کرتے تھے...... مستقل ان کے سر پر پستول تان کر کھڑا ہو گیا۔ وہ ذرا سی بھی حرکت کرتے تو وہ اپنی پستول سے انہیں ٹہوکا دے کر خبردار کرتا۔ باقی دونوں آدمی ہر کمرے میں جا جا کر گھر کے مکینوں کو نکال رہے تھے اور لاؤنج میں اکٹھا کر رہے تھے۔

محض دو تین منٹ کے اندر وہ سب لاؤنج میں جمع ہو چکے تھے۔ ایک صوفے پر بینش، شہیر، بتول اور فائزہ بیگم بیٹھی تھیں۔ اس کے مقابل دوسرے بڑے صوفے پر بالترتیب نور، ہادیہ، جویریہ، صہیب اور اویس بیٹھے تھے، نور عثمان صاحب سے محض دو تین بالشت کے فاصلے پر بیٹھی تھی، مگر ان دونوں صوفوں کے درمیان لمبُو چوکس کھڑا تھا، جس کی وجہ سے چاہنے کے باوجود وہ اپنے ابّو سے کوئی بات کر سکتی تھی نہ ان کی کوئی مدد۔ جاوید صاحب شاید آج گھر آئے ہی نہ تھے، ورنہ باقی سب کے ساتھ وہ بھی یہاں موجود ہوتے۔

"کیش...... سونا...... موبائل فون...... جتنے بھی ہیں جلدی سے نکالو!"، ڈاکوؤں کا سردار اب عثمان صاحب سے مطالبہ کر رہا تھا۔

"...... تمہیں یہاں واردات بہت مہنگی پڑے گی"، عثمان صاحب جرأت سے بولے۔

"تم اس کی فکر نہ کرو...... جو کہا ہے جلدی کرو...... اور ہاں کوئی چالاکی دکھانے کی کوشش کی تو یاد رکھنا، تمہارے بچے سارے یہاں ہی بیٹھے ہیں، میں کسی کی کھوپڑی میں سوراخ کرنے میں دیر نہیں لگاؤں گا......!"، وہ پستول لہراتا ہوا بے رحمی سے بولا۔

"گھر میں چند ہزار روپے کے علاوہ کوئی کیش نہیں ہے...... وہ میں تمہیں لا دیتا ہوں۔ تم ڈاکہ ڈالنے تو آئے ہو، یہ بھول گئے کہ ساری دنیا اب پیسہ بینکوں میں رکھتی ہے۔"، عثمان صاحب متاثر ہوئے بغیر بولے۔

"بکواس بند کرو!...... تمہارا خیال ہے ہم یہاں پکنک منانے آئے ہیں۔ سب خبر ہے کہ تم نے کتنی تجوریاں بھر بھر کے رکھی ہوئی ہیں۔ اٹھو اور جو کچھ میں نے کہا ہے یہاں لا کر رکھو...... ورنہ نتائج کے ذمہ دار تم خود ہی ہو گے......"۔

"...... عثمان...... پلیز"، عثمان صاحب مزید کچھ کہنا چاہتے تھے مگر فائزہ بیگم کے ملتجی لہجے پر خاموش ہو گئے، وہ آنسوؤں سے بھری آنکھیں لیے ان کی طرف دیکھ رہی تھیں، "...... دے دیں ناں جو کچھ یہ کہتے ہیں...... جان اور عزت سے بڑھ کر تو کچھ نہیں ہے!......"۔

"جلدی کرو...... تمہاری بیوی تم سے زیادہ سمجھدار ہے......"، طنزیہ انداز میں کہتے ہوئے اس نے عثمان صاحب کو اٹھنے کا اشارہ کیا۔ عثمان صاحب کے ہاتھ ان کی پشت پر پلاسٹکی کورڈ سے بندھے ہوئے تھے۔ اس نے جیب سے تیز چاقو نکال کر وہ کورڈ کاٹا اور انہیں پستول دکھاتا ان کے کمرے کی جانب لے گیا۔

ذرا سی دیر میں وہ اپنے ساتھ لائے کالے تھیلے فائزہ بیگم اور بینش کے سونے، گھر میں موجود تمام نقد رقم اور کوئی سات آٹھ موبائل فونوں سے بھر چکے تھے۔ ان کا کام ختم ہو چکا تھا، وہ اب جانے کی تیاری میں تھے۔ ان کے گھر سے لوٹا ہوئے قیمتی سامان کے تھیلے سنبھالتے ہوئے ڈاکوؤں کے سردار نے اپنے دراز قد ساتھی کو عثمان صاحب کے ہاتھ باندھنے کا اشارہ کیا۔ ان کا وہ ساتھی نور کے صوفے کے ساتھ کھڑا تھا، اپنے لیڈر کا اشارہ پاتے ہی اس نے تیزی سے جیب میں سے پلاسٹکی کورڈ نکالنے کے لیے ہاتھ ڈالا اور عثمان صاحب کی جانب بڑھا۔ جلدی میں اس کی جیب سے کورڈز کی چھوٹی سی تھیلی نیچے گر گئی تھی۔ خوبیٔ قسمت سے وہ گری بھی عثمان صاحب کے پاؤں کے قریب...... دراز قد ڈاکو تھیلی اٹھانے کے لیے نیچے جھکا اور عثمان صاحب کو وہ موقع مل گیا جس کے وہ دیر سے متلاشی تھے۔ ان کا بھاری ہاتھ ڈاکو کی گردن پر پڑا، اور وہ "...... ہاااااہ!!' کی آواز نکالتے ہوئے نیچے گر گیا۔ پستول اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر کمرے کے درمیان رکھی میز کے پائے سے جالگا تھا۔ عثمان صاحب برق رفتاری سے آگے بڑھے اور پستول اٹھانے کے لیے جھکے۔ مگر ان کی دوسری جانب کھڑا ڈاکوؤں کا سردار ان سے زیادہ تیز نکلا۔ اس کا زوردار مکّا عثمان صاحب کے دائیں کندھے پر لگا تھا، اور وہ لڑکھڑا کر جویریہ کے پاؤوں کے پاس گر گئے تھے، باپ کو گرتا دیکھ کر جویریہ کے حلق سے بے ساختہ چیخ نکل گئی تھی۔ اس اچانک ہیڑ دیڑ نے سب کو بوکھلا کر رکھ دیا تھا۔

"...... جلدی کرو!!...... نکلو یہاں سے......!!'، ڈاکوؤں کا سردار چیخ رہا تھا۔ فائزہ بیگم بے تابانہ شوہر کو آوازیں دے رہی تھیں، کمرے میں کس کس کی چیخیں گونج رہی تھیں، یہ اندازہ کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ اسی بوکھلاہٹ میں لمبے قد والا ڈاکو بھی اٹھ کر کھڑا ہوا، عثمان صاحب چار زانو ہو کر پستول کی تلاش میں ہاتھ مار رہے تھے۔ ایک بار پستول ان کے ہاتھ میں آجاتا، پھر وہ دیکھتے کہ ان ڈاکوؤں میں سے کس کی جرأت تھی یہاں ڈاکہ ڈالنے کی۔ (باقی صفحہ نمبر 130 پر)




# سوشل میڈیا کی دنیا سے......

یہاں درج فاضل لکھاریوں کے تمام افکار سے ادارہ 'نوائے غزوۂ ہند' کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

جمع و ترتیب: ہشام سالِم

## اسلامی مورچوں کے سپاہیوں کے نام| شیخ حامد کمال الدین نے لکھا

دین دشمنوں کے خلاف کسی بھی نوع کا مورچہ سنبھال رکھنے والوں کے نام (ایک) عربی شعر:

سَنَظَلُّ فِي جَبَلِ الرُماةِ فَخَلْفَنا
صَوتُ النبيّ يَهُزُّنَا: لَا تبْرحوا

"ہم جبل الرماۃ (تیر اندازوں والی پہاڑی) پر ڈٹے رہیں گے کہ پیچھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز ہمیں جھنجھوڑ رہی ہے: خبردار جگہ مت چھوڑنا!"

## موٹی ویشنل سپیکرز کا منجن خراب| عابی مکھنوی نے لکھا

جیف بیزوس اور بل گیٹس سے ایک مشترکہ انٹرویو میں میزبان نے سوال کیا کہ "آپ اتنی زیادہ دولت کمانے میں کیسے کامیاب ہو گئے؟"

دونوں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور دونوں ہی کے لبوں پر یہ پنجابی شعر مچلنے لگا۔

تُوں کی جانڑے یار فقیرا
بوہٹی بندہ کھا جاندی اے

میزبان پنجابی نہیں جانتا تھا۔ میزبان نے شعر کا اردو ترجمہ پوچھا تو جیف بیزوس نے بل گیٹس سے کہا کہ تم بتاؤ، بل گیٹس نے جیف سے کہا کہ "تُوں دس"۔

بالآخر جیف کی ضد پر بل گیٹس نے بتایا کہ "ہم اصل میں اتنی زیادہ محنت کر کے طلاق کے لیے پیسے اکٹھے کر رہے تھے"۔

افسوسناک خبر یہ ہے کہ پاکستانی موٹی ویشنل سپیکر بیچارے اپنے منجن کے لیے دو عظیم ترین مثالوں سے محروم ہو چکے ہیں۔

## پاک فوج زندہ باد!| راجہ کبیر نے لکھا

دریا فاطمہ جناح نے ویچ دیے

پلٹن میدان سے دڑکی بھٹو نے لگائی

کارگل، سیاچن، انگور اڈا نواز شریف نے سودے بازی کی

ستّر ہزار پاکستانی حاصل بزنجو نے مروائے

ریڈار کی تاریں جاوید لطیف نے کاٹ دیں

کشمیر کا سودا، امن معاہدہ رانا ثناء اللہ نے کیا

یورپی پابندیاں فائز عیسیٰ کی وجہ سے مسلط ہوئیں......

پاک فوج زندہ باد!

## مغرب سے خان صاحب کی معرفت| طارق حبیب نے لکھا

خان صاحب رمضان بازار کے دورے کے دوران سموسہ چکھنے لگے تو دکاندار نے کہا خان صاحب مغرب کا انتظار کر لیں۔

خان صاحب نے کہا چٹنی ڈال ماما......

"مغرب کو مجھ سے زیادہ کون جانتا ہے"

## قانون کی حکم رانی| سیّد شاہد ہاشمی نے لکھا

"قانون کی حکم رانی"۔ اِسے ایک عقیدہ بنا دیا گیا ہے۔

ہر سماجی و اجتماعی مرض کی دوا...... "قانون کی حکم رانی" بتائی جاتی ہے۔

مگر جس "قانون" کی حکم رانی کا جاپ اَلاپا جاتا ہے...... وہ خود کیا ہے؟

کہاں سے آتا ہے؟

کون بناتا ہے؟

یہ بُوٹا، کس تصورِ انسان و جہان/ Worldview کے شجر سے پھوٹتا ہے؟

بعض کام، قانون کی نظر میں "جرم" ہیں۔ لیکن شریعت میں "گناہ" نہیں۔ مثلاً:

پہلی بیوی کی موجودگی میں، دوسری شادی، بیشتر ملکوں میں جُرم ہے۔

شریعت اِس کی اجازت دیتی ہے۔

کچھ کام، دین میں "گناہ" ہیں۔ مگر اکثر ملکوں میں "جرم" نہیں۔ مثلاً:

نکاح کے بغیر، جنسی تعلق یا ایک ہی صِنف کی باہمی شادی۔

کیا قانوناً "جُرم" اور شرعاً "گناہ" ایک ہی بات ہے؟

ہر گز نہیں!

(ذرا سوچیے)

## فخر | سمو رضوی نے لکھا

میراثی کو چوری کے جرم میں منہ کالا کر کے گدھے پر بٹھا کر گھمایا گیا۔ جب چکر پورے ہوئے تو میراثی گھر آکر بیوی سے فخریا بولا:

"لوگوں نے بڑی کوشش کی کہ میں گدھے سے گر جاؤں لیکن اللہ نے عزت رکھ لی۔"

("مجھے ڈھائی سال کی کارگردگی پہ فخر ہے"۔ عمران خان)

## شپ شپا | عمران شاہین نے لکھا

پرانے وقتوں میں چودھری نے کسی دوسرے گاؤں میں جانا ہوتا تھا تو وہ پہلے اپنے گاؤں کے میراثی یا مسلی کو اس گاؤں میں بھیج دیتا جو چودھری کا شَپ شَپا بنانے کے لیے گراؤنڈ تیار کرتے، خیر اب تو زمانہ ہی بدل گیا......

(وزیرِ اعظم سعودی عرب کے دورے پر روانہ)[1]

## بد دعا | محمد سعد ارسلان نے لکھا

یہ جو کہا جا رہا ہے کہ اسرائیل کے مسجد اقصیٰ اور غزہ پر حملہ کے جواب میں پچاس سے زائد اسلامی ممالک نے اکٹھے ہو کر اسرائیل کو بد دعا دینے کا فیصلہ کر لیا ہے، یہ خبر غلط نکلی ہے، اسلامی ممالک نے ابھی ایسا کوئی فیصلہ نہیں کیا۔

## طالبان کی فتح اور ہمارا کردار | احمد عمیر نے لکھا

طالبان کی فتح نے ISI کی طلسماتی داستانوں کے راز فاش کر دیے جس سے مسلمانوں کے اذہان کو رام کیا جاتا تھا کہ یہ فتح ہماری مرہونِ منت ہے۔ جبکہ حکومتی اسلام دشمنی کا یہ حال ہے کہ دارالحکومت اسلام آباد میں امریکی ایجنٹ احمد شاہ مسعود کے نام سے سڑک منسوب کی جا رہی ہے۔

## طالبان کی فتح کا جشن اور ہم | فیض اللہ خان نے لکھا

اٹھارہ / بیس سال پہلے ہم اس بات کا کریڈٹ لے رہے تھے کہ ہم نے بڑے بڑے طالبان رہنما پکڑ کر امریکہ کے حوالے کیے، دنیا کی بقا کی جنگ لڑی، جنرل مشرف ملا عمر اور ہنڈا بائیک سے متعلق جگتیں لگا رہا تھا۔

آج ہم طالبان کی فتح کا جشن یوں منا رہے ہیں جیسا کہ یہ جنگ ہم نے جا کر لڑی ہو۔

## بڑے فیصلے | حامد حسین نے لکھا

او آئی سی اجلاس میں بڑے فیصلے!

فلسطینیوں کے حق میں گانا اور ڈرامہ بنانے کا فیصلہ۔

گانا بنانے کی ذمہ داری پاکستان کے سپرد۔

فلسطینیوں کے حق میں ڈرامہ ترکی میں بنایا جائے گا۔

معروف اداکار طیب اردگان بھی ڈرامے میں اداکاری کے جوہر دکھائیں گے، ذرائع۔

## تبدیلی | محمد اسلم نے لکھا

منصوبے لگا کر ان میں رشوت تو کوئی بھی پکڑ سکتا ہے۔ کمال تو یہ ہے کہ ٹکے کا کام نہ ہوا ہو بلکہ جو پہلے سے چل رہا ہو اسے بھی بند کر دو اور پھر بھی کھربوں کے سکینڈل نکل آئیں تو اس کو تبدیلی کہتے ہیں۔

## پاکستان نازک صورتحال سے گزر رہا ہے | شاہد خاقان عباسی نے لکھا

یہ بھی کوئی خبر ہے کہ میو ہسپتال میں سکیورٹی گارڈ نے سرجری کر دی، مریضہ نازک حالت میں۔ اس مملکت خداداد میں سکیورٹی گارڈ سات دہائیوں سے سرجری میں مصروف ہیں، اور پاکستان نازک صورتحال سے گزر رہا ہے۔

## نمبرون، آرمی چیف اور نائی | عبداللہ خان نے لکھا

پچھلے دنوں نمبرون کے چیف آف آرمی سٹاف نے ہیر کٹنگ کی غرض سے ایک نائی بلوایا......

نائی بال کاٹنے کے دوران بار بار آرمی چیف سے افغانستان کے حالات پوچھتا۔ آرمی چیف صاحب ہر بار یہ کہہ کر بات ٹالتے کہ ہاں ٹھیک ہیں حالات...... لیکن تھوڑی دیر بعد نائی پھر یہی سوال پوچھتا۔

[1] وزیرِ اعظم کی روانگی کا آرمی چیف کے دورے سے کوئی تعلق سمجھنا قاری کی غلطی تصور کی جاسکتی ہے۔ (مرتّب)

آخر کار آرمی چیف صاحب کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور سیکورٹی پر موجود افراد کو حکم صادر کیا گیا کہ پکڑ لو اس بد بخت کو، نائی کو پکڑ کر پہلے زدو کوب کیا گیا اور پھر چیف صاحب نے غصے سے پوچھا کہ آخر کیوں مجھ سے بار بار افغانستان کا پوچھتے ہو؟

نائی نے جواب دیا، چیف صاحب جب میں آپ سے افغانستان کا پوچھتا تھا تو آپ کے بال کھڑے ہو جاتے تھے پھر میں بآسانی بال کاٹتا۔ تھوڑی دیر بعد جب آپ نارمل ہو جاتے اور بال بیٹھ جاتے تو میں پھر پوچھتا کہ بال کھڑے ہو جائیں اور میں سہولت سے کاٹ سکوں......

## بڑے بے آبرو ہو کر ترے کوچے سے ہم نکلے | احمد علی نے لکھا

امریکہ نے افغانستان میں اپنا سب سے بڑا فوجی اڈا بگرام ایئر بیس خالی کر دیا ہے۔ یہ فوجی اڈا جدید فوجی قلعہ تھا جس کے اندر پورا شہر آباد تھا۔

لیکن اللہ اکبر! بیشک خدا ہونے کا یہ دعویٰ بھی جھوٹا نکلا۔ سوچ رہا ہوں ان دانشوروں کا کیا بنے گا جو امریکہ کی سو سالہ پلاننگ میں حصہ دار تھے۔

اس سارے قضیے میں طالبان نے عظیم جنگجویانہ کردار ادا کیا ہے۔ شکر ہے ان میں کوئی سر سید نہیں تھا ورنہ سارے طالب سٹوڈنٹس بن کر انگریزی سیکھ رہے ہوتے اور نوکری کر رہے ہوتے۔ بے شک قوموں کی زندگی میں محکومی یا آزادی کے فیصلے غیرت کی بنیاد پر ہوتے ہیں، بھلے اس کی بھاری قیمت چکانی پڑے۔ لیکن اس سارے عمل میں حقیقی لیڈرشپ سب سے اہم کردار ادا کرتی ہے......اور ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ہم ابھی تک ٹوپی ڈراموں کو بھگت رہے ہیں۔

## #Merit | احمد عمیر نے لکھا

”خاتونِ اول“ کے ”شوہرِ دوئم“ نے اپنی ”زوجۂ سوئم“ کے ”شوہرِ اول“ کو ہدیتاً، عقیدۃً و نذرانۃً ”ڈائریکٹر حج“ تعینات کر دیا۔

#Merit

## یتیمی | ابو بکر قدوسی نے لکھا

آج مہاراجہ رنجیت سنگھ کی برسی ہے......میں اپنے غم زدہ لبرل دوستوں کو تسلی دیتا ہوں......

یتیمی گو بہت بڑی ہے جس کا مداوا نہیں لیکن اہل محلہ کا فرض ہے کہ یتیم کے سر پر ہاتھ ضرور رکھیں......

ضبط لازم ہے مگر دکھ ہے قیامت کا فراز
ظالم اب کے بھی نہ روئے گا تو مر جائے گا

## سیاست | خالد محمود نے لکھا

تمام سیاستدانوں کو سیاست عمران خان سے سیکھنی چاہیے۔ خواتین کے مختصر لباس پر لفظی توپ چلا کر داد بھی سمیٹ لی اور مشرقی روایت کا علمبردار ہونا بھی منوا لیا اور سینٹ میں بل پاس کر کے مشرقی خاندانی نظام پر ڈرون اٹیک کر کے اس کی عملی تباہی کا مکمل بندوبست بھی کر دیا۔

#پھر_کہتے_ہیں_خان_کو_سیاست_نہیں_آتی

## الیکشن، نادرا اور فوج | منیر احمد خلیلی نے لکھا

الیکشن کمیشن کے انتخابات کرانے کے اختیارات نادرا کو منتقل ہو جائیں اور نادرا کے اہم عہدوں پر ریٹائرڈ فوجی مقرر ہوں، پھر بھی ”ہمارا سیاست سے کوئی تعلق نہیں“

اس ملک کو اپنی مفتوحہ کالونی نہ بناؤ۔ وہ ادارہ جو بطور امانت تمہارے چمکیلے فیتوں کے تحت ہے اس پر رحم کرو۔

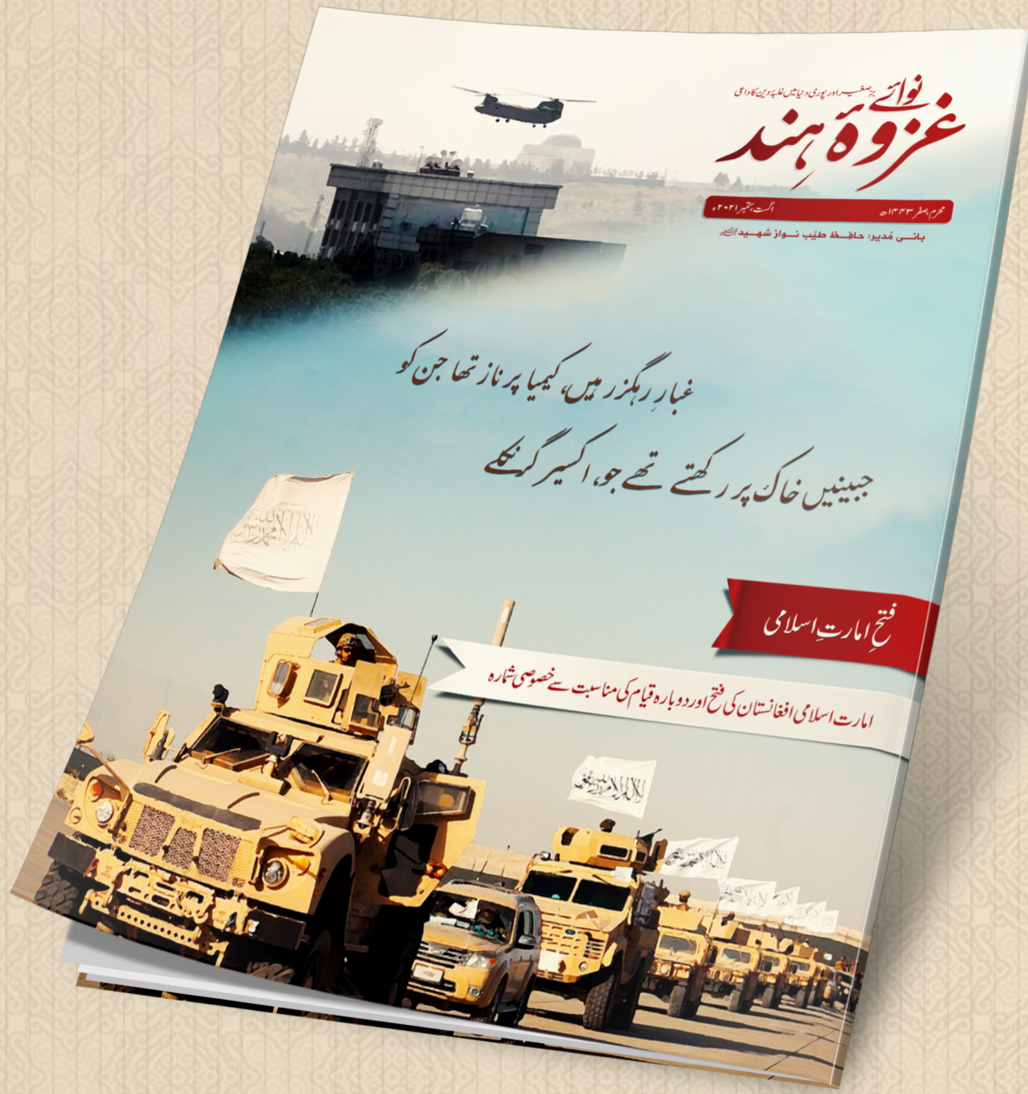


## جہاد فرضِ عین ہے!

”میری ناقص رائے میں کوئی بھی نیک عمل ترکِ جہاد کے وبال سے معافی دلانے کا ذریعہ نہیں بن سکتا۔ چاہے آپ دعوت و تبلیغ کے کام میں مصروف ہوں یا تالیف و تصنیف کے کام میں مصروف ہوں یا دینی تعلیم و تربیت کے کام میں۔ ان میں سے کوئی عمل بھی جہاد ترک کرنے کا باعث نہیں ہو سکتا۔ میری ناقص رائے میں آج کرہ ارض پر موجود ہر مسلمان کے گلے میں ترکِ جہاد کے وبال کا طوق ہے۔ یعنی قتال فی سبیل اللہ کی عبادت نہ کرنے کا گناہ اور بندوق نہ اٹھانے کا بوجھ اس کی گردن پر ہے، اِلا یہ کہ وہ میدانِ جہاد کا رخ کر لے۔ ہر وہ شخص جو بغیر کسی شرعی عذر کے اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے اس حال میں جا کر ملا کہ اس نے کبھی ہاتھ میں بندوق نہ اٹھائی ہو تو وہ گناہ کا بوجھ اپنی گردن پر لادے اللہ کے حضور پیش ہو گا؛ کیونکہ وہ قتال کی عبادت ترک کیے بیٹھا ہے اور آج قتال دنیا کے ہر مسلمان پر فرض عین ہے“

(مجددِ جہاد شیخ عبد اللہ عزام شہید رحمۃ اللہ علیہ)

(بحوالہ: ’الشہید عبد اللہ عزام بین المیلاد والاستشهاد ص: 18‘)




## امارت اسلامی افغانستان کی فتح اور دوبارہ قیام کی مناسبت سے

## مجلّہ 'نوائے غزوۂ ہند' کا خصوصی شمارہ

# فتحِ امارتِ اسلامی

## اگست، ستمبر ۲۰۲۱ء

# ان شاء اللہ جلد

# مِرے مولیٰ دے دے!

حضرت مولانا سیّد سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ

صدقِ احساس کی دولت مِرے مولیٰ دے دے — غمِ امروز بھلا دے، غمِ فردا دے دے

دُھن کچھ ایسی ہو فراموش ہو اپنی ہستی — دلِ دیوانہ و سودائی و شیدا دے دے

اپنے مئے خانے سے اور دستِ کرم سے اپنے — دونوں ہاتھوں میں مرے ساغر و مینا دے دے

کھول دے میرے لیے علمِ حقیقت کے در — دلِ دانا، دلِ بینا، دلِ شنوا دے دے

قول میں رنگِ عمل بھر کے بنا دے رنگیں — لبِ خاموش بنا کر، دلِ گویا دے دے

دلِ بے تاب ملے، دیدۂ پُر آب ملے — تپِ آتش مجھے دے دے، نمِ دریا دے دے

دردِ دِل سینے میں رہ رہ کر ٹھہر جاتا ہے — جو نہ ٹھیرے مجھے وہ درد خدایا دے دے



# کامیاب سوداگروںؓ کی مانند ہو جاؤ!



”جب ان کے سامنے ﴿ فَاعْفُوْا ﴾ ”معاف کردو“ ﴿ وَاصْفَحُوْا ﴾ ”چھوڑدو“ ﴿ كُفُّوْا اَيْدِيَكُمْ ﴾ ”اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو“ جیسے احکام تھے تو ان سے بڑھ کر کوئی حلیم نہ تھا۔ لیکن جب جبریلِ امینؑ آسمانوں پر سے ﴿ وَاغْلُظْ ﴾ ”سخت ہو جاؤ“ ﴿ خُذُوْهُمْ ﴾ ”انہیں پکڑو“ ﴿ وَاحْصُرُوْهُمْ ﴾ ”انہیں گھیرو“ ﴿ قَاتِلُوْا ﴾ ”جنگ کرو“ ﴿ اُقْتُلُوْا ﴾ ”قتل کرو“ ﴿ فَاضْرِبُوْا ﴾ ”مارو“ ﴿ ضَرْبَ الرِّقَابِ ﴾ ”گردنیں اڑاؤ“ اور ﴿ شُدُّوا الْوَثَاقَ ﴾ ”مضبوطی سے باندھو“___ جیسی روشن آیات لائے تو ان کی مثل میدانوں کے شیر بھی کسی نے نہ دیکھے تھے۔ متاع الغرور ”دھوکے کے سامان“ کی قیمت کا تعین تو وہ پہلے سے کر چکے تھے لیکن اب ﴿ ......تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴾ کا مرحلہ تھا۔ دردناک عذاب سے بچانے والی اس تجارت کی خاطر انہوں نے باغات بیچے، جاگیریں وقف کیں___ اپنی عالی شان سواریوں کو سجایا اور بچایا نہیں، بلکہ انہیں اللہ کی راہ میں چلاتے اور تھکاتے رہے۔ پھر جونہی موقع ملا بہترین دام طے کرتے ہوئے ان کا سودا کیا، خود اپنی جان کے بھی مول لگائے اور پھر بغیر کسی خیانت و بخل اور تذبذب کے پوری پوری ادائیگی کرتے ہوئے اپنا عوض وصول کرنے ہیرے موتی کے خیموں، سونے چاندی کے محلات، مشک و زعفران کی زمینوں اور دودھ و شہد کی نہروں کی دنیا میں چلے گئے۔ کیا خوب تھا وہ سودا جو انہوںؓ نے اپنے ربّ سے کیا! بے شک تاریخ کے ہر دور میں ذہین لوگوں نے ایسے ہی نقد سودے کیے ہیں۔ یہ سوداگر دیکھنے میں تو سادہ مزاج نظر آتے ہیں لیکن دراصل یہ ذہانت کی معراج پر ہوتے ہیں۔ تورات وانجیل اور قرآن کی گواہیاں ان کے، اور قیامت تک آنے والے جنت کے ان خریداروں کے میثاقِ تجارت پر ثبت ہیں:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ○ ﴾ (سورۃ التوبۃ: ۱۱۱)

”بے شک اللہ نے مومنین سے ان کی جانیں اور اموال جنت کے بدلے خرید لیے ہیں۔ وہ اللہ کے راستے میں قتال کرتے ہیں، پس قتل کرتے ہیں اور قتل ہوتے بھی ہیں۔ ان سے (جنت کا وعدہ) اللہ کے ذمے ایک پختہ وعدہ ہے تورات وانجیل اور قرآن میں۔ اور کون ہے جو اللہ سے بڑھ کر اپنے عہد کو پورا کرنے والا ہو؟ پس خوشیاں مناؤ اپنے اس سودے پر جو تم نے اللہ سے چکا لیا ہے، اور یہی بڑی کامیابی ہے۔“

“

الشیخ المجاہد **احسن عزیز شہید** رحمۃ اللہ علیہ

